خدا بخش لائبریری

جرنل

پٹنہ

۵۶

1990ء
اردو

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

خدا بخش لائبریری

سہ ماہی

جرنل

پٹنہ

۵۶

Khuda Bakhsh Library
Acc. No. 66061
Date 8.1.90

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

خدابخش لائبریری

جرنل

پٹنہ

رجسٹریشن نمبر : ۳۴۴۲۴/۷۷
شمارہ : ۵۶
قیمت : پچیس روپے

۱۹۹۰ء

قیمت فی شمارہ : پچیس روپے
سالانہ : ۱۰۰ روپے (ہند)
۲۰ ڈالر ایشیا، ۳۰ ڈالر دیگر ممالک

فہرست

مصطفےٰ کمال ہاشمی نے لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دہلی میں چھپوا کر خدابخش لائبریری سے شائع کیا

ایک نادر روزنامچہ

اٹھارہ سو سَتّھ سے انیس سو گیارہ تک

مصنفہ

مولوی سید مظہر علی سندیلوی

(؟ - ۱۹۱۱ء)

مرتبہ

ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی



مولوی سیّد مظہر علی سندیلوی (م-۱۹۱۱ء)

مصنف "روزنامچہ"

فہرست

نورالحسن ہاشمی ——— (سوانحی خاکہ)

• نام: سید نورالحسن ہاشمی ولد سید مجتبیٰ علی • وطن: سندیلہ ضلع ہردوئی (یوپی)

• ساکن: محلہ قطب پور، ڈالی گنج، لکھنؤ ۲۰ • تاریخ ولادت: یکم جولائی ۱۹۱۳ء (مطابق ہائی اسکول سارٹیفکٹ)

• تعلیمی استعداد: ایم اے (انگریزی) لکھنؤ یونیورسٹی ۱۹۳۵ء - ایم۔ اے (اردو) علیگڑھ یونیورسٹی ۱۹۳۹ء - ایم۔ اے (فارسی) لکھنؤ یونیورسٹی ۱۹۵۰ء - پی۔ ایچ۔ ڈی۔ (اردو) علی گڑھ یونیورسٹی • موضوع: دلی کا دبستان شاعری۔ ڈی لٹ (اردو) لکھنؤ یونیورسٹی • موضوع: تدوین۔ کلیات ولی۔

• معلمی کا تجربہ: لیکچرر بہ حیثیت ریسرچ اسکالر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ ۴۳-۱۹۴۰ء / لیکچرر شعبہ اردو، دلی کالج ۴۵-۱۹۴۴ء / لیکچرر، ریڈر، پروفیسر و صدر شعبہ اردو فارسی، لکھنؤ یونیورسٹی ۱۹۷۴-۱۹۴۵ء۔ آپ کی نگرانی میں دس پی ایچ۔ ڈی کے طلباء نے اردو میں ڈگریاں حاصل کیں اور دو نے فارسی میں۔ اسی طرح دو نے ڈی لٹ کی ڈگری فارسی میں اور چار نے اردو میں حاصل کیں۔

• مطبوعات: • دلی کا دبستان شاعری۔ ۵ اڈیشن • تدوین کلیات ولی۔ ۴ اڈیشن • تدوین: نوطرز مرصع۔ دو اڈیشن • تلخیص و تدوین روزنامچہ مولوی سید مظہر علی سندیلوی بعنوان: ایک نادر روزنامچہ • تدوین کلیات حسرت دہلوی ثم لکھنوی • تدوین: بکٹ کہانی (بہ شرکت ڈاکٹر مسعود حسین خاں) ۴ اڈیشن • تدوین مثنوی طوطی نامہ از حسرت دہلوی • تدوین مثنوی سراپا سوز از محمد صادق خاں اختر • ادب کیا ہے؟ (تنقیدی مضامین) ۴ اڈیشن • ادب کا مقصد (تنقیدی مضامین)، (۴ اڈیشن)، • ناول کیا ہے؟ ۶ اڈیشن بہ شرکت ڈاکٹر محمد احسن فاروقی • ترجمہ کینڈڈا از جارج برناڈ شاہ • سیاسی نظریے (ترجمہ) دو اڈیشن • مزیدار قاعدہ (منظوم۔ بچوں کے لیے) • ریختہ دلی (انتخاب) ۶ اڈیشن • تذکرہ مشاہیر سندیلہ • انتخاب سب رس • اندر دہم (منظومات) • ساز اودھی میں نغمۂ غالب (منظوم اودھی میں غالب کے یک صد اشعار کا ترجمہ) • ولی (انگریزی) مطبوعہ ساہتیہ اکادمی • ولی (اردو) مطبوعہ ساہتیہ اکادمی نئی دہلی • مرتب: لکھنؤ اور جنگ آزادی • مرتب: فسانۂ عجائب کی پہلی تقلید مصنفہ ۱۸۴۲ء۔

• دیگر: • ایڈیٹر رسالہ جامعہ (جامعہ ملیہ نئی دہلی) ۴۳-۱۹۳۶ء • سکریٹری اردو اکادمی جامعہ ملیہ، نئی دہلی۔ ۴۰-۱۹۳۹ء • ایڈیٹر رسالہ فروغ اردو، لکھنؤ۔ ۶۸-۱۹۵۴ء • ممبر یوپی سرکار ہائی پاور کمیٹی (کتابوں پر انعامات دینے کے لیے نیز مستحق اور نادار اردو ادیبوں کو وظائف دینے کے لیے)۔ ۷۲-۱۹۶۲ء • ممبر جنرل کونسل انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی۔ ۸۱-۱۹۷۶ء • ممبر مجلس انتظامیہ، رضا لائبریری، رام پور۔ ۸۰-۱۹۷۵ء • ممبر کونسل و مجلس عاملہ، یوپی اردو اکادمی لکھنؤ، ۷۵-۱۹۷۲ء • وائس پریسیڈنٹ، یوپی اردو اکادمی لکھنؤ۔ ۷۷-۱۹۷۵ء • پریسیڈنٹ اردو اکادمی لکھنؤ۔ ۷۹-۱۹۷۷ء • فی الحال اردو اکادمی لکھنؤ اور فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کی مجلس عاملہ و کونسل کے ممبر ہیں۔

• انعامات: • فارسی میں سند اعزاز از طرف صدر جمہوریہ ہند • غالب ایوارڈ از طرف غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی • سند امتیاز میر از طرف میر اکادمی، لکھنؤ۔

مقدمہ

اردو میں روزنامچے بہت کم لکھے گئے ہیں۔ اب تک جتنے دستیاب ہوئے ہیں یا جن کے نام معلوم ہوئے ہیں ان میں مولوی سید مظہر علی سندیلوی کا روزنامچہ جو قلمی صورت میں موجود ہے اولیت رکھتا ہے۔ یہ ۱۲ جنوری ۱۸۶۷ء سے ۲۴ دسمبر ۱۹۱۱ء تک (مولوی صاحب کے یوم وفات) یعنی تقریباً پینتالیس سال تک بلاناغہ لکھا گیا۔ قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی (یوپی) کا ایک بہت پرانا قصبہ ہے جو لکھنؤ سے تقریباً اکتیس میل (۵۴ کلومیٹر) کے فاصلہ پر ہردوئی و مراد آباد جانے والی ریلوے لائن پر واقع ہے۔

روزنامچہ دراصل مولوی صاحب نے ۱۸۶۷ء میں پہلے فارسی میں لکھنا شروع کیا تھا لیکن ۱۸۸۷ء میں انھوں نے محسوس کیا کہ فارسی کی وقعت اب کم ہوتی جاتی ہے اس لیے اس وقت تک جو کچھ لکھا تھا اس کا اردو میں ترجمہ کر ڈالا اور اس کے بعد برابر اردو میں لکھتے رہے۔ روزنامچہ عموماً رات کو جب سب کاموں سے فراغت ہو جاتی تب لکھا کرتے تھے۔ ایک ہفتہ یا دس دن بعد ایک خوش نویس سید محمد ذکی (ساکن محلہ درگاہ سندیلہ) سے صاف کروا لیا کرتے تھے کیوں کہ مولوی صاحب کا خود اپنا خط بہت شکستہ تھا۔ تمام روزنامچہ اٹھارہ فل اسکیپ سائز کی جلدوں پر مشتمل ہے۔ مسطر سولہ سطری ہے۔ تمام جلدوں کی مجموعی تعداد سات ہزار آٹھ سو صفحات کے قریب ہے۔ تمام روزنامچہ میں التزام سن عیسوی، ہجری، فصلی، ور دنوں کا رکھا گیا ہے۔ حاشیہ پر الفاظ ولادت، وفات، شادی، عقیقہ وغیرہ مختلف رنگوں سے لکھے ہوئے ہیں تا کہ اس قسم کی یادداشت ڈھونڈنے میں آسانی ہو۔

روزنامچہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سندیلہ میں اس وقت دو راجہ اور تین تعلقہ دار رہتے تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے چھوٹے بڑے زمیندار تھے اور جن میں آپس کی پھوٹ کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوا کرتی تھیں۔ مولوی مظہر علی ان میں سے ایک تعلقہ دار سید فضل حسین کے سگے خالہ زاد بھائی تھے اور انھیں کے پڑوس میں ایک مختصر کے مکان میں بدقت تمام اپنی گزر کیا کرتے تھے۔ ۱۰ ستمبر ۱۸۳۹ء کو پیدا ہوئے تھے۔ قصبہ میں ان کا خاندان مولویوں کا کہلاتا تھا اس لیے کہ ان کے خاندان میں فارسی کی معلمی کا پیشہ عرصے سے چلا آ رہا تھا۔ خود ان کے والد مولوی سید مظہر علی

صاحب (م۔۱۸۶۸ء) مدرسہ ریاست جودھپور میں صدر معلم تھے۔ لیکن تنخواہ قلیل تھی اور وہ بھی کئی کئی مہینے کے بعد ملا کرتی تھی اس لیے عسرت سے بسر ہوتی تھی لیکن مظہر علی کی قسمت یاور تھی۔ ان کے خالہ زاد بھائی سید فضل حسین کو ان کے باپ سید فضل رسول نے جو اس وقت تعلقہ دار تھے۔ سیتاپور انگریزی پڑھنے کے لیے بھیجا اور اپنے بیٹے کی تنہائی کے خیال سے مولوی مظہر علی کو بھی ساتھ کر دیا اور ان کا نام بھی اسی اسکول میں لکھوا دیا گیا۔ اس زمانے میں کمشنری سیتاپور ہی میں تھی (اب لکھنؤ میں ہے) اس لیے اودھ کے تمام تعلقہ داروں اور راجاؤں کے لڑکے وہیں پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ لیکن راجاؤں اور تعلقہ داروں کے لڑکے پڑھتے ہی کب ہیں اس لیے مولوی صاحب ان سب لڑکوں میں اوّل رہتے تھے۔ لیکن مڈل پاس کرنے کی نوبت ہنوز نہیں آئی تھی کہ فضل حسین کو ان کے باپ نے واپس بلا لیا اور انہی کے ساتھ ان کو بھی واپس آنا پڑا۔ سندیلہ آکر یہاں کے مقامی اردو اسکول میں سکنڈ ماسٹر ہو گئے (۱۸۶۵ء) چار سال معلمی کے بعد ان کو محکمہ ریلوے میں بہ عہدہ خزانچی ایک سو پچھتر روپے ماہوار مشاہرہ پر ملازمت مل گئی۔ اسی زمانہ میں ان کو حصول ریاست کا شوق پیدا ہو گیا اور معاملات رہن و بیع کرنا شروع کیے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جب ان کے ضلع میں ریلوے لائن پڑ گئی تو انھوں نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنی مکسوبہ زمینداری پر بسر اوقات کرنا شروع کی۔ لیکن اسی عرصہ میں فضل حسین اپنے والد سید فضل رسول کے مرنے کے بعد تعلقہ دار ہو گئے تھے (۱۸۷۹ء)۔ انھوں نے مظہر علی کو اپنا نائب سو روپے ماہوار پر مقرر کر لیا۔ اسی کے ساتھ چونکہ مولوی صاحب نے امتحان وکالت الٰہ آباد سے پاس کر لیا تھا اس لیے آنریری مجسٹریٹی پہلے درجہ سوم پھر درجہ دوم کی بھی مل گئی۔ ۱۸۸۴ء میں سندیلہ میں میونسپلٹی قائم ہوئی اس کے آنریری سکریٹری بھی مقرر ہو گئے۔ اس کے بعد کا زمانہ مولوی صاحب کے عروج کا زمانہ رہا۔ چنانچہ اپنے پرانے گھر کے قریب ایک بڑی کوٹھی اپنی رہائش کے لیے تعمیر کرائی۔ اپنے چار بیٹوں میں سے دو کو بیرسٹر کروا دیا۔ بہت سے باغات لگوائے اور بہت سی دوکانیں بھی تعمیر کروائیں۔ بعد میں سید فضل حسین کے انتقال (۱۹۰۱ء) کے کچھ عرصہ بعد ان کے تعلقہ کی منیجری سے بھی مستعفی ہو گئے تھے۔ اپنی جائداد کی آمدنی کافی تھی اس لیے آخر عمر تک با فراغت زندگی بسر کی۔

مولوی صاحب کا یہ روزنامچہ کسی ادیب کا روزنامچہ نہیں ہے بلکہ ایک نہایت مصروف آدمی کی ڈائری ہے۔ جو بہ یک وقت میونسپل سکریٹری بھی تھا، بینچ مجسٹریٹ بھی، ایک تعلقہ کا منیجر بھی اور زمیندار پیشہ بھی۔ چونکہ مولوی صاحب کی عربی، فارسی و انگریزی میں لیاقت اچھی خاصی تھی اس لیے کہیں کہیں ان کی تحریر میں ادبیت آجاتی ہے ورنہ روزنامچہ عموماً صاف اور واضح زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس روزنامچے کی اہمیت اس لیے

ہے کہ ہندوستان اور ہندوستان کے باہر کی دنیا کا کوئی ایسا اہم واقعہ نہیں ہے جو ان کے زمانہ میں ہوا ہو اور اس میں مندرج نہ ہو۔ مولوی صاحب نے ۱۸۹۴ء میں اپنی ایک ضخیم سوانح عمری بھی شائع کرائی تھی جس میں خصوصیت سے غدر کا حال اور اپنے اس سفر کا حال بہت دلچسپ لکھا تھا جو انھوں نے گیارہ سال کی عمر میں جودھپور کا اپنے خالو کے ہمراہ کیا تھا۔ اس سوانح عمری کی ایک دوسری جلد ۱۹۰۴ء میں تیار کرلی تھی لیکن اس کے چھپنے کی نوبت نہ آسکی۔ اب اس روزنامچے کا دیباچہ ملاحظہ ہو۔ بعد بسم اللہ لکھتے ہیں:

"بعد حمد خدا و نعت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم احقر العباد سید مظہر علی ابن سید مظفر علی صاحب مرحوم ساکن سندیلہ محلہ اشراف مولد عرض کرتا ہے کہ اس ہیچ میرز کو عرصہ سے اس امر کا خیال ملحوظ خاطر تھا کہ ایک روزنامچہ بقید تواریخ مروجہ زمانہ حال لکھنا شروع کروں اور اس میں کل حالات صحیحہ بالمرہ لکھتا رہوں اور ایسا اہتمام کروں کہ کسی حالت میں اس کو ناغہ نہ کرسکوں تاکہ عامہ خلائق کو بوقت ضرورت اس سے فائدہ و نفع پہنچے چنانچہ کئی سال کے خیال و فکر کے بعد میں نے اس کام اہم کو اپنے ذمہ ہمت پر قبول کیا اور ۲۱ جنوری ۱۸۶۷ء سے اس کتاب روزنامچہ کا زبان فارسی میں آغاز ہوا۔ اس میں حالات جدیدہ صحیحہ عام اس سے کہ اس کا تعلق کسی شہر و قصبہ و دہ و ملک سے ہو بالمرہ درج ہوتے رہے اور ایسا التزام کیا کہ کسی سفر و حضر میں اس کا ترک جائز نہیں رکھا۔ نومبر ۱۸۸۷ء میں دفعتاً یہ خیال پیدا ہوا کہ زبان فارسی کی وقعت اب گھٹتی جاتی ہے اور چند ہی روزوں میں طلبا سے اسکول بباعث کم علمی کتب فارسیہ کو دفتر پارینہ سمجھ کر بالکل نظر انداز کردیں گے اور اس حالت میں میری اس قلم فرسائی کی (جس کو بہ کمال دقت میں نے مرتب کیا ہے اور حالات نو بہ نو اس کے عام پسند مفید اور خالی از تجربہ نہیں ہیں) کوئی قدر نہ ہوگی بس بہ لحاظ مصلحت وقت روز بہ روز میرے خیالات کو استحکام ہوتا گیا۔ آخر ش دسمبر ۱۸۸۷ء میں میں نے سید محمد ذکی ولد سید احمد بخش صاحب مخدوم زادہ محلہ درگاہ سے اس کا ترجمہ اردو میں لکھنا شروع کیا اور شکر خدا کا کہ اپریل ۱۸۸۸ء میں روزانہ محنت شاقہ سے اس کا تکملہ حسب مراد ہوا۔ چونکہ دریافت شادی و مرگ و ولادت وغیرہ تقریبات کی انسان کو ضرورت زائد دامی ہوتی ہے اس وجہ سے رنگ سرخ سے شادی ختنہ و عقیقہ و سیاہی سے وفات اور سبز سے ولادت حواشی کتاب پر درج کیے۔ یہ ذریعہ واسطے تلاش ایسی ضروریات کے آسان و کار آمد ہے اور ہر متلاشی کو اس سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ لہٰذا مجھے امید ہے کہ ناظرین کتاب اگر کسی موقع پر کوئی مضمون اپنے خلاف ملاحظہ فرمائیں تو اس پر اظہار ناراضگی کا نہ کریں کہ راقم نے کوئی حال غلط اور نفسانیت سے درج کتاب ہذا نہیں کیا ہے۔"

اس مختصر دیباچہ سے اس روزنامچہ کا مقصد ظاہر ہو گیا کہ فائدہ عوام الناس مقصود تھا خصوصاً سندیلہ کی پبلک کے لیے۔ چنانچہ مولوی صاحب کی وفات کے بعد کئی ایسے نزاعی معاملات سندیلہ میں درپیش ہوئے جن میں مولوی صاحب کا روزنامچہ بطور صحیح دستاویز کے پیش کیا گیا۔ لیکن اس روزنامچہ کا انجام دینا واقعی ایک بہت مشکل اور وقت طلب کام تھا اور انھیں اس کا پورا احساس تھا۔ چنانچہ اس بات کا اعادہ کئی مقامات پر کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف دو اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

"۲۸ ستمبر ۱۸۸۸ء: شکر ہے کہ آج کتاب روزنامچہ راقم لکھنے تحریر لکھاو بنانے نشانات شادی و غمی وغیرہ رنگ ہائے مختلف سے بہمہ وجوہ مرتب ہو گئی جس کا آغاز ۱۲ جنوری ۱۸۶۷ء سے و اختتام دسمبر ۱۸۸۷ء تک ہے۔ یہ تین کتابوں میں مجلد ہے اور چوتھی کتاب جنوری ۱۸۸۸ء سے بالمرہ لکھی جاتی ہے۔ میں اس کا تکملہ بہت مشکل جانتا تھا اور اپنے علم و یقین میں اس کو غیر ممکن تصور کرتا تھا۔ بہر حال شکر ہے اس خدا کا کہ جس نے اس مشکل سخت کو آسانی کے ساتھ پورا کرا دیا ورنہ جب اس کی ضخامت و طوالت پر نگاہ کرتا تھا تو ہرگز ہمت اس کام اہم کے آغاز کی نسبت نہیں پڑتی تھی۔"

"۱۶ دسمبر ۱۸۹۳ء: اگرچہ میں ۷ بجے صبح سے ۵ بجے شام تک اپنا روزنامچہ محمد ذکی درگاہ سے اپنے بالاخانے پر جس جگہ دوسرے شخص کے جانے کو بہ نظر حرج کام مجاز نہیں ہے صاف کراتا ہوں۔ لیکن ہنوز چند مہینے لکھنے کو باقی ہیں۔ اگرچہ مجھے لکھانے روزنامچہ میں تمام روز کی محنت سخت تکلیف دہ ہے۔ لیکن مجبوری ہے کہ بدون میرے ان حالات کو بہ ترمیم مناسب کوئی لکھا نہیں سکتا۔ اور چونکہ سوائے حوائج ضروری اور تناول طعام کے یک لخت بیٹھا رہنا پڑتا ہے اور چلنے پھرنے کا اتفاق نہیں ہوتا ہے پس میں نے بعد دوپہر کے جب محمد ذکی روٹی کھانے جاتے ہیں بہ غرض جذب رطوبت معدہ و تحلیل ہونے غذا کے یہ تدبیر نکالی ہے کہ بعد پڑھنے نماز ظہر کے اپنے بالاخانے سے وظیفہ پڑھتا ہوا چند بار نیچے سے اوپر کو چڑھتا اترتا رہتا ہوں تاکہ ورزش بدلے تمام دن بیٹھے رہنے کا ہو اور کوئی ستم میری تحلیل غذا میں نہ پیدا ہو۔"

جیسا کہ خود مولوی صاحب نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "اس روزنامچہ میں حالات عام اس سے کہ ان کا تعلق کسی شہر قصبہ دہ و ملک سے ہو بالمرہ درج ہوتے رہے" سندیلہ کے حالات تو انھیں میونسپلٹی کے سکریٹری ہونے کی وجہ سے براہ راست معلوم ہوتے رہتے تھے۔ ہندوستان اور ہندوستان پار کی خبریں انھیں "اودھ اخبار اور پانیر" وغیرہ سے معلوم ہوتی تھیں جنھیں وہ کھانا کھانے کے بعد دوپہر کو پڑھا کرتے تھے۔ یوں تو مولوی صاحب کا روزنامچہ ہر قسم کے واقعات سے پر ہے۔ لیکن وہ حالات زیادہ اہم اور معلوماتی ہیں جو واقعات ہند یا بیرون ہند یا معاشرت زمانہ پر روشنی ڈالتے

ہیں اور بعض وہ نجی حالات و تجربات بھی جو عام دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

(راقم الحروف نے اسی لیے ان تمام واقعات کے انتخابات کو پانچ مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔ یعنی واقعات ہند، ریاستیں اور تعلقے، واقعات بیرون ہند، مقامی حالات اور ذاتی حالات۔ ساتھ ہی ذیلی سرخیاں قائم کر دی ہیں تاکہ ناظرین کو واقعات کی تلاش میں آسانی ہو ورنہ اصل روزنامچہ میں نہ ابواب کی تقسیم ہے نہ ذیلی سرخیاں)۔ روزنامچہ کی ابتدائی جلدوں میں اندراجات زیادہ تر نجی ہیں اور بہت مختصر عموماً ایک دن کا حال دو چار سطروں میں ختم ہو گیا ہے۔ لیکن جیسے جیسے مولوی صاحب کی زندگی سنورتی گئی، حالات زمانہ موافق ہوتے گئے، خود اعتمادی کا احساس بڑھا، اپنی کچھ اہمیت محسوس ہوئی، ان کا روزنامچہ طویل تر ہوتا گیا۔ واقعات زیادہ لکھے جانے لگے۔ بسا اوقات تو ایک دن کا حال کئی کئی صفحات پر مشتمل ہونے لگا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مولوی صاحب کے دو بیٹے سید مصطفےٰ علی و سید مرتضیٰ علی شروع بیسویں صدی میں بیرسٹر ہونے کے لیے لندن بھیجے گئے تھے۔ وہاں سے ان بیٹوں نے جو خطوط مولوی صاحب کو لکھے (اور یہ تمام خطوط فائل کی شکل میں مولوی صاحب کے خاندان میں اب بھی موجود ہیں) ان میں انگریزی معاشرت اور لندن کے بعض دلچسپ واقعات اور اپنے تاثرات بھی لکھے ہیں۔ مولوی صاحب نے اپنے روزنامچہ میں بھی ان میں سے کئی خطوط کے اقتباسات جگہ جگہ دے دیے ہیں۔

مولوی صاحب کا یہ روزنامچہ کئی حیثیتوں سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کے جس دور پر یہ محیط ہے (۱۸۶۷ء-۱۹۱۱ء) وہ ہندوستانی تمدن و تہذیب و معاشرت وغیرہ کے لیے ایک عبوری دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ انگریزی حکومت اور انگریزی تعلیم کی بدولت انگریزوں کے تمدن و معاشرت کا بڑھتا ہوا اثر، علوم و فنون کا احیا، وطنیت اور سیاسی بیداری کا پیدا ہونا، اردو نثر کا نشو و نما پانا اور ترقی کرنا، اردو نظم کا نئے سانچوں میں ڈھلنا، ذہن و اعتقادات و خیالات پر مغربی اثرات کا پڑنا، پرانی ایشیائی تہذیب و ہندی تمدن کا مغرب زدہ ہو جانا، غرض کہ تاریخی، سیاسی، تمدنی، معاشرتی اور ادبی ہر حیثیت سے یہ زمانہ بہت اہم ہے۔ مولوی صاحب موصوف کا بظاہر ہرگز یہ ارادہ نہیں تھا کہ وہ ایک معاشرتی تاریخ لکھیں۔ لیکن غیر ارادی طور پر یہ روزنامچہ اپنے عہد کا اور جاگیرداری دور کا ایک بہت اچھا معاشرتی نقشہ بن گیا ہے۔ پرانے رسوم و رواج، قدیم طریقۂ فکر، خیالات و اعتقادات اور پھر ان میں تغیرات کا پیدا ہونا اور رفتہ رفتہ لوگوں کی ذہنیتوں کے بدلنے کا حال نہایت واضح طور پر پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی وبائی امراض چیچک، طاعون، ہیضہ

اور دق) کس وسیع پیمانہ پر ہلاکت پھیلاتے تھے، قحط سے کہاں کہاں اور کتنے لاکھ آدمی بھوکوں مر جاتے تھے اور اس زمانہ میں بازاروں میں غلہ اور اشیاءِ خوردنی کا کیا نرخ ہو جاتا تھا یہ سب واقعات آپ کو اس روزنامچہ میں بالتفصیل مندرج ملیں گے۔ وغیرہ وغیرہ

تاریخی اور تمدنی حیثیت سے قطع نظر یہ ایک مکمل سوانح عمری بھی ہے۔ مولوی صاحب کی زندگی کے تمام پہلو مثلاً تعلیم و کسبِ روزگار، ترقی کی کوشش، زمانہ کی سازگاریاں اور ناسازگاریاں، اپنا کیرکٹر اور خیالات و اعتقادات، اپنی خوبیاں اور خامیاں غرض کہ ان کی زندگی کا ہر گوشہ اجاگر ہے۔ اپنے دوستوں کی محبت، اپنے قریبی عزیزوں سے رنجشیں (خصوصاً اپنے خالہ زاد بھائی سے جو ایک تعلقہ دار تھے) اپنی بیماریاں اور ان کا معالجہ، اپنی اولاد کی خوبیاں اور خامیاں، ان کے روزگار کے لیے سر توڑ کوششیں کرنا، اپنے روزمرہ کے تجربے ہر بات بہت صاف صاف مندرج ہے۔ آخر میں ان کی بیوی کی وفات (۱۹۰۴ء) کا اثر ان پر تکلیف دہ حد تک نمایاں ہے۔ اسی آخری زمانے میں وہ اپنی چند مبہم آرزوؤں کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے جن کا بیان دلچسپی سے خالی نہیں اور روزنامچہ میں ایک طرح کی افسانویت پیدا کر دیتا ہے۔ ان مبہم آرزوؤں کی وجہ سے بڑی بے قراری اور بے چارگی کا سا عالم نظر آتا ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ شاید وہ اپنے بعض دوستوں کے مشورہ پر عقدِ ثانی کرنا چاہتے تھے مگر سمجھ میں نہیں آتا تھا کس کے ساتھ کریں جو اس عمر میں ان کی صحیح رفیقۂ حیات بن سکے اور ان کی خانہ داری کا اچھا انتظام کر سکے۔ ساتھ ہی غالباً وہ کوئی سرکاری خطاب یا اعزاز چاہتے تھے۔ اور ان دونوں باتوں کے تکملہ کے لیے خواب کثرت سے دیکھا کرتے تھے۔ یہ زمانہ ذہنی طور پر ان کی بڑی پریشانی کا زمانہ ہے (۱۹۰۶-۱۹۱۰ء) جس پر ترس آنے لگتا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں وہ زیادہ تر بیمار رہے۔ لیکن پھر بھی روزمرہ کے دیگر واقعات بھی قلم بند کراتے رہے۔ ان کا دماغ آخری دن تک صحیح طور پر کام کرتا رہا۔

مولوی صاحب پہلے خوابوں، فالوں اور نجوم پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے اور علم نجوم سے تو بخوبی واقف بھی تھے۔ اپنے خوابوں کی فال دیوان حافظ، سکندر نامہ وغیرہ سے نکالا کرتے تھے اور اپنے حالات پر بعض نجومی پنڈتوں سے مشورہ کرتے اور خود اس پر تبصرہ بھی کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان دل خوش کن چیزوں سے انھیں ناامیدی اور مایوسی ہوتی گئی اور آخر میں صرف خدا کی مرضی پر تکیہ اور بھروسہ رہ گیا تھا۔ روزنامچہ ان کے دلچسپ خوابوں سے بھی بھرا پڑا ہے جن کی تعداد ڈیڑھ دو ہزار سے کم نہ ہوگی۔ یہ خواب کسی ماہر نفسیات کے لیے دلچسپ مواد کا کام دے سکتے ہیں۔ ہر فصلی سال اور کبھی عیسوی سال کے آخر میں مولوی صاحب اپنی زندگی کے پچھلے سال کا

محاسبہ بھی کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی دنیا کے حالات پر تبصرہ بھی۔ یہ محاسبے اور تبصرے بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

مولوی صاحب موصوف کے اس روزنامچے کو اگر تمام و کمال پڑھا جائے (اور یہ کام آسان نہیں ہے) تو اس میں ایک ناول کا سا لطف آنے لگتا ہے ایک ایسا ناول جس میں بغیر کسی تمہید یا اشارہ کے ایک مخصوص مگر غیر متعارف زمان و مکان میں ہم اپنے آپ کو ایک تماشائی پاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ کردار، زمان و مکان ہم پر واضح ہونے لگتے ہیں اور ہم ان سے مانوس ہوتے جاتے ہیں اور ان کے انجام کا شدت، دلچسپی اور ہمدردی سے انتظار کرنے لگتے ہیں۔ اس روزنامچے کا اختتام ہم کو محض ایک شخص واحد کی زندگی کا خاتمہ محسوس نہیں کراتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے ایک دور کا باب تھا جو بند ہو گیا۔ مختصر یہ کہ مولوی سید مظہر علی سندیلوی کا یہ روزنامچہ بیک وقت ایک تاریخ بھی ہے ایک سوانح عمری بھی اور زندگی کی ایک صحیح داستان بھی۔

مولوی صاحب کے لکھنے کا انداز اور اسلوب بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ مولوی صاحب کوئی ادیب نہ تھے بقدر ضرورت عربی، فارسی اور انگریزی ضرور جانتے تھے۔ ان کی تحریر میں ادبیات فارسی کی گنجلک تو کہیں نہیں ہے فارسی الفاظ البتہ کہیں کہیں کثرت سے استعمال کیے ہیں لیکن ان سے تعقد کہیں بھی نہیں آنے پائی ہے۔ مجسٹریٹی کا کام چونکہ انھوں نے عمر بھر کیا تھا اس لیے یہ تو ضرور ہوا کہ کہیں کہیں جملوں کی ترکیب عدالتی زبان معلوم ہوتی ہے ورنہ عموماً وہ وہی زبان لکھتے تھے جو عام طور پر بولی جاتی ہے اس کے علاوہ ایک بہت مصروف آدمی کو اتنی فرصت ہی کہاں کہ وہ طرز ادا پر توجہ کو ذکر ے۔ اس کے لیے یہی کیا کم ہے کہ وہ روزمرہ کے سیدھے سیدھے واقعات لکھ دے۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی صاحب کا اسلوب سادہ اور صاف ہے بلکہ کہیں کہیں تو دیہاتی الفاظ بھی استعمال کر گئے ہیں۔ مثلاً بچپن کے لیے لوکپان، دھبوں کی فارسی جمع دھبہ ہا اسی طرح پان خوری سلوکات، خواہیں (مونث) کسی وقت کی بجائے کوئی وقت، سیتا، دل بہلاوا، بدرعبی، پونڈہ خوری وغیرہ۔ ہندی اور فارسی الفاظ کے درمیان یا دو ہندی الفاظ کے درمیان واو عطف اکثر استعمال کیا ہے۔ یہی حال فارسی اضافت کا ہے جو ہندی الفاظ کے ساتھ استعمال ہوئی ہے۔ بعض جگہ جملوں کی ترکیبیں بھی بھدی معلوم ہوں گی۔ مثلاً "بوجہ عارضہ رک جانے حرکت قلب کے وفات پائی" یا "باوصف اس قدر سن آنے کے میں نے کوئی لیاقت نہیں حاصل کی۔" وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ اور ترکیبیں اس زمانہ کی تحریروں خصوصاً سرکاری اخبارات میں اکثر ملیں گی۔ اس لیے انھیں نقائص میں نہ شمار کرنا چاہیے۔

آخر میں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اردو زبان میں نثری صنف روزنامچہ کی بہت بڑی کمی تھی۔ مولوی صاحب

کے اس روزنامچے نے اس کمی کو بڑی حد تک پورا کر دیا ہے۔ بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اس التزام، اس ترتیب اور اس طریقہ کا مربوط و منظم روزنامچہ شاید ہی کسی زبان میں لکھا ہوا مل سکے۔ بیالیس سال تک ناغہ نہ ہونے دینا، ذاتی مقامی ملکی اور غیر ملکی تمام واقعات کا بڑی پابندی سے اندراج کرتے رہنا ہی ایسا کارنامہ ہے جو نہایت قابل قدر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ روزنامچہ نویسی کے معاملہ میں اردو زبان اس روزنامچے کی بدولت دوسری زبانوں کی صف میں سربلندی حاصل کر سکے گی۔

نوٹ: روزنامچہ کی کتابت کے متعلق پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مولوی صاحب اسے پہلے اپنے خط شکست میں لکھتے تھے پھر اسے بولتے جاتے تھے اور سید محمد ذکی درگاہی صاحب (محرر اکٹرائی میونسپلٹی سندیلہ) اسے خوشخط لکھتے جاتے تھے۔ لیکن یہ روزنامچہ صرف ۳۱ اگست ۱۹۰۹ء تک سید محمد ذکی صاحب کا صاف کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد چونکہ مولوی صاحب سکریٹری میونسپل بورڈ نہیں رہے تھے غالباً سید محمد ذکی صاحب کو اپنے دفتری کام سے فرصت یا رخصت نہ مل سکی اس لیے مولوی صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا یکم ستمبر ۱۹۰۹ء سے ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء تک کا روزنامچہ صاف نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے ۲۲ مارچ ۱۹۱۱ء سے یوم وفات خود (۲۴ دسمبر ۱۹۱۱ء) تک دوسروں کو بول کر لکھوایا کیوں کہ وہ خود بوجہ علالت نہیں لکھ سکتے تھے۔ ۱۹۷۰ء میں میں نے یہ ناصاف حصہ پہلے خود الگ کاغذات پر صاف کیا (کیونکہ مولوی صاحب کا شکستہ خط کوئی کاتب پڑھ نہیں سکتا تھا اور خود مجھے اس کو صحیح پڑھنے میں پسینے آ گئے تھے) اور پھر ایک دوسرے خوش نویس منشی عبدالحلیم صاحب ساکن بہارہ ضلع بارہ بنکی سے لکھنؤ میں خوشخط لکھوا کر جلد بندی کرا دی۔

سید محمد ذکی صاحب مرحوم کا خط تو نہایت پاکیزہ صاف اور روشن ہے۔ لیکن انھوں نے اپنے زمانہ کی رسم کتابت کو ملحوظ رکھا ہے۔ بجائے پیش لگانے کے انھوں نے واو معروف سے کام لیا ہے یعنی الفاظ اُس، اُن، اُدھر وغیرہ کو اوس، اون، اور اودھر لکھا ہے۔ 'کل' کو کلہ۔ کان پور کو کانہ پور وغیرہ۔ لیکن تعجب معلوم ہوتا ہے کہ باوجود خاصے پڑھے لکھے ہونے کے انھوں نے بعض جگہ املے کی غلطیاں کر دی ہیں مثلاً ہذیان کو حزیان، ارب کو عرب، سحر کو سہر، کُرتا کو قُرتا، مجتبیٰ کو مجتبہ، معدہ کو میدہ لکھ گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب سید محمد ذکی صاحب پر اعتبار کرتے ہوئے ان کی تحریر پر نظر نہیں ڈالتے تھے۔ صرف پڑھوا کر سن لیتے ہوں گے۔

اشاریہ

جغرافیہ قصبہ سندیلہ: قصبہ سندیلہ (ضلع ہردوئی) میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تر مخدوم سید علاء الدین (۷۶۴ھ - ۷۹۰ھ) خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ورود سے ہوئی۔ قصبہ سندیلہ اسٹیشن سندیلہ کے شمال میں واقع ہے۔ آبادی اسٹیشن ہی سے شروع ہو گئی ہے۔ وسط قصبہ میں صدر بازار کی سڑک ہے جو قصبہ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ سڑک کے پچھم میں اشراف محلہ آباد ہے جسے مخدوم صاحب مذکور کے خاندان کے ایک بزرگ شیخ المشائخ سید حسن میاں (۹۹۱ھ - ۹۲۲ھ) نے ۹۸۲ھ میں آباد کیا تھا۔ اور وہیں اپنی بنوائی ہوئی مسجد سے متصل محو خواب ابدی ہیں۔ مولوی سید مظہر علی اسی محلہ میں اپنے خالو سید فضل رسول کے مکان کے بالکل پڑوس میں رہتے تھے۔ اشراف محلہ میں آباد مخدوم علاء الدین صاحب کی شاخ مخدوم زادگاں اشراف ٹولہ کے لقب سے موسوم رہی ہے۔

اشراف محلہ کا شمالی حصہ محلہ ملکانہ کہلاتا ہے۔ جنوبی حصہ میں کسانوں کا محلہ یا کسائی ٹولہ ہے۔ مغربی حد پر "شیر حوض" (دراصل شیریں حوض) کا میدان "عید گاہ" "ڈیبی یا ڈبین کا تالاب" اور "تالاب کربلا" ہے۔ صدر بازار کی سڑک کے پورب میں محلہ جات "منڈئی" "مہتوانہ" "موسلی پور" اور "درگاہ" ہیں ان محلوں میں مسلمان چودھریوں اور کائستھوں یا کھتریوں کے خاندان آباد ہیں۔ راجہ درگا پرشاد اور راجہ نریندر بہادر اور راجہ وزیر چند بھی اسی محلہ مہتوانہ میں رہتے تھے۔ مخدوم صاحب مذکور کا مزار اسی جانب ہے اور انھیں کے عہد کی بنی ہوئی مسجد بھی۔ یہ دونوں عمارتیں فیروز شاہ تغلق کی بنوائی ہوئی ہیں۔ ریلوے اسٹیشن کے متصل دکھن کی طرف تحصیل سندیلہ کا دفتر ہے اور اسٹیشن کے قریب ہی سید فضل رسول صاحب تعلقہ دار مرحوم (مولوی مظہر علی صاحب کے) خالو اور ان کے بیٹے سید فضل حسین کا مقبرہ ہے اور ساتھ میں ایک کوٹھی مع باغ اسی خاندان کی ملکیت ہے۔ جو "عمر ہرہ" یا "امر ہرہ" کہلاتا ہے اور اسی باغ کے ایک گوشہ میں خاندانی قبرستان ہے جہاں مولوی مظہر علی کے خاندان کے لوگ بھی دفن ہوتے رہے... دکھن کی طرف اسی باغ کے کنارے اب لکھنؤ اور ہردوئی جانے والی شاہراہ ہے اور اب وہاں ایک بڑا بس کا اڈا بن گیا ہے جس کی وجہ سے وہاں دوکانوں اور مکانوں کی کثرت ہو گئی ہے۔ اس شاہراہ سے کچھ ہی دور دکھن کی طرف مولوی مظہر علی کا باغ ہے جہاں ان کی قبر بنی ہوئی ہے اور اسی باغ کے کچھ آگے دکھن کی طرف مواضعات مخدوم پور، "ملیاں" "گدودی" وغیرہ ہیں جن کا ذکر روزنامچہ میں متعدد بار آیا ہے۔ بس اڈا کے جانب دکھن اور مولوی صاحب کے باغ کے کنارے

سے گزرتی ہوئی اب ایک عمدہ پختہ سڑک بن گئی ہے جو ضلع اناؤ کی طرف جاتی ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے قریب جانب شمال قصبہ کا تھانہ اور ڈاک خانہ ہے۔

خود مولوی صاحب کی زمینداری کے مواضعات "کمال پور" اور "گھوگیرہ" سندیلہ سے کوئی آٹھ دس میل کے فاصلہ پر جانب مغرب تھے۔ ضلع ہردوئی کی دیگر تحصیلیں علاوہ سندیلہ کے شاہ آباد، بلگرام اور تحصیل ہردوئی ہیں تحصیل سندیلہ ضلع کے جنوب میں ہے۔ اس لیے اس کی سرحد ضلع اناؤ اور ضلع سیتاپور سے ملتی ہے۔ ضلع اناؤ کے مواضعات "گنج مرادآباد" اور "بانگرمئو" اور تحصیل بلگرام کے ایک موضع "ملانواں" کا ذکر روزنامچہ ہذا میں آیا ہے۔ قصبہ "دیوہ" یا "دیوا" ضلع بارہ بنکی میں ہے لکھنؤ سے ۲۴ میل پورب میں جہاں حاجی وارث علی شاہ صاحب کا مزار مرجع خاص عام ہے۔

مولوی مظہر علی صاحب کے اکابر

منشی سید فضل رسول صاحب: (۱۸۷۹-۱۸۱۷ء)۔ مولوی مظہر علی صاحب کے حقیقی خالو مخدوم زادہ جوانی میں نائب میر منشی ایجنٹ جودھ پور واجمیر رہے۔ ۱۸۵۲ء میں ملازمت ترک کر کے اپنے وطن سندیلہ میں مستقل قیام اختیار کیا اور سرمایہ موجودہ سے متعدد مواضعات خرید کیے۔ منجملہ ان کے ایک موضع "چونسہ" تحصیل ہردوئی میں آباد کیا جہاں کا مشہور آم ثمر بہشت آپ ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ زمانہ غدر میں انگریزوں کی مدد کی تھی اس کے صلہ میں بھی کئی مواضعات ملے اور تعلقہ "جلال پور" نامزد ہوئے۔ گورنمنٹ سے اختیارات فوجداری درجہ دوم و اختیارات مال و دیوانی بھی اپنے علاقہ کے حاصل تھے۔ علوم متعارفہ عربی و فارسی و نجوم و حکمت میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ اپنی فہم و فراست سے سرکار انگریزی میں بڑا رسوخ حاصل کیا تھا۔ آدمی بہت منتظم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۱ء میں انھوں نے کرنل سلیمن (جنھوں نے الحاق اودھ کے لیے جال بچھایا تھا) کے سامنے ایک اسکیم رکھی تھی جس سے اودھ کی حکومت کا انتظام بہت بہتر ہو سکتا تھا۔ لیکن کرنل سلیمن نے اسے نامنظور کرتے ہوئے کہا تھا کہ تم اس معاملہ میں نہ پڑو اور اپنے کام پر واپس جاؤ۔ فضل رسول صاحب کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ اردو میں ان کے دو دیوان شائع ہوئے تھے۔ ایک ان کی زندگی میں دوسرا وفات کے بعد۔ فن شاعری میں اپنے ہم عمر اور بچپن کے دوست (دونوں اپنے ننھیال قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے) منظفر علی اسیر لکھنوی کے شاگرد تھے۔ آپ کی عمارت مقبرہ سندیلہ میں آپ کی یادگار ہے۔

منشی فہیم الزماں صاحب: دیوان محمد علی صاحب "باندہ" کے نواسے جو سندیلہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے محلہ ملکانہ میں رہتے تھے۔ مولوی صاحب کی شادی آپ ہی کی بھانجی مساۃ شمس النساء سے ہوئی تھی۔ اپنے زمانہ

کے مشہور رئیس تھے۔ علم تواریخ سے بے حد شغف تھا۔ ۱۸۹۰ء میں بہ عمر ۶۳ سال وفات پائی۔ آپ کے اخلاف اب لکھنؤ میں اقامت پذیر ہیں۔

حافظ کرم احمد صاحب: ایک نہایت متبرک خصائل صوفی منش اور متوکل بزرگ تھے۔ مولوی صاحب کے گھر کے بہت قریب آپ کا مکان تھا۔ پہلے ضلع جالون و ساگر (صوبہ متوسط) وغیرہ میں بہ عہدۂ سرشتہ داری ملازم رہے۔ بعد ملازمت پنشن لے کر خانہ نشین ہو گئے تھے۔ آپ کے صدہا مرید سندیلہ و نواح سندیلہ میں تھے۔ مولوی مظہر علی صاحب نے کئی کتب درسیہ آپ سے پڑھی تھیں۔ ۱۸۸۰ء میں بہ عمر ۷۵ سال وفات پائی۔ مولوی صاحب کے چھوٹے بھائی سید اظہر علی اور منجھلے بیٹے سید مجتبیٰ علی دونوں آپ کے مرید تھے اور بعد وفات حافظ صاحب انکے خلیفہ یکے بعد دیگرے ہوئے اور عرصہ دراز تک حافظ صاحب کا عرس ان دونوں خلفا کی حیات تک ہوتا رہا۔

قاضی وجیہ الدین صاحب: مولوی صاحب کے عزیز قریب تھے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کی نسل کا ایک خاندان سندیلہ میں عرصہ دراز سے آباد ہے۔ قاضی صاحب اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔ عہد شاہی میں سندیلہ کا محکمہ قضا اسی خاندان کو تفویض ہوا تھا۔ قاضی صاحب سلسلہ چشتیہ میں مرید تھے۔ سماع کا بے حد شوق تھا۔ اپنے پیر حافظ امام علی صاحب کا سالانہ عرس بڑی دھوم دھام سے کرتے تھے۔ ۱۸۷۹ء میں بعمر ۷۲ سال وفات پائی۔

حافظ شوکت علی صاحب: خلف چودھری سند علی صاحب محلہ مہتوانہ کے ایک مقتدر رئیس باوضع اور خلق مجسم بزرگ تھے۔ پیروں سے معذور تھے۔ لیکن علوم دینی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ ایک مدرسہ شوکت الاسلام جاری کیا تھا جہاں بڑی دور دور سے طلبہ علوم دین حاصل کرنے آتے تھے۔ مولوی مظہر علی صاحب نے بھی حافظ صاحب مرحوم سے کچھ عربی پڑھی تھی۔ ۱۹۰۲ء میں بعمر ۸۶ سال وفات پائی۔

منشی عزیز الدین: مولوی صاحب کے گھر کے قریب رہتے تھے۔ صوبہ متوسط میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ تک ترقی کی تھی۔ زمانہ غدر میں انگریزوں کی مدد کی تھی اس کے صلہ میں ایک بڑا موضع "اٹوا" نامی تحصیل بلگرام میں ملا تھا۔ بعد حصول پنشن خانہ نشین ہو گئے تھے۔ آدمی راست گو، لائق اور تجربہ کار تھے۔ مئی ۱۸۸۲ء میں بعارضہ فالج بہ عمر ۶۶ سال وفات پائی۔

منشی سید شمس الدین: سید فضل رسول کے چھوٹے بھائی تھے۔ پہلے میر منشی ایجنٹ جودھ پور رہے۔ پھر یو۔ پی میں تحصیلدار۔ بعد پنشن کچھ عرصہ ریاست بلرام پور (اودھ) میں نائب ریاست رہے۔ ۱۸۸۶ء میں وہاں سے ترک تعلق کر کے خانہ نشین ہو گئے تھے (وفات ۱۸۹۲ء بعمر ۷۵ سال) "ترانہ دلکش" کے نام سے اپنا مجموعہ

کلام شائع کرایا تھا جس میں ہندوستانی راگ اور راگنیوں پر مبنی غزلیں اور گیت تھے دوسری کتاب "قیاماتِ ابلیس" کے نام سے بھی طبع ہوئی تھی۔

مولوی صاحب کی اولاد

مولوی سید مصطفےٰ علی: (۱۸۶۳ء-۱۹۴۳ء) مولوی مظہر علی صاحب کے سب سے بڑے بیٹے۔ ۱۹۰۲ء میں بیرسٹری پاس کی لیکن اس پیشہ کو بوجہ کمزوریٔ صحت نباہ نہ سکے۔ کچھ دنوں ہردوئی میں پریکٹس کی پھر سی۔ پی میں۔ اس کے بعد گھر آ گئے۔ کچھ دنوں اپنے والد کی وفات کے بعد مجسٹریٹی کی لیکن اسے بھی چھوڑ دیا اور اپنی زمینداری کی آمدنی پر گزارہ کرنے لگے۔ حصولِ علم کا بے حد شوق تھا۔ سارا وقت کتب بینی میں صرف ہوتا تھا۔ ان سے نوٹس بھی تیار کرتے رہتے تھے۔ ہر علم کی کتاب ان کی لائبریری میں موجود تھی۔ پہلے دو نوجوان اولادیں نہیں رہیں پھر بیوی بھی نہ رہیں اس لیے دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ محض کتب بینی سے وقت کاٹتے تھے۔ بڑے پابند اوقات بزرگ تھے۔ اردو زبان، فلسفہ اور سائنس سے زیادہ شغف تھا۔

مولوی سید مجتبےٰ علی: (۱۸۶۷ء-۱۹۴۲ء) مولوی مظہر علی کے دوسرے بیٹے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ مذہب اور تصوف سے بے حد ذوق تھا۔ امتحان قانون گوئی پاس کیا تھا مگر اس سے کوئی دنیوی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ حافظ کرم احمد صاحب کے مرید نوجوانی ہی میں ہو گئے تھے۔ بعد ان کے خلیفہ قرار دیے گئے تھے۔ ساری عمر عبادت و وظائف و دینداری میں گزری۔ ذریعہ معاش موروثی زمینداری تھا۔ دو بیٹے یادگار چھوڑے تھے ایک سید مرتضیٰ حسین جو بھوپال خاص میں تحصیلدار تھے (وفات ۱۹۶۲ء) دوسرا یہ راقم الحروف نور الحسن ہاشمی۔

مولوی سید مرتضیٰ علی: (۱۸۷۱ء-۱۹۴۶ء) مولوی مظہر علی کے تیسرے بیٹے۔ ایف۔ اے تک انگریزی پڑھی تھی۔ کچھ دنوں سندیلہ میونسپلٹی کے سکریٹری رہے۔ لیکن عمر کا زیادہ حصہ سیر و سیاحت میں گزرا۔ آخر میں خانہ نشین ہو گئے تھے۔ زوجۂ ثانیہ سے دو بیٹے یادگار چھوڑے سید التجا حسین اور سید اقتدار حسین۔ یہ دونوں سندیلہ ہی میں رہتے ہیں۔ التجا حسین صاحب اولاد ہیں دوسرے نے شادی نہیں کی۔

مولوی سید مرتضیٰ علی: (۱۸۷۲ء-۱۹۲۹ء) مولوی صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے۔ ۱۹۰۳ء میں بیرسٹری پاس کرنے کے بعد پہلے کچھ دنوں الٰہ آباد میں بعدہٗ شاہجہاں پور میں پریکٹس شروع کی۔ پھر ریاست بھوپال میں پہلے منصفی ملی پھر ترقی کر کے آخر میں بھوپال ہائی کورٹ کے جج ہو گئے تھے۔ ایک دن حسبِ معمول ورزش کر رہے تھے کہ دفعتاً دماغ کی رگ پھٹ گئی۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم اس زمانہ میں وہیں تھے۔ انھوں نے بہت تدبیریں کیں لیکن ان کی جان بری نہ ہو سکی (۱۹۲۹ء)۔ مرحوم بڑے روشن دماغ، خوش تدبیر، ذہین اور کنبہ پرور

بزرگ تھے۔ ایک بیٹی اور دو بیٹے سید سلطان علی و سید سلیمان بھی یادگار چھوڑے تھے جو بھوپال ہی میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ اب صرف سید سلطان علی حیات ہیں۔

افضلاً: (۱۸۷۰-۱۹۴۴ء) مولوی صاحب کی سب سے بڑی بیٹی۔ قریبی عزیزوں میں سعید الدین مقیم ساگر (مدھیہ پردیش) کو بیاہی تھیں ان کے دو بیٹے اندور میں مقیم ہو گئے تھے۔ ایک بیٹی ساتھ رہتی تھیں۔ اب بیٹوں اور بیٹی کی اولادیں پاکستان میں بس گئی ہیں۔ ان کی بڑی بیٹی انجمن النساء (۱۸۸۷-۱۹۶۱ء) کم سنی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ مولوی صاحب نے ان کا عقد ثانی خلاف رسم زمانہ کرایا تھا۔ روزنامچہ ہذا میں اس کا ذکر موجود ہے۔

التفاتاً: (۱۸۷۷-۱۹۰۵ء) ان کی شادی مولوی صاحب نے اپنے حقیقی بھتیجے سید اصغر علی ولد سید اظہر علی سے کی تھی۔ ایک لڑکی یادگار چھوڑی تھی اس کی اولاد پاکستان چلی گئی۔

جمیلاً: (۱۸۸۲-۱۹۰۱ء) خیرآباد کے ایک رئیس سید اعجاز الحسن کے ساتھ ان کا عقد ہوا تھا۔ لاولد فوت ہوئیں۔

مقیماً: (۱۸۸۴ء-۰۰۰) خیرآباد کے ایک عزیز دار محمد ابراہیم کو بیاہی گئی تھیں جو ریاست "جو بٹ" (مدھیہ پردیش) میں ملازم تھے۔ ان کی اولاد نرینہ (۲ بیٹے) پاکستان میں ہیں۔ ایک بیٹی تھیں جن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہندوستان میں ہے اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی کراچی میں۔

سید اصغر علی: (۱۸۷۴ء-۰۰۰) پہلے بھوپال میں ملازم تھے۔ آنکھوں میں خرابی ہو جانے کے باعث قبل از وقت پنشن لے کر سندیلہ چلے آئے تھے۔ پہلی شادی مسماۃ التفاتاً سے ہوئی تھی۔ وہ نہ رہیں تب دوسری شادی عزیزوں میں کی۔ ان سے ایک بیٹا مسمی سید انور علی پیدا ہوا جس کا انتقال ہندوستان ہی میں جوانی میں ہوا فوج کے اکاؤنٹ آفس میں ملازم تھے سید انور علی کے بال بچے (دو بیٹے تین بیٹیاں) اب کراچی میں ہیں۔

مولوی خلیل الدین: مولوی صاحب کے حقیقی بھانجے (۱۸۵۹-۱۹۳۷ء) بڑے عالم فاضل بزرگ تھے۔ حاجی، حافظ اور حکیم۔ مدتوں ریاست جھالاواڑ میں مدرس عربی و فارسی رہے۔ وہاں کا راجہ ان کو بہت مانتا تھا اور اپنے خرچ پر انھیں شام و عراق و عرب کے تمام متبرک مقامات کی زیارت پر بھیجا تھا۔ ان کے ایک بیٹے ڈاکٹر جمیل الدین تھے جو سندیلہ ہی میں پریکٹس کرتے تھے اور ایک بیٹی تھی۔ دونوں کا ابھی دو تین سال کے اندر انتقال ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر جمیل الدین کی شادی مقیماً کی بیٹی سے ہوئی تھی جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔

منتظم حسین: ابن سید مصطفےٰ علی۔ مولوی صاحب کے سب سے بڑے پوتے (۱۸۸۵-۱۹۰۷ء) جوانی ہی میں بعارضہ دق وفات پائی۔ اسی طرح ان کی چھوٹی بہن مسماۃ "فیض" (۱۸۹۲-۱۹۰۹ء) نے بھی جوانی

میں دق میں قضا کی اور اس طرح سید مصطفیٰ علی کی گیارہ اولادوں میں سے کوئی باقی نہ رہا۔

مولوی صاحب کے دیگر اعزہ و احباب

منشی سید فضل حسین: (۱۸۳۹-۱۹۰۱) سید فضل رسول صاحب کے بیٹے جو اپنے والد کی وفات کے بعد تعلقدار "جلال پور" ہوئے۔ یہ مولوی صاحب کے خالہ زاد بھائی تھے۔ انھیں کے زمانہ میں مولوی صاحب ان کے تعلقہ کے دو مرتبہ منیجر مقرر ہوئے۔ پہلے ۱۸۸۰ء - ۱۸۸۷ء پھر ۱۸۹۷ء تاحیات فضل حسین صاحب۔ روزنامچہ میں ان کا اور ان کے متعلقین کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔

سید التفات رسول: (۱۸۸۳-۱۹۲۱ء) اپنے والد سید فضل حسین کے بعد تعلقدار ہوئے۔ شعر و شاعری کا شوق تھا۔ سالانہ مشاعرے بڑے پیمانہ پر کیا کرتے تھے جن میں مشاہیر شعرائے اردو شرکت کرتے تھے۔ آرزو لکھنوی سب سے پہلے آپ ہی کے زمرۂ مصاحبین میں ملازم ہوئے تھے۔ ہاشمی تخلص تھا اور آرزو کے شاگرد تھے۔ آپ ہی کی بہو بیگم اعزاز رسول آجکل اقلیتی کمیشن (یوپی سرکار) کی صدر ہیں۔

سید الطاف رسول: (۱۸۶۹-۱۹۰۴ء) سید فضل حسین صاحب کے بڑے بیٹے تھے۔ لیکن بوجہ ضعف دماغی تعلقداری انھیں نہ ملی بلکہ ان کے چھوٹے بھائی التفات رسول کو دی گئی تھی۔ الطاف رسول مرحوم کے بیٹے سید افضال رسول صاحب (ولادت ۱۹۰۰ء) مع قبائل خود کراچی میں مقیم ہو گئے ہیں۔

سید معراج رسول: سید فضل حسین صاحب کی دوسری زوجہ سے تھے۔ ان کا بھی کراچی میں انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی اولاد وہیں پاکستان میں ہے۔

سید امیر حسن: سید فضل رسول کے ایک بیٹے ایک کنیز کے بطن سے (ولادت ۱۸۶۵ء)۔ التفات رسول صاحب کے زمانہ میں یہ ان کی ریاست کے منیجر ہو گئے تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک ابھی حیات ہیں (دبیر حسن صاحب) اور لکھنؤ میں قیام پذیر۔

منشی سید عنایت حسین: وفات ۱۹۰۵ء۔ مولوی صاحب کے لڑکپن کے دوست تھے اور عزیز دار۔ پہلے یو۔پی کے اضلاع میں ملازم رہے پھر بھوپال میں صدر المہام ہو گئے تھے۔ پہلی شادی منشی شمس الدین صاحب کی بیٹی سے ہوئی جن سے دو بیٹے ہوئے۔ نجم الدین اور قمر الدین۔ دوسری شادی بھوپال میں کی اور وہیں اقامت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔ زوجہ ثانی سے جو اولاد ہوئی ان میں سید آفاق حسین نے ناموری حاصل کی۔ اب آفاق حسین صاحب کی اولاد بھوپال ہی میں اقامت گزیں ہے۔

<u>سید حافظ علی</u>: مولوی صاحب کے عزیز اور رجودی۔ الیف اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ انگریزوں کو اردو پڑھاتے تھے۔ ڈالی کالج اندور میں فارسی کے استاد تھے۔ ایک انگریزی ناول کا بہت اچھا ترجمہ مونس غمگسار کے نام سے ۱۸۸۹ء میں شائع کروایا تھا (وفات ۱۹۱۷ء)

<u>چودھری عبد الباقی</u>: اشراف محلہ کے ایک نامور رئیس اور بزرگ شخصیت۔ علوم متعارفہ میں ماہر۔ حافظ چودھری شوکت علی کے شاگرد خاص مولوی صاحب کو بہ حیثیت ایک سنیئر طالب علم کے آپ نے بھی کچھ پڑھایا تھا۔ مولوی صاحب سے بڑے مراسم اتحاد تھے (وفات ۱۸۹۷ء بہ عمر ۵۵ سال)

<u>سید کرامت حسین</u>: سید عنایت حسین کے چھوٹے بھائی تھے۔ محکمہ بندوبست و علاقہ جات کورٹ آف وارڈس میں منصرم اور سربراہ کار رہ کر پھر تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر ہو کر ریٹائر ہوئے۔ عرصۂ دراز تک پنشن پائی (وفات غالباً ۱۹۲۹ء)

<u>محمد عربی</u>: ابن شیخ حامد حسن صاحب اشراف محلہ (ولادت ۱۸۷۳ء) ذہین تیز طبع اور خوش پوشاک فیشن ایبل نوجوانوں میں تھے۔ بیرسٹری پاس کر کے کچھ دنوں پریکٹس کی تھی مگر زیادہ عمر نہ پائی۔ آپ کے بیٹے انس عربی و احمد عربی تھے۔ موخر الذکر سیتاپور کے بہت کامیاب وکیلوں میں تھے۔ انس عربی تو لاولد فوت ہوئے۔ احمد عربی نے ۱۹۷۲ء میں وفات پائی۔ ان کی اولاد سیتاپور میں ہے۔

<u>منشی قبول احمد</u>: وفات ۱۹۴۴ء خلف منشی عزیز الدین صاحب۔ بہت ذی ہوش وجیہہ اور حکام رس آدمی تھے۔ مولوی صاحب کے زمانہ میں بڑے زیرک نوجوانوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

<u>چودھری خصلت حسین</u>: (وفات ۱۸۸۲ء) محلہ مہتوانہ میں ایک بہت بڑے تعلقدار تھے اور بڑے خوش انتظام۔ اودھ میں انجمن تعلقداران بمقام لکھنؤ قائم تھی اس کے سکریٹری بھی عرصہ تک رہے۔ آخر میں خطاب راجگی بھی مل گیا تھا۔

<u>چودھری محمد عظیم</u>: چودھری خصلت حسین کے بڑے بیٹے۔ آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ پورے ضلع ہردوئی میں آپ کا تعلقہ بہ لحاظ آمدنی دوسرے نمبر پر تھا۔ ۱۹۰۲ء میں دفعتاً انتقال کیا۔ مولوی صاحب سے مراسم خصوصی تھے۔

<u>چودھری محمد خاں</u>: خلف چودھری محمد عظیم صاحب (وفات ۱۹۱۸ء)

<u>چودھری نصرت علی</u>: ولد چودھری عظمت علی۔ محلہ مہتوانہ کے بڑے رئیسوں میں تھے۔ انجمن تعلقداران اودھ (لکھنؤ) کے عرصہ تک سکریٹری رہے۔ بڑے وسیع الاخلاق اور ذکی الطبع لوگوں میں تھے۔

خطاب خاں بہادری بھی ملا تھا۔ تعلقداران اودھ میں آپ کا طوطی بولتا تھا لیکن بد قسمتی کہ ایک خاص مقدمہ میں ماخوذ ہو جانے کی وجہ سے آپ کا عہدہ اور خطاب دونوں جاتے رہے تھے (وفات ۱۳۳۹ھ)

چودھری جاوید علی: چودھری خصلت حسین کے بڑے بھائی تھے۔ ابتدائے عمر میں بہت خوشحال اور صاحب حشمت و جاہ رہے۔ سندیلہ کی چکلہ داری بھی کی اور بہت مرفہ حال رہے۔ لیکن ان کو اپنی زندگی میں تین بڑے صدمے نصیب ہوئے۔ اول نابینا ہو جانا اپنے اکلوتے فرزند احمد عظیم کا دوسرے محرومی از مسند تعلقداری، تیسرے انتقال ان کی بہو کا جو خانہ داری میں نہایت لیاقت مند تھیں (وفات بعارضہ دبل بعمر سال ۱۸۹۳ء)

سید نجم الدین و سید قمر الدین: پسران سید عنایت حسین۔ مولوی صاحب کے عزیزوں میں دو خوش لیاقت جوان حضرات۔ دونوں کو شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ خصوصاً سید قمر الدین قمرؔ خوش گو شاعر تھے۔ امیر مینائی کے شاگرد۔ عرصہ تک ایک رسالہ "قمر" نکالتے رہے اور کئی نظمیں چھپوائیں۔ ان کا غیر مطبوعہ کلام مشتمل بر دیوان غزلیات، دیوان قصائد و دو تین مثنویات وغیرہ اب بھی ان کی نواسی قمر افضل کے پاس لکھنؤ میں موجود ہے۔

مولوی سید علی احمد صاحب: (۱۹۱۵-۱۸۴۴) جبل پور میں وکالت کرتے تھے جہاں بڑا نام پیدا کیا۔ سرسید احمد خاں سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ جبل پور میں انجمن اسلامیہ قائم کی جس کے تحت وہاں ایک اسکول مسلمان لڑکوں کے لیے اور ایک مسلمان لڑکیوں کے لیے قائم کیا تھا جو ابھی تک قائم ہیں۔ جبل پور کے میونسپل سکریٹری بھی ہو گئے تھے۔ خطاب خان بہادری حاصل کیا تھا۔ آخر عمر میں بہت خاموش رہنے لگے تھے۔ سندیلہ ہی میں وفات پائی۔

راجہ درگا پرشاد: (۱۹۲۰-۱۸۴۶ء) خلف راجہ دھنپت رائے۔ سندیلہ کے پشتینی راجاؤں میں تھے۔ سنسکرت، فارسی، اردو، ہندی میں مہارت تام۔ شاعری فارسی اور اردو میں کرتے تھے۔ بڑے فیاض، بامروت اور علم دوست رئیس تھے۔ تاحیات سندیلہ میونسپلٹی کے چیرمین رہے اور آنریری مجسٹریٹ بھی اور انگریزی اسکول کے چیرمین بھی۔ ایک سرائے بنام کوٹن سرائے اسٹیشن سندیلہ کے قریب بنوائی تھی جو ابھی تک قائم ہے۔ تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا اور ایک اچھی لائبریری بھی ان کے پاس تھی۔ ایک ذاتی مطبع بھی قائم کیا تھا جس میں ان کی اپنی اور دوسروں کی کتابیں شائع ہوتی تھیں مشہور تصانیف یہ ہیں:

فارسی: گلستان ہند، تاریخ ہند باتصویر، تذکرہ حدیقۂ عشرت، پند دل پسند، مخزن اخلاق، بوستان اودھ۔
(تاریخ اودھ باتصویر)

اردو: مثنوی مہرتاباں، گلشن ہدایت، تاریخ اجودھیا (باتصویر)، تاریخ سندیلہ، ترجمہ مہابھارت (رسالہ مختلف پرب شائع ہوسکے تھے) مہابھارت کا یہ ترجمہ اصل سنسکرت ماخذ اور فیضی کے فارسی ترجمہ کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے اور بہت خوب ہے۔ مولوی صاحب چونکہ عرصہ دراز تک میونسپل سکریٹری رہے اور دونوں بنچ مجسٹریٹ بھی تھے اس لیے دونوں میں یکجائی کے باعث بڑی دوستی تھی۔

کنور نونند بہادر: بنچ مجسٹریٹ تھے۔ راجہ درگا پرشاد صاحب کے عزیز قریب۔ مولوی صاحب سے مراسم اتحاد تھے۔ فارسی اور انگریزی میں اچھی لیاقت رکھتے تھے۔ وفات ۱۹۰۵ء بعمر ۵۴ سال۔

چودھری محمد رؤف: چودھری خصلت حسین کے چھوٹے بھائی تھے۔ رئیس قصبہ، بنچ مجسٹریٹ ہونے کی وجہ سے مولوی مظہر علی صاحب سے بہت دوستانہ تعلقات تھے۔ تاریخ پیدائش و وفات معلوم نہ ہو سکی۔ ان کے ایک پوتے عشرت علی صدیقی صاحب اخبار "قومی آواز" کے مشہور ایڈیٹر ہیں۔

سید وصی علی شاہ: درگاہ مخدوم علاؤالدین کے سجادہ نشین تھے۔ بہت خلیق، خوش اوقات اور مہمان نواز۔ آپ کے صدہا لوگ مرید تھے۔ (وفات ۱۸۹۸ء بعمر ۶۱ سال) راجہ جنگ بہادر خاں نانپارہ نے آپ کا مزار سنگ مرمر کا بنوا دیا تھا۔

لالہ لالتا پرشاد: تعلقہ جلال پور میں سیاہہ نویس تھے۔ بڑے سمجھدار اور فرض شناس۔

لچھمن پرشاد: سندیلہ کے مشہور مہاجن تھے پہلے بزازی کرتے تھے۔ بعد میں نمایاں ترقیاں کیں اور کچھ زمینداری بھی پیدا کر لی تھی۔ مولوی صاحب سے کافی مراسم تھے۔

حکیم ظہور الحسن: سندیلہ میونسپلٹی کے طبیب تھے اور بحیثیت طبیب کے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں بعارضہ طاعون وفات پائی۔ مولوی صاحب کے خاندان میں زیادہ تر آپ ہی کا علاج ہوتا تھا۔ مولوی صاحب نے ایک موقع پر ایک باغ بطور انعام آپ کو دیا تھا۔

نورالحسن ہاشمی

باب اوّل

واقعاتِ ہند

سفر کی مدت: ۲۹ فروری ۱۸۶۸ء آج اہل خانہ حافظ کرم احمد صاحب و والدہ سید عابد علی وغیرہ اکیس دن سفر کے بعد ساگر سے سندیلہ پہنچے۔

شہر بمبئی: ۳ مارچ ۱۸۶۸ء منشی فہیم الزماں صاحب لکھنؤ سے تشریف لائے۔ کیفیت شہر بمبئی کی ان کی زبانی مفصل معلوم ہوئی واقعی شہر مذکور قابل سیر ہے۔

پہلے پہل ریل کا سفر: ۱۲ مئی ۱۸۶۸ء۔ چونکہ میں اس وقت تک ریل پر سوار نہیں ہوا تھا شوقیہ ریل پر سوار ہو کر کانپور گیا، چوک میں شیخ امجد علی فرخ آبادی جوتا فروش کی دوکان پر ٹھہرا۔ باوصف نہ ہونے ملاقات کے بہت خلق سے وہ پیش آئے اور بوقت معاودت محمد یٰسین ان کے بیٹے کو میں نے آٹھ آنے واسطے شیرینی کے دیے۔

وفات لارڈ میو: ۱۷ فروری ۱۸۷۲ء۔ اس خبر کی تصدیق ہوئی کہ ۸ فروری ۱۸۷۲ء کو جناب نواب میو صاحب گورنر جنرل بہادر بہ تقریب دورہ جزیرۂ انڈمان میں بطرف جیل خانہ سیر کناں تشریف لے گئے۔ دفعتاً شیر علی خاں قیدی دائم الحبس نے ایک چھرا صاحب ممدوح کو ایسا کاری مارا کہ جانبر نہ ہوئے اور انتقال فرمایا۔ یہ شخص خیبر کا رہنے والا تھا۔

سُرخ بخار: ۲۲ ستمبر ۱۸۷۲ء۔ آج کل بخار فصلی جس کو سُرخ بخار کہتے ہیں اس گرد و نواح میں خصوصاً اور تمام ہندوستان میں عموماً اس کثرت سے پھیلا ہے کہ کمتر لوگ اس سے محفوظ ہیں۔ تین دن تک شدت زیادہ رہتی ہے بعد اس کے کم ہو جاتا ہے اکثر شخصوں کے بدن پر دانے سُرخ بھی پڑ جاتے ہیں جو خارش ہو کر زائل ہو جاتے ہیں۔

غلام امام شہید: ۳ اکتوبر ۱۸۷۲ء۔ مولوی غلام امام صاحب متخلص شہید متوطن الہ آباد آج تشریف لائے منشی فضل رسول صاحب ان کے بھانجے ہیں۔ شہید صاحب مولود بہت خوب پڑھتے ہیں اور وقت پڑھنے کے عشق آں حضرت میں بے چین ہو جاتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ آواز اچھی نہیں۔ بالفعل ان کی عمر ستر برس

کا ہے قرناٹی لگاکر سنتے ہیں۔

انگریزوں کی تعلیم: ۱۶ دسمبر ۱۸۷۲ء بوقت ملاقات کنیڈی صاحب اسسٹنٹ انجینئر کانپور نے دو کتابیں اردو کی ایک نو طرز مرقع 'دوسری' حلوائے بے دود مجھ سے لیں اور فرمایا کل کوئی وقت اپنے پڑھنے کا مقرر کروں گا۔ ۱۰ جنوری ۱۸۷۳ء۔ بوقت ملاقات کنیڈی صاحب اسسٹنٹ انجینئر کانپور کو دو کتابیں 'مفید المبتدی' اور 'معلم المبتدی' پیش کیں۔ بعد ملاحظہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مجھے بوقت فرصت ان کو پڑھا دیا کرو بلکہ چند باتیں متعلقہ کتاب مجھ سے دریافت کیں جنکے ملنے میں انکا بہت فراحت ہے جواب دیا کہ جس سے بہت خوش ہوئے۔

مشاعرہ: ۴ ستمبر ۱۸۷۳ء۔ بمقام لکھنؤ آج منشی مظفر علی اسیر کے مکان پر مشاعرہ تھا میں بھی ہمراہی منشی فضل رسول صاحب شریک ہوا، شام تک یہ صحبت رہی چودھری عبدالباقی سندیلہ نے بھی اپنی غزل فارسی کی پڑھی مجمع شاعروں کا بکثرت تھا لطف خوب ہوا لیکن سہ پہر کو بارش نے بے لطفی کر دی۔

ادب: ۶ مارچ ۱۸۷۴ء۔ آج میں نے کتاب 'سروش سخن' مصنفہ شیخ فخرالدین حسن صاحب دہلوی کو معائنہ کیا۔ واقعی یہ کتاب فسانہ عجائب' کے مقابلہ میں خوب تیار ہوئی ہے اور بہت خوب ہے۔

مشاعرہ: ۲۶ فروری ۱۸۷۶ء۔ آج شب کو میرے مکان پر مشاعرہ ہوا۔ سید فضل حسین و چودھری عبدالباقی و دیگر شاعر شریک جلسہ تھے عصمت شاعرہ کی ریختہ گوئی سے حاضرین کو کمال حظ حاصل ہوا۔ بعد بارہ بجے رات کے صحبت برخواست ہوئی

دربار دہلی: ۵ دسمبر ۱۸۷۶ء۔ چونکہ یکم جنوری کو دہلی میں دربار ہونے والا ہے اور ملکہ وکٹوریہ شہنشاہی خطاب حاصل کریں گی اس وجہ سے جملہ راجہ و روسا کمال تزک و احتشام سے شرکت دربار کے واسطے جاتے ہیں۔ یہ دربار بھی قابل یادگار ہوگا۔ ریلوے کمپنی کو آج کل بہت فائدہ ہو رہا ہے۔

یکم جنوری ۱۸۷۷ء۔ آج ملکہ وکٹوریہ نے شہر دہلی میں خطاب شاہنشاہی قیصرۂ ہند کا حاصل کیا جلسہ اعظم ہوا ہندوستان کے سب بڑے بڑے راجہ شریک دربار تھے' اکثروں کو خطاب بھی حاصل ہوئے۔ ۲۲ لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ اور تاریخ امروز میں ہر دوئی خاص میں بھی بڑا جلسہ ہوا جس میں تعلقداران ضلع و دیگر معزز اشخاص شریک تھے۔

قحط: ۲۷ اگست ۱۸۷۷ء لوگ مشہور کرتے ہیں کہ لارڈ لٹن صاحب گورنر جنرل ہندوستان اور کوپر صاحب لفٹیننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی و اودھ کی نیت اچھی نہیں ہے' یہی امر باعث خشک سالی ہے' یہ دونوں صاحب ان عہدوں پر جدید مقرر ہوئے ہیں۔

۵ ستمبر ۱۸۷۷ء غلہ روز بروز گراں ہوتا جاتا ہے۔ آج نرخ گندم کا ۱۴ سیر نمبری اور چنے دو ۱۵ سیر

نمبری تھا۔ بارش مطلقاً نہ ہوتی خلق اللہ کو ہراس و ناامیدی بہ درجۂ غایت ہے۔

۱۶ر ستمبر ۱۸۷۷ء۔ ہوا گرم مثل بیساکھ و جیٹھ کے چلتی ہے۔ اخیر شب کو سردی ہوتی ہے۔ پانی کے آثار بالکل معلوم نہیں ہوتے، نرخ غلہ کا بالمرہ گھٹتا جاتا ہے۔ خلائق از حد پریشان اور کاشتکار اپنے مویشی اتر لیے جاتے ہیں۔ ۲۳ر ستمبر ۱۸۷۷ء خشک سالی کی شکایت ترقی پذیر ہے۔ آثار قحط بہ وجوہ پیدا ہیں۔ صدہا آدمیوں نے گداگری اختیار کی۔ خدا اپنا فضل فرمائے۔

۲۷ر نومبر ۱۸۷۷ء جب کہ بباعث خشک سالی اسامی فاقہ کر رہے ہوں تو وصول ہونا مال گزاری کا سخت دشوار ہے لیکن افسوس ہے کہ سرکار کوئی عذر سماعت نہیں کرتی۔

۳۰ر دسمبر ۱۸۷۷ء۔ آج کل اکثر لوگ ساکنان سندیلہ بوجہ عدم پیداوار فصل خریف و گرانی غلہ کے سخت پریشان ہیں اور دو دو روز تک ان کو کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ خداوند کریم اس حالت نازک کو جلد دور فرمائے۔

۳۱ر دسمبر ۱۸۷۷ء۔ اگرچہ کچھ بارش ہوئی ہے لیکن چونکہ ہنوز غلہ تیار نہیں ہے اس وجہ سے شکایت گرانی بدستور سابق ہے۔ خدا سے امید ہے کہ ایک وہ بھی دن ہوگا کہ یہ شکایت دفع ہو گی۔ دروازہ پر آج کل اس قدر محتاج آتے ہیں کہ ان کو تھوڑی تھوڑی بھی بھیک دی جاتی ہے تو اس کی ایک مقدار کثیر ہو جاتی ہے۔

۱۲ر فروری ۱۸۷۸ء کچھ عرصے سے نرخ غلہ حسب ذیل ہے جس سے لوگوں کو از حد تکلیف ہے روز دو چار آدمی تلف ہوتے ہیں۔

گندم ۱۰ سیر، جوار خورد ۱۲ سیر، برنج ۸ سیر، دال ارہر ½ ۱۱ سیر، جو ۱۳ سیر، جوار کلاں ۱۲ سیر، روغن زرد ۲ سیر، مٹری عظیم آبادی ۱۳ سیر، ماش ۸ سیر، قند سیاہ ½ ۷ سیر، مسور ۱۴ سیر، باجرہ ½ ۱۱ سیر، کاکن ۱۱ سیر، نخود ۱۲ سیر، مونگ ۱۰ سیر، روغن سیاہ ۴ سیر۔

<u>علی گڑھ کالج</u>: ۲۹ر دسمبر ۱۸۷۸ء۔ منظور ہے کہ برخوردار مصطفےٰ علی کو واسطے تحصیل علم مدرسۃ العلوم علی گڑھ کو روانہ کروں ۔۔۔ کہ وہاں کی تعلیم اچھی ہوتی ہے۔ اس میری رائے سے منشی فضل رسول و منشی فہیم الزماں نے بھی اتفاق رائے کیا ہے۔ منظور ہے کہ جنوری آئندہ سے ان کی تعلیم کا بندوبست مدرسۂ مذکور میں کیا جائے۔

۱۵ر جنوری ۱۸۷۹ء۔ صبح کے دس بجے مدرسہ علی گڑھ میں پہنچا مولوی محمد اکبر صاحب منیجر مدرسۂ مذکور سے ملاقات کر کے برخوردار مصطفےٰ علی و امیر حسن کو داخل بورڈنگ ہوس کے کیا اور مبلغ ۱۵ روپیہ ۱۲ آنے بابت فیس مدرسہ و کرایہ مکان و مرفطعام من ابتدائے جنوری ۱۸۷۹ء لغایت مارچ مولوی صاحب منیجر کو حوالہ کیے ۔۔۔۔

۱۸ جنوری ۱۸۷۹ء مقام علی گڑھ۔ واسطے خرید اسباب ضروری میز و کرسی وغیرہ متعلقہ برخوردار مصطفیٰ علی بازار علی گڑھ کو گیا۔ اوّل مولوی فریدالدین احمد صاحب صدر اعلیٰ سے ملاقات کی یہ رئیس کڑا مانک پور کے ہیں اور مبلغ ۷۰۰ روپے ماہوار تنخواہ پاتے ہیں۔ اس کے بعد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے ملاقات کی یہ نہایت ذی علم شخص ہیں۔۔۔۔ بعدہٗ مولوی لطف اللہ صاحب مدرس جامع مسجد سے ملاقات کی یہ مولوی صاحب فاضل زبردست ہیں اور بہت سے منتہی طالب علم ان کے پاس پڑھتے ہیں۔۔۔۔ مولوی صاحب کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ ہے، مجھ سے بہ کمال تپاک پیش آئے۔ جامع مسجد میں میں نے نماز ظہر کی ادا کی یہ مسجد نہایت مضبوط پتھر کی بنی ہوئی ہے، شب کو میں بورڈنگ ہوس مدرسۃ العلوم میں لوٹ آیا اور مولوی اکبر صاحب منیجر کو چھ آنے پیسے دے کر بورڈنگ ہوس میں کھانا کھایا۔

۲۲ جنوری ۱۸۷۹ء۔ مقام سندیلہ حسب تحریک آج چودھری خصلت حسین صاحب سے ملاقات کی اور حالات تعلیم مدرسۃ العلوم بیان کیے جس سے نہایت درجہ خوش ہوئے ان کا ارادہ ہے کہ اپنے پوتوں میں سے کسی کو واسطے تعلیم کے علی گڑھ کو بھیجیں۔ یہ مدرسہ سید احمد خاں صاحب نے قائم کیا ہے، بہت وسیع اس کا رقبہ ہے اور حکمت عملی یہ کی ہے کہ جو شخص ۲۰ روپے سید صاحب کو دیوے تو اس کا نام احاطہ دیوار کے ایک جز میں کندہ کر دیا جاتا ہے اور جو شخص مقدار زائد دیوے اس کے نام کا پھاٹک بنا دیا جاتا ہے اور اس کا نام کندہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کارروائی سے اکثر لوگ بہ غرض ابقائے نام روپیہ دیتے ہیں اور دیواروں اور پھاٹکوں پر ان کے نام کندہ ہیں۔ اسی طور سے جو کالج زیر تعمیر ہے اس کی کارروائی بھی ہوئی ہے اور صدہا آدمی اس چندہ میں شریک ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔

۱۰ مارچ ۱۸۷۹ء۔ تحریر مرسلہ محمد اکبر صاحب منیجر مدرسۃ العلوم علی گڑھ سے واضح ہوا کہ برخوردار مصطفیٰ علی لکھنے پڑھنے میں محنت کرتے ہیں ان کے استاد ان سے خوش ہیں۔ یہ کیفیت پانزدہ روزہ آیا کرتی ہے۔

تپ ولرزہ: ۲ اکتوبر ۱۸۷۹ء بمعائنہ اخبارات واضح ہوتا ہے کہ بیماری تپ ولرزہ عالم گیر ہے۔ کوئی شہر و قصبہ و دہ اس سے محفوظ نہیں ہے۔

۳ اکتوبر ۱۸۷۹ء۔ آج کل سندیلہ خاص اور دیہات نواحی میں تپ ولرزہ کی از بس شکایت ہے۔ کوئی گھر نہیں ہے کہ جس میں چار پانچ بیمار نہ ہوں بلکہ کثرت اس قدر ہے کہ اس علالت سے کوئی آدمی گھر میں محفوظ نہیں ہے۔ میرے مکان میں بھی چار آدمی مبتلائے تپ ولرزہ ہیں۔

وفات غلام امام شہید: ۲؍اکتوبر ۱۸۷۹ء۔ مولوی غلام امام شہید نے جو رشتہ میں منشی فضل رسول کے ماموں ہوتے تھے اور مولود شریف تصنیف کردہ خود بہت اچھا پڑھتے تھے، بعمر ۷۰ سال الٰہ آباد میں انتقال کیا۔ یہ بزرگ بڑے نامور شخص تھے اور ریاست ہائے حیدرآباد و رام پور سے کچھ روپے ماہواری ان کے صرف کے لیے مقرر تھے۔ صاحب تصنیف بھی تھے اور بباعث ثقل سماعت کان میں قرنائی لگا کر باتیں سنتے تھے، مولوی صاحب لاولد فوت ہوئے۔

ہیضہ: ۳۰؍جولائی ۱۸۸۰ء اس سال دیہات نواحی میں بھی ہیضہ شروع ہو گیا ہے۔ شاید ہی ایسا موضع ہو کہ جس میں اس کی شکایت نہ ہو[1]۔

۱۲؍اگست ۱۸۸۰ء بباعث ایام گرما شب کو اتفاق خواب کا سقف بالاخانہ پر ہوتا ہے اور متوفیان کے ورثا کی گریہ و زاری سے رات کو نیند نہیں پڑتی اور ایک نوع کا ہول پیدا رہتا ہے۔

مردم شماری: ۱۷؍فروری ۱۸۸۱ء۔ آج مردم شماری بوقت ۹ بجے شب کے تمام ہندوستان میں شروع ہوئی۔ اور ۳ بجے صبح کے ختم ہوئی۔ بعد چندے شماران کا معلوم ہوگا۔

ستارۂ دنبالہ دار: ۲۷؍جون ۱۸۸۱ء۔ دو روز سے ستارہ دنبالہ دار گوشۂ شمال و مغرب میں برآمد ہوتا ہے۔ لوگ اس کے آثار اچھے نہیں بتلاتے ہیں۔

وفات اسیر لکھنوی: ۷؍فروری ۱۸۸۲ء۔ آج دوپہر کو منشی مظفر علی اسیر شاعر نامی لکھنؤ نے بمقام لکھنؤ بعمر ۸۰ سال انتقال کیا۔ یہ منشی فضل رسول صاحب واسطی مرحوم کے شاعری میں استاد تھے اور ہزار ہا آدمی مرحوم کے شاعری میں شاگرد تھے۔ عہد واجد علی شاہ میں مرحوم نے بہت بڑا اعزاز حاصل کیا تھا بلکہ بادشاہ بھی ان کے شاگرد تھے۔

مشاعرہ: ۲۷؍اگست ۱۸۸۲ء۔ مکان منشی فضل حسین صاحب پر شام کو تقریب مشاعرہ ہوئی۔ شیخ ظہور الحسن صاحب شاعر لکھنؤ و راجہ غلام حسین خان بہرائچ بھی شریک صحبت تھے۔ دیر تک اس کی گرم بازاری رہی۔

۲۴؍ستمبر ۱۸۸۲ء۔ آج منشی فضل حسین نے صحبت مشاعرہ اپنے مکان پر منعقد کی جس میں شعرائے لکھنؤ و سندیلہ شریک تھے۔ بی بی عصمت شاعرۂ لکھنؤ کی غزل گوئی سے لوگ بہت محظوظ ہوئے۔ میں شریک صحبت نہ ہو سکا۔ ۱۶؍اکتوبر ۱۸۸۲ء۔ آج پھر مشاعرہ منشی فضل رسول حسین کے مکان پر ہوا لیکن یہ امر میرے خلاف ہے۔

۱۔ روزنامچہ جولائی اور اگست میں ہیضے سے موت پانے والوں کے نام سے پُر ہے۔ (ل)

کیونکہ اس کا زیادہ چرچا اچھا نہیں ہے اور تجربے سے اس کا انجام بخیر ہوتے نہیں دیکھا۔

۱۱ر جنوری ۱۸۸۲ء۔ آج شب کو پھر صحبت مشاعرہ منشی فضل حسین صاحب نے منعقد کی دو بجے صبح کو فراغت ہوئی۔ چوں کہ یہ امر میرے خلاف ہے اس وجہ سے شریک نہ ہوسکا۔

آتش زدگی وچیچک: ۸ر مئی ۱۸۸۳ء۔ اب کی سال ہندوستان میں آتش زنی بہ کثرت ہوئی بڑے بڑے کارخانے جل کر خاکستر ہو گئے۔ اور تمامی ہندوستان میں شکایت چیچک بھی بہت ہوئی۔ ہزارہا اس عارضہ میں فوت ہوئے۔

اندرسبھا: ۱۸ر نومبر ۱۸۸۴ء۔ شب کو رقص اندر سبھا کا منشی فضل حسین کے مکان پر ہوا۔ شریک جلسہ تھا۔

گورنر جنرل: ۲۳ر دسمبر ۱۸۸۴ء۔ ۱۹ر دسمبر کو لارڈ رپن صاحب گورنر جنرل ہند کلکتہ سے ولایت نہ ہوئے اور لارڈ ڈفرن صاحب نے چارج گورنر جنرل کا لیا۔ صاحب اول الذکر نے ہندوستانیوں کے رضامندی کا اچھا برتاؤ کیا۔

مشاعرہ: ۲۹ر جنوری ۱۸۸۵ء۔ منشی فضل حسین صاحب کے مکان پر صحبت مشاعرہ قرار پائی کلام ہوالحسن شاعر لکھنوی بہ مقابلہ منشی محمد حسن نامی شاعر باندہ بہت خوب تھا' کوئی شعر خالی اشعار سے واقعی خوب غزل کہتے ہیں۔

ستارے: ۲۸ر نومبر ۱۸۸۵ء۔ شب کو آٹھ بجے سے بارہ بجے تک ہزاروں ستارے آسمان سے ٹوٹتے نظر آئے۔ یہ کیفیت تمامی ہندوستان میں پیدا ہوئی' لوگوں نے بہ نظر حیرت اسکو مشاہدہ کیا۔ بارے کہ اس کا کیا انجام ہو۔

برہما: ۲۹ر نومبر ۱۸۸۵ء۔ آج سرکار انگلشیہ نے شہر مانڈلے دارالسلطنت ملک برہما پر فتح حاصل کی۔ شاہ برہما نے اطاعت اختیار کی اور اپنی جان و مال کو انگریزوں کے سپرد کیا۔ شاہ موصوف بہ جانب بہ ذریعہ جہاز بھیجے گئے۔ شاید ہندوستان کے کسی ٹاپو میں اب ان کا قیام ہو۔

فوج کی زیادتیاں: ۶ر فروری ۱۸۸۶ء۔ رسالہ سواران انگریزی سیتاپور سے وارد سندیلہ ہوا چونکہ سواروں کے مزاج میں زیادتی و بدعت زیادہ ہوتی ہے اس وجہ سے مولوی عبدالقادر صاحب تحصیلدار بلحاظ حفظ اپنی آبرو کے روپوش ہو گئے۔ لیکن سامان رسد وغیرہ کا بذریعہ چپراسیان تحصیل مہیا کرادیا لیکن سوار

رگ ہر گلی و کوچہ میں تحصیلدار کی تلاش کرتے تھے .... رسالہ تو بعد ایک روزہ قیام کے کانپور روانہ ہو گیا لیکن سواروں کے کرنیل نے رپورٹ شکایت مولوی عبدالقادر صاحب تحصیلدار کی صاحب ضلع اور صاحب کمشنر سیتاپور کو کر دی۔

دربار جوبلی: ۱۶ر فروری ۱۸۸۶ء۔ مقام ہردوئی آج گیارہ بجے دن کے شریک دربار جشن جوبلی ہوا۔ میری کرسی بزمرۂ آنریری مجسٹریٹان دوسری تھی۔ نمبر اول حاجی محمد حسین خان شاہ آباد کا تھا۔ ہارس فورڈ صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع ہردوئی بہ لباس شاہانہ ہاتھی پر سوار ہو کر ۱۲ بجے تشریف لائے اور کرسی نقرئی جو بالائے تخت بچھی ہوئی تھی۔ جمکن ہوئے۔ اول چودھری محمد عظیم نے بہ زبان اردو اڈریس پڑھا۔ اس کے بعد قصیدہ منشی فضل حسین صاحب کا پیش ہوا مگر پڑھا نہیں گیا۔ پھر منشی نظیر حسن صاحب وکیل کاکوروی نے چند اشعار مدح میں پڑھے اس کے بعد پنڈت تربھون ناتھ بی اے منصف بلگرام نے منجانب انسٹی ٹیوٹ بلگرام اسپیچ انگریزی میں دی۔ اس کے بعد صاحب بہادر نے بہ زبان اردو جواب اڈریس دیا۔ بعد تقسیم عطر و پان جلسہ برخاست ہوا۔ ۳ بجے گھوڑ دوڑ و کشتی و شب کو روشنی و آتشبازی و ناچ طوائفوں کا ہوا اور اظہار مسرت میں ۱۱۸ قیدی فوجداری اور دو دیوانی کہ جن کی میعاد ۲۰ر جون ۱۸۸۷ء تک ختم ہونے والی تھی، جیل خانہ ہردوئی سے رہا ہوئے۔

رہائی قیدیاں: ۸ر مارچ ۱۸۸۷ء۔ بعائنہ گزٹ اردو محررہ ۵ مارچ ۱۸۸۷ء واضح ہو کہ بہ تقریب جشن جوبلی حضرت ملکہ معظمہ قیصرہ ہند تمامی عملداری انگریزی میں قیدیان فوجداری حسب ذیل رہا ہوئے۔

مرد ۱۱٬۸۳۸، عورتیں ۱۴۶۷۔ کل ۱۳٬۳۰۵۔

وفات واجد علی شاہ: ۲۲ر ستمبر ۱۸۸۷ء۔ کل واجد علی شاہ سابق بادشاہ اودھ نے بمقام مٹیابرج کلکتہ بہ عمر ۷۰ سال قضا کی۔ مرحوم کے ۱۹ لڑکے اور ۲۸ لڑکیاں ہیں۔

نول کشور: ۵ر جنوری ۱۸۸۸ء۔ چودھری نصرت علی صاحب رئیس سندیلہ و اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ہند لکھنؤ کو خطاب خان بہادر گورنمنٹ انگلشیہ سے یکم جنوری ۱۸۸۸ء کو حاصل ہوا جس کا میں نے خط مبارکباد چودھری صاحب کو لکھا۔ منشی نول کشور مالک مطبع اودھ اخبار کو بھی خطاب سی۔ آئی۔ ای کا گورنمنٹ سے حاصل ہوا۔ ان کو بھی میں نے خط مبارکبادی بھیجا ہے۔

کاشت خربوزہ: ۱۱ر جولائی ۸۸ء — اودھ اخبار محررہ ۱۱ جولائی ۸۸ نمبری ۱۸۹۶ء کے کالم اول میں درج ہے کہ اگر تخم خربزہ دودھ اور شہد میں تر کر کے بوئے جائیں تو پھل نہایت شیریں ہوگا اور اگر اس کے تخم کو گلاب میں رکھے اور پھر اس کو بوئے تو خربزہ میں گلاب کی خوشبو ہوگی اور جس کھیت میں خربزہ میں کیڑے

پیدا ہو گئے ہوں تو ان کیڑوں کو جمع کر کے پانی میں جوش دے اور اس کو دوسرے کھیت کے خربزہ میں ڈال دے تو اس کھیت میں کیڑے پیدا نہ ہوں گے۔

<u>کانگریس</u>: ۱۶ جولائی ۱۸۸۸ء - آج نو بجے صبح کے کانگریس اور بنگالیوں کے خلاف ایک جلسہ چودھری محمد عظیم صاحب کے مکان پر منعقد ہوا جس میں صاحبان ذیل شریک تھے اور بعد فراغت جلسہ تین تار مخالفت کانگریس بہ پریسیڈنٹی چودھری محمد عظیم صاحب بنام مہتمم پانیر و اکسپریس لکھنؤ، و منشی امتیاز علی صاحب وکیل لکھنؤ کو بھیجے گئے اور پانچ اسپیچیں ارباب ذیل کی طرف سے منظور کی گئیں اور بعد پاس ہونے رزولیشن پاس شدہ مطبع آزاد لکھنؤ کے کسی پرچہ آئندہ میں طبع کیا جائے گا۔ تفصیل حاضرین جلسہ چودھری محمد عظیم صاحب، چودھری جاوید علی صاحب، راجہ درگا پرشاد صاحب، کنور نریندر بہادر صاحب، شیخ احمد علی صاحب شوق مالک مطبع آزاد لکھنؤ، سید نجم الدین و قمر الدین، لچھمن پرشاد بزاز، لالتا پرشاد بزاز، مہاراج شیو سہائے، راقم تحریر ہذا۔ صراحت ان اشخاص کی جن کی اسپیچیں منظور ہوئیں۔ چودھری محمد عظیم صاحب، چودھری نصرت علی صاحب، راجہ درگا پرشاد صاحب، کنور نریندر بہادر صاحب، راقم الحروف۔

<u>تعداد فوج</u>: ۲۲ ستمبر ۱۸۸۸ء بمعائنہ پرچہ جریدہ روزگار مدراس مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۸۸۸ء واضح ہوا کہ ہندوستان میں کل فوج انگریزی بقید گورہ و ہندوستانی حسب ذیل ہے۔ فوج گورہ ۷۹،۱۳۰۰، فوج ہندوستانی ۱۳۴۴۷۱۔ کل ۲۰۵۸۵۰۔ سرکار انگریزی ایسی منظم ہے کہ اس قلیل فوج سے کل ہندوستان اور بنادر کا خوش اسلوبی کے ساتھ بندوبست کر رہی ہے۔ عہد شاہی میں قریب دو لاکھ کے فوج لکھنؤ میں رہتی تھی۔ لیکن اس سے صرف اودھ کا انتظام قابلِ اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔

<u>سرحد و تبت</u>: ۳ نومبر ۱۸۸۸ء - بالفعل جو جنگ مابین فوج برٹش و حسن زئی وغیرہ فرقہ ہزارا کے ہو رہی ہے اس میں متواتر فتح فوج انگریزی کو ہوئی۔ اگرچہ کپتان بیلی صاحب و دیگر افسران فوج ضائع ہوئے۔ لیکن انگریزوں نے اکثر دیہات ان کے اجاڑ دیے اور قلعے منہدم کر دیے، اہل فرقہ بحالت مجبوری اطاعت قبول کرتے جاتے ہیں اور جرمانہ مجوزہ برٹش ادا کرتے جاتے ہیں غالباً قریب زمانے میں فوج انگریزی بعد عہد و مواثیق مزوری مظفر و منصور واپس ہو۔ صاحب اقبال سے مقابلہ جن کا ستارہ ترقی اوج پر ہے نہایت مشکل و دشوار ہے۔ انگریزوں نے مقامات سکم و تبت والوں کو بھی شکست فاش دی اور ان کی فوج مفرور ہو گئی۔

<u>کانگریس</u>: ۱۳ نومبر ۱۸۸۸ء آج میرے نام ایک خط مرسلہ کنور پرنام سنگھ صاحب بہادر سی۔ آئی۔

ای آنریری سکریٹری انجمن ہند تعلقہ داران اودھ محررہ ۸ نومبر ۱۸۸۸ء بدیں مضمون موصول ہوا کہ حسب تجویز کمیٹی انجمن ہند مورخہ ۵ نومبر ۱۸۸۸ء یہ امر قرار پایا ہے کہ ۲۲ نومبر کو ایک جلسہ عام اہل ہنود و اہل اسلام و دیگر مذاہب و اقوام خیر خواہان ملک و بہی خواہان انگلش گورنمنٹ کا واسطے تصفیہ چند مقاصد مفید ملک و گورنمنٹ کے شہر لکھنؤ مقام بارہ دری قیصر باغ میں کیا جاوے۔ اسی جلسے میں ترتیب دستور العمل انڈین یونائیٹیڈ پیٹریاٹک کمیٹی کی بھی عمل میں آئے اور تقسیم کارہائے ضروری متعلقہ اینٹی کانگریس بھی ہو جائے ....

میرا خیال ہے کہ بشرط امکان اس جلسے میں شریک ہوں کیوں کہ یہ جلسہ خلاف کانگریس منعقد ہوگا۔ اور مجھے اس سے مخالفت ہے بلکہ قبل اس کے میرا ایک بیان متعلقہ اینٹی کانگریس انگریزی میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکا ہے......

اینٹی کانگریس: ۲۲ نومبر ۱۸۸۸ء۔ آج دو بجے شام کو جلسہ اینٹی کانگریس میں بارہ دری قیصر باغ میں شریک ہوا۔ قریب ایک ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ منجملہ ان کے چند مشاہیر کا نام درج ذیل ہے۔

راجہ شیو پرشاد صاحب "بنارس"، سر سید احمد خاں صاحب بہادر (علی گڑھ) اودے نرائن سنگھ صاحب تعلقدار (مہدونہ)، راجہ پرتاپ نرائن سنگھ صاحب تعلقدار (بھنگا)، راجہ تصدق رسول صاحب تعلقدار (جہانگیر آباد)، چودھری محمد عظیم صاحب تعلقدار (اکبرالی) وغیرہ وغیرہ اولاً منشی امتیاز علی صاحب وکیل نے منجانب انجمن شکریہ تکلیف فرمائی شرکائے کمیٹی کا ادا کیا۔ بعدہ منشی اطہر علی صاحب وکیل نے اس چٹھی کا ترجمہ پڑھا جو سر آکلینڈ کالون صاحب لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و اودھ نے مسٹر ہیوم صاحب بانی کانگریس کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جس سے جناب ممدوح کی مخالفت بانیان قومی کانگریس سے صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ ازاں بعد اس کمیٹی کا نام انجمن خیر خواہان ملک ہند رکھا گیا جس کے پریسیڈنٹ اودے صاحب تعلقدار مہدونہ باتفاق رائے تجویز ہوئے اور سر سید احمد خاں صاحب اور راجہ صاحب (بھنگا) سکتری قرار پائے اور ممبران انجمن میں راقم کا نام حسب تحریک چودھری نصرت علی صاحب درج ہوا۔ شام کو جلسہ برخاست ہوا اور راقم اپنے مکان مشک گنج میں مقیم ہوا۔

مفصل دریافت ہوا کہ دعوت لفٹیننٹ گورنر بہادر میں جو ۱۷ نومبر ۱۸۸۸ء بمقام محمود آباد قرار پائی تھی راجہ امیر حسن خاں صاحب والی ریاست کا ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ صرف ہوا۔ انواع اقسام کے کھانے پخت ہوئے تھے۔ سامان رقص و رنگ و روشنی و آتش بازی وغیرہ قابل دید تھا۔ قبل اس کے راجہ

صاحب موصوف نے مبلغ پچپن ہزار روپیہ دعوت لارڈ ڈفرن صاحب گورنر جنرل کشور ہند میں بمقام شملہ صرف کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان سب مصارف کا مقصد حصول خطاب سے ہو۔

لینس ڈاؤن ولارڈ ڈفرن: ۴؍ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ کو مارکوئس لینس ڈاؤن صاحب بہادر جدید گورنر جنرل کشور ہند داخل بمبئی ہوئے اور ۶ ماہ حال کو کلکتہ جاکر ۱۰؍ دسمبر کو چارج وائسرائے لارڈ ڈفرن صاحب سے حاصل کریں گے۔ لارڈ صاحب جدید کی عمر ۴۳ سال کی ہے قبل اس کے ملک کناڈا کے گورنر جنرل تھے۔ آدمی ذی علم لائق اور صاحب تجربہ ہیں دیکھنا چاہیے کہ رعایا کے حق میں کیا سلوک کرتے ہیں۔ لارڈ ڈفرن صاحب اگرچہ بہت بڑے مدبر زیرک، ہوش مند و تجربہ کار تھے اور ان کے عہد میں برہما فتح ہوا۔ سکم اور ہزارا میں کامیابی کے ساتھ جنگ ہوئی لیکن رعایا کو ان کی وجہ سے نفع نہیں ہوا بلکہ قانون ٹیکس انھوں نے جاری کیا جس سے عموماً ہر پیشہ ور ملازم وغیرہ کو پریشانی لاحق ہے لارڈ ڈفرن صاحب کی عمر ۶۰ سال کی ہے۔ ایکٹ لگان اودھ یعنی ایکٹ نمبر ۲۲؍ ۱۸۸۶ء حضرت ہی کے وقت میں پاس ہوا جس سے زمینداروں کی بالکل بے اختیاری ہو گئی۔ باب بے دخلی کاشتکاران مطلقاً مسدود ہوا۔

جدید وائسرائے: ۱۳؍ دسمبر ۱۸۸۸ء معائنۂ اودھ اخبار" محررہ امروزہ سے معلوم ہوا کہ لارڈ لینس ڈاؤن صاحب جدید وائسرائے ۹؍ دسمبر ۱۸۸۸ء کو داخل کلکتہ ہوئے اور ۱۰؍ دسمبر کو چارج وائسرائے کا لے کر انتظام سلطنت میں مصروف ہوئے۔ اور لارڈ ڈفرن صاحب سابق گورنر جنرل ہند بعد دینے چارج کے اسی وقت صبح کے ۱۰ بجے بعزم ولایت روانہ بمبئی ہوئے۔

وائسرائے اور گورنروں کی تنخواہ: ۲۴؍ فروری ۱۸۸۹ء پرچہ جریدہ روزگار مدراس محررہ ۹؍ فروری ۱۸۸۹ء بحوالہ گائڈ اخبار واضح ہوا کہ گورنر جنرل ہند و گورنر لوکل گورنمنٹوں کی تنخواہ حسب ذیل ہے۔

نام گورنمنٹ: وائسرائے ہند تنخواہ سالانہ دو لاکھ پچاس ہزار آٹھ سو، نام گورنمنٹ: گورنر بمبئی تنخواہ سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار، نام گورنمنٹ: لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی تنخواہ سالانہ اسّی ہزار نام گورنمنٹ: گورنر مدراس تنخواہ سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار، نام گورنمنٹ لفٹیننٹ گورنر بنگالہ تنخواہ سالانہ بانوے ہزار نام گورنمنٹ: لفٹیننٹ گورنر پنجاب تنخواہ سالانہ چھہتر ہزار۔

لینس ڈاؤن: ۱۸؍ اپریل ۱۸۸۹ء۔ آج ۶ بجے شام کے خاص ریل گاڑی میں لارڈ اور لیڈی لینس ڈاؤن صاحب مع مصاحبین وغیرہ لکھنؤ سے براہ سنڈیلہ روانہ شملہ ہوئے۔ چوکیدار و کانسٹبل ایک ایک میل کے

فاصلہ پر واسطے حفاظت ریل گاڑی کے مامور تھے یہ گورنر جنرل نہایت سلیم الطبع اور لایق شخص ہیں۔

شہزادہ وکٹر: ۱۲ر نومبر ۱۸۸۹ء۔ ۹ر نومبر کو شہزادہ وکٹر خلف پرنس آف ویلس ولی عہد انگلستان بطور سیر و سیاحت داخل شہر بمبئی ہوئے ہندوستان کے کل نامی شہروں کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

۱۸ر جنوری ۱۸۹۰ء۔ آج صبح شہزادہ البرٹ وکٹر نبیرۂ ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند رونق افروز لکھنؤ ہوئے کل تعلقہ داران سندیلہ واسطے شرکت جلسۂ دعوت و روشنی و آتش بازی جو منجانب انجمن ہند لکھنؤ آج رات کو ہوئی ۷ بجے روانہ لکھنؤ ہوئے۔ راقم نہیں گیا کہ صرف بے جا تھا۔

زکام و بخار: یکم اپریل ۱۸۹۰ء۔ قصبہ سندیلہ اور اس کے نواح و نیز تمام ہندوستان میں آج کل بیماری زکام و بخار کی بشدت تمام ہے کوئی گھر ایسا نہیں ہے کہ جس میں اس کی شکایت نہ ہو لیکن محل شکر ہے کہ اس بیماری سے ابتک کوئی ضائع نہیں ہوا۔

انفلوئنزا: بخار انفلوئنزا انگلستان سے یہاں آیا ہے وہاں یہ بڑا مہلک تھا۔ یہ سرد ملک کا عارضہ ہے جس کو جوشاندہ سے فائدہ ہوتا ہے سرد چیزیں مضر ہیں۔ فاقہ و علاج نہ کرنا اس کی عمدہ دوا ہے۔ ہندوستان کے سرد ملکوں میں یہ مہلک قرار پایا ہے۔ سنا گیا ہے کہ جبل پور میں نو سو آدمی ہلاک ہوئے۔

بارش: ۱۰ر اگست ۱۸۹۰ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار وغیرہ واضح ہوتا ہے کہ امسال تمامی ہندوستان میں اس قدر بہ کثرت بارش ہوئی جس سے مکانات خام و پختہ و سڑک ریلوے و فصل خریف وغیرہ کو از حد نقصان ہوا۔ اشخاص مُسن کا بیان ہے کہ ایسی بارش ان کی عمر میں شاید کبھی ہوئی ہو۔ سڑک ریل کانپور اناؤ کو ایسا صدمہ پہنچا کہ تین ہفتہ تک وہ جاری نہیں ہو سکتی اور یہی کیفیت بریلی ریل کی رام گنگا نے کر رکھی ہے۔ آمد و شد مطلقاً بند ہے۔ مغل سرائے بنارس ہو کر ڈاک کانپور الہ آباد اور لکھنؤ کو آتی ہے۔ تحقیق سے سنا گیا ہے کہ جس مقام پر ریل کانپور کی بگڑی ہے اس مقام پر تیس فٹ اونچا پانی سڑک پر آ گیا ہے۔

ایجوکیشن کانگریس علیگڑھ: ۳۰ر نومبر ۱۸۹۰ء آج شب کو چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار گکرالی و رئیس اعظم سندیلہ و چودھری نصرت علی خلف چودھری عظمت علی صاحب مرحوم سکریٹری انجمن ہند لکھنؤ و رئیس سندیلہ و چودھری محمد رؤف صاحب خلف چودھری حشمت علی صاحب تعلقہ دار مرحوم و مولوی فرید الدین صاحب رئیس کٹرہ حال سب جج پنشن یافتہ میری عیادت کو تشریف لائے۔ مولوی صاحب نے استدعا کی کہ ایجوکیشن کانگریس علی گڑھ کے جس کے سرپرست مولوی سید احمد خاں صاحب ہیں آپ ممبر تجویز

ہوئے اور آپ سے ممبری کی فیس پانچ روپیہ چاہیے پس آپ زر مذکورہ داخل کریں۔ چنانچہ راقم نے بپاس خاطر مولوی صاحب بلا لحاظ طمع ممبری اسی وقت مبلغ مطلوبہ پیش کیے۔

۱۲؍ دسمبر ۱۸۹۰ء۔ آج ایک خط سر سید احمد خاں صاحب سکریٹری محمڈن ایجوکیشن کانگریس الہ آباد بدیں مضمون بنام راقم موصول ہوا کہ من ابتدائے ۲۸؍ دسمبر ۱۸۹۰ء لغایت ۳۰ ماہ مذکور اس اجلاس کانگریس بمقام الہ آباد قرار پایا ہے، چونکہ آپ اس جلسہ کے ممبر ہیں اگر شرکت کریں تو پیشتر سے مطلع فرمائیں کہ ریلوے اسٹیشن پر سواری بھیجی جائے اور انتظام مکان و قیام اور سامان مہمان داری ہر قسم کا بغرض آسائش و آرام آپکے مہیا کیا جاوے۔

دو شاہزادوں کا سفر ہند: ۲۷؍ دسمبر ۱۸۹۰ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار محررہ امروز سے واضح ہوا کہ شہنشاہ زادہ سلطنت روس و شہزادہ جارج ملک یونان ۲۳؍ دسمبر ۱۸۹۰ء کو بطور سیر و سیاحت ہندوستان داخل بمبئی ہوئے جن کا بہت جلوس کے ساتھ منجانب انگلش گورنمنٹ اعزاز ہوا۔ یہ نامی مقامات ہندوستان کی سیر کریں گے اور مقامات سرحدی بھی ملاحظہ کریں گے۔

طریقہ تعلیم: ۱۶؍ فروری ۱۸۹۱ء۔ چونکہ طریقہ تعلیم مبتدی اب نہایت خراب حالت میں ہے۔ معلم مکتبی اسی پرانے ڈھنگ سے تعلیم کرتے ہیں جس سے چند سال تک مبتدی کو کوئی لیاقت استعداد پیدا نہیں ہوتی اور مثل طوطے کے بلا فہمید الفاظ فارسی و عربی کے رٹا کرتا ہے لہذا بعد غور میں نے تجویز کیا کہ بقاعدہ مدارس گورنمنٹ نور دیدہ منتظم حسین کی تعلیم کراؤں۔

مردم شماری: ۲۶ فروری ۱۸۹۱ء۔ آج نو بجے رات کو کل ہندوستان و تمامی جزائر و ممالک محروسہ گورنمنٹ انگریزی کی مردم شماری ہوئی۔

مسٹر کوینٹن: ۲۸؍ مارچ ۱۸۹۱ء کی رات کو مسٹر کوینٹن صاحب چیف کمشنر آسام کو منی پوریوں نے قتل کیا۔

ایک لغت انگریزی: ۳۱؍ جولائی ۱۸۹۱ء۔ آج ایک کتاب انگریزی ڈکشنری (کتاب لغت) جس میں انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی معنی بآسانی نکلتے ہیں اور ایسی کتاب اس وقت تک جامع و مانع تالیف نہیں ہوئی ہے اور عموماً بیس روپیہ اس کی قیمت ہے آج مجھے میر علی حسین ہیڈ ماسٹر انگریزی سندیلہ کے ذریعہ علی احمد خاں ولد امیر خاں سابق ہیڈ ڈاکٹر شفاخانہ سندیلہ سے بہ قیمت مبلغ پانچ روپیہ حاصل ہوئی۔

طریقہ تعلیم: ۱۵؍ ستمبر ۱۸۹۱ء۔ میرا تجربہ ہے کہ ملا مکتبی اپنے طریقہ قدیمہ کی تعلیم سے لڑکوں کو کودن کر دیتے ہیں، میں نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ سات برس کے تعلیم یافتہ لڑکے کو اس قدر مادہ حاصل و متواصل

نہ تھا کہ وہ خط وکتابت بلاتکلف کر سکتا۔ لہٰذا اس تعلیم سے مجھے تنفر کامل ہو گیا ہے ....

انگریزوں کی طمع: ۱۹ ستمبر ۱۸۹۱ء۔ اب انگریزوں کو بھی طمع زیادہ ہو گئی ہے اور بمقابلہ اپنے فائدہ کے تحریراً و تقریراً غلط بیان کرنے میں ان کو کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ سچ یہ ہے کہ روپیہ دنیا میں عجب چیز ہے جس سے سب تمنائیں بہ آسانی پوری ہو سکتی ہیں۔

وفات البرٹ: ۱۵ جنوری ۱۸۹۲ء۔ کل واقعہ ۱۴ جنوری کو شاہزادہ البرٹ وکٹر خلف اوّل پرنس آف ویلز نے بہ مقام لندن بہ عمر ۲۸ سال عارضہ بخار میں رحلت کی۔ ان کی شادی عنقریب ہونے والی تھی۔ سال پیوستہ میں ہندوستان کو تفریحاً تشریف لائے تھے۔ اگر زندہ رہتے تو بعد اپنے باپ کے وہی شہنشاہ انگلستان وغیرہ کے ہوتے۔ یہ ملکہ وکٹوریہ کے پوتے تھے۔

وفات حکیم محمود علی خاں: ۳۰ جنوری ۱۸۹۲ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار محررہ امروزہ سے واضح ہوا کہ حکیم محمود خاں طبیب دہلی نے واقعہ ۲۴ جنوری بہ عمر ۷۰ سال عارضہ فالج میں قضا کی۔ یہ بڑے نامور اور حاذق حکیم تھے۔ دور دور ملکوں میں ان کا نام تھا اور مریض معالجہ کو آتے تھے۔ مرحوم کا اکثر کشتہ جات پر عمل تھا اور نہایت دولتمند طبیب تھے مگر اپنا جانشین بھی بہت لائق چھوڑا جو ان کا پورا یادگار رہے گا۔

ہیضہ: ۲۶ مئی ۱۸۹۲ء۔ گرمی بشدت ہوتی ہے خلائق کو از حد انتشار ہے، خدا رحم کرے۔ ہندوستان کے اکثر حصص میں شکایت ہیضہ وبائی پیدا ہے۔ کابل میں ۱۹ اپریل سے ۲۹ اپریل تک ۵۵۵ آدمی ہیضہ سے ضائع ہوئے۔

۱۰ جون ۱۸۹۲ء۔ بمعائنہ اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ جب سے ۹۲ء شروع ہوا ہے صدہا جلیل القدر و معزز اشخاص یورپین اور بیسیوں راجہ و مہاراجہ و نواب ہندوستانی بہ عوارض مختلف رہ گرائے عالم بقا ہوئے اور شکایت بیماری ہیضہ وغیرہ ہر مقام پر بہ کثرت ہے جس سے اوسط و ادنیٰ درجہ کے اشخاص ہزارہا ضائع ہوئے ہیں اور ہنوز موسم بارش کا آغاز نہیں ہوا ہے، جس میں انواع اقسام کی بیماری کا خروج ہوتا ہے اور واقعات طرح طرح کے پیش آتے ہیں، دیکھا چاہیے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے میری یاد میں ایسا سال ناقص کمتر وقوع پذیر ہوا۔ خدا اپنا رحم فرمائے۔

۲۸ جون ۱۸۹۲ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار (جو اس زمانے میں اعلیٰ درجہ کا روزانہ اخبار ہے اور مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے) واضح ہوا کہ کسی شہر و قصبہ وغیرہ میں ہنوز کما حقہ بارش نہیں ہوئی اور

سخت پریشانی پیدا ہو رہی ہے دیکھا چاہیے کہ انجام اس کا کیا ہو جس کا آغاز ایسی حالت سے ہو رہا ہے۔

<u>دادا بھائی نوروجی</u>: ۲۳ اگست ۱۸۹۲ء۔ مسٹر دادا نوروجی قوم پارسی اوّل ہندوستانی ہیں جو پارلیمنٹ انگلستان کے ممبر مقرر ہوئے جس کی تصدیق اخبارات انگریزی سے ہوتی ہے۔ یہ ساکن بمبئی ہیں۔

<u>مردم شماری</u>: ۶ اگست ۱۸۹۲ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ بحوالہ کانپور گزٹ مورخہ ۲۳ جولائی کے واضح ہوا کہ جو مردم شماری واقعہ ۲۶ فروری ۱۸۹۱ء کو ہوئی تھی اس کی رو سے حسب ذیل تعداد مختلف مذاہب کے پیروؤں کی ہے۔

ہندو ۲۰ کروڑ ۷ لاکھ، مسلمان ۵ کروڑ ۷ لاکھ، بودھ ۷ لاکھ، عیسائی ۲۵ لاکھ آبادی جنگلات ۹ لاکھ، پارسی نواسی ہزار نوسو نواسی ۔۔۔۔۔ یہودی ۱۷ ہزار ایک سو اٹھاسی، ملحد ۳ سو نواسی، برہمو ۴ ہزار چار سو ایک آریا ۴۰ ہزار چھ سو مذہب نامعلوم .... انتالیس ہزار سات سو پینسٹھ تعداد ہندو سب قوموں میں زائد ہے۔

<u>کثرت بارش</u>: ۲۱ اگست ۱۸۹۲ء۔ دیکھنے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ تمامی ہندوستان میں بارش کی کثرت ہے۔ پانی کی طغیانی سے اکثر دریاؤں کے پل شکست ہو گئے اور سڑک ہائے ریلوے بہہ گئیں جس کی وجہ سے اکثر حادثات ہوئے۔ ایسی بارش کی شدت سابقاً کم ہوئی ہے جیسی سال گزشتہ و حال میں ہوئی۔

<u>لفٹیننٹ گورنر</u>: یکم دسمبر ۱۸۹۲ء۔ بہ معائنہ انتخاب گزٹ سرکاری مطبوعہ ۲۸ ماہ حال سے واضح ہوا کہ بحکم ۳۱ اکتوبر ۱۸۹۲ء نمبری ۳۸ ڈ نواب گورنر جنرل صاحب بہادر آف انڈیا کے سر آکلینڈ کالون صاحب بہادر لفٹیننٹ و چیف کمشنر اودھ نے اپنا چارج لفٹیننٹی واقع ۲۸ نومبر سنہ الیہ کو وقت ایک بجے دن کے بمقام الہ آباد سر چارلس کراس ویٹ صاحب بہادر جدید لفٹیننٹ گورنر کو حوالہ کیا اور اب تین بج کے چالیس منٹ پر الہ آباد سے روانہ ولایت لندن ہوئے۔ صاحب ممدوح کے زمانہ حکومت میں اکثر پانی کے کام و چند جدید اسپتال مقامات مختلف میں بہ نام لیڈی ڈفرن کھولے گئے۔

<u>سردی</u>: ۲۱ فروری ۱۸۹۳ء۔ بمعائنہ اخبارات واضح ہوتا ہے کہ امسال کی ایسی سردی چند سال گزشتہ میں نہیں ہوئی جس کی تصدیق مُسن لوگوں سے ہوتی ہے کہ کشمیر میں پیالوں کی چائے جم جاتی ہے اور بیضہ مرغ اگر زمین پر پھینکے جاتے ہیں تو مثل لکڑی کے ان میں آواز آتی ہے۔ ٹوٹنے پھوٹنے کا کچھ خیال ہی نہیں گزرتا۔ کل سے ابر باد گھٹ گیا ہے جس سے فی الجملہ ازالہ زدگی سے اطمینان پیدا ہوا، اگر پھر اعادہ نہ کرے۔

رؤساء ہند کی آمدنی: ۲۵ مارچ ۱۸۹۳ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ سے واضح ہوا کہ آمدنی سالانہ رؤسائے ہندوستانی حسب ذیل ہے۔

ریاست حیدرآباد دکھن ۲ کروڑ گوالیار سوا کروڑ، گیکواڑ بروده ایک کروڑ ۲۰ لاکھ، میسور ایک کروڑ سے کچھ زیادہ، کشمیر ۸۵ لاکھ، اودے پور ۴۶ لاکھ، ٹراونکور ۶۰ لاکھ، اندور ۵۰ لاکھ، پٹیالہ ۴۴ لاکھ، بھرت پور ۲۸ لاکھ، بھوپال ۳۶ لاکھ، جودھ پور ۲۵ لاکھ، ریواں ۲۵ لاکھ، الور ۳۰ لاکھ، بھاول پور ۱۹ لاکھ، کپورتھلہ ۱۷ لاکھ، راؤصاحب کچھ ۱۳ لاکھ۔

یہ بھی اس اخبار سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے شہروں میں بلحاظ آبادی سب سے اول شہر کلکتہ پھر بمبئی پھر مدراس پھر حیدرآباد و لکھنؤ ازاں بعد بنارس ہے۔

موسم: ۸ مئی ۱۸۹۳ء۔ اگرچہ مہینہ جیٹھ کا رواں ہے۔ لیکن فصل میں کچھ ایسا غیر معمولی انقلاب ہے کہ شب و روز بہ شدت ہوا مشرقی چلتی ہے اور شب کو سردی ہوتی ہے چنانچہ آج جب میں بوقت شب زیر سائبان سو رہا تھا تو مجھے لحاف اوڑھنے کی ضرورت داعی ہوئی اور یہی غیر معمولی کیفیت تمامی ہندوستان میں دیکھے۔ اخبارات سے ظاہر ہوتی ہے میرے ہوش میں ایسا حال کبھی دیکھنے میں نہ آیا۔

ٹیکہ ہیضہ: ۱۴ مئی ۱۸۹۳ء ڈاکٹر ایم ہیفکن شہر پیرس ملک فرانس کے رہنے والے ہیں اور حسب اجازت وزیر اعظم سلطنت لندن وارد ہندوستان ہو کر کلکتہ میں تشریف لائے ان کا تجربہ ہے کہ جیسے ٹیکہ لگانے سے چیچک نہیں نکلتی اسی طور سے عارضہ ہیضہ ٹیکہ دینے سے نہیں عارض ہوتا۔ زخم ٹیکہ کے ذریعہ سے جسم میں پہنچاتے ہیں ایک مرکب عرق کو جو ہر رگ و پے میں اثر کر جاتا ہے اور صاحب ٹیکہ بیمار کا ہیضہ سے محفوظ رہتا ہے۔ ٹیکہ دینے سے اور استعمال دوا سے چنداں تکلیف نہیں ہوتی۔ چنانچہ بالفعل آگرہ، علیگڑھ اور جھانسی وغیرہ میں فوجی لوگوں کو ٹیکہ دے رہے ہیں۔ دیکھا چاہیے کہ موسم ہیضہ میں اس کا کیا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

آم: ۹ جولائی ۱۸۹۳ء فصل آم کی امسال ایسی افراط ہے کہ ایک سو آم ۲ پائی کو ملتا ہے ایسی ارزانی کبھی دیکھی اور سنی نہیں گئی۔ غربا نے روٹی کھانا موقوف کر دیا ہے جب کہ ڈیڑھ پائی میں ان کو سیری ہو جاتی ہے۔

ہندو مسلم فساد: ۱۸ اگست ۱۸۹۳ء آج کل جہاں تک میں خیال کرتا ہوں تو

کوئی اہل دنیا خالی از فکر اور تردد نہیں۔ کسی نہ کسی رنج میں ضرور مبتلا ہے۔ چنانچہ بمعائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ سے واضح ہوا کہ بوجہ نزاعت اہلِ اسلام و ہنود ریاست جوناگڑھ کاٹھیاوار و نیز شہر بمبئی میں جو ایک نہایت مہذب شہر ہے واقعہ ۱۱ اگست سن رواں کو درمیان ہندو اور مسلمانوں کے سخت لڑائی ہوئی۔ ۴ قتل اور ۵۰ زخمی ہوئے اور مسٹر وینٹ کمشنر پولیس بروقت انسداد حملہ زخمی ہوئے۔ مقام غور ہے کہ ایسا تسلط اور اس میں ایسے مناقشات کا پیش آنا نہایت تعجب خیز ہے علی الخصوص بمبئی میں جو نہایت مہذب شہر ہے اور جہاں سو برس سے زائد عمل داری سرکار کو گزر چکے ہیں۔

۱۸ اگست ۱۸۹۳ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار محررہ امروزہ کے معلوم ہوا کہ ۱۲ اگست یوم دوشنبہ کو بھی بمقام بمبئی مابین اہل اسلام و ہنود کے بلوہ قائم رہا اور ۱۵ آدمی قتل اور ۶۰ زخمی ہوئے اور واسطے انفصال مقدمات مجرموں کے تیرہ خاص مجسٹریٹ مقرر ہوئے ہیں۔ انجام اس کا بخیر نہیں۔

نرخ غلّہ: ۱۹ ستمبر ۱۸۹۳ء۔ امسال غلّہ کی ایسی ارزانی ہے کہ شاید قبل اس کے کہ جب سے ریل جاری ہوئی کبھی نہیں ہوئی اور حالات فصل خریف بھی اس وقت تک بہت عمدہ ہے اوسط درجہ نرخ غلہ آج کل فی روپیہ حسب ذیل بازار میں فروخت ہوتا ہے۔

گندم ۱۸ سیر، گوجئی ۲۵ سیر، بجھرا ۲۵ سیر، نخود ۲۶ سیر، ماش ۱۸ سیر، ارہر ۲۶ سیر، مونگ ۱۵ سیر، دھان ۴۰ سیر، جوار کلاں ۲۶ سیر۔

مردم شماری: ۲۱ ستمبر ۱۸۹۳ء۔ مردم شماری ۱۸۹۱ء سے واضح ہوا کہ تمامی ہندوستان میں ۲۸ کروڑ ۷۲ لاکھ ۲۳ ہزار آبادی ہے۔ کل فرقے کے آدمیوں سے حسب ذیل اذکار رفتہ ہیں بیوقوف و خراب دماغ کے آدمی ۷۴ ہزار ۲ سو ۸۹ بہرے اور گونگے ایک لاکھ ۹۶ ہزار ۴ سو اکسٹھ اندھے ۴۵۸۸۶۸۔

زلزلہ: ۴ جنوری ۱۸۹۴ء ..... آج بوقت ساڑھے پانچ بجے شام کے زلزلہ محسوس ہوا چونکہ فی الجملہ شدید تھا اور تمام کوٹھی میری جنبش کرنے لگی تھی لہٰذا میں اندیشناک ہو کے باہر صحن کے چلا گیا تھا اور قیام اس کا تقریباً دو منٹ تک رہا اور چار منٹ کے بعد پھر محسوس ہوا جو نصف منٹ سے زائد نہیں رہا۔

کرنل ہارس فورڈ: ۹ فروری ۱۸۹۴ء۔ بمعائنہ اخبار انگریزی مارننگ پوسٹ، الہ آباد مطبوعہ ۹ فروری کے معلوم ہوا کہ کرنل ہارس فورڈ صاحب سابق ڈپٹی کمشنر ہردوئی حال چیف کمشنر جزیرہ انڈمان کو ایک جنم قیدی مسمی بھیارام برہمن نے جو میرٹھ کے باغیوں سے اکیس سال عمر کا دائم الحبس ہوا

تھا چھریوں سے سر و شانہ کو شدید زخم پہنچائے اور دو انگلیاں بھی کٹ کر جدا ہو گئیں۔ اول لیڈی صاحبہ ہارڈ فورڈ نے جرات کر کے اسے پکڑا۔ بعدہ اور لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ چونکہ صاحب بہادر کے مزاج میں سختی و دشنام دہی زائد تھی عجب نہیں کہ اسی وجہ ایسی نوبت کو پہنچے ہوں۔ چونکہ مرد دست از جاں بشوید ہر چہ در دل آید بگوید۔

انفلوئنزا : ۲۲ مارچ ۱۸۹۴ء۔ آج میں بعد دوپہر بخار و کھانسی میں مبتلا ہو گیا۔ اعضا شکنی اور درد سر کی شکایت بڑھی۔ شب کو غذا نہیں کی اور بے خوابی کے ساتھ نیند آئی نفخ نے اور بھی تکلیف دی۔ یہ ایک انگریزی بخار انفلوئنزا ہے جس کی آج کل عام شکایت ہے۔

گرہن : ۶ اپریل ۱۸۹۴ء۔ مجھے اپنے ہوش میں ایسے مشاہدہ کا اتفاق ہوا کہ چندر گرہن اور سورج گرہن ایسے زمانہ قریب میں پڑے ہوں جیسا کہ ۱۸۹۴ء میں۔ چندر گرہن ۲۱ مارچ ساڑھے چھ بجے شام کو اور سورج گرہن آج صبح کے ساڑھے چھ بجے پڑے تھے۔ ۱۷ دن میں دونوں قسم کے گرہن پڑے۔ دیکھا چاہیے کہ اس کا پھل کیا ہو۔ ہندو لوگ تو ناقص بتلاتے ہیں۔ انگریزی قاعدہ سے جب زمین درمیان چاند و سورج کے آجاتی ہے اس وقت چندر گرہن ہوتا ہے اور جب چاند درمیان سورج و زمین کے آجاتا ہے اس وقت سورج گرہن ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

غدر کا گمان : ۱۴ جون ۱۸۹۴ء۔ صوبہ بہار بنگالہ اور اضلاع گورکھپور بلیا و اعظم گڑھ وغیرہ میں آم کے درختوں میں مٹی کے چھوپے لگائے جا رہے ہیں جس کا حال باوصف تحقیقات پولیس ہنوز کچھ منکشف نہیں ہوا۔ بعض حکام گمان کرتے ہیں کہ اس کی حالت ۱۸۵۷ء کی چپکیاں کے موافق ہے جس کا حال ابتداء کچھ ظاہر نہیں ہوا اور آخر کو غدر ہو گیا۔ گورنمنٹ آف انڈیا کو اس حال سے از بس پریشانی ہے۔ اکثر یورپین کا ظن غالب ہے کہ عید قرباں میں کچھ نہ کچھ نزاع مذہبی ضرور برپا ہو گی خدا امن رکھے۔

ہیضہ : ۱۷ جولائی ۱۸۹۴ء .... مجھے چند سال کے تجربہ سے یہ بات تحقیق ہوئی کہ زمانہ بیماری ہیضہ میں جس روز بارش زیادہ ہوتی ہے اس روز بہت سے آدمی بیمار اور ضائع ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ رطوبت فضلیہ باعث مرض و ہلاکت ہے۔

۱۸ جولائی ۱۸۹۴ء .... میر نظر حسین خلف حسین علی اشراف محولہ نے آج دوپہر کو ہیضہ میں قضا کی جو کل گیارہ بجے رات کو مبتلا ہوئے تھے۔ متوفی خوش تقریر اور کارندہ گری میں بہت ہوشیار فارسی داں لائق شخص تھے.... ان کی ایک کہاوت ضرور قابل یادداشت ہے کہ متوفی ہیضہ میں مبتلا ہوئے

کہ تین گھنٹے قبل حکیم ظہور الحسن صاحب طبیب میونسپل سے براہ تعلّی بیان کرتے تھے کہ ہیضہ میں وہی لوگ مبتلا ہوا کرتے ہیں جو غذا ثقیل اور دیر ہضم کھاتے ہیں اور کثرت سے پانی پیتے ہیں اور ہم ایسے لوگوں کے پاس بیماری ہیضہ ہرگز نہیں آتی جو مرغن گوشت اور سپید دھلی ہوئی دال ماش کی کھاتے ہیں۔ لیکن یہ بیان ان کا برعکس ثابت ہوا اور تین گھنٹے کے بعد وہ مبتلائے ہیضہ ہوئے اور رحلت کر گئے۔ سچ یہ ہے کہ جب قضا آتی ہے تو اس کے وہی سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ سریع الہضم اور دیر ہضم غذا ہرگز اسے روک نہیں سکتی۔ میرے خیال میں جب اس قسم کی بیماری کا خروج ہو تو جن لوگوں کے مزاج میں خفقانیت کا دخل ہو ان کو ایسے ہولناک اخبار نہ سنانا چاہیے کیوں کہ بعض اوقات ایسا دیکھا گیا ہے کہ خوف کے باعث بھی دست آنے لگتے ہیں۔ ۲۳ر جولائی ۱۸۹۴ء۔ شب گزشتہ کو دختر خورد لالہ دیاشنکر متوفی نے ہیضہ سے قضا کی۔ جو لوگ لاش دیاشنکر متوفی کی گنگا لے گئے تھے ہنوز واپس نہیں آئے کہ یہ دوسرا واقعہ پیش آیا۔ گھر میں سوائے بیوہ اور رسالگ رام برادر خورد متوفی کے دوسرا نہیں ہے ہرچند کوشش کی گئی کہ کوئی ایک شخص از قوم ہنود اجرت دے کر واسطے تجہیز و تکفین متوفیہ کے بھیجا جائے لیکن یہ وقت ایسا ہولناک ہے کہ کوئی شخص اس طرف کا رخ نہیں کرتا۔ ایں الم بالائے الم است۔

۲۴ر جولائی ۱۸۹۴ء۔ آج ۱۰ بجے کی ریل گاڑی میں راجہ درگاہ پرشاد صاحب کا کُل خاندان لکھنؤ چلا گیا۔ راجہ صاحب تو چار دن پیشتر جا چکے تھے۔ اب رؤسا کی دیکھا دیکھی غربا بھی جہاں جس کا سُوبیتہ ہے بیرونجات کو جا رہے ہیں۔ اشراف محلّہ میں میری نقل و حرکت کے رکھنے سے بہت لوگوں کو دلاسا پیدا ہے اور وہ یہاں میرے ہونے کو غنیمت خیال کر کے اپنی تشفی کرتے رہتے ہیں اس وجہ سے اشراف محلّہ کی رونق بمقابلہ دوسرے محلّوں کے بخوف ہیضہ کم نہیں ہوئی۔ میں اپنے خدا پر پورا بھروسہ کیے ہوئے اور اپنے اعزا کو طمانیت دیتے ہوئے بیٹھا ہوں اور سمجھ لیا ہے کہ اگر قضا اسی حیلہ سے لکھی ہے تو اس سے گریز نہیں ہو سکتا اور اگر یہاں موت کبھی آوے گی تو چار بھائی مل کر تجہیز و تکفین بہت خوش عنوانی کے ساتھ کر دیں گے اور اگر باہر جانے پر یہ واقعہ پیش آیا تو مشکل ہے کوئی شرکت بھی نہ کرے گا۔ کیوں کہ عموماً لوگ اس مرض اور اس کے مریض اور جو اس میں فوت ہوا ہو اس سے بہت خوف کرتے ہیں۔ بس میں نے اسی پر قناعت کی کہ سنا پلہ نہ چھوڑوں۔ آج اٹھارہ آدمی قصبہ ہٰذا میں ضائع ہوئے۔

۲۵ر جولائی ۱۸۹۴ء۔ آج تو ہیضہ میرے مکان کے ہر چہار طرف گشت لگا رہا ہے جس میں پڑوسی

لوگ مبتلا ہیں پورب۔ منیر حجام و مرتضیٰ خاں چپراسی تحصیل سندیلہ بچھم۔ اہل خانہ حکیم امجد علی۔ اتر۔ محمد شعیب، دکھن۔ نتھا نداف، خداوند کریم سب کو بچاوے اور اطمینان بخشے، ہر ایک کی جان سوکھ رہی ہے، بے نمازی نمازی ہو گئے، توبہ و استغفار ورد زبان ہے۔

۹ راگست ۱۸۹۴ء ۔۔۔۔ اب کی سال کوئی مقام ایسا نہیں چھوٹا جہاں حضرت ہیضہ صاحب کا دورہ نہ ہوا ہو، سچ یہ ہے کہ جہاں یہ ہولناک بیماری ہوتی ہے، چاہے جیسا مستقل مزاج آدمی ہو لیکن اس کا قلب اس کے خطروں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اللہ اس کو دور کرے آمین۔ ہیضہ عجب ہولناک مرض ہے کہ کوئی شخص مریض کی بخواہش دل قربت پسند نہیں کرتا اگرچہ مرتبہ عزیز القلوبی اسے حاصل کیوں نہ ہو۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ احباب و اعزا خاص اس سے دوری چاہتے ہیں اور ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ شاید مریض سے دور رہنے میں میری جان بچ جاوے۔ حشر میں نفسی نفسی کی خبر کلام شریف میں تھی لیکن میں نے اس مرض کے خروج پر وہ کیفیت بچشم خود مشاہدہ کر لی اللھم احفظنا من بلاالدنیا و عذاب الآخرہ۔

<u>کلکتہ</u>: ۲۴ راگست ۱۸۹۴ء۔ آج کی تاریخ میں دو سو چار برس پورے ہوئے جب انگریزوں نے بنیاد کلکتہ قائم کی تھی۔

<u>ہندو مسلم فساد</u>: ۱۶ ستمبر ۱۸۹۴ء۔ اودھ اخبار لکھنؤ سے معلوم ہوا کہ ۱۳ ستمبر کو مابین ہندو اور مسلمانوں کے شہر پونا میں سخت لڑائی ہوئی کہ ہندو باجا بجاتے ہوئے مسجد کے دروازے سے نکلے جب کہ مسلمان قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔

<u>تبت</u>: ۹ جنوری ۱۸۹۵ء۔ تمام دنیا میں مقام ہنسلے (کذا) واقع تبت سب سے بلند جگہ ہے جس کی بلندی سولہ ہزار فوٹ ہے اور یہاں ایک بودھ کا مندر ہے جس میں اکیس پجاری رہتے ہیں۔

<u>وفات منشی نول کشور</u>: ۱۹ رفروری ۱۸۹۵ء۔ آج چار بجے صبح کو منشی نولکشور صاحب مالک مطبع اودھ اخبار نے وفعتاً بمقام لکھنؤ قضا کی۔ بڑے مشہور لائق و دانش مند شخص تھے۔ اپنی ذاتی لیاقت و قابلیت سے ایک بہت بڑا مطبع لکھنؤ حضرت گنج میں قائم کیا جس میں ہزارہا آدمی کارپرداز ہیں۔ مرحوم نے کار خیر میں بلااظہار اپنی لیاقت و خوش رکھنے حکام وقت صرف زر کو جائز رکھا جس سے گورنمنٹ میں بہت بڑا رسوخ پیدا ہوا اور خطاب سی۔ آئی۔ ای گورنمنٹ نے عطا کیا اور متعدد دیہات زمینداری پیدا کرنے سے تعلقہ دار بھی ہوئے جس کی سند انجمن ہند لکھنؤ سے حاصل ہوئی اور لکھنؤ بنچ کے آنریری مجسٹریٹ

بھی تھے۔ غرض کہ دنیوی امور میں ہر قسم کی ترقی نمایاں کی۔ متوفی نے کوئی اولاد ذکور نہیں چھوڑی۔ عمر متوفی ۶۴ سال تھی۔

سرحد: ۱۱ اپریل ۱۸۹۵ء۔ جو فوج برٹش گورنمنٹ بہ تعداد ۱۴ ہزار بغرض اعانت چترال واسطے مقابلہ عمرا خاں والی باجور کے بھیجی گئی تھی اس کا مقابلہ سواتی لوگوں سے بمقام شاہ کوٹ ۴ اپریل کو ہوا۔ پانچ گھنٹے تک سخت لڑائی رہی۔ اگرچہ سرکاری فوج زیادہ کام آئی لیکن مقام مذکور فتح ہو گیا۔ اس بیان کی تصدیق اودھ اخبار مطبوعہ ۱۱ اپریل ترجمہ اخبار "پانیر" انگریزی الہ آباد مورخہ ۶ اپریل سے ہوئی۔ اول لڑائی گھاٹی مالاکنڈ میں ۳ اپریل کو ہوئی تھی۔۔۔۔

۷ مئی ۱۸۹۵ء۔ دیکھئے اخبارات سے واضح ہوا کہ عمرا خاں باجوری تاب مقابلہ انگلش گورنمنٹ نہ لاکر مفرور ہوئے اور شیر افضل خاں اور ان کے ہمراہیوں کو جو قلعہ چترال کا محاصرہ کیے ہوئے تھے محمد شریف خاں خان دیر نے گرفتار کر کے سپرد فوج انگریزی کیا۔ اب فوج اعانت چترال سے کوئی مقابلہ کرنے والا باقی نہیں رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ انگریزی قواعد داں فوج کا گروہ افغانی کیا مقابلہ کر سکتے ہیں جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔

وفات مولوی فضل رحمان صاحب: ۲۱ ستمبر ۱۸۹۵ء۔ آج آٹھ بجے شام کو بمقام گنج مرادآباد جناب مولوی فضل الرحمان صاحب نے بعارضہ پیرانہ سالی قضا کی۔ آپ کے فیض و برکت کا اس قدر شہرہ تھا کہ تمام ہندوستان کے لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت و شرف حصول بیعت کو تشریف لاتے تھے۔ حتیٰ کہ سر چارلس کراسویٹ صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی و اودھ جب ۳۰ دسمبر ۱۸۹۵ء کو بہ تقریب دورہ وارد ملانواں ہوئے تو مرادآباد جا کر آپ کی ملازمت سے شرف اندوز ہوئے۔ سنڈیلہ کے گاڑی بانوں کی یہ بھی ایک روزی تھی کہ جو لوگ منازل دور دراز سے آکر بغرض جانے مرادآباد کے یہاں ریل سے اُترتے تھے ان کو اپنی گاڑیوں میں حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچاتے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ آپ نہایت خجستہ خصال بزرگ تھے۔۔۔۔ آپ کو آفتاب ہند سے تشبیہ دی جائے تو بجا ہے۔ آپ کی عمر سو برس سے تجاوز کر گئی تھی۔ مولوی صاحب مرحوم شاہ آفاق صاحب کے مرید تھے جو دہلی میں نہایت بزرگ شخص گزرے ہیں۔ آپ خاندان نقشبندیہ میں مرید تھے۔ گانا وغیرہ کچھ نہیں سنتے تھے۔

قحط: ۷ فروری ۱۸۹۶ء۔ آج کل بباعث تقامت فصل از حد گرانی ہے، لوگ مصیبت سخت میں مبتلا ہیں۔ دو دو تین تین روز تک دانہ میسر نہیں آتا حتیٰ کہ اکثر بے دین ہو گئے۔ دوسروں کی غلامی اختیار کی۔ بعض نے اپنی اولاد کچھ لے کر جدا کر ڈالی۔ چنانچہ چند لڑکیاں مختلف قوم کی جو اسی نہج سے حاصل ہوئیں میرے گھر میں موجود ہیں (جن کے نام اب یہ رکھے گئے ہیں۔ گلرنگ، موتی، اسندر، شربتی، مُکھی وغیرہ) یہی کیفیت تمام ہندوستان کی ہے جس کی تصدیق اخباروں سے ہوتی ہے۔ میرے خیال میں یہ حالت خشک سالی ۱۸۷۷ء سے بڑھ کر ہے جو

صرف ایک فصل خریف کی عدم پیداوار سے رونما ہوئی تھی اور حالت موجودہ میں تین سال زیادتی بارش وامسال کی کمی بارش سے پیدا ہو رہی ہے۔ یہ حالت سخت نازک ہے۔ خدا آبرو رکھے۔ آج کل نرخ غلہ بازار امانی گنج (سندیلہ کے غلہ کے بازار کا نام۔ ہاشمی) سندیلہ حسب ذیل ہے۔

"گندم - ۱۱½ سیر، بجھرا - ۱۵½ سیر، نخود - ۱۵ سیر، باجرہ - ۱۴ سیر، جوار کلاں - ۱۶ سیر، جوار خورد ۱۵¾ سیر دھان - ۲۲ سیر، چاول ۱۴ سیر، ماش ۱۲ سیر، مونگ - ۱۱½ سیر"

۲۲ مئی ۱۸۹۶ء - اب کے سال غلہ کی کمی پیداوار سے سخت گرانی ہے۔ اس وقت فصل میں نرخ گیہوں کا ۱۲ سیر ہے۔ لیکن اس کی شان رزاقی کو دیکھنا چاہیے کہ امسال خربزہ و تربوز کی فصل اس قدر افراط سے ہے کہ ایک پیسہ کی پنج سیری بھر خربزے ملتے ہیں جس سے انسان کو دوپہر کے لیے ایک پیسہ میں سیری ہو جاتی ہے اور فصل اب بھی افراط سے ہے۔ اس سے بھی آئندہ بہت مدد ملے گی۔

۶ اگست ۱۸۹۶ء - تین ہفتہ سے بارش نہیں ہوئی جس سے جوار کلاں بالکل خشک ہو گئی اور رقم دھان نصف رہ گئی۔ ہنوز کپاس اور جوار خورد کی حالت اچھی ہے۔ اگر دو چار روز میں بارش ہو گئی۔ کاشتکاران دیہات کی حالت قابل بیان نہیں جو فاقہ پر فاقہ کر رہے ہیں اور خرابی فصل کو دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں۔ جو سڑک سندیلہ - بانگر مئو بغرض رفاہ عام درست ہو رہی ہے اس پر سات سو آدمی کام کرتے ہیں۔۔۔ حسب ذیل اجرت مرمت سڑک کی ملتی ہے۔ مرد ۵ پیسہ، عورت - ۴ پیسہ، لڑکا ۳ پیسہ اور جو لوگ بوجہ شدت ضعف جسمانی بوجہ فاقہ کشی کے کام نہیں کر سکتے ہیں ان سب کو کھانا دیا جاتا ہے جن کی تعداد قریب ۱۳۲ کے ہو گی۔ پکی ہوئی روٹی و دال فی کس ۳ پاؤ کے حساب سے ان کو مفت ملتی ہے اور لڑکوں کو پاؤ سیر سے آدھا سیر تک۔ ان لوگوں کی حالت ایسی تباہ ہے کہ چند قدم نہیں چل سکتے۔ ان کی صورتیں خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔ صرف ہڈی پر ٹھاجسم میں باقی ہے۔ امید ہے کہ گورنمنٹ کی بدولت ان کی زندگی ہو جائے۔

۱۱ اگست ۱۸۹۶ء - آج کمیٹی خاص میونسپل بصدارت منشی رحمت اللہ تحصیلدار سندیلہ کے ہوئی۔ جس میں یہ طے ہوا کہ ممبران میونسپل بورڈ من جانب گورنمنٹ باری باری ایک روز اپنے اہتمام و نگرانی میں کھانا محتاجوں کو تقسیم کراویں۔ چنانچہ پہلا لنگر ۱۰ اگست کو قائم ہوا اور کل ۱۲ اگست کو راجہ درگا پرشاد صاحب کے اہتمام میں تقسیم ہو گا۔

۲۴ ستمبر ۱۸۹۶ء۔۔۔ یہ عجیب وقت ہے کہ آج کل تمامی ہندوستان میں بہ باعث امساک باراں و عدم پیداوار فصل سخت گرانی و نوبت قحط کی پہنچ گئی ہے کہ صدہا آدمی فاقہ سے مر رہے ہیں۔ فقیروں کی یہ کثرت ہے کہ

تمام دن اور گیارہ بجے رات تک ان کے سوالوں سے نجات نہیں ملتی۔ حالانکہ میں نے اپنے گھر کا بندوبست کر رکھا ہے کہ کچھ غلہ اپنی نگاہ کے سامنے رکھوا لیا ہے اور ملازموں پر تاکید ہے کہ جو سائل آوے وہ خالی نہ پھیرا جائے لیکن کہاں تک دیا جاوے۔ بعض وقت نوکر بھی تنگ آ کر جواب دینا جائز رکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں تین قسم کی صعوبتیں نازل ہوئی تھیں۔ اول حاکم ظالم، دوسرے ہیضہ وبائی کی شدت، تیسرے قحط کی صعوبت جس سے خلق اللہ کو سخت پریشانیوں کا سامنا ہوا تھا۔ آج کل میں جہاں تک خیال کرتا ہوں تو وہی کیفیت تمامی ہندوستان کی ہو رہی ہے اور جا بجا لوٹ مار، ڈاکہ زنی شروع ہو گئی ہے آج کی تاریخ میں نرخ بازار سندیلہ کا حسب ذیل ہے۔

"گندم ۸½ سیر، نخود ۱۱½ سیر، بجھرا ۱۰¾ سیر، جو ۱۱ سیر، مکائی ۱۲¼ سیر، کاکن ۱۴ سیر، منڈوی سرخ ۱۳ سیر، دھان یک من یعنی ۱۶ سیر، ماش ۱۰½ سیر، یہ گرانی ۱۸۷۷ء سے بھی بڑھ کر ہے جب کہ گیہوں کا نرخ ۱۰ سیر کا تھا۔

۲ ۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء۔ کیفیت امساک باراں بدستور ہے۔ آسمان بالکل صاف ہے، بظاہر کوئی آثار بارش کے نظر نہیں آتے۔ رقوم خریف وکنوار و اگہن جاتی رہی۔ اب اگر خدانخواستہ ہفتہ عشرہ میں پانی نہ ہوا تو کاشت ربیع بھی غیر ممکن ہو جاوے گی اور سخت قحط کا سامنا ہوگا جو ناقابل برداشت متصور ہے۔ ابھی سے لوٹ مار شروع ہو گئی ہے۔ شہر آگرہ کی غلہ کی منڈی کنگلوں نے لوٹ لی اور انتظام پولیس کچھ کارگر نہ ہوا۔ جب لوگ بھوکوں مر رہے ہوں تو جو کچھ کر نہ گزریں تعجب ہے۔ بقول مشہور مرتا کیا نہ کرتا۔ ہیضہ بھی بہت سے مقاموں پر تیزی کے ساتھ چل رہا ہے جس سے ہزاروں بندۂ خدا ضائع ہو رہے ہیں۔ اس زمانہ سخت قحط سالی میں لارڈ ایلگن وائسرائے ہند ہیں اور سر اینٹنی میکڈانلڈ صاحب ہمارے صوبہ کے لفٹیننٹ گورنر اور مسٹر سوئل صاحب و مسٹر مکنتاش صاحب قائم مقام ڈپٹی کمشنر ہردوئی و لکھنؤ ہیں اور ہماری تحصیل کے تحصیلدار شیخ رحمت اللہ ساکن شہر الہ آباد ہیں۔ مشہور عام ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ تک جملہ حکام خوش نیت نہیں بلکہ جابر و بدنیت ہیں۔ ایسی حالت میں اللہ رحم کرے۔

۱۶ ۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء۔ تفصیل قحط جو ہندوستان میں پڑے۔

۱۔ ۱۷۷۰ء <u>ایسٹ انڈیا کمپنی</u>: یہ قحط صوبہ بنگالہ میں پڑا تھا۔ کاشتکاروں نے اپنے بیل بیچ ڈالے تھے۔ گداگری کرتے تھے اور مقدار قلیل غلہ کے عوض اپنی اولاد فروخت کرتے تھے۔ زندہ مُردوں کو کھاتے تھے اور ہر قسم کی سخت بیماری و بائی پیدا تھی جس سے ایک ملت نذارد ہو گئی۔

۲۔ ۱۷۸۳ء <u>وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل</u>: اضلاع مغربی و شمالی و اودھ میں یہ قحط پڑا تھا اودھ میں جَو و چنا ۵ سیر کا بکتا تھا حالانکہ معمولی نرخ غلہ وہاں ہمیشہ فی روپیہ ڈیڑھ من پختہ تھا۔ بیماری و با بھی ساتھ ساتھ تھی۔

۳۔ ۱۸۲۷ء ایسٹ انڈیا کمپنی: یہ قحط کل ہندوستان میں ایسا ہیبت ناک تھا کہ اس کی رو سے لوگ اپنی عمر کا اس وقت حساب لگاتے تھے۔

۴۔ ۱۸۶۶ء ملکہ وکٹوریہ: یہ قحط مساوی قحط ۱۸۷۷ء کے تھا لیکن گورنمنٹ نے بہت سے کام رفاہ عام نہر و پل جاری کیے جس سے اس کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔

۵۔ ۱۸۷۳-۷۴ء سر جارج کیمبل لفٹیننٹ گورنر بنگالہ: یہ قحط بہار و بنگالہ میں پڑا تھا جس سے زراعت خشک ہو گئی تھی۔

۶۔ ۱۸۷۷ء لارڈ لٹن صاحب گورنر جنرل: جاری ہونے کام رفاہ عام بہت بڑی مدد ملی۔ ۱۰ سیر کا گندم اس وقت میں فروخت ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ قحط عام تھا لیکن صرف فصل خریف بوجہ نہ ہونے پانی کے بوئی نہیں گئی تھی لیکن ربیع بہت عمدہ ہوئی کہ عین وقت بونے و پکنے غلہ کے دو پانی ہو گئے تھے۔

۷۔ ۱۸۹۶ء لارڈ الجن صاحب گورنر جنرل: یہ قحط تمامی ہندوستان میں ہے جس سے ایک عام پریشانی پیدا ہے۔ خریف جس قدر بوئی گئی تھی وہ بوجہ امساک باراں بہت کم ہوئی اور کاشت ربیع کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ یہ بہت طویل قحط ہے۔ لوگ الجلاح و مدد کو چیخ رہے ہیں بازار موت گرم ہے۔ اگرچہ گورنمنٹ اجرائے کام رفاہ عام میں بڑی فیاضی کر رہی ہے۔

۱۴ نومبر ۱۸۹۶ء: تمامی ہندوستان میں سخت گرانی و قحط ہے۔ گرانی اسے کہتے ہیں جب نرخ معمولی سے غلہ کمی کے ساتھ فروخت ہو اور قحط اسے کہتے ہیں کہ جب اس مقام کے باشندوں کے استعمال کے لیے غلہ کافی موجود نہ ہو۔ چنانچہ شولہ پور احاطہ بمبئی میں نرخ جوار فی روپیہ ساڑھے تین سیر کا ہے جس کی وجہ سے لوٹ مار ہو رہی ہے۔ اکثر مقاموں پر ڈاکوؤں کا مقابلہ ہوا اور بلوائی مارے گئے۔ اگر اس عرصہ میں بارش نہ ہوئی تو سخت مصیبت کا سامنا ہوگا اور لوگوں کو اپنی حفاظت دشوار ہو جائے گی۔ دیکھئے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ بوجہ خشک سالی موسم گرما کی جو چیزیں گرمی میں پیدا ہوتی تھیں وہ اس موسم میں پیدا ہونے لگیں۔ ضلع رائے بریلی میں مہوہ ٹپک رہا ہے اور بازاروں میں بکنے آتا ہے اور آم پختہ برابر فروخت ہو رہے ہیں۔ اور مکوئی تو سندیلہ میں پھلیں و ترکیں جن کو میں نے خود دیکھا ایسا وقت میری نگاہ سے نہیں گزرا اور عمر رسیدہ لوگ یہ کیفیت دیکھ کر متعجب ہیں۔

ایک وبائی مرض: ۳ جنوری ۱۸۹۷ء آج کل شہر بمبئی اور اس کے حوالی شہروں سورت۔ پونا کراچی میں وبائے بد جو مشابہ طاعون کے ہے بہت پھیلی ہوئی ہے بے حد آدمی بالمرہ مبتلا و ضائع ہوتے ہیں۔

خاص شہر بمبئی کے دس ہزار آدمی اس وقت تک ضائع ہو چکے ہیں۔ تکلیف اس کی یہ ہے کہ بُن ران یا گردن میں دفعتاً ورم پیدا ہو کر شدت سے بخار آتا ہے اور ایک دو روز میں مریض مر جاتا ہے۔ ڈاکٹر علاج سے سخت عاجز ہیں اور ہزاروں باشندے دوسرے شہروں میں چلے گئے اور جا رہے ہیں۔ کچہریاں بند اور دوکانداروں نے اپنی دوکانوں پر نوٹس لگا دیا ہے کہ ہم نے وبا کے باعث دوکانیں بند کر دی ہیں اور باہر جاتے ہیں۔

زلزلہ: ۱۲ جون ۱۸۹۷ء۔ آج ۴ ۱/۴ بجے زلزلہ شدید آیا جس کا قیام قریباً ایک منٹ رہا۔ میں اپنی کوٹھی میں بیٹھا ہوا آمدنی آکڑائی کی جانچ کر رہا تھا۔ میرے پاس چند آدمی اور بھی بیٹھے تھے جو یہ کیفیت دیکھ کر باہر نکل گئے۔

۱۶ جون ۱۸۹۷ء۔ ..... جو زلزلہ ۱۲ جون کو آیا تھا اسی سے کلکتہ اور آسام میں بہت کچھ ضرر پہنچا۔ صدہا جانیں ضائع ہوئیں اور بڑے بڑے مکانات گر گئے۔ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ کو کبھی ایسا ضرر نہیں پہنچا تھا جو اس مرتبہ زلزلہ سے کیفیت ویرانی پیدا ہے۔ مکانوں کے گرنے سے علاوہ خانہ بربادی کے اکثر لوگ ہندوستانی اور یوروپین ضائع ہوئے۔

قحط: ۱۷ جون ۱۸۹۷ء۔ ہفتہ مختتمہ ۹ مئی میں حسب ذیل آدمی کار ہائے رفع تکلیف ہندوستان میں تھے۔

مدراس، ۴۰۰۸۶۱، بمبئی - ۳۵۰۰۰۲، بنگال - ۸۲۳۴۴۷، ممالک مغربی شمالی و اودھ ۱۵۳۴۴۲۵۔ پنجاب - ۹۶۳۶۶، ممالک متوسط - ۶۹۷۴۵۸، برہما - ۱۸۲۷۷، برار - ۳۰۴۷۲، حیدر آباد - ۴۰۵۳۷، وسط ہند - ۱۲۸۴۵۴، راجپوتانہ - ۲۰۶۵۰، کل - ۴۲۱۶۱۲۴۹۔

نرخ غلہ: ۲۴ جولائی ۱۸۹۷ء۔ بحوالہ اخبار انجمن ہند ہفتہ گزشتہ کے واضح ہوا کہ جب ملکۂ وکٹوریہ کا جشن تخت نشینی واقعہ ۲۰ جون ۱۸۳۷ء ہوا تھا اور جب جشن جوبلی ۲۲ جون ۱۸۹۷ء کو ہوا تو نرخ غلہ دونوں زمانہ کا ہندوستان میں حسب ذیل تھا۔

نام جنس	نرخ بروقت جلوس ملکۂ معظمہ ۲۰ جون ۱۸۳۷ء	نرخ غلہ بروقت جشن جوبلی واقعہ ۲۲ جون ۱۸۹۷ء
گندم	یک من ۵ سیر بحساب نمبری	۹ ۳/۴ سیر بحساب نمبری
نخود	یک من ۵ سیر 〃	۱۰ سیر 〃
بجھڑا	یک من ۲۰ سیر 〃	۱۱ سیر 〃
جو	یک من ۲۰ سیر 〃	۱۱ ۳/۴ سیر 〃
باجرہ	یک من ۵ سیر بحساب نمبری	۸ ۱/۴ سیر بحساب نمبری
ماش	یک من ۱۰ سیر 〃	〃 〃
مونگ	یک من ۱۵ سیر 〃	۶ ۳/۴ سیر 〃
ارہر	یک من 〃	۱۰ ۳/۴ سیر 〃
جوار	یک من ۱۰ سیر 〃	۱۰ ۳/۴ سیر 〃

نام جنس	نرخ بروقت جلوس ملکہ معظمہ ۲۱ جون ۱۸۳۷ء	نرخ غلہ بروقت جشن جوبلی واقعہ ۲۲ جون ۱۸۹۷ء
چاول	۲۰ سیر بحساب نمبری	۸¼ سیر بحساب نمبری
گڑ	۱۳ سیر 〃	۸¾ سیر 〃
گھی	۴½ سیر بحساب نمبری	۱½ سیر بحساب نمبری
تیل	۱۴ سیر 〃	۳½ سیر 〃

سرحد: ۲۵ اگست ۱۸۹۷ء۔ آج کل سرحد مالاکنڈ و ٹوچی پر انگریزوں سے سخت لڑائی ہو رہی ہے اور ہندوستانی فوج بغرض مقابلہ برابر جا رہی ہے۔ اگرچہ امید نہیں تھی کہ مجاہدین لوگ ظفریاب ہوں گے جن کے پیشوا ملا ہڈا ہیں۔ لیکن یہ بات اخباروں سے ضرور معلوم ہوتی ہے کہ سرکاری فوج کو بہت نقصان پہنچا۔

۲۸ نومبر ۱۸۹۷ء۔ سرحدی لڑائی آفریدیوں اور برٹش گورنمنٹ سے ابتدا ۱ جنوری ۱۸۹۷ء میں شروع ہوئی تھی وہ اب تک بدستور قائم ہے اور ۶۵ ہزار فوج سرکاری مقامات سرحد پر موجود ہے۔ سرکاری فوج اور اس کے افسر بہت سے مارے گئے۔ بالفعل یہ مقابلہ تیراہ میں ہو رہا ہے اور اب برف پڑنا شروع ہو گیا ہے اس وجہ سے سرکاری فوج کا اب زیادہ قیام وہاں مشکل نظر آتا ہے۔

۷ دسمبر ۱۸۹۷ء۔ ۱۹ نومبر کو مہاراجہ پرتاپ سنگھ وزیر اعظم جودھپور جنگ سرحدی میں زخمی ہوئے۔ ہاتھ میں گولی لگی یہ جنگ انگریزوں اور آفریدیوں سے ہو رہی ہے اور مہاراجہ صاحب انگریزوں کی کمک پر گئے تھے۔

۱۲ دسمبر ۱۸۹۷ء۔ یکم دسمبر کے پرچہ ہندوستانی اخبار لکھنؤ سے واضح ہوا کہ ۱۹ جون سے ۱۰ نومبر تک جنگ سرحدی آفریدیوں میں حسب تفصیل ذیل برٹش افسر اور سپاہی مقتول و مجروح ہوئے۔

ملٹری سررشتہ اسٹاف کے افسر ۲ ہلاک ۶ مجروح، رجمنٹ کے افسر ۲۷ ہلاک ۷۰ مجروح، برٹش عہدہ دار و سپاہی ۹۵ ہلاک ۴۰۲ مجروح، دیسی افسر ۶ ہلاک ۲۲ مجروح، دیسی عہدہ دار و سپاہی ۲۳۶ ہلاک ۶۵۵ مجروح، شاگرد پیشہ ۹ ہلاک ۲۲ مجروح۔ کل ۳۳۹ ہلاک ۱۰۰۸ مجروح۔

اگرچہ قتل و مجروح بہت سے لوگ ہوئے لیکن یہ لڑائی کا اصول ہے کہ تعداد کم کر کے لکھائی جاتی ہے۔

سورج گرہن: ۲۲ جنوری ۱۸۹۸ء۔ آج سورج گرہن بعد ۲ بجے کے پڑنا شروع ہوا اور ۳ بجے ختم ہو گیا۔ قصبہ ہذا میں میرے خیال میں ۳ ربع سے زائد نہیں پڑا جس کی بابت لوگ اندیشہ کرتے تھے کہ کل پڑے گا۔ تاریکی ہو جائے گی اور ستارے نمایاں ہوں گے اور چڑیاں اپنے گھونسلوں میں چلی جائیں گی لیکن یہ کوئی بات نہیں ہوئی۔

وفات سرسید: ۳۰ مارچ ۱۸۹۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۲۷ مارچ کو یکشنبہ

۱۰ بجے رات کو سر سید احمد خاں صاحب بانی علی گڑھ کالج نے بعمر اکیاسی سال رحلت کی۔ ۴۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں میں اس قدر ذی وقعت شخص زمانہ حال میں کم گزرے ہیں۔ آپ کے کالج کے ملاحظہ کیلئے اکثر لفٹیننٹ گورنر و وائسرائے کشور ہند تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا کہ مرحوم مسلمانوں میں آفتاب ہند تھے۔

شادی دختر وائسرائے: ۲۶ ستمبر ۱۸۹۸ء۔ لارڈ ایلگن نائب السلطنت کشور ہند کی بیٹی مسماۃ الزبتھ بروس کی شادی مسٹر ٹینگ پرائیویٹ سکریٹری گورنر جنرل سے ہوئی۔

لارڈ کرزن: ۴ جنوری ۱۸۹۹ء۔ ۳۰ دسمبر کو لارڈ کرزن صاحب نائب السلطنت داخل بمبئی ہوئے جہاں سے ۶ جنوری کو کلکتہ پہنچ کر چارج وائسرائے کشور ہند لارڈ ایلگن صاحب سے حاصل کریں گے صاحب ممدوح تجربہ کار شخص ہیں اور کئی مرتبہ بطور سیاحت ہندوستان تشریف لا چکے ہیں۔

۶ جنوری ۱۸۹۹ء۔ آج لارڈ و لیڈی کرزن صاحب وائسرائے کشور ہند نے چارج باضابطہ لارڈ ایلگن صاحب کنارہ کش وائسرائے ہندوستان کا لیا اور صاحب آخر الذکر اسی وقت کلکتہ سے جہاز پر واسطے روانگی ولایت کے سوار ہوئے اور یہ کارروائی ۹½ بجے صبح کو عمل میں آئی۔

بمبئی میں طاعون: ۱۹ فروری ۱۸۹۹ء۔ تین برس ہو چکے ہیں مگر اس وقت تک عارضہ طاعون بمبئی سے دور نہیں ہوا بلکہ وہ مختلف شہروں مدراس، کراچی، لاہور وغیرہ میں پھیلتا جاتا ہے اور کوئی تدبیر اس کے دفع ہونے کی موثر نہیں ہوتی باوجودیکہ جرمن، فرانس، لندن اور بہت سے یورپین سلطنتوں کے تجربہ کار ڈاکٹر بمبئی میں آئے اور ہر قسم کی جانچ کی لیکن کوئی دوا مفید ثابت نہیں ہوئی اور وہ بدستور بمبئی میں اپنی شورش کر رہا ہے۔

وفات عبد الحق خیر آبادی: ۱۱ مارچ ۱۸۹۹ء۔ ..... ۶ مارچ کو مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی نے بعوارض چند در چند رحلت کی۔ مرحوم بہت بڑے عالم متقی تھے اور دو سو روپیہ ماہوار ریاست رام پور سے وظیفہ پاتے تھے۔ مولوی صاحب کی شہرت تمام ہندوستان میں تھی۔

ملکہ معظمہ: ۲۴ مئی ۱۸۹۹ء۔ آج کی تاریخ میں ملکہ قیصرہ ہند پورے اسی برس کی ہوئیں۔ سچ یہ ہے کہ یہ ملکہ نہایت خوش اقبال بادشاہزادی ہیں جن کے عہد میں صدہا ممالک مفتوح ہو کر قبضہ میں آئے۔

امساک باراں: ۹ ستمبر ۱۸۹۹ء۔ امساک باراں کی عام شکایت ہے۔ احمد آباد (گجرات) میں سخت قحط پڑا ہوا ہے کہ وہاں کے لوگ ترس ترس مرنے کے عوض اپنی ہلاکت کو پسند کرتے ہیں بلکہ ایک شخص نے اپنا گلا کاٹ کر اپنے کو ہلاک کیا۔

قحط : ۱۲ر ستمبر ۱۸۹۹ء - کئی روز سے ابر محیط آسمان ہے لیکن پانی نہیں برستا۔ رقم دھان خشک ہوئی جاتی ہے۔ ... آثار قحط پیدا ہیں۔ یہ حالت تو اودھ کی ہے لیکن اور حصہ ہندوستان میں کام قحط شروع ہو گیا ہے۔ میں نے ایسا جلد قحط تو تاریخ ہندوستان میں کہیں نہیں دیکھا۔ ایک کو ابھی دو سال نہیں گزرے تھے کہ دوسرا نمودار ہو گیا۔ پروردگار عالم اپنی خلقت پر رحم کرے۔

مردم شماری : ۲۸ر ستمبر ۱۸۹۹ء - ۲۶ر فروری ۱۸۹۱ء کو تمام ہندوستان کی مردم شماری ہوئی تھی۔ ۲۸ کروڑ دس لاکھ مرد و عورت ہیں۔ منجملہ ان کے انگریزی عملداری میں ۲۲ کروڑ پانچ لاکھ اور ریاستوں میں ۶ کروڑ پانچ لاکھ آباد ہیں۔ جو مردم شماری ۱۸۸۱ء میں ہوئی تھی۔ اسکے مطابق ۲ کروڑ نو لاکھ آدمیوں کی ترقی ہوئی۔

بارش و قحط : ۷ر اکتوبر ۱۸۹۹ء - دیکھئے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ دارجلنگ متصل کلکتہ میں اس قدر شدید بارش ہوئی کہ پہاڑ کو جنبش ہو گئی جس سے چار سو جانیں تلف ہو گئیں اور صدہا مکانات گر گئے اور اس کے رہنے والے اسی کے اندر دفن ہو گئے۔ راستہ آمد شد ہنوز بند ہے۔ عجب حال دنیا کا ہے کہ کہیں تو اس قدر بارش ہو رہی ہے کہ لوگ اس سے اماں مانگ رہے ہیں اور کہیں اس قدر کمی ہے کہ عدم پیداوار غلہ دکھا رہی ہے۔ بغرض رفاہ عام کام قحط کا جاری ہے۔ عجب کارخانہ ایزدی ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

۱۲ر اکتوبر ۱۸۹۹ء - چوں کہ ریاست ہائے راجپوتانہ میں اور نیز بعض حصص ممالک مغربی شمالی میں کمی بارش سے قحط پیدا ہے لہذا اکثر ڈاکہ زنیاں بوجہ گرانی غلہ ہو رہی ہیں۔ ڈاکوؤں نے جس موضع کو تاکا فوراً وہاں رات کو پہنچ گئے اور جو پایا لوٹ لے گئے۔

۱۹ر اکتوبر ۱۸۹۹ء - چونکہ جودھپور وغیرہ راجپوتانہ میں قحط پڑا ہوا ہے لہذا بہت سے مارواڑی اپنا وطن چھوڑ کر اس ضلع میں آ گئے ہیں اور شب و روز بھیک مانگ کر اپنی گزر کرتے ہیں۔ نرخ وہاں کا حسب ذیل ہے۔

گندم - ۴½ سیر، نخود - ۶½ سیر، جو - ۵½ سیر، مکائی - ۵½ سیر، جوار ۵½ سیر، باجرہ - ۴ سیر، روغن زرد - ½ سیر۔ عمدہ صاف پانی فی روپیہ - ۲۵ گھڑے۔ میلا و گندہ پانی فی روپیہ - ۵۰ گھڑے۔

کانگریس : ۴ر جنوری ۱۹۰۰ء ... مسٹر کاکس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ہردوئی حسب منشا گورنمنٹ بذریعہ پولیس سندیلہ اس بات کی تفتیش کرا رہے ہیں کہ روسائے سندیلہ سے کون کون لوگ شریک جلسہ کانگریس ہوئے جو میدان شاہ مینا صاحب (لکھنؤ) میں ۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر تک تین روز منعقد رہا اور جس کے پریسیڈنٹ مسٹر دت بنگالی تھے جو اس کام کے لیے ولایت لندن سے آئے تھے جہاں وہ کسی مدرسے کے پروفیسر ہیں۔

ان کی اسپیچ آج اور کل کے اودھ اخبار میں میں نے دیکھی جو نہایت پُرمضمون تھی۔

طاعون کانپور میں: ۱۲ اپریل ۱۹۰۰ء آج کل طاعون نے کانپور میں خروج کیا ہے اور بوجہ کارروائی انسدادی کہ اشخاص مبتلا شدہ شہر کے باہر جھونپڑیوں میں رکھے جاویں وہاں کے متمول لوگوں کو خلاف ہوا اور ہندو و مسلمانوں نے باہم اتفاق کر کے چند پولیس مین اور ایک ہیڈ کانسٹبل کو جو محافظ جھونپڑوں کے تھے مار ڈالا اور ان کو اسی جھونپڑوں میں آگ لگا کر جلا دیا جس سے ایک عام بلوہ ہو گیا اور ہزاروں آدمی متفق ہو گئے کہ ہم ایکٹ نمبر ۳/۱۸۹۷ء و قانون کی شرائط کو قبول نہیں کر سکتے کہ ہماری اولاد اور عورتیں بحالت بیماری شہر کے باہر رکھی جائیں اور کیفیت غدر کی پیدا ہو گئی۔ بظہور اس امر کے فوراً لفٹیننٹ گورنر بذریعہ خاص ٹرین نینی تال سے کانپور تشریف لائے۔ کارروائی دفعیہ غدر میں مصروف ہوئے اور قواعد طاعون کے ترمیم فرمائے جس کا یہ منشاء ہے کہ جو لوگ مبتلائے طاعون ہوں وہ اپنے مکان کے کسی علیحدہ حصہ میں رکھے جاویں اور جن لوگوں سے ان کا عقیدہ ہو علاج کریں اور اگر اس مکان میں گنجائش ایسی نہ ہوئی کہ مریض علیحدہ رکھا جا سکے تو کسی اور علیحدہ مکان میں وہ رکھا جاوے اور اگر ایسا مکان بہم نہ پہنچے تو جنرل اسپتال میں قیام کرے اور اپنی مرضی کے موافق جس شخص کا چاہے علاج کرے۔ پولیس و ڈاکٹر کوئی مزاحمت نہ کریں گے۔

۱۴ مئی ۱۹۰۰ء۔ آج کل تین آفتیں ہندوستان میں پیدا ہیں۔ اوّل طاعون جو پانچ سال سے ابتداءً بمبئی میں تھا بعدہٗ ہندوستان کے اور شہروں میں پھیل گیا۔ اب قریب ہندوستان کے کل اضلاع میں ہے۔ حتیٰ کہ اضلاع مغربی و شمالی و اودھ میں بھی آ گیا ہے اور ضرر پہنچا رہا ہے جس کے انسداد کی تدبیریں گورنمنٹ تشدد کے ساتھ کر رہی ہے۔ ڈاکٹروں اور پولیس پر دارومدار ہے کہ جہاں کسی ڈاکٹر نے کسی کو دبلا پتلا دیکھا یا اس کو معمولی بخار میں مبتلا پایا فوراً ریل سے اتار لیا اور پولیس کے حوالہ کر دیا اور پولیس نے اس کو جھونپڑوں میں بھیج دیا جو بیرون شہر بنائے گئے ہیں۔ یا کسی شخص کو پولیس نے بیمار دیکھا فوراً اس کو طاعون کے جھونپڑوں میں داخل کر دیا۔ اگر احیاناً اس نے پولیس کو کچھ دیدیا تو مخلصی پائی ورنہ دس دن تک انھیں جھونپڑوں میں مبتلائے صعوبت رہا جس کی وجہ سے جابجا بلوے ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ دوسرے قحط جو بہ استثنائے اودھ چند اضلاع مغربی و شمالی کے کل ہندوستان میں مسلط ہے کہ لوگ فاقوں سے مر رہے ہیں۔ تیسرے اب ہیضہ نے خروج کیا ہے ہزاروں آدمی مر گئے اور صدہا مبتلا ہو کر بالمرہ مرتے ہیں۔ چوتھا امر اگرچہ ہندوستان سے متعلق نہیں ہے وہ جنگ ٹرانسوال افریقہ ہے جہاں گورنمنٹ کا بہت نقصان ہوا۔ اب بموجب اخبار کے تیس ہزار فوج اس وقت تک ضائع

ہو چکی ہے اور ہنوز لڑائی ختم نہیں ہے اور علاوہ ضائع ہونے جانوں کے کروڑ ہا روپیہ صرف ہو گیا اور ہوتا جاتا ہے۔ یہ ایسے آثار بد ہیں کہ جن کا انجام بخیر نظر نہیں آتا۔

ناگری: ۱۶ مئی ۱۹۰۰ء۔ گورنمنٹ نے جو رزولیوشن اپنے گزٹ مورخہ ۱۸ اپریل میں بنسبت رواج حروف ناگری کے جاری کیا ہے اس کی وجہ سے کل بڑے بڑے شہروں میں کمیٹیاں ہو رہی ہیں اور لفٹیننٹ گورنر و گورنمنٹ عظمیٰ کو میموریل بھیجے جا رہے ہیں کہ ناگری کا دفاتر سرکاری میں جاری ہونا مناسب نہیں ہے جس کی وجہ سے تکلیف زائد ہوگی۔

ہندوستان کے قحط: جس قدر قحط ہندوستان میں ہوئے ہیں منجملہ ان کے گزشتہ ۱۳۱ سال کے قحطوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ موجودہ قحط کیا چیز ہے:

نمبر شمار	سنہ	قحط زدہ علاقہ	قحط زدہ رقبہ
۱۔	۱۷۷۰ء	بنگال	ایک لاکھ مربع میل
۲۔	۱۷۹۱ء	شرقی مدراس، حیدر آباد، گجرات، مارواڑ، جنوبی بہار قحط	دو لاکھ "
۳۔	۱۸۰۳ء	دکھن حیدر آباد	۱½ لاکھ "
۴۔	۱۸۰۴ء	ممالک مغربی و شمالی، وسط ہند و راجپوتانہ	ایک لاکھ "
۵۔	۱۸۲۴ء	شمالی مدراس	۸۰ ہزار "
۶۔	۱۸۲۵ء	بمبئی، گجرات و شمالی دکن	۸۰ ہزار "
۷۔	۱۸۳۷ء	ممالک مغربی و شمالی، مشرقی ریاست ہائے راجپوتانہ، مشرقی پنجاب	۸۰ ہزار "
۸۔	۱۸۳۸ء	دوآبہ، ممالک مغربی و شمالی دہلی و حصار ڈویژن	۸۰ ہزار "
۹۔	۱۸۴۰ء	گجرات، کچھ و کاٹھیاوار	۵۰ ہزار "
۱۰۔	۱۸۶۱ء	دوآبہ، ممالک مغربی و شمالی، دہلی حصار و ایک حصہ راجپوتانہ	۵۰ ہزار "
۱۱۔	۱۸۶۵ء	اضلاع گنجام، بلاری، اڑیسہ، بہار، میسور، حیدر آباد، بمبئی، وسط ہند و بنگال	دو لاکھ "
۱۲۔	۱۸۷۲ء	راجپوتانہ، پنجاب و مابین جمنا و سندھ، شمالی و شرقی اضلاع ممالک متوسط	دو لاکھ "
۱۳۔	۱۸۷۳ء	مغربی راجپوتانہ، اضلاع الہ آباد، دہلی، حصار، گجرات، کچھ، چند اضلاع ممالک متوسط	
۱۴۔	۱۸۷۴ء	بہار، یو، پی	۵۵ ہزار "
۱۵۔	۱۸۷۶ء	مدراس، دکھن، میسور، حیدر آباد	۵۵ ہزار "

نمبر شمار	سنہ	قحط زدہ علاقہ	قحط زدہ رقبہ
۱۶-	۱۸۷۷ء	مدراس، میسور، بمبئی، حیدرآباد	۲½ لاکھ مربع میل
۱۷-	۱۸۷۸ء	ممالک مغربی وشمالی، کشمیر، پنجاب	۱½ لاکھ "
۱۸-	۱۸۹۶ء	ممالک مغربی وشمالی وممالک متوسط	
۱۹-	۱۸۹۷ء	ممالک مغربی وشمالی وسی پی	۳ لاکھ سے ۴ لاکھ "
۲۰-	۱۸۹۹ء	جنوبی پنجاب، راجپوتانہ، سی پی، برار، وسط ہند، حیدرآباد، بمبئی، چھوٹا ناگپور، مدراس	
۲۱-	۱۹۰۰ء	جنوبی پنجاب، اشرقی سندھ، راجپوتانہ، وسط ہند، برار، سی پی، بمبئی، کاٹھیاواڑ، گجرات	۶ لاکھ سے ۷ لاکھ "

اردو: ۱۹ اگست ۱۹۰۰ء کل بوقت ۷ بجے صبح کے ایک جلسہ اردو ڈیفنس بصدارت نواب مہدی علی صاحب محسن الملک بارہ دری قیصر باغ لکھنؤ میں منعقد ہوا جس کا یہ منشا تھا کہ جو رزولیوشن مسٹر میکڈانلڈ صاحب لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی وشمالی واودھ نے ۱۸ اپریل ۱۹۰۰ء کو دربارہ شائع اور رائج کرنے دیوناگری کے نافذ کیا ہے وہ منسوخ کیا جاوے۔ جس کی نسبت نواب صاحب نے ایک نہایت عمدہ ودلچسپ اسپیچ فرمائی جس کا اثر کل حاضرین پر بخوبی پڑا اور اس جلسہ میں قریب آٹھ نو ہزار آدمیوں کی شرکت تھی جو بطور قائم مقامان ہندوستان کے ہر ایک حصہ ملک سے آئے ہوئے تھے اور یہ جلسہ نہایت خیر وخوبی کے ساتھ ختم ہوا اور رزولیوشن پاس ہوئے وہ بحضور گورنمنٹ بھیجے گئے کہ اہالی جلسہ کا یہ منشا ہے کہ اگر نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر نے اس عرضداشت کی کچھ سماعت نہ فرمائی تو اس کی اپیل وائسرائے ہند ووزیر اعظم ہندوستان کے حضور میں پیش کی جاوے گی۔

وفات امیر مینائی: ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۰ء منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو حیدرآباد میں قضا کی۔ مرحوم اردو زبان کے ایک مسلم الثبوت اور بے بدل شاعر تھے۔ ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے تھے اور بہ عمر ۷۳ سال قضا کی اور پانچ بیٹے یادگار چھوڑے۔

ملکہ معظمہ کا سوگ: ۱۲ فروری ۱۹۰۱ء۔ اشتہار لارڈ کرزن صاحب گورنر جنرل کشور ہند مشتہر میں مضمون شائع ہوا کہ کل رعایا ہندوستان سے امید ہے کہ جناب ملکہ معظمہ کی وفات کا ۶ مارچ تک پورا اور ۱۷ اپریل تک نصف غم کریں اور ملازمین سول فوج وبحری وغیرہ ۴ جولائی ۱۹۰۱ء تک بائیں بازو پر سیاہ کپڑا باندھے رہیں۔

اسٹیشن بمبئی: ۱۱ مارچ ۱۹۰۱ء۔۔۔ دنیا میں سب سے بڑا خوبصورت اور قیمتی اسٹیشن بمبئی کا وکٹوریہ ٹرمینس ہے۔

علی گڑھ کالج: ۱۵ جون ۱۹۰۱ء۔ علی گڑھ کالج سر سید احمد خاں مرحوم میں ایک انجمن قائم ہوئی ہے جس کا

نام "انجمن الغرض" ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ چندہ ہر شہر و دیار سے وصول کر کے محتاج طلبا کے خورد و نوش کی کفالت میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ کالج مذکورہ کے چار طالب علم سید ابو محمد اور واجد حسین وغیرہ کل وارد سندیلہ ہوئے اور آج انھوں نے ایک جلسہ کمیٹی میونسپل ہال میں منعقد کیا جس میں بہت سے رؤسا شریک جلسہ ہوئے انھوں نے اسی قسم کی اسپیچیں کیں جن کا منشا میں اوپر ظاہر کر چکا ہوں۔ بعد ختم ہوتے ان اسپچوں کے فہرست چندہ کھولی گئی۔

وفات حکیم عبد المجید دھلوی: ۱۴ جولائی ۱۹۰۱ء۔ تاریخ ۱۱ جولائی کو حکیم عبد المجید خاں مشہور طبیب دہلی نے عارضہ مرگ میں انتقال کیا۔ چونکہ حکیم حاذق تھے اس وجہ سے رؤسائے اعظم ان سے علاج کرانے کو دہلی جایا کرتے تھے اور اگر وہ حسب طلب کسی راجہ مہاراجہ کے باہر جاتے تھے تو بڑی فیس یومیہ لیتے تھے۔ مرحوم حکیم محمود خاں صاحب نامی طبیب دہلی کے فرزند تھے۔ افسوس کہ ایسے نامی طبیب کی وفات سے دہلی خالی ہو گئی۔ حکیم صاحب بہت متمول آدمی تھے۔

بیواؤں کی مردم شماری: ۲۱ جنوری ۱۹۰۲ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کی رو سے بیوہ عورتوں کی تعداد دو کروڑ چھبیس لاکھ ستاون ہزار چار سو چھبیس ہے جس میں ہندو بیواؤں کی تعداد مع جینی مت کے ایک کروڑ چورانوے لاکھ ترپن ہزار پانچ سو چھیاسی ہے اور مسلمان و عیسائی وغیرہ بیواؤں کی تعداد بتیس لاکھ تین ہزار آٹھ سو چھیالیس ہے۔ اس ملک کی مردم شماری قریب تیس کروڑ کے ہے۔ اگر نصف مرد نصف عورتیں ہوں تو گویا دس کروڑ عورتوں میں قریب دو کروڑ کے بیوہ ہیں یعنی پانچ عورتوں میں ایک بیوہ۔ چونکہ تعداد بیواؤں کی بہت زائد ہے لہٰذا اگر اصلاح دہندگان قوم ان کے عقد ثانی کی جانب متوجہ ہو جائیں تو ایک سخت مشکل آسان ہو سکتی ہے۔

مردم شماری: ۷ مارچ ۱۹۰۲ء۔ جو مردم شماری یکم مارچ ۱۹۰۱ء کو تمامی ہندوستان کی ہوئی تھی اس کی رو سے اخبار پانیر میں جو نقشہ جات شائع ہوئے ہیں اس کی تعداد حسب ذیل ہے،

مرد۔ چودہ کروڑ ننانوے لاکھ ترپن ہزار سات سو اکسٹھ۔ عورتیں۔ چودہ کروڑ چوالیس لاکھ آٹھ ہزار ۹ سو گیارہ۔ کل آبادی۔ ۲۹ کروڑ تینتالیس لاکھ باسٹھ ہزار چھ سو بہتر آدمی ہیں۔ اس حساب سے پچپن لاکھ چوالیس ہزار ۸۵۰ آدمی بمقابلہ عورتوں کے زیادہ قرار پاتے ہیں۔

یو۔پی: ۲۹ مارچ ۱۹۰۲ء۔ بموجب اشتہار گورنمنٹ محکومہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۲ء بحوالہ اشتہار ہوم ڈیپارٹمنٹ کلکتہ مورخہ ۲۲ مارچ اضلاع مغربی و شمالی و اودھ کا نام بدل کر اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ رکھا گیا اور یہ تبدیلی

بہ زمانہ لارڈ کرزن صاحب بہادر و لفٹیننٹ گورنری سرلاگوش صاحب وقوع میں آئی جو قابل یادگار ہوگی۔ اب اضلاع مغربی و شمالی پشاور کے اضلاع قرار دیے گئے۔

طاعون: ۲۷ اپریل ۱۹۰۲ء۔ اب شکایت بیماری طاعون برابر ترقی کرتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں تو عرصہ سے اس کی شکایت پیدا ہے لیکن اب بہت سے اور مقامات میں اس بیماری کی مداخلت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ جو شہر یا قصبہ کنارے دریا کے واقع ہے وہاں اس کا قیام مدت تک رہتا ہے اور جب کسی قصبہ یا شہر میں اس بیماری کا خروج ہوتا ہے تو سب سے پہلے مرے ہوئے چوہے نظر پڑتے ہیں۔ ایسا ہونے پر اگر مکان فوراً خالی نہ کر دیا گیا اور ایک آدمی بھی اس گھر کا مرا تو اس گھر والوں میں کسی کی خیریت نہیں۔

لارڈ کچنر: ۲ دسمبر ۱۹۰۲ء۔ ۲۸ نومبر ۱۹۰۲ء کو لارڈ کچنر صاحب لندن سے داخل بمبئی ہوئے اور چارج پاور صاحب سے کمانڈر ان چیف ہندوستان سے چارج لیا۔ لارڈ صاحب کی عمر ۵۲ سال کی ہے اور بڑے نامی گرامی اور مشہور شخص ہیں۔ انھوں نے ملک مصر میں سوڈان فتح کیا تھا اور مہدی سوڈانی کا مقبرہ کھدوا کر پھینک دیا تھا اور جنوبی افریقہ کی جنگ ٹرانسوال میں بھی باعث صلح نامہ بوئر لوگوں سے ہوئے۔ یورپ میں یہ شخص بہت مشہور ہے۔ دیکھا چاہیے کہ وہ ہندوستان میں کتنی ناموری حاصل کرتے ہیں۔

جشن تاج پوشی: یکم جنوری ۱۹۰۳ء۔ آج دہلی میں دربار بہت شان و شوکت سے ہوا اور یہی کیفیت ہر ضلع میں ہوئی یعنی فرمان شاہی پڑھا گیا اور لوگوں کو اعزاز حاصل ہوا۔

۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء۔ جناب لارڈ کرزن صاحب گورنر جنرل کشور ہند ۲۹ دسمبر ۱۹۰۲ء کو بہ کمال تزک و احتشام والیان ملک کے جلوس کے ساتھ دہلی کو تشریف لائے تھے اور آج ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو بعد فراغت دربار وغیرہ بارادہ کلکتہ دہلی سے روانہ ہوئے۔ لارڈ صاحب بمقابلہ اور وائسرایوں کے کم عمر ہیں۔ غالباً ۴۴ سال کے اندر عمر ہوگی۔۔۔۔ آج کل اسپیشل ٹرینیں بوجہ واپسی روساؤ والیان ملک برابر سندیلہ اسٹیشن سے گزر رہی ہیں کہ وے لوگ دہلی سے اپنے وطن کو جا رہے ہیں۔

محصول نمک: ۱۹ مارچ ۱۹۰۲ء۔۔۔۔ آج کے اخبار پائنیر سے معلوم ہوا کہ کرزن صاحب وائسرائے کشور ہند کی کونسل کی رائے ہے کہ نمک پر ڈھائی روپیہ فی من سے محصول گھٹا کر دو روپے فی من کر دیا جائے اور انکم ٹیکس جو پانچ سو سالانہ کے منافع پر لیا جاتا ہے اب ہزار روپیہ کے منافع پر لیا جائے گا اور جن لوگوں کا منافع پانچ سو روپے ہے وہ بری کیے جاویں گے۔ غالباً مارچ ۱۹۰۳ء کی کمیٹی سے اس کی بابت حکم صادر ہو جائے۔

سرخی شفق: ۶ اپریل ۱۹۰۳ء میں دیکھتا ہوں کہ تھوڑے زمانے سے بوقت طلوع و غروب آفتاب جو سرخی شفق عموماً ہوا کرتی ہے اس کا قیام ڈیڑھ دو گھنٹے سے کم نہیں ہوتا حالانکہ اس قسم کی سرخی وقت طلوع و غروب آفتاب کے پندرہ یا بیس منٹ میں فرو ہو جاتی تھی۔ کتاب مہابھارت میں لکھا ہے کہ کورو اور پانڈو کی لڑائی کے قبل بھی ایسی ہی سرخی وقت طلوع و غروب آفتاب کے نمودار ہوا کرتی تھی جس کا انجام یہ ہوا کہ دونوں میں سخت لڑائی ہوئی اور لاکھوں آدمی کا کشت و خون ہوا کہ دریا خون کے بہے۔ لہٰذا میں خیال کرتا ہوں کہ جب سے اس سرخی کو ترقی ہوئی بیماری طاعون سے کئی لاکھ آدمی ضائع ہو گئے اور جو ہفتہ ۲۸ مارچ کو ختم ہوا ہے اس میں تمامی ہندوستان میں تعداد کشتگان ۳۰۰۰۰۸۷ آدمیوں کی فی ہفتہ ہے۔ پس مقام غور ہے کہ آغاز طاعون سے کہ جس نے ۱۸۹۶ء سے بمبئی میں خروج کیا ہے اس وقت تک کس قدر لوگ ضائع ہوئے ہوں گے لیکن اب دو چار روز سے وقت طلوع و غروب آفتاب قیام سرخی کا کم رہتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ بیماری مذکور گھٹ جاوے۔ خدا ایسا ہی کرے۔

طاعون: ۹ مئی ۱۹۰۳ء ۔۔۔۔ اودھ اخبار مورخہ امروزہ سے بحوالہ اخبار ٹیلی گراف انگریزی محررہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء واضح ہوا کہ جب سے طاعون ہندوستان میں شروع ہوا ہے اس کی سالانہ اموات حسب ذیل تمامی ہندوستان میں وقوع پذیر ہوئیں۔

"۱۸۹۷ء - ۵۶ ہزار، ۱۸۹۸ء - ایک لاکھ ۱۸ ہزار، ۱۸۹۹ء - ایک لاکھ ۳۳ ہزار، ۱۹۰۰ء ایک لاکھ ۹۳ ہزار، ۱۹۰۱ء - دو لاکھ ۷۴ ہزار، ۱۹۰۲ء - پانچ لاکھ ۷۳ ہزار۔ کل - ۱۲ لاکھ ۷۳ ہزار۔

وفات سید محمود: ۱۳ مئی ۱۹۰۳ء ۔۔۔۔ ۸ مئی کو مسٹر سید محمود بیرسٹر ایٹ لا کا بمقام سیتاپور انتقال ہو گیا۔ متوفی سر سید احمد خاں صاحب بانی کالج علی گڈھ کے بیٹے تھے اور امتحان بیرسٹری لندن میں پاس کر کے ہندوستان میں وکالت شروع کی تھی۔ چند سال تک وہ جج ہائی کورٹ بھی رہے تھے جنھوں نے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل قانونی اپنی قابلیت اور عالی دماغی سے حل کیے۔ بعدہٗ عہدہ ججی سے بہ حصول پنشن چھ سو روپیہ ماہوار کنارہ کش ہو کر پھر اپنا کام بیرسٹری شروع کیا مگر افسوس کہ وہ شراب بکثرت پینے لگے جس سے ان کا دماغ خراب ہو گیا۔ آخرش انتقال ہوا۔ متوفی ۲۲ مئی ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ایک لڑکا خورد سال جس کی عمر ۱۲ سال ہو گی یادگار چھوڑا۔ مسٹر محمود کی لاش علی گڈھ بھیجی گئی جہاں اپنے باپ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

قواعد ڈاکخانہ: ۲۷ مئی ۱۹۰۳ء۔ جدید قانون ڈاکخانہ: اکہرے و جوابی پرائیویٹ پوسٹ کارڈ چسپاں ڈاک کے ذریعہ سے معمولی پوسٹ کارڈ کے طور پر بھیجے جا سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ۵½ انچ طویل اور

۴½ انچ عریض سے زیادہ اور ۴¾ انچ لانبے اور ۳ انچ چوڑے سے کم نہ ہوں اور ان کا کاغذ ویسا ہی دبیز ہو جیسا کہ پوسٹ کارڈ کا ہوتا ہے۔ چھ سو روپیہ تک کا ایک منی آرڈر بذریعہ ڈاکخانہ جا سکتا ہے مگر اس میں آنہ نہ ہوں۔

کشمیر میں سیلاب: ۴ اگست ۱۹۰۳ء۔ یہاں پانی کی کمی ہے اور کشمیر میں ۲۹ جولائی کو اتنا پانی برسا کہ سیلاب آگیا جو ۱۸۹۳ء کے سیلاب سے دو فٹ بلند تھا۔ وہاں کے باشندے پہاڑوں پر چڑھ گئے اور کشتیوں پر جا کر پناہ لی۔ ریذیڈنسی و ہوٹل اور ہوٹلوں کے مکانات میں چھت تک پانی بھر گیا۔ خیریت ہوئی کہ سیلاب دن کو آیا۔ اگر رات کو آتا تو بہت سی جانیں تلف ہو جاتیں۔ آبادی میں دس سے پندرہ فٹ تک پانی تھا ایسا سیلاب وہاں کبھی نہ آیا۔

۷ ستمبر ۱۹۰۳ء۔ جو سیلاب جولائی میں کشمیر میں آیا تھا اس سے سات ہزار مکان شہر کے منہدم ہو گئے اور تیس ہزار آدمی بے خانماں ہوئے۔

لارڈ کچنر: ۲۱ نومبر ۱۹۰۳ء۔ لارڈ کچنر صاحب کمانڈر ان چیف افواج ہند ۱۶ نومبر سنہ الیہ کو متصل سنجولی بازار کے گھوڑے سے گر پڑے اور گھٹنے کے اوپر دو مقام سے ٹانگ ٹوٹ گئی۔ شملہ میں علاج ہو رہا ہے۔

طاعون: ۲۶ مارچ ۱۹۰۴ء۔ معائنہ پانیر اخبار محررہ امروزہ سے معلوم ہوا کہ ہفتہ مختتمہ ۱۹ مارچ ۱۹۰۴ء میں کل ہندوستان میں ۴۲۵۷ آدمی طاعون سے فوت ہوئے جس میں بڑا حصہ اموات بمقابلہ دیگر صوبہ جات کے پنجاب کا ہے۔ اللہ اکبر یہ کس قدر تعداد ہے۔ اس بیماری سے اب کیسے دنیا قائم رہے گی۔

سلسلہ ریل کا: ۲۹ مارچ ۱۹۰۴ء۔ سب سے پیشتر ۲۷ ستمبر ۱۸۲۵ء کو سلسلہ ریل کا انگلینڈ میں جاری ہوا اور ہندوستان میں ۱۸ اپریل ۱۸۵۳ء کو۔ اس کے بعد بتدریج قریباً کل ہندوستان میں اس کا سلسلہ قائم ہو گیا اور یکم فروری ۱۸۷۲ء کو سندیلہ میں ریل جاری ہوئی۔

نیا وائسرائے: ۳ مئی ۱۹۰۴ء۔ ۳۰ اپریل ۱۹۰۴ء کو بیرن امپٹ ہل گورنر پریسیڈنسی مدراس نے وائسرائے کشور ہند کا عہدہ قبول کیا اور لارڈ کرزن صاحب بمبئی سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ولایت ہوئے۔

تھرمامیٹر: ۲۷ جون ۱۹۰۴ء۔ آج ایک آلہ دریافت گرمی و سردی کمنٹ اینڈ کو بمبئی کے کارخانہ سے منگایا بہ قیمت چار روپے۔ محصول وغیرہ نو آنے۔ کل ۴ روپے ۹ آنے۔ اس آلہ کو اگر وہ بغل میں دبایا جائے تو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس قدر گرمی و سردی دبانے والے کے مزاج میں ہے۔ جس کی تصریح یہ ہے کہ اگر آلہ کا پارہ بغل میں دبانے پر ۹۷ یا ۹۸ درجہ تک رہے تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ شخص بحالت تندرست ہے۔ اگر اس تعداد سے گھٹ جاوے تو اس کو ضعف ہے اور اگر بڑھ جاوے تو دلیل حرارت و بخار کی قیاس کی جاوے۔

<u>کرزن</u>: ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۴ء - ۹ر دسمبر ۱۹۰۴ء کو لارڈ کرزن صاحب وائسرائے انگلستان سے داخل بمبئی ہوئے۔ یہ ان کا دوبارہ انتخاب ہے اور جس قدر وائسرائے اب تک ہندوستان کو آئے یہ سب سے کم سن ۴۵ برس کے ہیں۔

<u>علی گڑھ کالج</u>: ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۴ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ اہل تشیع شاہزادگان و نوابزادگان لکھنؤ نے ایک جلسہ خلاف کانفرنس علی گڑھ کے امام باڑہ آصف الدولہ میں ۸ر دسمبر کو منعقد کیا تھا جس میں علمائے فرنگی محل اہل تسنن مجتہدان شیعہ کے فتوے مشربہ بدیں خلاصہ پیش ہوئے کہ کالج علی گڑھ کے لوگوں کے عقائد خلاف دین اسلام ہیں کہ وہ عربی میں نماز پڑھنا لازمی نہیں سمجھتے ہیں اور نہ پانچ وقت کی نماز کی پابندی اور نہ عید الاضحی کی قربانی اور نہ روزہ رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسی حالت میں اطلاق کفر کا ان پر لازم آتا ہے۔ ان کی اطاعت کسی نہج سے نہیں کرنا چاہیے۔ اس پر بہت سی تقریریں ہوئیں۔ اس جلسے میں اہل سنت جماعت کے معزز شریک نہیں ہوئے تھے۔ چونکہ علی گڑھ کالج نے طریقہ تعلیم کا ایک عمدہ نوعیت کا جاری کیا ہے اب اسکی مخالفت ہو رہی ہے۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۴ء۔ آج کی تاریخ سے جلسہ کانفرنس علی گڑھ کالج بمقام لکھنؤ کیننگ کالج شروع ہوا جو ۳۰ دسمبر تک قائم رہے گا۔ بہت سے معززین قصبہ ہذا واسطے شرکت کے لکھنؤ گئے ہیں۔ میں بھی اس کا ممبر تھا لیکن بوجہ اسکے کہ طبیعت کو اب کوئی لطف باقی نہیں اور بحالت تنہائی و خاموشی ایام زندگانی بسر کرنا پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ لہذا فسخ عزیمت کی۔ ۳۰ر دسمبر ۱۹۰۴ء۔ آج معلوم ہوا کہ سید التفات رسول تعلقہ دار جلال پور سندیلہ نے چندہ کانفرنس علی گڑھ منعقدہ ۲۷ لغایت ۳۰ دسمبر ۱۹۰۴ء کیننگ کالج لکھنؤ مبلغ پانچ ہزار روپیہ بنا بر تعمیر کمرہ علم سائنس کالج علی گڑھ کو دینا تجویز کیا جس سے کمرہ کا نام ان کے والد (فضل حسین) کے نام پر رکھا جاوے گا۔

۵ر جنوری ۱۹۰۵ء۔ جو جلسہ کانفرنس علی گڑھ کیننگ کالج لکھنؤ میں ۲۷ر لغایت ۳۰ر دسمبر ۱۹۰۴ء منعقد ہوا تھا۔ وہ نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا اور ایک لاکھ چار ہزار کا چندہ ہوا اور مسٹر شاہد حسین تعلقہ دار و بیرسٹر ایٹ لا کو بجلدوے حسن کوشش ایک طلائی تمغہ منجانب کانفرنس عطا ہوا۔

<u>طاعون</u>: ۱۸ر فروری ۱۹۰۵ء ہفتہ مختتمہ ۴ر فروری ۱۹۰۵ء نقشہ حالت طاعون سے واضح ہوا کہ ہندوستان میں مرض مذکور سے ۳۶,۱۲۷ آدمی ضائع ہوئے اور اس کے قبل کے ہفتہ میں ۳۳,۰۸۷ آدمی فوت ہوئے تھے۔ ممالک متحدہ ہفتہ ۴ر فروری میں ۱۵,۳۶۷ اور ہفتہ ماسبق میں ۱۴,۷۰۴۔

پانچ سال کے ہفتہ مختتمہ ۲۱ر جنوری کی تعداد اموات طاعون ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ پانچ سال سے طاعون میں اموات کی سال بہ سال کیسی کثرت ہوتی جاتی ہے: ۱۹۰۱ء - ۱۳۱۵، ۱۹۰۲ء -

۱۲۱۹۲، ۱-۳-۱۹۰۳ء-۲۳۵۶-۴-۱۹۰۴ء-۳-۴۰۳ ۲۳، ۱۹۰۵ء-۸۷-۳۲۰

زلزلہ: ۱۲؍اپریل ۱۹۰۵ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۴؍اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلے سے شملہ میں اکثر مکانات شق و منہدم ہو گئے۔ لیڈی کرزن مع اپنے بچوں کے وائسرائگل لاج چھوڑنے پر مجبور ہوئیں اور کرزن ہاؤس میں جا کر قیام کیا۔ ۴ و ۵؍اپریل کی رات کو پھر پانچ مرتبہ زلزلہ آیا اور ۶؍اپریل کو ایسا شدید تھا کہ یورپین اپنے مکانوں کو چھوڑ کر میدانوں میں کمل اوڑھ کر سوئے۔ دھرم شالہ کا زلزلہ بہت شدید تھا۔ ایک ہزار ہندوستانی و چار سو گورکھا سپاہی اور کئی یورپین افسر مرے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسی فی صدی جانوں کا نقصان زلزلے سے ہوا۔ لاہور میں بہت سے مکانات کو ضرر پہنچا۔ ایک سو جانیں ضائع ہوئیں۔ زلزلہ کا مرکزی قیام شملہ و لاہور کے مابین تھا اور وہاں اس کا قیام کئی منٹ تک رہا۔

۱۳؍اپریل ۱۹۰۵ء۔ آج کل کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۴؍اپریل کے زلزلے سے شہر کانگڑہ بالکل تباہ ہو گیا۔ منجملہ ۴۶،۷۴۹ آدمیوں کے صرف ۵۰۰ بچے اور یہ مردم شماری اس کی مارچ ۱۹۰۱ء میں ہوئی تھی اور دھرم شالہ کے گرد و نواح کے مواضعات بالکل تباہ ہو گئے۔ چوں کہ جا بجا پہاڑ شق ہو گئے ہیں اور کئی مقاموں میں پہاڑ کھسکنے سے بڑے بڑے غار پڑ گئے ہیں اس وجہ سے دھرم شالہ کے نواحی لوگ نہایت خطرناک حالت میں ہیں۔ غلہ خورد و نوش باقی نہیں رہا اور وہ خچروں کے ذریعے سے بھیجا جا رہا ہے۔ بمبئی میں زلزلہ کا احساس بالکل نہیں ہوا۔

۸؍مئی ۱۹۰۵ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہے کہ جس رقبہ میں شدید زلزلہ آیا اور اس سے جان و مال دونوں کا نقصان ہوا وہ سات سو مربع میل ہے جس میں اس وقت تک اتلاف جانوں کا تخمینہ پندرہ ہزار معلوم ہوا۔ ممکن ہے کہ اس تعداد سے اور بھی زیادہ ملبوں سے فوت شدہ اشخاص کی لاشیں برآمد ہوں۔

کرزن: ۹؍مئی ۱۹۰۵ء۔۔۔ لارڈ کرزن صاحب وائسرائے ہند کے عہد حکومت میں مصائب ذیل باشندگان ہندوستان کے حق میں وقوع پذیر ہوئے۔ اول تو طاعون کی شدت سے بہت سے آدمی ضائع ہوئے دوسرے پالا زدگی سے فصل ربیع ۱۳۱۲ فصلی کو بہت ضرر پہنچا۔ تیسرے زلزلہ جو لاکھوں سے ہزاروں جانیں اور املاک ضائع ہوئیں۔ چوتھے ان کی اسپیچ کلکتہ متعلقہ تعلیم سے عوام اور تعلیم یافتہ کو سخت ناراضگی پیدا ہوئی کہ انھوں نے ہندوستانیوں کو بُرے نام سے یاد کیا اور تعلیم کو سخت کر دیا۔

گردش زمانہ: ۹؍جولائی ۱۹۰۵ء۔ امسال مفصلہ ذیل آفتیں و مصیبتیں ہندوستان میں نازل ہوئیں:

۱۔ طاعون کی شدت سے لاکھوں آدمی مرے، ۲۔ سردی بے حد ہوئی، ۳۔ گرمی سخت پڑی اور آندھیاں بکثرت

آئیں جس سے صد ہا عظیم الشان درخت جڑسے اکھڑ گئے۔ ۵۔ آتش زدگی سے لاکھوں روپیہ کا مال تلف ہوگیا۔ ۶۔ زلزلہ شدید سات سو مربع میل کے رقبہ میں کانگڑہ وغیرہ میں آیا جس سے تئیس ہزار آدمی ضائع ہوئے اور ہزاروں مکان مسمار ہو گئے۔ ۷۔ پالہ زدگی سے فصل ربیع بالکل جاتی رہی ۸۔ علاوہ اس کے جنگ روس و جاپان میں دس لاکھ سے زائد آدمی فریقین کے مقتول ہوئے۔ اور یہ بات بھی عجیب دیکھ رہا ہوں کہ ہر قصبہ گاؤں میں بلاوجہ باہم نزاعات و فسادات پیدا ہیں۔ چنانچہ ہمارا قصبہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے اور بلاوجہ نزاعیں پیدا ہیں۔ معلوم نہیں کہ امسال گردش ستاروں کی کس نہج پر ہو رہی ہے کہ کسی شخص کو چین نہیں اور ہر شخص انواع و اقسام کے افکار میں مبتلا ہے۔

ایک ایجاد: ۱۳ اگست ۱۹۰۵ء۔ آج راجہ درگا پرشاد صاحب نے مجھے تحفۃً ایک سفید سی پیالی بھیجی ہے جس میں ایک قسم کا اسفنج رکھا ہوا ہے جس کی یہ تاثیر ہے کہ اگر انگلی سے اسے چھو کر لفافہ بند کریں تو اس کے لمس سے لفافہ وغیرہ بند ہو جائے گا اور گوند وغیرہ کی کوئی ضرورت نہ ہوگی یہ ایک نئی ایجاد یورپ کی ہے ایسی ہی ایجادوں سے ہندوستان کا روپیہ یورپ کو چلا جاتا ہے کیونکہ روسا لوگ ایک نئی اور عمدہ چیز کو دیکھ کر شوق سے اس کی خریداری کے گرویدہ ہو جاتے ہیں

تقسیم بنگالہ: ۱۵ اگست ۱۹۰۵ء۔ ۷ اگست کو ایک جلسہ ٹاؤن ہال کلکتہ میں اس غرض سے منعقد ہوا کہ تقسیم بنگالہ کی جو کارروائی گورنمنٹ سے تجویز ہوئی ہے اس کی عذرداری کی جاوے۔ اس کمیٹی میں بارہ ہزار آدمی از اعلیٰ تا ادنیٰ شریک تھے اور پانچ ہزار طالب علم ماتمی لباس پہنے ہوئے ایک ممبر کونسل کے ہمراہ شہر میں گشت لگاتے پھرتے تھے تاکہ عوام کو اپنا ہمدرد بناویں اور یہ رزولیوشن بہ اتفاق رائے منظور ہوا اور عہد کیا گیا کہ جب تک تقسیم بنگال کا فیصلہ رعایا کے حق میں حسب اطمینان نہ ہوگا ولایت کی بنی ہوئی چیزیں استعمال نہ کریں گے۔ دیکھا چاہیے کہ اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔

کرزن: ۲۳ اگست ۱۹۰۵ء۔ لارڈ کرزن صاحب وائسرائے ہند نے ایک فوجی تنازعہ کی وجہ سے ۲۱ اگست سنہ الیہ کو اپنے عہدہ سے استعفا دے دیا۔ یہ جھگڑا ان کے اور لارڈ کچنر صاحب کمانڈر ان چیف کے مابین تھا اور ان کی جگہ پر لارڈ منٹو وائسرائے ہند مقرر ہوئے۔

تقسیم بنگالہ: ۸ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ چونکہ اشتہار نمبر ۲۸۳۲ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۰۵ء کے بموجب گورنر جنرل ہند نے بمنظوری ملک معظم و شاہنشاہ ہندوستان تقسیم بنگال کی کارروائی عمل میں آئی اور صوبہ آسام قائم ہوا۔ لہٰذا اب اس کی تعمیل ہو رہی ہے۔

پرنس آف ویلز: ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ پرنس آف ویلز اور ان کی بیگم ۹ نومبر ۱۹۰۵ء کو وارد دہلی ہوں گے

اور ہندوستان کے نامی شہروں کی سیر فرماویں گے وندرو تحائف قبول کریں گے۔ دیکھا چاہیے کہ بحق رعایا کیا سلوک فرماتے ہیں۔ شاہنشاہ روس نے تو اپنے بیٹے کی ولادت میں بہت کچھ سلوکات بحق رعایا فرمائے تھے۔

تقسیم بنگالہ: ۲۲ر اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ ۱۶ر اکتوبر کو مقاسمہ بنگال کا انفاذ ہوا جس سے بنگالیوں کو سخت رنج وغم ہوا۔ اور انھوں نے زرد راکھیاں باندھیں اور جس قدر دوکانیں ان کے امکان میں تھیں وہ بند کرادیں اور یہ دن وہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

سودیشی تحریک: ۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۵ء۔۔۔ اہل بنگالہ نے جو سودیشی تحریک شروع کی ہے یعنی اپنے ہی ملک ہندوستان کی اشیا استعمال کریں اور یورپ کی ساختہ اشیا کو ترک کریں، اس کے جلسے ہندوستان کے تمام شہروں میں ہورہے ہیں اور کوشش ہے کہ ہندوستان کی بنی ہوئی چیزیں کام میں لائی جائیں۔ چونکہ عموماً ہر مقام پر کوشش ہورہی ہے عجب نہیں کہ یہ کارروائی تکمیل کو پہنچ جاوے۔

کرزن: ۲۲۔ نومبر ۱۹۰۵ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۱۸ر نومبر کو لارڈ منٹو داخل بمبئی ہوئے۔ یہ پچیسویں گورنر جنرل ہند کے ہیں اور ۱۸ر نومبر کو لارڈ کرزن کنارہ کش ہو کر واپس براہ بمبئی روانہ ولایت ہوئے۔ آخرالذکر کا انتظام ہند تو بہت اچھا تھا لیکن بعض بعض باتیں ان سے ایسی ظہور میں آئیں جس سے زیادہ حصہ ہندوستانیوں کا کبیدہ خاطر ہوا اور ان کے زمانہ وائسرائے میں چند قسم کے مصائب مفصلہ ذیل ہندوستان پر نازل ہوئے۔ طاعون کی شدت رہی جس سے لاکھوں آدمی ضائع ہوئے۔ آتش زنی سے بہت نقصان ہوا۔ زلزلہ کانگڑہ سے بیس ہزار جانیں تلف ہوئیں۔ پالہ زدگی فصل ربیع ۱۳۱۲ف کو سخت نقصان پہنچا کہ زمیندار اور کاشتکار تباہ ہوگئے۔ فصل خریف ۱۳۱۲ف کی بارش سے بہت ہی کم ہوئی اور ربیع آئندہ کی بھی حالت بہت خراب ہے اور ہزاروں بیگہ اراضی کاشت ہونے سے رہ گئی شاید بہ مشکل تمام زر مال گزاری وصول ہوسکے۔

شاہزادہ ویلز: ۲۳ر دسمبر ۱۹۰۵ء۔ شاہزادہ ویلز نے ۱۸ر دسمبر ۱۹۰۵ء کو اپنی دادی ملکہ وکٹوریہ کی شبیہ برنجی کا افتتاح کیا جو آگرہ کے میکڈانلڈ پارک میں نصب ہوئی۔ اس کی تیاری میں ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ صرف ہوا۔ یہ برنجی شبیہ ملک اطالیہ کی بالورس کمپنی نے تیار کی ہے۔

کمبھ میلہ: ۳ر جنوری ۱۹۰۶ء۔ میلہ کمبھ الہ آباد میں جو ابھی ختم ہوا ہے بیس لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ ۲ر جنوری ۱۹۰۶ء کو کثرت ازدحام سے دس آدمی ہلاک ہوئے اور اٹھارہ سخت مجروح ہوئے۔

جوبلی برٹش حکومت: ۱۹ر فروری ۱۹۰۶ء۔ اودھ میں ۱۴ر فروری ۱۹۰۶ء کو برٹش حکومت کا پچاسواں

سال پورا ہو گیا کہ ۱۳ فروری ۱۸۵۶ء کو اس کے انتزاع کا اعلان ہوا تھا۔

شہزادہ ویلز: ۲۳ مارچ ۱۹۰۶ء - ۱۹ مارچ ۱۹۰۶ء کو شاہزادہ ویلز اور ان کی بیگم صاحبہ شہر کراچی سے بذریعہ برناون (کذا) جہاز روانہ ولایت ہوئے جو ۹ نومبر ۱۹۰۵ء کو بنا بر سیر و سیاحت داخل بمبئی ہوئے تھے۔

۲ مئی ۱۹۰۶ء - شاہزادہ ویلز کے دورۂ ہندوستان میں جو ۶-۱۹۰۵ء میں ہوا گورنمنٹ ہند کا ۶½ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ دیکھا چاہیے کہ جب شاہزادہ موصوف بادشاہ ہوتے ہیں تو رعایا ہندوستان کو کیا نفع پہنچاتے ہیں۔

وفات لیڈی کرزن: ۲۵ اگست ۱۹۰۶ء - لیڈی کرزن متوفیہ زوجہ لارڈ کرزن صاحب سابق وائسرائے ہند نہایت حسین و خوش پوشاک تھیں۔ ۲۷ مئی ۱۸۷۰ء کو پیدا ہوئی تھیں اور ۱۸ جولائی ۱۹۰۶ء کو قضا کی جس حساب سے ان کی عمر ۳۶ سال ایک مہینہ ۲۲ دن کی ہوئی۔ اور ۲۳ جولائی سنہ الیہ کو قبرستان گڈ فشون میں دفن ہوئیں۔

کانگریس: ۵ ستمبر ۱۹۰۶ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ سر اندرناتھ بنرجی مشرقی و مغربی دونوں بنگالوں کے شاہ کی حیثیت سے انھیں تاج پہنایا گیا اور انھوں نے غیر ملک کی ساخت کی چیزوں پر سخت اعتراض کیا اور ملک کی کارروائی جائز رکھنے کے لیے مذہبی مدد حاصل کی اور انگریزی کپڑے پر اسی وجہ سے اعتراض کیا کہ وہ سور کی چربی سے گھونٹا جاتا ہے۔ لہٰذا ہندو اور مسلمانوں دونوں کو ناگوار ہے۔ اس جلسہ میں ہزاروں بنگالیوں کا مجمع تھا۔ میری رائے میں بظاہر ان کارروائیوں کا انجام بخیر نظر نہیں آتا۔

اخبارات: ۱۱ ستمبر ۱۹۰۶ء - آج کل ہندوستان میں ۱۲۷۱ اخبار نکلتے ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے بمبئی کو درجہ اوّل اور پنجاب کو درجہ دوئم حاصل ہے۔

وفد مسلمانوں کا: ۹ اکتوبر ۱۹۰۶ء - مسلمانوں کے ایک ڈپوٹیشن نے بہ سرغنائی آغا سلطان محمد شاہ آغا خاں صاحب جی سی آئی ای بمبئی جن کے ساتھ سربرآوردہ معزز اہل اسلام ہندوستان شریک تھے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء بمقام شملہ حضور میں لارڈ منٹو صاحب بہادر وائسرائے ہند حاضر ہو کر ایڈریس پیش کیا جو انتظامات نسبت تقرر ججان ہائی کورٹ وغیرہ آئندہ ہونے والے ہیں اس میں مسلمانان ہند کے حقوق کا بھی لحاظ رکھا جاوے جس کا جواب وائسرائے نے قابل اطمینان دیا۔ اس کی کیفیت مفصل اودھ اخبار مورخہ ۱۱ اکتوبر میں درج ہے۔

۷ جنوری ۱۹۰۷ء - جو ڈپوٹیشن اہل اسلام یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو حضور میں لارڈ منٹو صاحب وائسرائے ہند بمقام شملہ گیا تھا اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسٹر شاہ دین بیرسٹر و مسٹر شرف الدین بیرسٹر ایٹ لا چیف کورٹ پنجاب و ہائی کورٹ کلکتہ کے جج مقرر ہوئے جس کے معنی یہ ہیں کہ گورنمنٹ نے استدعا مسلمانان ہند پذیرا فرمائی اور ان کو عہدہ جلیلہ عطا فرمائے۔

فیٹ (FETE) ۲؍ فروری ۱۹۰۷ء- امیر کابل نے ۲؍ فروری کو بحالت قیام کلکتہ لیڈی منٹو کے فیٹ میں بہت کچھ فیاضی ظاہر کی جو بنا بر مصارف تعلیم دایہ پسالوں کو دیا جائے گا۔ اسی غرض سے یہ مینا بازار قائم ہوا۔ لیڈی منٹو لارڈ منٹو وائسرائے گورنر جنرل کی بی بی ہیں جنھوں نے محض رفاہ عام کے لیے یہ فیٹ بمقام کلکتہ قائم کیا۔

امیر کابل: ۵؍ فروری ۱۹۰۷ء- امیر حبیب اللہ خاں والی کابل نے بہ فراہمی اہل ہنود و مسلمان دہلی میں دربار کیا تو ان لوگوں کو نصیحت کی کہ رسم گاؤکشی موقوف کر دی جائے جو باعث دل دکھنے ہنود کا ہے۔ میں نے کابل میں اس طریقہ کو مسدود کر دیا ہے اور قرآن شریف میں حکم گاؤکشی کا کہیں نہیں ہے لہذا آپ لوگ بھی اس رسم کو ترک کریں۔ اس امیر کی نصیحت کو تمامی مولوی اماموں اور روسائے دہلی نے منظور و قبول کیا کہ ہم آئندہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ یہ نصیحت امیر صاحب نے ۲۵؍ جنوری کو کی تھی۔

طاعون: ۵؍ مارچ ۱۹۰۷ء بمعائنہ گزٹ سرکاری و اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ امسال طاعون بمقابلہ سال گزشتہ کے بہت ترقی پر ہے اور بکثرت لوگ مر رہے ہیں یعنی اگر گزشتہ سال میں پانچ ہزار مرے تو سال رواں میں پندرہ ہزار ہمارے ضلع ہردوئی میں بھی اس کی زیادتی ہے۔ گونی گونڈوہ میں تو کئی مہینے سے تھا اب میرے موضع گھوگرہ کے قریب آگیا ہے۔

امیر کابل: ۸؍ مارچ ۱۹۰۷ء نے جمعہ گزشتہ کو جب مسجد لاہور میں نماز جمعہ ادا کی تھی تو ستر ہزار آدمیوں کا مجمع تھا اور جس طرف آپ گزرتے تھے تو پھولوں کی برابر بوچھار ہوتی تھی۔ آپ نے پیش امام مسجد کو خلعت قیمتی دیا اور موذن کو ایک دوشالہ عطا کیا۔ امیر صاحب میں مثل انگریزوں کے پابندی اوقات کی تو نہ تھی ورنہ اور باتوں کے اعتبار سے وہ بہت ممتاز رہے۔ ۳؍ مارچ کو امیر کابل نے مسلمانوں کے لیے لاہور میں کالج کی تعمیر کے لیے بیس ہزار روپے دیے اور ترقی تعلیم کالج کے لیے چھ ہزار سے اضافہ کر کے بارہ ہزار سالانہ منظور فرمائے جس کی تصریح ۶؍ مارچ ۱۹۰۷ء کے اودھ اخبار میں درج ہے۔

طاعون: ۱۰؍ مارچ ۱۹۰۷ء بمعائنہ پائنیر مورخہ ۹؍ مارچ ۱۹۰۷ء سے واضح ہوا کہ تمامی ہندوستان میں ہفتہ مختتمہ ۲؍ مارچ میں ۳۲،۹۰۹ آدمی طاعون سے ضائع ہوئے اور اس کے ماقبل ہفتہ میں ۳۰۰،۲۴ مرے تھے۔

امیر کابل: ۱۲؍ مارچ ۱۹۰۷ء- امیر حبیب اللہ خاں والی کابل ۷؍ مارچ سنہ الیہ کو بمقام جمرود اپنے افغانستان میں داخل ہوئے۔ وہاں بذریعہ تار اخباروں کو اطلاع دی کہ میں ۶۴ روز ہندوستان کی سیر کر کے اپنے ملک کی حد میں پہنچا اور زمانہ دورہ میں لارڈ منٹو وائسرائے ہند اور تمامی حکام نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ کیا۔ اگر میں اس سفر کو گوارا نہ کرتا تو ہندوستان کے حالات سے ہنوز (کذا) بے خبر رہتا۔ کلکتہ میں امیر صاحب فری میسن بھی ہوئے۔

<u>طاعون</u>: ۲۹ اپریل ۱۹۰۷ء۔ بمعائنہ پانیر اخبار مورخہ ۲۷ اپریل سے واضح ہوا کہ ہفتہ مختتمہ ۲۰ اپریل سنہ الیہ میں تمام ہندوستان میں ۷۶،۵۱۰ آدمی طاعون سے مرے اور اس کے قبل کے ہفتہ میں ۴۴،۴۲ ضائع ہوئے تھے۔ آج چار آدمی اشراف ٹولہ کے طاعون سے مرے۔

۱۱ مئی ۱۹۰۷ء۔ راولپنڈی میں بعض وکلاو بیرسٹر نے خلاف گورنمنٹ مجمع عام میں اسپیچین کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجسٹریٹ ضلع نے ان پانچوں وکلاو بیرسٹروں کو گرفتار کرا کے حوالات بھیج دیا اور ضمانت قبول نہیں کی۔ اب کسی تاریخ آئندہ میں اس کی تحقیقات ہوگی۔ ان لوگوں نے اس قسم کی اسپیچیں کیں تھیں کہ سرکار نے بندوبست دہات کا سخت کر دیا ہے اور طاعون سے ہزاروں آدمی مر رہے ہیں لہٰذا ہم لوگوں کے واسطے یہی مناسب ہے کہ گورنمنٹ سے جھگڑا کر کے اپنی جان دیدیں کیونکہ اگر طاعون سے بچے تو گورنمنٹ کی سنگینی جمع سے تکلیف اٹھا اٹھا کر مرنا ہوگا۔

<u>لاجپت رائے</u>: ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار مورخہ امروزہ سے واضح ہوا کہ لالہ لاجپت رائے ایک نامور وکیل لاہور بموجب حکم گورنمنٹ محکومہ ۹ مئی سنہ الیہ گرفتار کر کے بذریعہ اسپیشل ٹرین ملک برہما کو بھیج دیے گئے کہ انھوں نے مفسدانہ اسپیچیں کیں تھیں جو گورنمنٹ کی حکومت کے محض خلاف تھیں اور اجیت سنگھ ان کے نائب کو بھی گرفتاری کی تجویز ہو رہی ہے جو جا بجا اسپیچیں کہتا پھرتا تھا اور جو بالفعل لاپتہ ہے۔

۲۱ مئی ۱۹۰۷ء۔۔۔ لالہ لاجپت رائے ایک نامور متمول وکیل لاہور، قلعہ "مانڈلے" واقع ملک برھما میں بطور سلطانی قیدی مقید ہیں۔

۷ جون ۱۹۰۷ء۔ آج کے اخبارات سے واضح ہوا کہ اجیت سنگھ پنجابی نائب لالہ لاجپت رائے امرتسر میں گرفتار ہوا جو عنقریب کسی مقام پر جلاوطن کیا جائے گا۔ اجیت سنگھ گورنمنٹ کے خلاف اسپیچیں لاہور میں دیا کرتا تھا جس کی وجہ سے اس پر وارنٹ گرفتاری بعد تا پانچ سو روپیہ انعام کے جاری تھا۔

۱۹ جون ۱۹۰۷ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ لالہ لاجپت رائے ملک برہما میں قلعہ "مانڈلے" کے ایک آراستہ بنگلہ میں مقیم ہیں جو لب سڑک واقع ہے۔ ان کے واسطے کتابیں مہیا کی گئی ہیں اور بگھی اور ایک جوڑی گھوڑے کی ان کی سواری کے واسطے ہے۔ دو افسروں کے ہمراہ باہر نکل سکتے ہیں۔ جو ہندوستانی ان کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں۔ ان کے صرفہ سالانہ کے واسطے گورنمنٹ نے ۴۸ ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ان کو ۴۰ روپیہ یومیہ ملتا ہے۔ بہر حال ان دونوں میں سے ایک رقم ان کو ملتی ہے۔ غالباً آخر رقم صحیح ہے جس کی تعداد ماہواری ۱۲۰۰ ہے۔

اِکنّی : یکم اگست ۱۹۰۷ء - آج یکم اگست ۱۹۰۷ء سے ایک آنہ کا نکل کا سِکّہ جاری ہوا ہے۔ اس سکہ کا کنارہ پہلودار ہے۔ جس سے یہ غرض ہے کہ اس پر چونّی کا دھوکا نہ ہو۔ اگرچہ چونّی سے کسی قدر بڑا اور موٹا ہے مگر چونّی سے کچھ مشابہ ہے۔ پہلودار بنانے سے دنیا کے سکوں میں یہ نرالا سکہ ہے کیونکہ اس وقت تک کسی ملک میں ایسا سکہ مسکوک نہیں ہوا ہے۔ اس کے سامنے کے رُخ پر بادشاہ کا تاجدار چہرہ ہے۔

دُمدار ستارہ : ۱۶ اگست ۱۹۰۷ء - آج کل تین بجے آخر رات کو ایک دمدار ستارہ نکلتا ہے جو پورب میں کہکشاں کے قریب اتر کو دکھلائی دیتا ہے۔ یہ ستارہ زمانہ غدر یعنی ۱۸۵۷ء زمانہ خشک سالی میں نکلا تھا اب پھر نکلا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ بارش کی کمی اور خریف کا نقصان تو ظاہر ہو رہا ہے۔

وفات نواب محسن الملک : ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء - نواب محسن الملک سکریٹری مدرسۃ العلوم علی گڑھ نے ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء بمقام شملہ قضا کی۔ مرحوم لائق و قابل شخص تھے۔ ان کی اسپیچ میں ایسی سحر بیانی تھی کہ حاضرینِ جلسہ ان کے منشاء سے فوراً متاثر ہو جاتے تھے اور ان کے مقاصد کی پوری تعمیل ہوتی تھی۔ محسن الملک ۹ دسمبر ۱۸۳۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء یوم چہار شنبہ کو فوت ہوئے اور ۱۹ اکتوبر یوم شنبہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ متصل قبر سر سید احمد خاں کے مسجد میں مدفون ہوئے۔ حساباً ان کی عمر ۶۹ سال ۹ ماہ تینتیس روز کی ہوئی۔

قحط اور چوہے : ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء - چونکہ آج کل زمانہ قحط سالی کا ہے پروردگار عالم نے عوام کے رزق پہنچانے کا یہ سامان کر دیا کہ حسب منشاء گورنمنٹ واسطے انسداد بیماری طاعون کے ہلاکت چوہوں کا کام جاری ہو گیا۔ چنانچہ قصبہ ہٰذا میں چوہوں کی ہلاکت کا کام جاری ہے اور ان کو لانے والوں کو دو پیسہ فی چوہا عام اس سے کہ وہ زندہ ہوں یا مردہ انعام تقسیم کیا جاتا ہے جس کی تعداد یومیہ باون روپے تک پہنچ گئی ہے۔ جس سے بہت سی جانیں پرورش پا رہی ہیں۔

ہڑتال : ۷ نومبر ۱۹۰۷ء - ملازمان یورپین و ہندوستانی ایسٹ انڈیا ریلوے نے ہڑتال کر دی کہ یہ زمانہ قحط سالی کا ہے اگر ہماری تنخواہوں میں اضافہ نہ ہوگا تو ہم ریل نہیں چلائیں گے۔ چنانچہ ۱۸ نومبر سے کلکتے سے کالکا تک ریل بند ہے اور مسافروں اور مال کی آمد و شد رکی ہوئی ہے۔

علی گڑھ : ۱۰ دسمبر ۱۹۰۷ء ... آج کی کمیٹی علی گڑھ سے وقار الامرا سکریٹری علی گڑھ کالج بجائے محسن الملک نواب مہدی علی خاں متوفی سکریٹری مقرر ہوئے۔

تعداد فوج : ۱۱ اپریل ۱۹۰۸ء - تعداد سرکاری فوج گورے و ہندوستانی ہندوستان میں بہ تعداد ذیل ہے

فوج گورا ۱۹۰۷-۰۸ء - ۷۶۰۱۹ ہندوستانی ۱۵۶۴۱۱ - کل ۲۳۲۴۳۰ - اس میں فوج کنٹنجنٹ بھی شامل ہے۔ صرف اسی قدر فوج سے حفاظت ہندوستان ہوتی ہے

حادثہ ریل: ۱۴؍ مئی ۱۹۰۸ء کل کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ جو دو ٹرینیں متصل غازی آباد کے لڑی تھیں اور اس کا زمانہ ایک ہفتہ ہوا۔ اس کے صدمہ سے دو تین سو مسافر ضائع ہوئے اور بہت سے مجروح اور مجروحین میں سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں اور کئی ریل گاڑیاں جل کر خاکستر ہو گئیں اور ایک بارات ریل میں جا رہی تھی ان باراتیوں میں سے ایک آدمی بچا اور کل بارات ہلاک ہو گئی۔ یہ بہت بڑا واقعہ ہوا۔

وفات غلام احمد قادیانی: یکم جون ۱۹۰۸ء - ۲۶؍ مئی ۱۹۰۸ء کو غلام احمد قادیانی جنھوں نے ایک جدید اسلامی فرقہ قائم کیا تھا بعارضہ ہیضہ لاہور میں قضا کی۔

رعایا پروری: ۷؍ جولائی ۱۹۰۸ء۔ غلہ روز بروز گران ہوتا جاتا ہے لیکن فصل انبہ بکثرت ہونے سے غریب غربا کی اس سے بہت پرورش ہوتی ہے ورنہ سخت پریشانی کا سامنا ہوتا۔ دوسرے گورنمنٹ اور چندہ کے روپیہ سے جو قریباً تین سو ماہوار خاص محتاجان قصبہ ہذا میں تقسیم ہوتا ہے اس سے بہت بڑی امداد مستورات پردہ نشیں و غربا کی ہو رہی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ گورنمنٹ اپنی رعایا کی پرورش میں بہت سرگرم ہے ورنہ بہت سے لوگ فاقہ کشی سے مر جاتے۔ اور اسی طور پر تمامی ہندوستان میں لکھوکھا روپیہ محتاجوں کو تقسیم ہو رہا ہے۔ میرے خیال میں جیسی پرورش رعایا برٹش گورنمنٹ کے عہد سلطنت میں ہو رہی ہے ایسی کسی راجہ ہند یا کسی بادشاہ مسلمان کے زمانِ حکومت میں نہیں ہوئی ہوگی۔ علاوہ اسی کے سرکار لاکھوں روپیہ رعایا کو خریداری ترگانواں و بہسارہ میں بانٹ رہی ہے جس کی کمال شکرگزاری ادا ہو رہی ہے اور یہ سلسلہ تقسیم خیرات کا تا وقتیکہ فصل خریف آئندہ تیار نہ ہو برابر جاری رہے گا۔

مسٹر تلک: ۲۵؍ جولائی ۱۹۰۸ء ... مسٹر تلک مرہٹہ رئیس پونا کو بمبئی کے جج صاحب نے چھ سال قید سخت کی سزا دی اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کیا۔ مسٹر تلک اپنی قوم میں نہایت معزز اور پر اثر شخص تھے۔ قیدی نے اپنے اخبار مرہٹی زبان میں تین دفعہ گورنمنٹ کی کچھ شکایت اور توہین چھاپی تھی اس وجہ سے ان کو حسب منشا دفعہ ۱۲۴ حرف الف و دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند سزا ہوئی۔ مسٹر تلک عدالت میں جلاوطن کیے گئے اور جس وقت وہ جہاز پر لیے جا رہے تھے تو ان کے ہمدرد لوگوں نے بہت کچھ یورش کی اور گارڈ کے سپاہیوں کو اینٹ اور پتھر مارے۔ کئی افسر زخمی ہوئے اور ادھر سے فوج نے گولیاں چلائیں چار آدمی ہلاک ہوئے اور ۳۲ آدمی زخمی ہوئے۔ کیفیت غدر کی اس وقت پیدا تھی۔

پھانسی: ۱۵؍اگست ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ "کھودے رام بوس" کو بتاریخ ۱۱؍اگست ۱۹۰۸ء پھانسی دے دی گئی۔ ملزم پر یہ الزام تھا کہ اس نے مظفرپور میں بم کے گولے سے دو یورپین لیڈیوں کو ہلاک کیا تھا۔

سرکاری گواہ: ۵؍ستمبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ نریندر ناتھ گوشائیں سرکاری گواہ کو جس نے مخبری کر کے بہت سے اپنے ہم قوم لوگوں کو کلکتہ میں گرفتار کرایا تھا اس کو کنھئی لال دت اور ستیندر ناتھ بوس دو قیدیوں نے علی پور کے جیل خانہ کے اندر ریوالور اور تمنچہ کی گولیوں سے ۳۱؍اگست ۱۹۰۸ء کو ہلاک کر ڈالا اور دو یورپین قیدی جو اس کو بچانے کے واسطے آئے تھے ان کو بھی زخمی کیا۔ وہ تمنچے شاید کھانے میں رکھ کر ان کے دوستوں نے قیدیوں کے پاس بھیجے تھے۔ یہ دونوں قیدی جنھوں نے گوشائیں کو ہلاک کیا محض گوشائیں کی مخبری پر زیر حوالات تھے۔ جب دونوں قیدیوں کی تلاشی لی گئی تو پانچ ریوالور اور تمنچے ان کے پاس برآمد ہوئے۔

مسٹر تلک: ۲۸؍ستمبر ۱۹۰۸ء۔ مسٹر تلک مرہٹا پونا جن کو سزا چھ سال بہ عبور دریائے شور بہ علت شائع کرنے مضامین فتنہ پردازی ہوئی تھی وہ بہ حکم گورنر بمبئی قید محض رہے گی اور اب وہ شہر "منڈالے" مواقع برما کو بھیجے گئے۔

جشن جوبلی: ۲۸؍نومبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ جشن قیصری جوبلی ۲؍نومبر ۱۹۰۸ء کو تمامی ہندوستان میں ہوا تھا۔ اس کا یہ منشا تھا کہ برٹش سلطنت نے براہ راست قدیم ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت ہندوستان کی زمام اپنے ہاتھ میں لی تھی جس کو زمانہ پچاس سال کا ہوا جو زمانہ امن و امان سے ختم ہوا۔

حُقّہ کی ایجاد: ۱۳؍نومبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ اکبر بادشاہ کے حکم سے حکیم ابوالفتح گیلانی نے حقہ کی ایجاد کی جس کو اکبر بادشاہ نے بہت پسند کیا تھا۔

بنگال میں حادثہ: ۱۴؍نومبر ۱۹۰۸ء ... آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ایک جلسہ کلکتہ میں سر انڈریو فریزر صاحب لفٹیننٹ گورنر کی پریسیڈنسی میں ۷؍نومبر کو بوقت شام منعقد ہوا تھا، جتندر ناتھ چودھری نے ایک ریوالور و تمنچہ سے گورنر پر دو مرتبہ فیر کرنا چاہا لیکن تمنچہ نے خطا کی اور چودھری مذکور گرفتار کر لیا گیا جس کی تحقیقات ہو رہی ہے۔ اسی اخبار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نندو لال بنرجی انسپکٹر تحقیقات فوجداری کو کسی نے ۱۰؍نومبر کو تمنچہ کے دو فیروں سے قتل کیا۔ قاتلوں کی تفتیش ہو رہی ہے۔ ہنوز کوئی سراغ نہیں لگا۔

۲۸؍نومبر ۱۹۰۸ء آج کے اخبار سے واضح ہوا کہ جتندر ناتھ چودھری جس نے سر انڈریو فریزر لفٹیننٹ گورنر بنگال کو ہلاک کرنا چاہا تھا اس کو دس سال قید سخت کی سزا ملی۔ اگر مہاراجہ بردوان لفٹیننٹ گورنر اور قاتل کے درمیان میں نہ آجاتے تو ضرور تمنچہ سر ہونے سے ہز آنر ہلاک ہو جاتے۔

بیرسٹر منجانب انگلش مین پیروی مقدمہ کرتے تھے۔

مسٹر مدن لال قاتل: ۱۰ر جولائی ۱۹۰۹ء۔ یکم جولائی ۱۹۰۹ء کو کرنیل کرزن ویلی اور ڈاکٹر لال کا کا کو مسمی مدن لال طالب علم ساکنہ امرتسر نے بمقام لندن تپنچہ کی گولیوں سے قتل کر ڈالا جس کی وجہ سے مدن لال قاتل نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ غالباً اس کو سزا پھانسی کی ہوگی۔ مقدمہ کی تحقیقات لندن کورٹ میں ہو رہی ہے۔ مدن لال نے اپنی بریت کے لیے کوئی بیان نہیں دیا بلکہ جو اس نے پولیس میں بیان کیا تھا وہی کافی سمجھا گیا۔

۲۷ر جولائی ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ لارڈ اوورسٹون نے مدن لال قاتل سر کرزن ویلی کو پھانسی کی سزا دیتے ہوئے کہا کہ میں جو بات کہوں گا اس کا ملزم پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔ جب مدن لال حکم سزا سن چکا تو اس نے فوجی سلام کیا اور کہا کہ مائی لارڈ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ مجھے میرے وطن کے لیے مرنے کا یعنی شہید ہونے کا فخر نصیب ہوا۔

۲۰ر اگست ۱۹۰۹ء ۱۷ر اگست کو مسمی مدن لال ڈھینگرا ساکن امرتسر کو بجرم قتل سر کرزن ویلی صاحب بمقام لندن پھانسی ہوئی۔

لارڈ کچنر: ۱۲ر ستمبر ۱۹۰۹ء۔ ۱۰ر ستمبر کو لارڈ کچنر کمانڈر ان چیف افواج ہندوستان ہندوستان سے روانہ ہوئے جنھوں نے سات سال اس عہدہ کا کام نہایت عمدگی سے انجام دیا اور جنرل سر اولیور کریگ جدید کمانڈر ان چیف کو چارج دیا جو اسی تاریخ داخل بمبئی ہوئے تھے۔

جنتریوں میں فرق: ۱۳ر جنوری ۱۹۱۰ء۔ جنتری ہائے مفصلہ ذیل میں محرم کے چاند میں اختلاف ہے:

جنتری نولکشور ۲۹ر جنتری رعد کانپور ۲۹ر علمی جنتری ۲۹ر شہور عالم ۳۰ر ترپلے منجمان ۳۰۔ منگل شام کو بہت غور سے چاند دیکھا گیا لیکن نظر نہیں آیا۔ اس وجہ سے آج چاند رات قرار دی گئی۔ مستورات اور بعض جہلا کا عقیدہ ہے کہ مہینہ محرم کی چاند رات اور پنج شنبہ اچھے نہیں ہوتے۔ چونکہ آج پنج شنبہ کی رات ہوگی اب تجربہ کرنا ہے کہ یہ سال کیسا گزرتا ہے۔

پھانسی: ۴ر فروری ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ نرندر ناتھ سین کو ہائی کورٹ کلکتہ نے حکم پھانسی کا صادر کیا جس نے ۲۵ جنوری ۱۹۱۰ء کو شمس العالم ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو تپنچہ کی گولی سے ہلاک کیا تھا۔

علی گڑھ کالج: ۸ر فروری ۱۹۱۰ء... معلوم ہوا کہ سر آغا خاں خوجوں کے پیر بذریعہ اسپیشل ٹرین ۵ر فروری بوقت ۱۱ر بجے دن لکھنؤ تشریف لائے۔ اہالی لکھنؤ نے ان کی نہایت قدر و منزلت کی اور گھوڑے کھول کر خود اسٹیشن سے قیصر باغ تک لے گئے۔ اسٹیشن سے قیصر باغ تک جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ ان کی

دار العلوم ندوہ: ۲ر دسمبر ۱۹۰۸ء - ۲۸ر نومبر ۱۹۰۸ء کو سر ہیوٹ صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر متحدہ اضلاع آگرہ و اودھ نے سنگ بنیاد دار العلوم ندوۃ العلما کا بمقام لکھنؤ رکھا۔

گاڑیوں کا تصادم: ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۸ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۳ر دسمبر ۱۹۰۸ء کو قصبہ مصطفےٰ آباد متصلہ لاہور میں دو ریل گاڑیاں لڑ گئیں جس سے ۱۸ر آدمی ہلاک و ۲۵ر مجروح ہوئے۔

صرفہ تار: ۱۳ر فروری ۱۹۰۹ء... یکم جنوری ۱۹۰۹ء سے ٹیلی گرام بھیجنے کا حسب ذیل انتظام ہوا معمولی تار جو ایک روپیہ میں جاتا تھا وہ اب چھ آنے میں جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ مع نام و پتہ مکتوب الیہ و عہدہ مکتوب الیہ بارہ لفظوں سے زائد نہ ہوں اور اگر زائد الفاظ ہوں گے تو فی لفظ ۲ پائی مزید دینا ہوں گی اور جو تار ضروری دو روپیہ میں جاتا تھا وہ ایک روپیہ میں جاوے گا مگر اس میں بھی یہ شرط ہے کہ مع نام کاتب و مکتوب الیہ وغیرہ کے بارہ لفظوں سے زاید نہ ہوں۔ اگر ہوں گے تو فی لفظ ایک آنہ مزید دینا ہوگا۔

آگرہ: ۲۲ر فروری ۱۹۰۹ء... آگرہ کے تاج محل میں ایک لمپ عطیہ لارڈ کرزن صاحب سابق وائسرائے ہند ۱۲ر فروری ۱۹۰۹ء بوقت سوا سات بجے رات کے سر ہیوٹ صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ نے آویزاں کیا۔ یہ نہایت عمدہ لمپ ہے۔ مصر کے تدروس مدبر نے دو سال میں اس لمپ کو تیار کیا ہے۔ یہ لمپ کسی تقریب ضروری میں روشن کیا جائے گا۔

ممبر کونسل وائسرائے: یکم اپریل ۱۹۰۹ء - اخباروں سے واضح ہوا کہ مسٹر سنیہ (کذا) قوم بنگالی، بیرسٹر ایٹلا و ایڈوکیٹ جنرل بنگال کونسل وائسرائے کے ممبر مقرر ہوئے جن کی تنخواہ چھ ہزار چھ سو سٹھ روپیہ ماہوار مقرر ہوئی ہے یہ پہلی مرتبہ ہے کہ ایک ہندوستانی گورنمنٹ کے معزز عہدہ پر مقرر ہوا حالانکہ ان کی وکالت کی آمدنی تیس ہزار روپیہ ماہوار تھی مگر بوجہ ازدیاد عزت و مرتبہ کے انھوں نے یہ عہدہ قبول کیا۔ بابو صاحب نہایت قابل و قانون داں شخص ہیں۔

جوڈیشل کمشنر: ۲۱ر مئی ۱۹۰۹ء - آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ پنڈت سندر لال صاحب وکیل عدالت ہائی کورٹ الہ آباد، جوڈیشل کمشنر مقرر ہوئے۔ یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ ایک ہندوستانی ایسے معزز عہدہ پر ممتاز فرمایا گیا۔ پنڈت صاحب کی آمدنی وکالت ان کے اس عہدہ کی تنخواہ سے کہیں زائد تھی۔

مقدمہ لاجپت رائے: ۹ر جولائی ۱۹۰۹ء - جو مقدمہ لالہ لاجپت رائے لاہور نے بنام اخبار "انگلش مین" کلکتہ میں بابت اپنے ازالہ حیثیت عرفی کے کلکتہ ہائی کورٹ میں دائر کیا تھا اس میں جج فلپچ کلکتہ نے ۷ر جولائی کو پندرہ ہزار کی ڈگری دی اور خرچہ مقدمہ دلوایا۔ دعوا پانچ ہزار کا تھا۔ مسٹر نارٹن اعلا درجہ کے

تشریف آوری کا یہ سبب ہے کہ علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی قرار دینا چاہتے ہیں۔ جس کا تخمینہ تیس لاکھ روپے ہے۔ منجملہ اس کے بیس لاکھ روپیہ وصول ہو چکا ہے اب صرف دس لاکھ چندہ ہونے کی ضرورت ہے۔ غالباً لکھنؤ میں فہرست چندہ کھولی جائے اور متمول لوگ حسب حیثیت چندہ دیں جس کی تعداد میں آئندہ کسی تاریخ میں درج روزنامچہ ہذا کروں گا۔

وفات ایڈورڈ ہفتم: ۸ مئی ۱۹۱۰ء۔ آج کے "پانیر" سے واضح ہوا کہ ایڈورڈ ہفتم بادشاہ انگلستان اور ہمارے شہنشاہ معظم نے ۶ مئی ۱۹۱۰ء کا دن گزر کے رات کو ۱۱ بجے کے ۴۵ منٹ پر بعارضہ انفلوئنزا انتقال کیا۔ عمر ۷۰ سال تھی۔ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں قحط و زلزلہ و طاعون اور ہر قسم کی پریشانیاں زیادہ لاحق رہیں۔

دمدار ستارہ: ۹ مئی ۱۹۱۰ء دمدار ستارہ صبح کے ۲ بجے پورب جانب اُتر کو ہٹتا ہوا نکلتا ہے جس کا قیام ۴ بجے تک رہتا ہے۔ تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نکلنا اچھا نہیں ہے۔ جنگ و قحط سالی وغیرہ کا سامنا اور بادشاہ اور رؤسائے وقت کو باعث نقصان کا متصور ہے۔ چنانچہ ہمارے ایڈورڈ ہفتم کا انتقال ہو گیا۔

ماتم ایڈورڈ ہفتم: ۱۵ مئی ۱۹۱۰ء۔ بوجہ وفات بادشاہ ایڈورڈ ہفتم حسب منشائے گورنمنٹ بہ اظہار ماتم غم و الم کل حکام و رؤسا وغیرہ اپنے بائیں بازو پر ایک سیاہ کپڑا بالائے پوشاک باندھے رہتے ہیں۔ لہذا جب میں باہر نکلتا ہوں تو اپنے بائیں بازو پر پارچہ سیاہ لپیٹا کرتا ہوں کہ باعث اعتراض کا نہ ہو۔

۱۸ مئی ۱۹۱۰ء آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ملک معظم کی تدفین میں تیس فرماں روایان ملک شریک ہوں گے۔ غیر ملکی حکمرانوں نے نہایت بیش قیمت ہار بھیجے ہیں جن میں بعض کی قیمت ڈیڑھ سو گنی ہے۔ آغا خاں نے بھی نہایت بیش قیمت پھولوں کا ہار بھیجا ہے اس میں علاوہ گلاب کے ایک ہزار پھول چنبیلی کے ہیں۔

۲۴ مئی ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۱۹ مئی ۱۹۱۰ء کو اعلیٰ حضرت ملک معظم کی لاش بنظر دیدار ویسٹ منسٹر میں رکھی گئی تھی اور دیکھنے والے مجمع کی لمبائی تین میل تک تھی۔ گمان ہے کہ چار لاکھ آدمی تابوت کے قریب سے گزر چکے تھے اور ۲۰ مئی کو وہیں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

سید علی امام: ۳ نومبر ۱۹۱۰ء۔ آج کے تار برقی مندرجہ اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ سید علی امام بجائے مسٹر سنہا کونسل وائسرے میں مقرر ہوئے۔

لارڈ ہارڈنگ: ۲۵ نومبر ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ لارڈ ہارڈنگ جدید وائسرائے ۱۸ نومبر ۱۹۱۰ء کو داخل کلکتہ ہوئے۔ دیکھنا چاہیے کہ جدید لارڈ انتظام سلطنت کیسا کرتے ہیں۔ لارڈ منٹو کی خوش

انتظامی سے باشندگان ہندوستان بہت خوش رہے اور انھوں نے ہندوستانیوں کو معزز عہدے عطا کیے اور نیک نامی کے ساتھ رخصت ہوئے۔

ولی عہد جرمنی: یکم جنوری ۱۹۱۱ء۔ آج کل ولی عہد جرمنی ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیاحت فرمارہے ہیں اور ہماری گورنمنٹ ان کا ہر قسم کا اعزاز و دعوت و تواضع فرما رہی ہے کہ وہ وکٹوریہ آنجہانی کے نواسے ہیں۔

آغا خان اور علی گڑھ: ۵ مارچ ۱۹۱۱ء۔۔۔۔ اودھ اخبار مورخہ ۴ مارچ ۱۹۱۱ء سے واضح ہوا کہ سر آغا خان بہادر قوم خوجہ آج کل تمامی ہندوستان سے بنا پر قائم کرنے یونیورسٹی علی گڑھ مسلمانوں سے چندہ وصول کر رہے ہیں اور بیس لاکھ سے زائد وصول کر چکے ہیں اور بالفعل لاہور پنجاب میں ہیں۔ وہ ۱۱ نومبر ۱۸۷۷ء کو بمقام کراچی پیدا ہوئے۔ اس حساب سے ان کی عمر ۳۳ سال کی ہے آدمی نہایت لائق خطاب یافتہ فرقہ خوجہ کے امام ہیں اور ہزاروں روپیہ ان کی آمدنی ہے۔ یقین ہے کہ ان کی کوشش موجودہ سے تیس لاکھ سے زائد چندہ وصول ہو جائے۔ یہ پہلے شخص ہیں جو بعد سر سید احمد خاں بانی علی گڑھ کالج اپنی قوم کیلئے یونیورسٹی قائم کرنے کیلئے اس قدر کوشش کر رہے ہیں۔

جشن تاج پوشی: ۲۸ مارچ ۱۹۱۱ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ہمارے ملک معظم کا دربار تاج پوشی ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو بہ مقام دہلی ہوگا۔

وفات سید علی بلگرامی: ۳ مئی ۱۹۱۱ء۔۔۔ شب گذشتہ کو سید علی بلگرامی مقیم ہردوئی نے بعارضہ رکنے حرکت قلب کے قضا کی۔ عمر ۶۵ سال تھی۔ یہ بڑے نامی گرامی بلگرامی کے رؤسا میں تھے اور باہر ملازمت حیدر آباد دکن میں انھوں نے بہت کچھ کمایا۔ سنا جاتا ہے کہ پچاس ساٹھ لاکھ روپیہ ان کا بینک میں جمع ہے اور اسی ہزار روپیہ کا کتب خانہ حیدر آباد میں ہے۔ شراب خوار اکثر رکنے سے حرکت قلب کے مر جاتے ہیں۔ چونکہ متوفی بھی شراب خوار تھے لہذا دفعتاً اسی عارضہ میں فوت ہوئے۔ کئی لڑکے اور لڑکیاں اور ایک بیوی یادگار چھوڑیں۔ متوفی علاوہ زبان انگریزی، فارسی، عربی اور سنسکرت کے فرانسیسی اور جرمنی زبان کے بھی ماہر تھے۔ کوئی شک نہیں کہ ان کو بہت بڑی قابلیت حاصل تھی اور جلیل القدر حکام ان کو نگاہ وقعت سے دیکھتے تھے۔

جشن تاج پوشی: ۲۳ جون ۱۹۱۱ء۔ آج جارج پنجم ملک معظم انگلستان و ہندوستان کا جشن تاج پوشی بمقام لندن ہوا۔ اس وجہ سے ہندوستان کے ہر ایک شہر اور قصبہ میں جشن خوشی منایا گیا۔

برقی پنکھا: ۲۳ اگست ۱۹۱۱ء۔ شب گزشتہ کو برقی پنکھا مرسلہ سید التفات رسول صاحب تعلقدار ۸ بجے شب سے آج ۶ بجے صبح تک میری کوٹھی میں متصل میرے پلنگ کے چلتا رہا۔ ہوا کافی ملتی ہے۔ شب میں اسی ہوا میں سویا اور نہایت عزلی نیند آئی اور ڈیڑھ آنے کا تمام رات میں روغن مٹی جلا۔ یہ

Khuda Bakhsh Library
Acc. No. 66091

برقی پنکھا بہت عمدہ ہے جس کی قیمت چھیانوے روپے ہے۔ میرا قصد تھا کہ میں بھی ایک پنکھا لکھنؤ سے منگوں گا لیکن چونکہ اب سردی پڑنے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں لہٰذا امسال اس کا منگانا ملتوی رکھا۔ انشاءاللہ تعالیٰ سال آئندہ بشرط حیات منگاؤں گا۔

جشن تاج پوشی جارج پنجم: ۲۴ نومبر ۱۹۱۱ء..... آج کل دہلی میں بڑے بڑے انتظامات ہو رہے ہیں۔ ۲۵ مربع میل میں خیمے وغیرہ نصب ہیں کہ ہمارے شہنشاہ جارج پنجم و ملکہ میری ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو رسم تاج پوشی بمقام دہلی ادا فرمائیں گے اور بہت سے والیان ملک شریک دربار رسم تاج پوشی ہوں گے۔ ہمارے ضلع ہردوئی سے راجہ صاحب کٹیاری و نواب عبدالکریم خاں صاحب تعلقہ دار شاہ آباد مطلوبہ گورنمنٹ شریک دربار ہوں گے یہ بہت بڑا جشن دہلی میں ہوگا کہ لاکھوں آدمی شریک ہوں گے۔ شاید کبھی ایسا ہوا ہو۔

۳ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ کل ۲ دسمبر کو ہمارے ملک معظم جارج پنجم مع ملکہ میری جہاز مدینہ پر داخل بمبئی ہوئے اور اور شاید کسی تاریخ آئندہ پر روانہ دہلی ہوں گے۔

۸ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ جو خیمہ عالی شان دربار دہلی کی کمیٹیوں کے واسطے نصب ہوا تھا۔ ۵ دسمبر کو آگ لگ جانے کی وجہ سے بالکل سوخت ہو گیا ہے۔ ہزاروں روپیوں کی تیاری کا تھا۔ اگرچہ خیمہ مذکور اس قلیل مدت میں تیار ہو سکتا ہے لیکن جو چیزیں طلائی اور نقرئی یا اور آلات جو اس کی زیبائش کے لیے آراستہ کیے گئے تھے ان کا بہم پہنچانا مشکل ہے اور قبل اس کے چیف کمشنر صاحب لاہور کا بھی خیمہ مع اس کے کل شاگرد پیشوں کے آگ لگ جانے سے سوخت ہو گیا تھا۔ اگرچہ یہ علامتیں اچھی نہیں ہیں مگر خدا مدد فرمائے کہ یہ جشن تاجپوشی جو ۱۲ دسمبر کو ہونے والا ہے بادشاہ و کل رعایائے برٹش کو مبارک ہو۔

۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ ۱۲ دسمبر کو جب ملک معظم نے تخت نشینی بمقام دہلی اختیار فرمائی تو لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل نے حسب ذیل اسپیچ فرمائی۔

۱۔ دہلی بجائے کلکتہ کے دارالسلطنت قرار پائے۔ ۲۔ بہ عہد لارڈ کرزن صاحب جو تقسیم بنگالہ کی ہوئی تھی اور جس کی وجہ سے بنگالیوں میں ایک شورش پیدا تھی وہ منسوخ کی جاتی ہے۔ ۳۔ ۵۰ لاکھ روپیہ واسطے تعلیم کے دیا گیا۔ ۴۔ ملازمان سیول و فوجی جن کی تنخواہ پچاس روپے ماہوار ہے ان کی تنخواہ ۱۵ دن کی مضاعف کی جائے۔ آج کی تاریخ میں اعزاز تقسیم ہوئے جس میں تعداد کثیر انگریزوں اور والیان ملک وغیرہ کی ہے۔

باب دوم

ہندوستان کی ریاستیں اور تعلقے

○

لشکر کپورتھلہ: یکم نومبر ۱۸۶۷ء۔ لشکر کپورتھلہ آج سندیلہ ہو کر گزرا۔ چونکہ راجہ صاحب بذریعہ ریل واسطے ملاقات گورنر جنرل بہادر کے لکھنؤ تشریف لے گئے ہیں لہذا لشکر براہ خشکی پیدل منزل بہ منزل جاتا ہے۔

وفات والی جودھ پور: ۱۲ فروری ۱۸۷۳ء۔ تحریر منشی باسط علی خسرپور منشی شمس الدین صاحب سے معلوم ہوا کہ ۱۲ ماہ حال کو راجہ تخت سنگھ والی جودھ پور بعارضہ ورم جگر فوت ہوئے۔

وفات مہاراجہ بلرام پور: ۲۸ مئی ۱۸۸۲ء۔ ۲۷ مئی کو مہاراجہ دگبجے سنگھ والی ریاست بلرام پور و تلکشی پور بعارضہ استسقا میں بمقام الہ آباد فوت ہوئے۔ عمر ۵۹ سال تھی۔ مہاراجہ کو سرکار انگلشیہ سے بہت بڑا اعزاز ملا تھا اور گیارہ ضرب توپیں سلامی کی ان کی آمد و شد میں سر ہوتی تھیں۔ سنا گیا کہ ایک لاکھ روپیہ قبل وفات پجاریان الہ آباد وغیرہ کو دیا گیا۔

دستور پان۔ حیدرآباد: ۱۴ نومبر ۱۸۸۲ء۔ مولوی ضامن حسین صاحب حال سٹی مجسٹریٹ حیدرآباد میری ملاقات کو تشریف لائے اور عند التذکرہ بیان کیا کہ حیدرآباد میں یہ دستور ہے کہ جب کوئی کسی کی ملاقات کو آتا ہے تو جس وقت دوسرا پان صاحب خانہ ملاقاتی کو دیتا ہے تو اس سے رخصتی مفہوم ہوتی ہے اور اہل ملاقات پان کھا کر رخصت ہو جاتا ہے۔

۸ فروری ۱۸۸۳ء۔ سر سالار جنگ مختار الملک وزیر اعظم دکن حیدرآباد نے بعارضہ ہیضہ و بائی آج انتقال کیا۔ یہ بہت بڑے مدبر فرزانۂ روزگار تھے اور ان کے عہد وزارت میں ریاست حیدرآباد نے بہت ترقی حاصل کی۔

۶ فروری ۱۸۸۳ء۔ کل (میر محبوب علی خاں) نظام حیدرآباد گدی نشین ہوئے۔ لارڈ رپن صاحب گورنر جنرل ہند نے گدی نشین کیا۔

مولوی صدیق حسن۔ بھوپال: ۲ نومبر ۱۸۸۵ء۔ بحوالہ اودھ اخبار ۱۸۸۵ء معلوم ہوا کہ ماہ حال کو بحکم گورنمنٹ مولوی صدیق حسن خاں صاحب شوہر رئیسہ بھوپال سے خطاب نوابی واپس لیا گیا اور کار ریاست سے بے تعلق ہوئے اور ۱۷ ضرب توپ سلامی کی موقوف ہوئی جس کا سبب یہ معلوم ہوا کہ مولوی صاحب

موصوف رعایا پر ظلم و جور بہت کرتے تھے جسکی شکایت سرلپیل گریفن صاحب ایجنٹ راجپوتانہ نے گورنمنٹ سے کی تھی۔

نزاع۔ بلرام پور: ۲۷ مارچ ۱۸۸۶ء۔ آج اجلاس جوڈیشل کمشنر لکھنؤ سے بابت نزاع ریاست بلرام پور یہ فیصلہ ہوا کہ مہارانی خورد و کلاں بعد منہائی مصارف انتظامی وغیرہ نصف نصف منافع تقسیم کرلیا کریں۔ چونکہ یہ حکم خلاف مہارانی کلاں کے ہے لہذا اس کا اپیل ولایت میں ہوگا۔ بالفعل منشی شمس الدین صاحب نائب ریاست بلرام پور ہیں اور اس مقدمہ کی پیروی کر رہے ہیں۔

وفات مہاراجہ اندور: ۱۷ جون ۱۸۸۶ء۔ آج مہاراجہ ہلکر نے ۱۱ بجے دن کو انتقال کیا۔

وفات مہاراجہ گوالیار: ۲۲ جون ۱۸۸۶ء۔ ۲۰ جون شام کو مہاراجہ جیاجی راؤ گوالیار نے بعمر ۵۵ سال قضا کی۔

وفات نواب رام پور: ۲۶ مارچ ۱۸۸۷ء۔ نواب کلب علی خاں صاحب والی ریاست رام پور بعوارض چند در چند ۲۳ مارچ یوم چہار شنبہ کو فوت ہوگئے۔ نواب صاحب مرحوم نے ایک لاکھ روپیہ واسطے مرمت جامع مسجد دہلی کے عطا کیا تھا۔

ایک شادی۔ حیدر آباد: ۲ نومبر ۱۸۸۸ء۔ معائنہ اودھ اخبار لکھنؤ سے واضح ہوا کہ سر سالار جنگ مرحوم وزیر اعظم حیدر آباد دکن کی پوتی کی شادی ایک امیر زادہ سے ہوئی۔ عمر دولھا تین سال اور دلھن کی ایک ماہ سات دن کی ہے۔ ایسی شادی نادر الوقوع ہے جو قبل اس کے کبھی سماعت میں نہیں آئی اور اسی وجہ سے اس مقام پر اس کا اندراج ہوا۔

ملازمت بھوپال: ۱۲ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار محررہ امروزہ کے واضح ہوا کہ حسب تحریک رئیسہ بھوپال بہ منظوری گورنمنٹ آف انڈیا منشی امتیاز علی صاحب وکیل لکھنؤ منصب وزارت ریاست مذکور کے واسطے منتخب ہوئے۔ یقین ہے ان کی ذات سے بہت سے لوگ فائز المرام ہوں۔

نیوتہ بھوپال: ۲۹ فروری ۱۸۸۹ء۔ آج چودھری نصرت علی صاحب اسسٹنٹ سکریٹری انجمن تعلقداران اودھ و آنریری مجسٹریٹ لکھنؤ سے ملاقات ہوئی۔ کمال تپاک سے پیش آئے اور مجھے وہ تحریریں معائنہ کرائیں جو ان کے نام شاہجہاں بیگم صاحبہ والی ریاست بھوپال اور نواب صدیق حسن خاں صاحب شوہر رئیسہ نے بجواب شقہ طلب شادی چودھری عزت علی خلف چودھری صاحب موصوف بھیجی ہیں اور رئیسہ نے ایک ہزار روپیہ کا کرنسی نوٹ بطریق نیوتہ و ساری جوڑے کے بمعیت اپنے معتمد خاص کے بھیجا ہے۔ تحریروں سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ہر دو صاحبان کی نظر الطاف چودھری صاحب پر زائد ہے اور ان کو امیدوار ملازمت بعہدہ نائب وزارت مال کے کیا ہے جس کا اشارہ تحریر نواب صاحب میں درج تھا۔ تعداد مشاہرہ بالفعل چار سو پچاس قرار پائی ہے اور آئندہ کو امید ترقی کی ہے لیکن

منشا چودھری صاحب بباعث غیر استقلالی و تلون ریاست کے معلوم نہیں ہوتا۔

وفات نواب رام پور: یکم مارچ ۱۸۸۹ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ سے معلوم ہوا کہ نواب صاحب مشتاق علی خاں صاحب والی ریاست رام پور نے بعارضہ سرسام بعمر ۳۳ سال واقعہ ۲۵ فروری سن حال روز دوشنبہ ۲ بجے دن کے انتقال کیا دو لڑکے خورد سال چھوڑے۔ حامد علی خاں ولی عہد کی عمر ۱۴ سال کی ہے۔ صاحب ایجنٹ روہیلکھنڈ نے ولی عہد صاحب کو بتاریخ ۲۷ فروری مسند نشین ریاست کا کیا اور اختیارات ریاست اس وقت عطا ہوں گے جب وہ علوم متعارفہ کو حاصل کر کے لیاقت پیدا کریں گے۔ اس وقت تک امور انتظامی بذریعہ کونسل تصفیہ پاتے رہیں گے جس کے وائس پریسیڈنٹ جنرل اعظم الدین خاں صاحب ممبر مال ہیں و جوڈیشل نواب اکرام اللہ خاں صاحب یار جنگ و منشی علی حسن خاں صاحب ممبر مال ہیں۔ نواب مشتاق علی خاں صاحب مرحوم ابتدائے عمر سے بعارضہ فالج مبتلا تھے۔

وفات راجہ بوندی: ۵ اپریل ۱۸۸۹ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار ۵ اپریل سے معلوم ہوا کہ ۸ مارچ سن رواں کو مہاراو راجہ رام سنگھ والی ریاست بوندی بعمر ۸۰ سال فوت ہوئے۔ ان کی رعایا ان سے بہت رضامند تھی۔ بجائے راجہ صاحب متوفی ان کے بیٹے رگھوبر سنگھ گدی نشین ہوئے۔

وفات مہاراجہ بنارس: ۱۷ جون ۱۸۸۹ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار محررہ امروزہ سے واضح ہوا کہ بتاریخ ۱۲ جون سنہ الیہ مہاراجہ سر ایشری پرشاد نرائن سنگھ بہادر جی سی ایس آئی بنارس نے بعمر ۷۰ سال بعارضہ اسہال قضا کی۔ یہ ہر دل عزیز مہاراجہ تھے۔

وفات معتمد حیدرآباد: ۲۸ جنوری ۱۸۸۹ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار محررہ امروزہ سے معلوم ہوا کہ واقعہ ۲۶ جنوری سنہ الیہ کو نواب سعادت علی خاں صاحب نیر الملک (کذا) معتمد ریاست حیدرآباد دکن خلف اصغر نواب سر سالار جنگ اول مرحوم بعوارض چند در چند رہ گزار عالم بقا ہوئے۔ عمر ۴۴ سال تھی۔ ایک لڑکی پنج سالہ یادگار چھوڑی۔

وفات نواب صدیق حسن خاں بھوپال: ۲۶ فروری ۱۸۸۹ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار محررہ امروزہ سے معلوم ہوا کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب شوہر شاہجہاں بیگم رئیسہ بھوپال واقعہ ۱۹ فروری سن رواں بعارضہ استسقا فوت ہوئے اور ۲۰ کو دفن ہوئے۔ نواب صاحب ساکن قنوج ادنیٰ درجہ کے آدمی تھے لیکن اقبال نے کچھ ایسی ترقی کی کہ دفعتاً شوہر رئیسہ ہو کر مرتبہ اعلیٰ پر پہنچے اور خطاب نوابی گورنمنٹ انگلشیہ سے حاصل ہوا اور

گیارہ ضرب توپ سلامی کے مقرر ہوئے لیکن تھوڑے عرصہ میں بہ ثبوت مخالفت گورنمنٹ نے خطاب وغیرہ واپس لے لیا اور عہدۂ مدار المہامی ریاست سے معزول کیا جس کا سخت صدمہ نواب صاحب کو ہوا اور کوئی کوشش حصول اعزاز کارگر نہ ہوئی۔ بالآخر اسی کوفت میں انتقال کیا۔ اگرچہ ذی علم تھے لیکن مادہ انتظامی دماغ میں نہ تھا تلون کی شکایت تھی اور مخبری پرداز وعدار جس سے سارے اہل کاران ریاست ہمیشہ اندیشہ ناک رہتے تھے۔ نواب صاحب کی ذات سے ذخیرہ کی بیٹی اور داماد کے درمیان عداوت قلبی تھی یقین ہے کہ اس حادثہ سے اہل کاران ریاست کم ملول ہوں۔

وفات سالار جنگ ثانی۔ حیدرآباد: ۱۳ر جولائی ۱۸۸۹ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار محررہ ۱۱ جولائی سنہ الیہ واضح ہوا کہ لائق علی خاں سر سالار جنگ ثانی سابق وزیر اعظم حیدرآباد دکن نے بعمر ۲۶ سال واقع ۷ر جولائی ۱۸۸۹ء کو لعارضہ فالج انتقال کیا۔ ایک بیٹا چند مہینہ کا یادگار چھوڑا۔

قتل جنرل رامپور: ۱۳ر اپریل ۱۸۹۱ء۔ آج دس بجے رات کو جنرل عظیم الدین خاں پریسیڈنٹ کونسل ریاست رامپور کو جب وہ بگھی پر جا رہے تھے کسی نے بندوق مار کر ہلاک کیا۔ سنا گیا کہ جنرل صاحب ظالم مزاج و سخت گیر تھے اور ان کا برتاؤ اہالی رام پور علی الخصوص متوسلین ریاست سے اچھا نہ تھا اور عموماً لوگ ان کے دشمن تھے۔

موسم کشمیر: ۲۵ر جولائی ۱۸۹۲ء۔ آج پنڈت منوہر ناتھ خلف پنڈت بشمبر ناتھ سابق سب جج اضلاع اودھ بہ ہمراہی راجہ کنور نریندر بہادر صاحب تعلقدار میری ملاقات کو تشریف لائے اور اپنی مہذبانہ بات چیت سے مجھے خوش کیا۔ بالفعل پنڈت صاحب سٹی مجسٹریٹ شہر سری نگر کشمیر کے ہیں اور تین سو ماہوار تنخواہ پاتے ہیں۔ میری ان کی اس وقت سے ملاقات ہے جب کہ ان کے والدین من ابتدا ۱۸۷۳ء لغایت ۱۸۷۶ء تحصیلدار سندیلہ تھے۔ پنڈت صاحب کا بیان ہے کہ اس موسم میں جب کہ یہاں زمانہ بارش کا ہوتا ہے تو کشمیر کا موسم نہایت خوشگوار و پسندیدہ ہوتا ہے اور دور دور کے لوگ وہاں تفریحاً اسی زمانہ میں جاتے ہیں۔

نظام دکن۔ حیدرآباد: ۴ر اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ نواب میر محبوب علی خاں صاحب بہادر جی سی ایس آئی نظام دکن ۱۸۶۷ء کو پیدا ہوئے تھے جن کی عمر ۲۸ر اکتوبر کو ۲۶ سال کی ہوگی اور بعد انتقال افضل الدولہ اپنے والد اجد کے ۲۷ر فروری ۱۸۶۹ء کو قائم مقام ہوئے تھے اور ۵ر فروری ۱۸۸۴ء کو لارڈ رپن صاحب گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے ان کو تخت نشین کیا تھا لہٰذا اب ۲۴ سال سے حکومت کر رہے ہیں۔

مقدمہ توہین۔ حیدرآباد: ۲۶ر مارچ ۱۸۹۳ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ سے معلوم ہوا کہ جو مقدمہ توہین کا نواب صاحب مہدی حسن فتح نواز جنگ سابق ہوم سکریٹری ریاست حیدرآباد دکن ساکن

ضلع نواب گنج اودھ نے دربارۂ اشاعت پمفلٹ فضیحتی نسبت بدچلنی وبداطواری مسماۃ گرٹرڈ ڈانڈلے زوجہ مہدی حسن) کے مسٹر متر ابنگالی پر دائر کیا تھا اور جس کی تحقیقات مسٹر ولیس کو بھیڈ اسسٹنٹ رزیڈنٹ حیدرآباد مدت ایک سال سے کر رہے تھے اسے ختم کر کے ۱۹ اپریل ۹۳ء کو اپنی تجویز مجمع عام میں سنائی کہ متر ملزم اس بنیاد پر بری ہوا کہ اثبات جرم کے یہ ثابت کرنے میں ناکامی ہوئی کہ متر انے پمفلٹ شائع کیا تھا اور واجبیت کے بابت مجسٹریٹ صاحب نے فیصلہ قلمبند کرنے سے انکار کیا ہر چند کہ فریقین کی استدعا تھی۔

مقدمہ ہذا میں بہت بڑی طوالت وفضیحتی ہوئی جو ہندوستان کی تواریخ میں قابل یادگار ہوگی۔ آغا مرزا ملقب بہ سرور جنگ برادرزادہ مرزا عباس بیگ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ اضلاع سیتاپور وہردوئی ساکن دہلی حال سکریٹری صیغہ متفرقات ریاست نظام بانی مقدمہ ہذا تھے اور انہیں کی مدد سے یہ مقدمہ اس قدر زمانہ تک چلا جس میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا۔ ان کے معین سر خورشید جاہ یکے از دولت منداخوان ریاست ہیں اور مہدی حسن کے مددگار سر آسمان جاہ وزیر ریاست۔ پس انہیں دو صاحبوں کا روپیہ صرف ہو اور نہ سرور جنگ وفتح نواز جنگ کچھ بالذات ایسی مقدرت نہ رکھتے تھے کہ چند ہزار روپیہ بھی اپنی جیب خاص سے صرف کرسکتے۔

آج کل سرور جنگ کا بڑا زمانہ ہے نظام حیدرآباد دکن کی ناک کے بال ہورہے ہیں اور مابین نظام و صاحب رزیڈنٹ کے متوسط ہیں۔

<u>اعزاز مہارانی بلرام پور:</u> ۳ مئی ۱۸۹۳ء۔ مہارانی کلاں ریاست بلرام پور بیوہ مہاراجہ سر دگ بجے سنگھ کو نوضرب توپ سلامی کا اعزاز حاصل ہوا جس کا نفاذ ۱۳ اپریل سنہ الیہ کو ہوا۔

<u>محسن الملک حیدرآباد:</u> یکم اگست ۱۸۹۳ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ کے واضح ہوا کہ مولوی مہدی علی خاں صاحب ملقب بہ نواب محسن الملک جو ہوم ڈیپارٹمنٹ ریاست حیدرآباد کے نامور وزیر تھے اور جن کی لیاقت وعالی دماغی کی بہت تعریف تھی اور ریاست موصوفہ کے سچے خیرخواہ تھے مسٹر پلوڈن صاحب ریذیڈنٹ حیدرآباد کی پولٹیکل کارروائیوں سے علٰحدہ ہوئے اور یکم محرم ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۰ جولائی سنہ الیہ کو ریاست موصوفہ سے اپنے وطن مالوفہ شہر اٹاوہ کو روانہ ہوئے جن کی مفارقت میں ہزارہا پارسی دکھنی و ہندوستانی بوقت رخصت اسٹیشن ریلوے پر چشم پرنم و گریہ کناں تھے سچ یہ ہے کہ یہ زمانہ خیرخواہ لوگوں کا دشمن ہے یہ مسلّم ہے کہ جب کسی ریاست میں زوال آنے والا ہوتا ہے تو وہاں کے خیرطلب لوگ اوّل اسی طور سے علٰحدہ ہوجاتے ہیں۔

<u>خان قلات:</u> ۲۴ اگست ۱۸۹۳ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار کے واضح ہوا کہ خداداد خاں خان قلات (بلوچستان) بباعث قتل کرنے اپنے وزیر و وزیرزادہ کے معزول ہوئے اور بجائے ان کے محمود خاں ان کے

بڑے بیٹے حسب منظوری گورنمنٹ ہند والی قلات مشتہر ہوئے۔

رامپور: ۳ مئی ۱۸۹۳ء۔ معائنہ اودھ اخبار امروزہ سے واضح ہوا کہ سعد اللہ خاں و مصطفیٰ خاں ولدان عبداللہ خاں قاتلان جنرل اعظم الدین خاں ممبر اعلا ریاست رامپور کو بہ ثبوت جرم حکم سزا پھانسی و سزا دوام بہ عبور دریائے شور اجلاس سشن ریاست موصوفہ سے صادر ہوا جس کی تعمیل عنقریب ہوگی مصطفیٰ خاں عرصہ تک تحصیل داری ضلع کان پور میں مامور رہے تھے۔

مسند نشینی: ۴ اپریل ۱۸۹۴ء۔ آج صبح کو سر چارلس کراس ویٹ صاحب بہادر لفٹننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی و چیف کمشنر اودھ نے نواب حامد علی خاں صاحب والی ریاست رام پور کو حسب ضابطہ مسند نشین کیا اور ایک ہزار اشرفی نواب صاحب نے بطور نذر کے پیش کی۔

گدی نشینی گوالیار: ۱۵ دسمبر ۱۸۹۴ء۔ آج ۵ بجے شام کو مہاراجہ گوالیار گدی نشین ریاست ہوئے اور بہت جشن تمامی ریاست میں ہوا۔

جلاوطنی مہاراجہ جھالراوار: ۳ اپریل ۱۸۹۶ء۔ آج معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ۱۷ مارچ کو مہاراجہ ظالم سنگھ والی ریاست جھالراوار بحکم گورنمنٹ آف انڈیا اجلاسی ایلگن صاحب وائسرائے، شہر بنارس کو جلاوطن کیے گئے الزام یہ قرار پایا کہ اپنی رعایا کے ساتھ حسن انتظام کی قابلیت نہیں رکھتے ہیں۔

وفات وزیر اعظم بھوپال: ۱۷ نومبر ۱۸۹۶ء۔ آج بذریعہ تار بھوپال سے واضح ہوا کہ کل ۶ بجے شام بروز دوشنبہ منشی امتیاز علی صاحب ساکن کاکوری وزیر اعظم بھوپال نے بعارضہ ضعف و استسقا قضا کی اور آج دس بجے دن کو وہیں بھوپال میں متصل مقبرہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم دفن ہوئے۔ عمر ۶۵ سال تھی۔ منشی صاحب نہایت خوش تقدیر آدمی تھے۔ اول پیشہ وکالت لکھنؤ سے بہت کچھ شہرت پیدا کی۔ بعدہٗ وزیر اعظم بھوپال بمشاہرہ ساڑھے تین ہزار ماہوار مقرر ہوئے اور بہت بڑا اعزاز و ناموری حاصل کی۔ ہماری اہل برادری سے ایسا کوئی شخص ممتاز نہیں ہوا۔ ایک کل برف کی بصرف ایک لاکھ روپیہ لکھنؤ میں جاری کی اور تین لاکھ روپیہ کا علاقہ ضلع اعظم گڑھ میں خرید کیا۔ آدمی نہایت لائق و مخیر تھے۔ بہت سے اہل کاکوری اس وقت ریاست موصوفہ میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہیں۔ چھ لڑکیاں اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔

۲۱ نومبر ۱۸۹۶ء۔ آج کل نواب اسحاق خاں صاحب وزیر رام پور و چودھری نصرت علی صاحب رئیس سندیلہ و اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ہند لکھنؤ بغرض حصول عہدۂ وزارت ریاست بھوپال کوشش کر رہے ہیں دیکھا چاہیے کہ کون کامیاب ہوتا ہے۔

برطرفی سرور جنگ حیدرآباد: ۴؍فروری ۱۸۹۷ء۔ ۳۰ فروری سنالیہ کو آغا مرزا بہ لقب نواب سرور جنگ پیشی سکریٹری نظام حیدرآباد اپنے عہدہ سے علیحدہ کیے گئے اور بلدہ سے خارج۔ چار سال تک ان کا زمانہ بہت موافق رہا اور لاکھوں روپیہ کمایا اور سر آسمان جاہ وزیر اعظم و نواب محسن الملک مہدی علی خاں و نواب مہدی حسن انھیں کی کارروائیوں سے موقوف ہوئے تھے۔

وفات شاہ جہاں بیگم: بھوپال: ۱۹؍جون ۱۹۰۱ء خط برخوردار مجتبیٰ علی مطابق ۲۹؍صفر موصول بھوپال سے واضح ہوا کہ تاریخ ۱۶؍جون ۱۹۰۱ء یوم یکشنبہ ساڑھے ۱۱ بجے دن کے سرکار عالیہ شاہ جہاں بیگم صاحب والی ریاست بھوپال نے بعمر ۶۵ سال مرض آکلا میں رحلت کی جس کی شکایت میں وہ ایک سال سے مبتلا تھیں۔ رئیسہ کے مزاج میں خیر خیرات بہت تھی اور پکی مسلمان تھیں۔ انھوں نے اپنا عقد ثانی مولوی صدیق حسن قنوجی سے کیا تھا جو شوہر ہونے کے بعد خطاب نواب سے ممتاز ہوئے جو گورنمنٹ نے دیا تھا۔ دس بارہ سال کا زمانہ ہوا کہ مولوی صاحب موصوف نے رحلت کی۔ مرحومہ بعد نماز مغرب باغ نشاط افزا میں دفن ہوئیں پچیس ہزار سے زائد لوگ شریک نماز تھے۔ بعد وفات رئیسہ مرحومہ ان کی ولی عہد بیٹی سلطان جہاں بیگم صاحبہ داخل "تاج محل" ہوئیں۔ چونکہ رئیسہ مرحومہ سولہ سال سے ان سے ناراض تھیں اس وجہ سے صرف ایک مرتبہ بیٹی صاحبہ چند منٹ کے لیے اپنی والدہ کی عیادت کو آئی تھیں اور اب بعد وفات آئیں۔

سلطان جہاں بیگم: ۲۸؍جون ۱۹۰۱ء۔ آج برخوردار مجتبیٰ علی مع ہمشیرہ منجھلی خود وارد سندیلہ ہوئے جن کی زبانی معلوم ہوا کہ ۳؍جولائی مطابق ۱۷؍ربیع الاول سن رواں کو جناب سلطان جہاں بیگم رئیسہ بھوپال تخت نشیں ہوں گی لیکن انھوں نے انتظام ریاست ابھی سے شروع کر دیا ہے اور ہر ایک کارخانہ میں تخفیف کا لگا لگا دیا ہے چنانچہ تعمیرات میں ۲۵ ہزار روپیہ ماہوار کا صرفہ تھا جو گھٹا کر صرف دو ہزار روپیہ کر دیا گیا اور جس قدر بیگمات لکھنؤ وغیرہ کی محل سرا میں تھیں ان سب کو نکال دیا اور منشی احتشام علی خلف امتیاز علی صاحب مرحوم سابق وزیر اعظم کو جو تنخواہ پانچ سو روپیہ ماہوار ملتی تھی وہ موقوف کر دی گئی۔ غرض کہ ریاست میں ہر قسم کو عزل و نصب ہو رہا ہے اور سلطان جہاں بیگم اپنے شوہر احمد علی خاں بلقب سلطان دولہا کی رائے پر کام کرتی ہیں۔

حالات شاہ جہاں بیگم: ۲۸؍جون ۱۹۰۱ء۔ حالات مختصر جناب نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ مرحومہ رئیسہ بھوپال۔ آپ ۶ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ میں قلعہ اسلام نگر میں پیدا ہوئیں اور ۲۸؍ذیقعدہ ۱۲۶۰ھ کو بیگم صاحب کے والد جہانگیر محمد خاں صاحب نے بعارضہ ضعف معدہ انتقال کیا۔ اور ۱۲؍ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ کو گدی باقی

محمد خاں بہ لقب امراؤ دولھا صاحب سے آپ کی شادی ہوئی اور ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ کو نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں۔ ۲۱ صفر ۱۲۸۴ھ کو امراؤ دولھا صاحب شوہر بیگم صاحبہ نے انتقال کیا اور ۱۴ رجب ۱۲۸۵ھ کو نواب سکندر بیگم صاحبہ والدہ ماجدہ نواب بیگم صاحبہ نے انتقال کیا۔ نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ یکم شعبان ۱۲۸۵ھ کو مسند نشین ہوئیں۔ اور موصوف الیہا نے ۱۲۸۸ھ میں مولوی صدیق حسن صاحب قنوجی سے عقد ثانی کیا۔ شاہ جہاں آباد (ایک محلہ کا نام۔ ہاشمی) کی آبادی میں قریباً ایک لاکھ روپیہ صرف کیا۔ جس کو آپ نے خود آباد کیا اور ۱۶ جون ۱۹۰۱ء مطابق ۲۹ صفر ۱۳۱۵ھ یوم یکشنبہ کو انتقال کیا اور ۳ جولائی ۱۹۰۱ء مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ یوم پنج شنبہ کو نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ دختر بلند اختر شاہ جہاں بیگم صاحبہ مرحومہ نے تخت شاہی پر جلوس فرمایا اور ان کے خلف اکبر نصر اللہ خاں صاحب ولی عہد ریاست مقرر ہوئے۔ اس وقت عمر رئیسہ حال کی ۴۵ سال ہے اور ان کے دو فرزند اور ایک شوہر نواب سلطان دولھا اس وقت موجود ہیں اور انہی کی رائے پر کام ریاست چل رہا ہے۔

حالات جودھ پور: ۲۹ جون ۱۹۰۱ء۔ آج خط عزیز از جان سید اعجاز الحسن مورخہ ۱۴ جون سن رواں کے جو جودھ پور سے موصول ہوا وہ لکھتے ہیں کہ اس ریاست کے سکرٹری پنڈت دینا ناتھ جی صاحب ہیں جن کی تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار اور پانچ ہزار کی ان کی جاگیر ہے۔ پنڈت سکھا دیو پرشاد صاحب منجھلے بھائی سکرٹری صاحب جوڈیشل سکرٹری ہیں اور انگریزی میں بی اے پاس ہیں اور خطاب راؤ بہادر گورنمنٹ کی طرف سے ان کو ملا ہے۔ تنخواہ ان کی بارہ سو روپیہ ماہوار ہے اور پنڈت شیو پرشاد صاحب سکرٹری کے چھوٹے بھائی کی تنخواہ دو سو روپیہ ماہوار ہے اور سر مہاراجہ پرتاب سنگھ وزیر اعظم اور مہاراجہ سری دربار کی مشورت سے کام ریاست جودھ پور کا سرانجام پاتا ہے۔ اب چونکہ دونوں صاحب ریاست میں تشریف نہیں رکھتے ہیں اس وجہ سے سکرٹری صاحب بہ استصواب رائے جناب صاحب ریذیڈنٹ بہادر امورات اہم ریاست کے انجام دیتے ہیں اور عدالتی کارروائی کونسل سے ہوتی ہے اور انتظامی مصارف بھی صاحب موصوف کے حکم سے ہوتے ہیں مگر سب امور سکرٹری صاحب ہی کی رائے سے طے ہوتے ہیں۔

وفات مہاراجہ دھول پور: ۲۵ جولائی ۱۹۰۱ء۔ مہاراجہ نہال چند والی ریاست دھول پور نے بمقام شملہ ۳۰ جولائی ۱۹۰۱ء کو انتقال کیا جن کی عمر ۴۰ سال کی تھی اور ان کی محبتی (کذا) مہارانی نے بھی اسی وقت اسی مقام پر رحلت کی اور دونوں کی لاشیں ایک ساتھ واسطے جلانے کے بھیجی گئیں۔ مہاراجہ ۱۸۴۲ء

میں بعمر ۱۱ سال گدی نشیں ہوئے تھے۔

وفات نواب احمد علی خاں بھوپال: ۲۶ جنوری ۱۹۰۲ء۔ بمعائنہ اخبار انگریزی پاینیر" الہ آباد کے معلوم ہوا کہ نواب احمد علی خاں صاحب شوہر نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ رئیسہ بھوپال نے بتاریخ ۴ جنوری ۱۹۰۲ء یوم شنبہ ۳ بجے صبح کے دفعتاً انتقال کیا۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ قلب پر فالج گرا۔ نواب صاحب مرحوم کی عمر ۴۴ سال کے اندر تھی۔ اپنے صاحبزادگان نصر اللہ خاں و عبید اللہ خاں کی تقریب شادی میں مصروف تھے جو ۷ شوال آئندہ کو ہونے والی تھی۔ سنا جاتا ہے کہ مرحوم سخت منتظم تھے۔ انھوں نے ہزارہا آدمی ڈیوڑھی خاص سرکار عالیہ شاہجہان بیگم صاحبہ مرحومہ کو موقوف کر دیا اور اب تخفیف عمال کے کاغذات پیشی میں تھے جن کے واسطے عنقریب حکم تخفیف کا صادر ہونے والا تھا لیکن قبل اس کے کہ کاغذات ملاحظہ ہو کر کوئی حکم اس پر صادر ہو دفعتاً پیک اجل نے اپنے پنجہ میں ایسا لیا کہ پھر دم زدن کا موقع نہ ملا اور عموماً کل باشندگان اور خصوصاً ملازمت پیشہ کو مرحوم کے انتقال سے نہایت درجہ خوشی ہوئی۔ البتہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کو سخت صدمہ ہوا جو اپنے شوہر کی نہایت درجہ مطیع و فرماں بردار تھیں۔

وفات راجہ نان پارہ: ۳ مئی ۱۹۰۲ء یکم مئی ۱۹۰۲ء کو سر راجہ جنگ بہادر تعلقہ دار نانپارہ نے بعوارض چند در چند بمقام بہرائچ قضا کی۔ عمر ساٹھ سال تھی۔ آدمی نہایت مخیر اور متمول تھے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ گیارھویں شریف حضرت پیران پیر چار روز انجام دیتے تھے اور جو لوگ بغرض شرکت وہاں جاتے تھے انکو حسب حیثیت زر نقد دیا کرتے تھے مزاج میں انکسار بہت تھا اور مثل ادنی آدمیوں کے اپنا طرز عمل رکھتے تھے۔

گدی نشینی مہاراجہ میسور: ۱۶ اگست ۱۹۰۲ء۔ ۸ اگست ۱۹۰۲ء لارڈ کرزن صاحب بہادر وائسرائے ہند نے مہاراجہ میسور کو گدی نشین کیا جن کا نام مہاراجہ کرشنا وڈیار بہادر ہے جن کی عمر ۱۸ سال کی ہے۔

مہاراجہ کشن پرشاد حیدرآباد: ۲۲ نومبر ۱۹۰۲ء۔ ۱۶ شعبان ۱۳۲۰ھ کو مہاراجہ کشن پرشاد صاحب مستقل وزیر اعظم ریاست حیدرآباد دکن مقرر ہوئے۔

معزولی مہاراجہ ریاست پنا: ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء۔ مہاراجہ مادھو سنگھ معزول از ریاست پنا جنھوں نے اپنے چچا کو زہر دلوا کر ہلاک کیا تھا ریاست مذکور سے جلاوطن کیے گئے اور شہر بلاری متعلقہ احاطہ مدراس میں ان کا قیام کرایا گیا اور ایک ہزار دو سو ماہوار ان کی تنخواہ تجویز کر دی گئی۔

مہاراجہ کشن پرشاد حیدرآباد: ۶ دسمبر ۱۹۰۲ء۔ نظام حیدرآباد نے ۹ نومبر کو ایک دربار منعقد

کیا جس میں صاحب ریذیڈنٹ بہادر بھی شریک تھے اور مہاراجہ کشن پرشاد صاحب کو خلعت وزارت عطا فرمایا جو قیمتاً ایک لاکھ روپیہ کا تھا۔

<u>صوبہ برار</u>: ۱۸ردسمبر ۱۹۰۲ء۔ گورنمنٹ انگریزی نے نظام حیدرآباد کو مجبور کر کے اقرار نامہ پر دستخط کرا لیے جس کا منشا یہ ہے کہ ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ بعوض صوبہ برار، دواماً نظام حیدرآباد کو دیتی رہے گی۔ سنا جاتا ہے کہ فی الحال صوبہ مذکور کی آمدنی ایک کروڑ روپیہ سال کی ہے۔ سنا گیا کہ نظام کو اس قدر موقع نہیں ملا کہ اس بارۂ خاص میں اپنے وزراء سے پورے طور پر صلاح کریں۔

<u>مہاراجہ ہلکر اندور</u>: یکم فروری ۱۹۰۳ء۔ کل مہاراجہ ہلکر نے تخت سے کنارہ کشی کی۔ شاید لارڈ کرزن وائسرائے سے کچھ ناچاقی ہو گئی تھی۔ مہاراجہ موصوف ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۸۸۶ء میں ریاست کی گدی پر متمکن ہوئے تھے۔ بعد کنارہ کشی اپنے اکلوتے بیٹے بالا صاحب کو تخت نشین کیا جس کی اب عمر بارہ برس کی ہے اور مہاراجہ صاحب کو منجانب ریاست چار لاکھ سالانہ کا گزارہ تجویز ہوا، اور انھوں نے اپنی ریاست کا ایک مقام "برواہ" واسطے سکونت کے تجویز کیا جو دریائے نربدا کے کنارے واقع ہے اور اسی وقت اندور سے روانہ ہو گئے۔

<u>غوثیہ بیگم حیدرآباد</u>: ۸ راپریل ۱۹۰۳ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب وزیر اعظم حیدرآباد پر نواب سید سراج الحسن امیر یار جنگ بہادر نے بذریعہ قاضی کبیر الدین بیرسٹرایٹ لا بمبئی و ہرادجی وکیل حسب منشا دفعہ ۳۶۱، ۳۶۳، ۴۹۲، ۴۹۶، ۱۰۹ تعزیرات ہند باجلاس کنٹونمنٹ مجسٹریٹ مقدمہ دائر کیا ہے کہ ان کی پوتی مساۃ غوثیہ بیگم نابالغہ دختر سید نور الدین متوفی کو بلا اجازت نالشی عقد کر کے اپنے محل میں داخل کر لیا ہے۔ چونکہ یہ جرم انگریزی عملداری میں وقوع پذیر ہوا ہے لہذا مدعا علیہ پر سمن جاری ہونا چاہیے اور یہ نالش سکندرآباد کے مجسٹریٹ کے اجلاس میں رجوع ہوئی ہے اور بیرسٹر نے یہ بھی بیان کیا کہ حسب دفعہ ۱۸ ضمن ۴ ضابطہ فوجداری سے عدالت میں یہ مقدمہ دائر ہونا چاہیے۔

۹ رمئی ۱۹۰۳ء۔ مساۃ فیض النساء بیگم زوجہ مسٹر سید نور الدین متوفی نے اخبار مشیر دکن کو چٹھی بھیجی کہ عدالت کنٹونمنٹ مجسٹریٹ سکندرآباد میں سید سراج الحسن نے مہاراجہ کشن پرشاد صاحب وزیر اعظم پر جو نالش دائر کی تھی وہ خارج ہوئی اور بوجہ پردہ نشینی اس کی اطلاع مجھے دیر کو ہوئی لہذا اب میں سچے واقعات ظاہر کرتی ہوں کہ میری دختر غوثیہ بیگم پر جو الزام عداوتاً لگائے گئے ہیں ان کی تردید کروں۔ غوثیہ بیگم مسٹر سید نور الدین کی اور میری دختر ہے جو صغر سنی سے اپنے والد متوفی اور میری نگرانی و حفاظت میں پرورش پاتی رہی۔ اب اس کی عمر ۱۲ برس کی ہے۔ اس کے بلوغ کو پانچ برس کا عرصہ ہوا۔ گو مسٹر سراج الحسن غوثیہ بیگم کے دادا

ہیں لیکن کبھی وہ ان کی حفاظت و نگرانی میں نہیں رہی۔ میں نے مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کے ساتھ اپنی خوشی اور اپنے لڑکے یعنی اس کے بھائی سید معین الدین کی رضامندی سے غوثیہ بیگم کی نسبت کردی۔ یہ گفتگو ایک سال سے ہو رہی تھی جس سے سراج الحسن اور دیگر تمام اہل خاندان واقف تھے اور جن باتوں کا انھوں نے ذکر کیا وہ محض بے بنیاد ہیں۔ نہ میرے بیٹے سکندرآباد کو گئے اور نہ کسی عورت نے اسے بہکایا اور نہ کسی وقت مہاراجہ کشن پرشاد نے اپنے مذہب کے بارے میں مجھ سے غلط بیانی کی۔ تمام باتیں میری رضامندی سے ہوئیں۔

۲۴ مئی ۱۹۰۳ء۔ مہاراجہ کشن پرشاد کے خاندان میں برابر یہ دستور چلا آتا ہے کہ منجملہ اور بیبیوں کے ایک مسلمان بیوی بھی تصرف میں آیا کرتی ہے چنانچہ مہاراجہ چندو لال جو مہاراجہ حال کے پردادا تھے ان کی بھی ایک مسلمان بیوی تھی۔ علی ہذا ان کے بعد جو جو راجہ وزیر مقرر ہوئے ان کے بھی ایک زوجہ مسلمان ہوتی آئی۔ چنانچہ مہاراجہ صاحب حال کے بھی مسلمان زوجہ سابق میں تھی جو فوت ہوگئی۔ اب مسماۃ غوثیہ بیگم بنت فیض النسا بیگم زوجہ ثانیہ ہوئی ہیں۔

وفات راجہ محمود آباد: ۲۱ مئی ۱۹۰۳ء۔ راجہ محمد امیر حسن خاں صاحب تعلقہ دار محمود آباد تاریخ ۲۰ مئی ۱۹۰۳ء کو بوقت آٹھ بجے صبح کے بعوارض چند در چند فوت ہوئے۔ مرحوم نہایت لائق و فائق تعلقہ دار تھے۔ ۱۸۶۲ء میں میں اور وہ ایک ساتھ مدرسہ سیتاپور میں انگریزی پڑھتے تھے۔ مزاج میں نہایت خلق و مروت تھی۔ مرحوم ۲۶ جون ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے تھے اس حساب سے انکا سن تقریباً ۵۴ سال کے تھا۔ اولاد لائق چھوڑ گئے۔

صوبہ برار: ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۳ء۔ یکم اکتوبر ۱۹۰۳ء سے ملک برار متعلقہ حیدرآباد دکھن، اضلاع متوسطہ عملداری برٹش انڈیا میں شریک کیا گیا۔

سلطان جہاں بیگم بھوپال: ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء۔ اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ سلطان جہاں بیگم بھوپال معہ اپنے دو بیٹوں اور تقریباً تین سو ہمراہیوں کے ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو جہاز اکبر، بمبئی سے مکہ معظمہ روانہ ہوں گی اور صرف ان کے بڑے بیٹے جو ولی عہد ہیں اپنی والدہ کی غیبت میں کام ریاست کا انجام دیں گے۔

نواب رام پور: ۴ فروری ۱۹۰۴ء۔ آج منشی بیکو لال صاحب شاعر لکھنؤ تخلص عشرت عزیز راجہ درگا پرشاد صاحب موضع کھجوہ سے میری ملاقات کو آئے اور کہا کہ میں اخیر ہفتہ دسمبر ۱۹۰۳ء میں مہمان راجہ کشن کمار صاحب رئیس سہس پور ضلع مراد آباد کا تھا جہاں ایک جلسہ بدیں غرض منعقد ہوا تھا کہ نواب حامد علی خاں صاحب والی ریاست رام پور قلعہ زیر تعمیر برج جنوبی کا بنیادی پتھر تاریخ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء وقت دس بجے دن کے رکھیں۔ چنانچہ نواب صاحب نے کتنی نقرئی سے بنیاد رکھی اور جلسہ رقص و سرود منعقد ہوا۔

اولاً ایک طوائف منی نامی نے جو علی گڑھ سے دو سو روپیہ یومیہ پر آئی تھی رقص شروع کیا۔ ہنوز اس نے کچھ گایا نہیں تھا کہ حضرت نواب صاحب نے جو جلسہ کے محاذ ایک کمرہ میں معہ اپنے مصاحبین کے قیام فرما تھے طوائف مذکور کو طلب کیا اور سر مجلس اُس سے مذاق شروع کر دیا جو ایک گھنٹہ تک کرتے رہے اس کے بعد طوائف مذکورہ کو اپنے ہمراہ لیے چلے گئے۔ یہ امر خلاف تہذیب سب حاضرین کو ناپسند ہوا یہی وجہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ اکثر والیان ملک و رؤسا کو لگاہ وقت سے نہیں دیکھتی ہے کہ طرز معاشرت ان کا نہایت خراب و خلاف تہذیب ہے۔

سلطان جہاں بیگم بھوپال : یکم اپریل ۱۹۰۴ء۔ سلطان جہاں بیگم صاحبہ بھوپال جو معہ اپنے بیٹوں عبید اللہ خاں و حمید اللہ خاں و بیگم شاہ برکا (کذا) صاحبہ معہ ۲۵۷ ہمراہیوں کے ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو جہاز "اکبر" پر بمبئی سے حج مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کو تشریف لے گئی تھیں ۳۵ مارچ ۱۹۰۴ء کو اسی جہاز پر واپس تشریف لائیں اور بعد عشرہ محرم بذریعہ اسپیشل ٹرین اپنے دولت کدہ کو تشریف لے جاویں گی (اودھ اخبار مرقومہ)

مہاراجہ کشمیر : ۲ نومبر ۱۹۰۵ء۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو لارڈ کرزن صاحب وائسرائے ہند نے مہاراجہ صاحب کشمیر کو اختیارات ریاست عطا فرمائے اور کونسل برخاست ہوئی۔

مہاراجہ اجودھیا : ۲۹ دسمبر ۱۹۰۵ء یادداشت : ۱۲ جولائی ۱۸۹۱ء کو گورنمنٹ نے مہاراجہ سر پرتاب نرائن سنگھ صاحب کو مہاراجہ اجودھیا کا خطاب بطور ذاتی اعزاز کے عطا فرمایا تھا اور ۱۸۹۵ء میں کے۔ سی۔ آئی۔ ای کا خطاب دیا۔

۹ نومبر ۱۹۰۶ء۔ آج مہاراجہ سر پرتاب نرائن سنگھ مہاراجہ اجودھیا پریسیڈنٹ کمیٹی انجمن ہند لکھنؤ نے بعارضہ استسقا قضا کی عمر ۵۲ سال تھی۔ متوفی خاں بہادر چودھری نصرت علی (سندیلوی) کے بہت بڑے مربی تھے اور ان کو ایک موضع بھی دیا تھا۔

مہاراجہ بلرام پور : ۳ دسمبر ۱۹۰۶ء۔ آج مہاراجہ بھگوتی پرشاد صاحب والی ریاست بلرامپور بجائے مہاراجہ سر پرتاب سنگھ صاحب متوفی پریسیڈنٹ چین حیاتی انجمن تعلقہ داران اودھ باتفاق رائے جملہ تعلقہ داران منتخب ہوئے۔

نواب بہاول پور : ۷ فروری ۱۹۰۷ء۔ محمد بہاول خاں نواب بہاول پور متعلقہ صوبہ لاہور جو بنا بر زیارت مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کو تشریف لے گئے تھے وقت واپسی جب عدن سے روانہ ہوئے تو ۱۶ فروری سنہ الیہ کو بعارضہ نمونیہ جہاز "شاہ نجف" پر قضا کی۔ لہذا . . . . کو واپس آیا اور ان کی لاش حنوط کی گئی۔ نواب صاحب کی عمر ۲۳ سال تھی اور نہایت روشن دماغ تھے اور قبل روانگی حج اپنی رعایا کو اشتہار دیا تھا کہ جو شخص ہمارے ساتھ حج

کو جاوے گا تو ہم اس کو زادِ راہ سے مدد کریں گے۔ چنانچہ بہت سے لوگ ان کی رعایا سے ہمراہ گئے تھے۔ مرحوم نے ایک دو سال کا لڑکا اپنی یادگار چھوڑا۔

وفات راجہ نان پارہ: آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ محمد صدیق خاں راجہ نان پارہ، واقع اودھ نے مکہ معظمہ میں بعارضہ ہیضہ انتقال کیا۔ مرحوم حواس باختہ اور بے عقل آدمی تھے اور ان کے فتورِ عقل سے ان کا علاقہ کورٹ آف وارڈس ہوا۔

سیلاب حیدرآباد: ۳/ اکتوبر ۱۹۰۸ء۔ ۲۶/ ستمبر ۱۹۰۸ء سے ۲۸/ ستمبر تک علی الاتصال حیدرآباد دکن میں ۱۵ انچ بارش ہوئی جس سے شہر مذکور میں سیلاب آگیا اور صدہا مکانات ڈوب گئے۔ اودھ اخبار سے واضح ہوتا ہے کہ دس ہزار آدمی ضائع ہوئے اور پل وغیرہ بہہ گئے اور دس میل کے رقبہ میں سڑی ہوئی لاشیں ڈھیر لگی ہوئی ہیں۔ یہ طوفان بہت شدید تھا جس سے ہزارہا مکان غرقاب ہو گئے۔

۹/ اکتوبر ۱۹۰۸ء آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ ۲۷/ ستمبر ۱۹۰۸ء کو شدت کی بارش حیدرآباد میں ہوئی اور سیلاب آئے۔ تالاب "جد تلا" کا بندھ ٹوٹ جانے سے مفصلہ ذیل محلے تباہ و برباد ہو گئے۔ ریذیڈنسی بازار، نیری، مہاراج گنج، افضل گنج۔ یہ محلے تو بالکل تباہ ہو گئے اور ریذیڈنسی کے مغربی جانب جو مکانات کی قطار واقع تھی وہ بالکل مسمار ہو گئی۔ چادر گھاٹ، ہلمارٹ یہ دونوں گاؤں بہہ گئے۔ پکی انگورا اور کوٹھی جوڑا اور ڈاک خانہ بالکل منہدم ہو گئے۔ افضل گنج کے کنارے کنارے جو مکانات تھے ان میں کوئی باقی نہیں رہا۔ عابد کمپنی کا کارخانہ واقع چادر گھاٹ سے لے کر سرکاری باغات کی سڑک تک نوبت خانہ بازار کا ایک حصہ منہدم ہو گیا۔ جان بازار، مہراج گنج، ٹھنڈی بازار اور بیگم بازار بالکل مسمار و منہدم ہو گئے ہیں۔ شمالی جانب ایک پل سے دوسرے پل تک جس قدر گاؤں اور بستیاں دریا کے کنارے واقع تھیں سب بہہ گئیں۔ شہر میں بارہ دری، پوسٹ آفس بازار، ستر گوج، امین باغ، نیزہ گلی تک بہہ گئی۔ افضل گنج کا اسپتال جس کی تیاری میں دس بارہ لاکھ روپیہ صرف ہوا ہوگا اس کا ایک بڑا حصہ مسمار ہو گیا۔ زنانہ اسپتال، امین باغ جس کا بنیادی پتھر شہزادہ ویلس نے رکھا تھا اور جس کی تیاری میں چار لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا اس کا بڑا حصہ گر گیا۔ نظام حیدرآباد کو اس واقعے سے سخت صدمہ ہوا۔ لکھا ہے کہ ایک چہارم حیدرآباد تباہ و برباد ہو گیا۔ دریائے موسیٰ ان پہاڑوں سے نکلا ہے جو شہر سے ۵ میل پر واقع ہیں اور گرمی کے موسم میں یہ بالکل ہی بے حقیقت نالہ معلوم ہوتا ہے۔ برسات میں بھی اس دریا سے لوگ پایاب عبور کرتے ہیں۔ اس دریا میں طغیانی اکثر آتی ہے جس سے نقصان پہنچا ہے۔ جا کر

۴۸، ۷۰ء اور ۱۸۹۱ء و اکتوبر ۱۹۰۳ء میں جو سیلاب اس دریا میں آئے اُن سے بہت نقصان ہوئے اور بے شمار لوگ غرق ہوئے اور بہت سے مکانات مسمار ہو گئے۔

۱۰/ اکتوبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ سیلاب آنے سے جو تباہی و بربادی شہر حیدرآباد کی ہوئی اس کے واسطے اس وقت تک حسب ذیل چندہ ہوا ہے۔

لارڈ منٹو وائسرائے ہند: ۱۰۰ پونڈ، لیڈی منٹو: ۷۵ پونڈ، نظام حیدرآباد اپنی جیب خاص سے: ۴ لاکھ پچاس ہزار، گورنمنٹ حیدرآباد: دو لاکھ، گورنر بمبئی: ۲۵۰ روپے، کریم بھائی ابراہیم: دو ہزار، کاؤاس جی فرام جی، موتی بورڈ وغیرہ۔ من جانب ریاست حیدرآباد تیس ہزار آدمیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ ایک لاکھ آدمی بے خانماں ہو گئے۔

۲۴/ نومبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ حیدرآباد کے سیلاب سے ۵۲ وارڈ ویران ہو گئے اور ڈیڑھ کروڑ کی جائداد غیر منقول اور ایک کروڑ کی منقولہ جائداد کا نقصان ہوا۔ ایک لاکھ انتیس ہزار روپیہ مصیبت زدوں کی امداد کے لیے چندہ ہوا ہے اور یہ چندہ ۱۶/ نومبر ۱۹۰۸ء تک ہے۔ جو چندہ آگے ہوا ہے اس کی تعداد آئندہ تحریر ہوگی۔ قریب ستر ہزار جانیں تلف ہوئیں۔ یہ امر حیدرآباد کے جلسہ عام میں طے ہوا جس میں اعلیٰ و ادنیٰ ہر قسم کے لوگ شریک جلسہ تھے۔

بلرام پور۔ خطاب مہاراجہ: ۲۳/ جنوری ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ مہاراجہ سر بھگوتی پرشاد سنگھ صاحب والی بلرام پور کو ۱۸/ جنوری ۱۹۰۹ء کے دربار لکھنؤ میں خطاب مہاراجہ نسلاً بعد نسلاً سر ہیوٹ صاحب نواب لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ نے عطا فرمایا۔

شادی راجہ محمود آباد: ۱۲/ جولائی ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ راجہ علی محمد خاں صاحب تعلقہ دار محمود آباد کی شادی بمقام لکھنؤ بہت بڑی دھوم سے ہوئی۔

کشمیر، وزیر مال: ۲۵/ نومبر ۱۹۰۹ء۔ آج شیخ مقبول حسین صاحب تعلقہ دار گدیا، وزیر مال ریاست کشمیر مقرر ہو کر سندیلہ سے گزرے۔ ان کی تنخواہ ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار مقرر ہوئی ہے۔

راجہ پوایاں: ۴/ مارچ ۱۹۱۰ء ۔۔۔ چودھری (محمد رؤف) صاحب و راجہ درگا پرشاد صاحب سکنڈ کلاس میں سوار تھے جس میں کنور اندر بکرم سنگھ خلف راجہ پوایاں، ضلع شاہ جہاں پور بھی سوار تھے۔ راجہ صاحب پوایاں کا علاقہ ضلع شاہ جہاں پور میں واقع ہے جس کی مال گزاری ۸۵ ہزار سالانہ کی ہے اور چند معافی سرکار سے ہیں جو بہ صلہ خیر خواہی زمانہ غدر میں اس کے رئیس کو گورنمنٹ سے حاصل ہوئی۔ خیر خواہی راجہ صاحب

یہ تھی کہ انھوں نے احمد اللہ شاہ اور دو ایک نواب و راجہ کو زمانۂ غدر میں قتل کیا تھا۔

مہاراجہ پٹیالہ گدی نشینی: ۸ر نومبر ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۴ر نومبر ۱۹۱۰ء کو لارڈ منٹو وائسرائے ہند نے مہاراجہ پٹیالہ کو گدی نشین کیا اور اختیارات ریاست ان کو عطا کیے۔

وفات مہاراجہ جودھپور: ۲۸ر مارچ ۱۹۱۱ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ مہاراجہ سردار سنگھ والی ریاست جودھپور نے ۲۰ر مارچ ۱۹۱۱ء کو بعارضۂ نمونیہ مبتلا ہو کر قضا کی۔ متوفی مہاراجہ ۱۱ر فروری ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے تھے اور ۱۱ر اکتوبر ۱۹۰۵ء کو تخت نشین ریاست ہوئے۔ متوفی نے اپنے سفر انگلستان وغیرہ سے بہت تجربہ حاصل کیا تھا۔ آپ کی دو شادیاں ہوئیں۔ ایک راجہ بوندی کی ہمشیرہ دوسری مہاراجہ اودے پور کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ آپ تین بیٹے اور دو بیٹیاں یادگار چھوڑ گئے۔ ان کی سلامی سترہ ضرب توپ کی تھی۔

وفات نظام حیدر آباد: یکم ستمبر ۱۹۱۱ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام حیدر آباد دکن مورخہ ۱۴ر اگست ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے تھے اور ۲۹ر اگست ۱۹۱۱ء کو عارضۂ فالج میں وفات پائی۔ عمر ۴۶ سال تھی۔ مرحوم تعلیم یافتہ اور شکار دوست تھے۔ متوفی کے بجائے ان کے بیٹے میر عثمان علی خاں مسند نشین ہوئے جن کی عمر اس وقت پچیس سال کی ہے۔

۱۳ر ستمبر ۱۹۱۱ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار امروزہ واضح ہوا کہ ہز ہائی نس نواب میر عثمان علی خاں جدید نظام دکن حیدر آباد تاریخ ۲۹ر جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ یوم سہ شنبہ وقت ۹ بجے رات کو پیدا ہوئے تھے۔

باب سوم

واقعاتِ بیرونِ ہند

جنگ روس و روم: ۲۹ مارچ ۱۸۷۸ء۔ جو لڑائی سلطان روم و روسیوں سے ہو رہی تھی اس میں سلطان کو شکست ہوئی اور بحالت مجبوری صلح کرنے کو مجبور ہوئے۔ شرائط صلح ابھی دریافت نہیں ہوئی ہیں مگر اس بات کا مزید اندیشہ ہے کہ روسی ایک نہ ایک روز ضرور قسطنطنیہ دارالخلافہ روم کو اپنے قبضہ میں لے آویں گے کیوں کہ سامان جنگ روسیوں کا بمقابلہ سلطان کے بکثرت ہے اور سلطنت روم کو روز بروز زوال نظر آتا ہے۔

۸ مئی ۱۸۷۸ء درمیان گورنمنٹ انگلستان و روس بباعث مزاحمت نہر باسفورس فی الجملہ صورت رنجش کی پیدا ہے۔ اسی وجہ سے فوج انگریزی ہندوستان سے براہ بمبئی بجانب ٹاپو مالٹا بھیجی گئی ہے۔ عجب نہیں کہ جنگ ہو۔

کابل: ۲۵ اکتوبر ۱۸۷۸ء۔ منجانب انگلش گورنمنٹ بہ افسری چمبرلین صاحب کابل کو سفارت جاتی تھی بمقام علی مسجد فیض محمد خاں گورنر علی مسجد نے حسب اشارت میر شیر علی خاں والی کابل سفارت کو آگے جانے سے روکا لہٰذا سرکار نے حکم فراہمی فوج بندھے لام کا بہ مقام پشاور دیا ہے۔ غالباً تھوڑے زمانے میں لڑائی ہو۔

۵ نومبر ۱۸۷۸ء پشاور میں فوج انگریزی بہت مجتمع ہو گئی ہے۔ غالباً عنقریب واسطے جنگ کے روانہ کابل ہو۔

۲۳ نومبر ۱۸۷۸ء۔ سرکار اور امیر شیر علی والی کابل سے لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ ۱۱ نومبر ۱۸۷۸ کو اس کا آغاز ہوا تھا۔ ۲۳ ماہ حال کو قلعہ علی مسجد فتح ہو گیا اور سرکار انگریزی کے قبضہ میں آیا۔

۴ دسمبر ۱۸۷۸ء۔ فوج انگریزی نے مقام پنوار کو شیر علی خاں والی کابل سے خالی کرا لیا اور فوج آگے کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے۔

۲۵ مارچ ۱۸۷۹ء۔ جنگ کابل ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ ایک فوج کابلی مع سامان کثیر واسطے مقابلہ انگریزوں کے کابل سے جلال آباد کو گئی۔

۹ ستمبر ۱۸۷۹ء بمعائنہ او دھ اخبار سے دریافت ہوا کہ میجر کوگنارل صاحب ریذیڈنٹ و دیگر حکام انگلش بمقام کابل بالاحصار قتل ہوئے۔ کوئی شخص فوج انگریزی کا باقی نہیں رہا جس کا سبب یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ فوج کابلی امیر صاحب غدر کرکے باعث اس قتل عام کی ہوئی ہے اور امیر یعقوب خاں بھی بحالت محصوری ہیں لہٰذا فوج انگریزی قندھار سے واسطے تادیب فوج باغی کے کابل بھیجی گئی ہے۔

۱۴ اکتوبر ۱۸۷۹ء سرکار انگلشیہ نے بسرکردگی جنرل رابٹ کابل کو فتح کیا۔

روس وکابل: ۱۳؍اپریل ۱۸۸۵ء۔ ۳۰؍مارچ سنہ الیہ کو بمقام پنجدہ متعلقہ کابل افغانان اور روسیوں سے لڑائی ہوئی۔ پانچ سو فوجی امیر کابل کے قتل ہوئے۔ جنرل کمروف فوج روسیہ کا افسر تھا۔

کابل: ۱۴؍اپریل ۱۸۸۵ء۔ ۱۱؍اپریل کو امیر عبدالرحمٰن خاں کابل کو واپس گئے۔ منجانب سرکار ہزارہا روپیہ مہمانداری میں صرف ہوا۔

شہنشاہ جرمنی: ۱۴؍مارچ ۱۸۸۸ء۔ معائنہ اودھ اخبار امروزہ سے معلوم ہوا کہ شہنشاہ ولیم جرمن نے بتاریخ ۹؍مارچ سن الیہ کو ۸½ بجے صبح کو بعمر ۹۱ سال قضا کی۔ شہنشاہ موصوف نے ۲۷ سال سلطنت کی۔ یہ بڑے خوش نصیب بادشاہ تھے۔

آبادی ممالک: یکم جون ۱۸۸۸ء۔ معائنہ پرچہ جریدۂ روزگار مدراس نمبری ۲۱۵ محررہ مئی ۱۸۸۸ء سے واضح ہوا کہ ممالک ذیل کی آبادی حسب صراحت تحت ہے:

چین ۔ ۴۰ کروڑ، سلطنت برطانیہ ۔ ۳۶ کروڑ، روس ۱۰ کروڑ، فرانس ۴ کروڑ، ممالک متحدہ امریکہ ۵½ کروڑ، جرمنی ۵ کروڑ۔

شہنشاہ جرمنی: ۱۹؍جون ۱۸۸۸ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار محررہ امروزہ کے واضح ہوا کہ ۱۵؍جون ۱۸۸۸ء کو یوم جمعہ ساڑھے بارہ بجے دن کے شہنشاہ فریڈرک جرمن نے تین مہینے چھ یوم سلطنت کے بعد بعمر ۵۷ سال عارضہ خناق میں قضا کی۔ بمتوفی ملکہ وکٹوریہ انگلینڈ کے بڑے داماد تھے۔

مردم شماری دار السلطنت ممالک: ۳۰؍جون ۱۸۸۸ء۔ معائنہ اودھ اخبار مورخہ ۲۷؍جون ۱۸۸۸ء نمبری ۱۳۸ سے واضح ہوا کہ مردم شماری سلطنت ہائے ذیل میں حسب مندرجہ تحت ہے:

لندن	دارالسلطنت	انگلستان	۳۶۵۵۸۱۹	کلکتہ	دارالسلطنت	ہندوستان	۷۶۶۲۹۸
پیرس	"	فرانس	۲۲۶۹۰۲۳	وائنا	"	آسٹریا	۷۲۰۱۰۵
برلن	"	پروشیا	۱۱۲۲۳۳۰	قسطنطنیہ	"	ٹرکی	۷۰۰۰۰۰
سینٹ پیٹرس برگ	"	روس	۷۶۶۶۴	میڈرڈ	"	اسپین	۵۰۰۹۰۰

مردم شماری ناخواندگی: ۱۴؍اپریل ۱۸۸۹ء۔ ممالک یورپ مندرجہ ذیل میں اشخاص ناخواندہ یعنی جاہل حسب ذیل ہیں جس کی شہادت اخبار سررشتہ تعلیم اودھ یکم اپریل ۱۸۸۹ء سے کماحقہ ہوتی ہے:

نام ملک	تعداد فی صدی	نام ملک	تعداد فی صدی	نام ملک	تعداد فی صدی	نام ملک	تعداد فی صدی
روس سرویہ و رومانیہ	۸۰	فرانس و بلجیم	۱۵	اسپین	۶۳	انگلستان	۱۲
				اٹلی	۴۸	اضلاع امریکہ	۸

نام ملک	تعداد فی صدی	نام ملک	تعداد فی صدی	نام ملک	تعداد فی صدی
ہنگری	۴۱	اسکاٹلینڈ	۷	سوئٹزرلینڈ	۲۵
آسٹریا	۲۹	جرمنی	۱	آئرلینڈ	۲۱
ڈنمارک بوریا	۰	ہندوستان	۸۳		

یعنی ہندوستان میں سو میں صرف ۷ ، ۱ آدمی لکھے پڑھے ہوتے ہیں۔ مقام غور ہے کہ ہندوستان کے باشندے روسیوں سے بھی جو جاہل قوم مشہور ہے تہذیب و شائستگی میں پیچھے رہ گئے۔

افواج یورپ : ۲۳؍ اگست ۱۸۸۹ء بمعائنہ اودھ اخبار امروزہ ۲۵۱۷ بحوالہ اخبار پائنیر انگریزی مورخہ ۱۴؍ اگست ۱۸۸۹ء سے واضح ہوا کہ لڑائی اور امن کے دوران افواج سلاطین یورپ حسب ذیل مہیا و موجود رہتی ہے تفصیل افواج:

جنگ: جرمن۔ تیس لاکھ پچاس ہزار۔ آسٹریا۔ گیارہ لاکھ ۱۸ ہزار' اٹلی۔ اکیس لاکھ ۱۹ ہزار دو سو پچاس۔ فرانس سینتیس لاکھ ۵۳ ہزار' روس ۵۵ لاکھ۔

امن: جرمن۔ چار لاکھ ۹۲ ہزار' آسٹریا تین لاکھ ۱۸ ہزار' اٹلی۔ دو لاکھ ۵۲ ہزار' فرانس۔ چار لاکھ ۹۹ ہزار' روس سات لاکھ۔

تعداد اخبارات : ۲۶؍ ستمبر ۱۸۹۰ء۔ سچ ہے دنیا میں تہذیب و شائستگی کی روز افزوں ترقی ہے۔ علی الخصوص یورپ کو اگر مخزن تہذیب کہیں تو گنجائش ہے۔ ایک ادنیٰ سی بات یہ ہے کہ اودھ اخبار محررہ امروزہ مترجمہ انگریزی ٹائمس سے معلوم ہوا کہ بالفعل تخمیناً اکتالیس ہزار اخبار دنیا میں شائع ہوتے ہیں ان میں چوبیس ہزار یورپ میں ہیں حسب ذیل:

جرمنی - ۵۵۰۳ فرانس - ۱۴۰۰ انگلستان - ۴۰۰۰ آسٹریا ہنگری ۳۵۰۰ اٹلی - ۲۳۰۰
اسپین - ۸۵۰ روس - ۸۰۰ سوئزرلینڈ ۴۵۰ ہالینڈ ۳۰۰ امریکہ ۱۲۵۰۰
کینیڈا ۷۰۰ آسٹریلیا ۷۰۰ ایشیا ۳۰۰ جاپان ۲۰۰ افریقہ ۳۰۰
جزائر سنڈوچ (کذا) ۴۰۔ میزان کل ۳۶۴۵۲۔

مکہ میں ہیضہ : ۴؍ ستمبر ۱۸۹۱ء : بمعائنہ اودھ اخبار امروزہ بحوالہ ملٹری گزٹ ۲۸؍ اگست سن الیہ سے واضح ہوا کہ مکہ معظمہ میں حفظان صحت کا عمدہ بندوبست نہیں ہے اس وجہ سے ہر سال شکایت ہیضہ وبائی بکثرت ہوتی ہے اور ایک ایک تاریخ میں چار چار پانچ پانچ سو آدمی مبتلائے عارضہ مہلکہ ہو کر ضائع ہوتے ہیں۔ نقشہ سرکاری چھ سال گزشتہ سے واضح ہوتا ہے کہ جس قدر حاجی بمبئی سے گئے ان میں سے دو ثلث سے زیادہ ہندوستان واپس نہیں آئے۔

حاجیوں کا شمار

	روانگی	مراجعت	ضائع
۱۸۸۵ء	۸۴۳۶	۵۰۴۵	۳۳۹۱
۱۸۸۶ء	۸۶۰۶	۶۱۵۰	۲۴۵۶
۱۸۸۷ء	۹۴۶۶	۵۷۲۶	۳۷۴۰
۱۸۸۸ء	۱۳۹۷۰	۶۵۰۵	۷۴۶۵
۱۸۸۹ء	۱۲۴۹۵	۱۱۱۰۱	۱۳۹۴
۱۸۹۰ء	۱۱۶۶۵	۸۶۶۲	۳۰۰۲
میزان	۶۴۶۳۸	۴۳۱۸۹	۲۱۴۴۹

وزیر اعظم انگلستان: ۲۱ اگست ۱۸۹۲ء۔ معائنہ اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ مسٹر گلیڈ اسٹون وزیر اعظم انگلستان بجائے لارڈ سالسبری مقرر ہوئے اور یہ تیسرا انتخاب ان کے وزیر اعظم ہونے کا ہے۔ قبل اس کے بہ اوقات مختلف دو مرتبہ اس عہدہ پر ممتاز ہو چکے ہیں۔ یہ انتخاب پانچ سال کے واسطے ہوا ہے۔

تعداد ممبران پارلیمنٹ: ۱۹ ستمبر ۱۸۹۲ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ سے واضح ہوا کہ تعداد ممبران پارلیمنٹ انگلستان کی حسب ذیل ہے:

انگلستان۔ ۴۶۵، صوبہ ویلز۔ ۳۰، اسکاٹ لینڈ ۷۲، آئرلینڈ۔ ۱۰۳ ــ کل ۔ ۶۷۰

چند اقوال: ۳۰ نومبر ۱۸۹۲ء چند اقوال تجربہ کار عاقلوں کے درج ذیل کرتا ہوں جو قابل یاد رکھنے کے ہیں۔

ملٹن: سچ کی کسی برائی سے قدر کم نہیں ہو سکتی جیسے کہ سورج کی کرنوں کو کوئی ہاتھ لگا کر میلا نہیں کر سکتا۔

شیکسپیر: ایک منٹ کی خوشی کے لیے ایک ہفتہ کا رنج کوئی ہرگز اختیار نہ کرے گا۔

کوپر: خالی بیٹھے رہنا آرام نہیں ہے۔ جو دل کسی شغل سے خالی ہے وہ غم سے بھرا ہوا ہے۔

سوتھ: جو کسی کی برائی کرتا ہے اسی کے خود خیالات اسے رنج و دکھ میں رکھتے ہیں۔

سعدی: دو شخصوں کے درمیان ایسی بات کہنا چاہیے کہ اگر وہ دوست ہو جاویں تو ان سے شرمندہ ہونا نہ پڑے۔

" : جو کوئی شخص بروں میں بیٹھے اگرچہ ان کی عادات اس میں اثر نہ کریں لیکن بروں کے شغل کی تہمت اس پر بھی لگے گی۔

سعدی: بیوقوف کے لیے خاموشی سے بہتر کوئی بات نہیں ہے لیکن اگر وہ اس مصلحت کو جانتا تو بیوقوف نہ ہوتا۔
" : جو اپنی امیری کی حالت میں بھلائی نہیں کرتا وہ غریبی کی حالت میں تکلیف اٹھاتا ہے۔

متفرق معلومات: ۳ر جولائی ۱۸۹۲ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار لکھنؤ مطبوعہ دی روزہ سے معلوم ہوا کہ ۱۔ تمام روئے زمین پر اہل اسلام کی آبادی ساڑھے سترہ کروڑ ہے۔ ۲۔ شہر لندن کی ۰۰ ۷ مربع میل میں آبادی ہے۔ ۳۔ تمام دنیا میں ایک ارب ۳۷ کروڑ پچاس لاکھ من گیہوں پیدا ہوتا ہے۔ واقعی اس زمانہ میں شہر لندن سے کوئی دوسرا بڑا شہر بلحاظ طول و آبادی روئے زمین پر نہیں ہے۔

کابل: ۳۱ ستمبر ۱۸۹۳ء۔ مسٹر ڈیورنڈ کا کمیشن بغرض صلاح و مشورہ عبدالرحمان خان امیر کابل ۱۵ ستمبر سنہ الیہ کو پشاور سے روانہ 'جمرود' ہوا۔ یہ کمیشن لارڈ لینس ڈاؤن صاحب گورنر جنرل کشور ہند کی ہدایت سے بدیں غرض بھیجا گیا ہے کہ امراتب ضروریہ سرحدی کے بعد یہ بھی امیر سے طے کرے کہ وہ قندھار تک ریل بنانے کی اجازت عطا کریں۔

وزیر اعظموں کا وزن: ۸ر نومبر ۱۸۹۲ء۔ لارڈ سالسبری سابق وزیر اعظم انگلستان کا وزن جسمانی ۳ من ۱ سیر اور حال کے وزیر اعظم مسٹر گلیڈ اسٹون کا دو من ۴ سیر ہے۔ ایک ڈاکٹر کا قول ہے کہ سر ٹھنڈا رکھو اور پاؤں گرم اور عادات باقاعدہ پھر تم کو طبیب اور ڈاکٹر کی ضرورت نہ ہوگی۔

کابل: ۲۳ر نومبر ۱۸۹۳ء۔ سفارت مسٹر ڈیورنڈ کامیابی کے ساتھ کابل سے واپس ہوئی۔ امیر عبدالرحمان خاں صاحب نے ہر طرح سے اس کی خاطرداری کی اور جملہ عہد و مواثیق مابین گورنمنٹ اور امیر کابل بسہولت طے ہو گئے اور برٹش گورنمنٹ نے بعوض بارہ لاکھ روپیہ سالانہ اب اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ کا گزارہ امیر کابل کا مقرر کر دیا یعنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ ماہوار ان کو ملا کریں گے اور جس قسم کے آلات حرب وغیرہ امیر کابل چاہیں انگلستان سے منگالیں

پریسیڈنٹ فرانس: ۶ر جولائی ۱۸۹۴ء۔ معائنہ اخبارات سے واضح ہوا کہ اہم کارنٹ پریسیڈنٹ فرانس کو آخر ہفتہ جون میں مسمی ساٹھو باشندہ اٹلی نے تلوار سے مار ڈالا جب کہ وہ ایک جلسہ میں بغرض شرکت بگھی پر جا رہے تھے۔ یکم جولائی کو ان کا تجہیز و تکفین بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ مرحوم نہایت لائق و منتظم شخص تھے۔ عمر ۵۶ سال تھی اور بیس ہزار پونڈ سالانہ تنخواہ پاتے تھے۔

گلیڈسٹن: ۹ر مارچ ۱۸۹۴ء۔ ۳ مارچ سن رواں کو مسٹر گلیڈسٹن وزیر اعظم انگلستان نے اپنی ملازمت سے بحضور ملکہ معظمہ استعفا داخل کیا اور لارڈ روزبیری کو یہ اعزاز بخشا گیا۔ مسٹر گلیڈسٹن نے بوجہ ضعف بصارت و نامنظور ہونے قانون ہوم رول آئرلینڈ کے استعفا داخل کیا۔ اب ان کی عمر ۸۳ سال ہے۔

زار روس: ۵ نومبر ۱۸۹۴ء۔ معائنہ اخبار 'پانیر' انگریزی الہ آباد مطبوعہ ۲ نومبر سے واضح ہوا کہ زار روس الگزنڈر سویم شہنشاہ روس نے پھیپھڑے کے عارضہ میں بمقام 'لیوادیا' تاریخ یکم نومبر پنجشنبہ سوا دو بجے شام کو انتقال کیا۔ یہ بادشاہ بہت صلح پسند تھا۔

تعداد فوج: ۹ جنوری ۱۸۹۵ء۔ بمعائنہ ملٹری گزٹ لاہور مطبوعہ یکم دسمبر سے واضح ہوا کہ سلطنت ہائے ذیل میں مفصلہ تحت فوج بحالت صلح و جنگ پائی جاتی ہے:

نام سلطنت	تعداد ایام صلح	تعداد ایام جنگ	توپوں کی تعداد	نام سلطنت	تعداد ایام صلح	تعداد ایام جنگ	توپوں کی تعداد
روس	۱۰،۲۰۰۰	۴۵۰۰۰۰۰	۳۳۶۰	آسٹریا	۳۹۰۰۰۰	۱۴،۳۷۰۰۰	۱۹۱۲
جرمنی	۵،۵۷۰۰۰	۴۳۰۰،۰۰۰	۲۹۹۴	ٹرکی	۱۷۰،۰۰۰	۱۱۰۰۰۰۰	۲۵۰۰
فرانس	۵۷۲۰۰۰	۴۰۰۰۰۰۰	۲۸۸۰	اسپین	۱۰۰۰۰۰	۷۰۰۰۰۰	۸۰۰
اٹلی	۲۲۰۰۰۰	۳۹۸۰۰۰۰	۱۶۲۰	برطانیہ اعظم	۲،۱۱،۰۰۰	۶۲۴۰۰۰	۶۰۰

طویل قد آدمی: ۵ فروری ۱۸۹۵ء۔ دنیا میں سب سے بڑا بلند قد آدمی حسن علی مصری ہے جس کی عمر اس وقت ۱۶ برس اور قد سات فٹ نو انچ ہے اور ہنوز نشو و نما جاری ہے اور صرف اپنی طویل القدی کی بدولت نمائش گاہ برلن دارالسلطنت جرمن میں پیش ہوا۔

انجن: ۶ مارچ ۱۸۹۵ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار امروزہ سے واضح ہوا کہ مسٹر جارج ساکن 'نیو کاسل' متعلقہ نیو انگلینڈ نے انجن کا بنانا ۱۸۱۲ء میں شروع کیا اور ۲۵ جولائی ۱۸۱۴ء کو چلایا اور ۲۸ ستمبر ۱۸۲۲ء کو بارہ میل کی سڑک ریلوے کھولی جس سے آمد و شد مال تجارت اور آدمیوں کی قائم ہوئی۔ جارج ایک مزدور پیشہ آدمی تھا لیکن اس نے اپنی ذہانت سے ایسی ایجاد کی۔

شہزادہ کابل: ۳۰ جولائی ۱۸۹۵ء۔ سردار نصر اللہ خاں خلف دویم امیر عبد الرحمان خاں امیر کابل جو حسب خواہش گورنمنٹ ملکہ وکٹوریہ آج کل انگلستان کے شہروں کی سیر کر رہے ہیں کل صرف ان کی سیاحت کا گورنمنٹ موصوفہ برداشت کر رہی ہے۔ چنانچہ ملک معظم نے حکم دیا ہے کہ تمام شاہزادگان انگلستان پر سوا شہزادہ ویلس بہادر اور ڈیوک آف کوبرگ کے ان کو سبقت دی جائے۔ یہ بہت بڑا اعزاز خلف دویم امیر کابل کا ہوا۔ اس کی تصدیق انگریزی اخبارات سے ہوئی۔

ڈاک فیملو: ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۵ء۔ بمعائنہ اخبار ایوننگ حیدر آباد مطبوعہ ۲۵ ستمبر سن الیہ سے واضح

ہوا کہ جان ڈی راک فیلر امریکہ میں سب سے زیادہ دولت مند ہیں۔ ان کے پاس ۱۴ کروڑ ۵ لاکھ ڈالر ہیں اور ایک ڈالر دو روپے پانچ آنہ کا ہوتا ہے۔ سال ختم ہونے کے قبل ان کی دولت ۱۵ کروڑ ہو جائے گی۔ بیان ہے کہ ان کی دولت ایک کروڑ پانچ لاکھ ڈالر سالانہ کے حساب سے بڑھتی ہے۔

<u>موجد منی آرڈر</u>: ۱۲ نومبر ۱۸۹۵ء۔ بذریعہ منی آرڈر و نیز تار کے روپیہ بھیجنے کا موجد مسٹر فاسٹ نابینا شخص ہے جو سابق پوسٹ ماسٹر جنرل انگلستان کا تھا جس کی دونوں آنکھیں ایک شکار میں جاتی رہیں۔ وہ بدستور اپنے منصبی کام کو انجام دیتا رہا۔

<u>قسطنطنیہ</u>: ۹ جنوری ۱۸۹۶ء۔ آج کل قسطنطنیہ کی حالت نازک ہو رہی ہے۔ کل سلاطین یورپ آرمینیا کے حسن انتظام کے سلطان عبد الحمید سے خواہاں ہیں اور وہ بوجوہ لیت و لعل کر رہے ہیں۔ لہٰذا روس، فرانس، انگلینڈ، اٹلی اور امریکہ کے جنگی جہازات آبنائے ڈارڈنیلز میں داخل ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خوف دلا کر کارروائی کریں اور قسطنطنیہ کو سلطان سے منتزع کر کے باہم تقسیم کر لیں جس سے سلطان ازبس پریشان ہیں۔ دیکھا چاہیے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ آج کل اخباروں میں بجز اس حال کے اور باتوں کا کمتر تذکرہ ہوتا ہے۔ یہ پیچیدگیاں چند ماہ گذشتہ سے برابر قائم چلی آتی ہیں۔

۵ فروری ۱۸۹۶ء۔ چونکہ بہ سازش انگلستان پانچ دیگر سلطنت ہائے یورپ نے اپنے جنگی جہازات بحیرہ ڈارڈنیلز متعلقہ ٹرکی میں قائم کیے تھے کہ سلطان عبد الحمید سے بہ زور حسن انتظام صوبہ آرمینیا کرا دیں لیکن بتدریج وہ جہاز تو واپس گئے اور یکم فروری کے تار برقی اودھ اخبار مطبوعہ ۵ فروری میں لارڈ سالسبری وزیر اعظم انگلستان کی اسپیچ کا یہ مضمون ہے کہ انگلستان ٹرکی سے آرمینیا کے لوگوں کی طرف سے جنگ نہیں کر سکتا اور مہلت دینا چاہیے تاکہ عمدہ انتظام عمل میں لایا جائے۔ میں یقین نہیں کرتا کہ سلطان نے اس جور و ظلم کا حکم دیا ہے جو آرمینیا میں ہوئے گو ان کی گورنمنٹ کمزور نالائق ہے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ سلاطین یورپ عمدہ انتظام کے نگراں رہیں گے لیکن آگے بڑھ کر کوئی کارروائی نہ کریں گے یہ نتیجہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ انگلستان کو چند سخت جھگڑے امریکہ و جرمنی وغیرہ سے پیش ہو گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ مشیت ایزدی میں ابھی قسطنطنیہ کا خاتمہ مقدر نہیں ہے ورنہ یورپین سلطنتوں کی تو یہ خواہش ہے کہ اس کے حصے بانٹ کر لیویں جیسا کہ اخباروں سے معلوم ہو رہا ہے۔

<u>قتل شاہ ایران</u>: ۵ مئی ۱۸۹۶ء۔ یکم مئی کو مرزا محمد رضا ایک مذہبی متعصب نے ناصر الدین شاہ بادشاہ فارس کے دل میں گولی مار دی جب کہ وہ ایک زیارت متصل طہران کے اندر جا رہے تھے۔ اس کے صدمہ سے چار بجے شام کو شاہ نے قضا کی اور بجائے متوفی ان کے دوسرے بیٹے جو اصلی بیگم کے بطن سے تھے تیسری مئی کو بمقام تبریز تخت نشین ہوئے۔ اس خبر کی تصدیق پانیر الٰہ آباد مطبوعہ ۳ مئی سے ہوئی۔ عمر شاہ متوفی ۶۷ سال

تھی۔ ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے تھے اور بڑی طویل بادشاہت کی۔ مزاج میں تعصب نہ تھا۔

<u>جشن شہنشاہ روس</u>: ۳۰ مئی ۱۸۹۶ء معائنہ اخبارات سے واضح ہوا کہ شہنشاہ روس کا جشن تاج پوشی ۲۶ مئی کو ختم ہوا اور شہنشاہ نے بوقت تاج پوشی ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے تمام باقیات ٹیکس معاف کر دیے اور دس برس کے لیے محصول اراضی نصف کر دیا اور خفیف مجرموں کے جرائم معاف کیے اور دیگر سزاؤں میں تخفیف کر دی اور پولٹیکل جلاوطنوں کی نسبت حکم دیا کہ جہاں کہیں مناسب سمجھیں تخفیف سزا کر دیں۔ مگر یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ جب لوگ کھانا کھانے اور انعام لینے چلے تو لوگوں کی کثرت آمد کے ازدہام کے باعث ۲۷۰۰ آدمی کچل کر مر گئے جو ایسے موقع پر افسوس ناک ہے۔ یہ یادگار کبھی فراموش نہیں ہو سکتی۔

<u>شہزادہ کابل</u>: ۹ جولائی ۱۸۹۶ء۔ معائنہ اخبار انگریزی سے معلوم ہوا کہ شاہزادہ نصراللہ خاں خلف دوئم امیر عبدالرحمان خاں والی کابل کی سیاحت انگلستان میں ۲۵۸۰۸ پونڈ خرچ ہوئے جو چند روز کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ روپیہ خزانہ ہندوستان سے خرچ میں پڑے گا۔

<u>ملکہ وکٹوریہ</u>: ۲۸ ستمبر ۱۸۹۶ء۔ دیکھنے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ جناب ملکہ معظمہ وکٹوریہ شہنشاہ ہندوستان و انگلستان ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء کو پیدا ہوئی تھیں اور ۲۰ جون ۱۸۳۸ء کو بیسویں سال تاج شاہی زیب سر کیا اس حساب سے ۲۰ ستمبر ۱۸۹۶ء تک جناب ممدوح نے اپنے دادا جارج سوئم کے مساوی ۵۹ سال ۹۷ یوم زمانہ حکمرانی ختم کیا اور ۲۳ ستمبر سنہ الیہ سے آپ کو اپنے دادا کی سلطنت سے سبقت شروع ہوئی۔ اس قدر مدت تک سلطنت کسی بادشاہ انگلینڈ نے سلف سے اس وقت تک نہیں کی۔

<u>سلطان عبدالحمید خاں</u>: ۲ نومبر ۱۸۹۶ء۔ سلطان عبدالحمید خاں قسطنطنیہ میں ۲۲ ستمبر ۱۸۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ اس حساب سے اب ان کی عمر ۵۴ سال کی ہے۔

<u>بیرونی کتب خانے</u>: ۲۴ نومبر ۱۸۹۶ء۔ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب خانہ شاہی فرانس میں چار کروڑ ایک لاکھ کتابیں ہیں۔ انگلستان کے کتب خانہ میں دو کروڑ دو لاکھ ساٹھ اور روس کے کتب خانہ میں دو کروڑ ہیں۔

<u>جنگ روم و یونان</u>: ۸ مئی ۱۸۹۷ء۔ جو جنگ مابین سلطان روم اور یونانیوں کے ہوتی تھی اس میں سلطان کو کامل کامیابی حاصل ہوئی اور یونانیوں کو ہزیمت حاصل ہوئی اور شہر تھیسلی پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ اس فوج ترکی کے کمان پر اور افسر اعلیٰ ادھم پاشا تھے جن کی عموماً تعریف ہو رہی ہے۔ سلطان کی اس کامیابی سے تمام یورپ حیرت میں آگیا اور جو خیالات فاسد و حقارت آمیز جنگی کارروائی ترکوں کی نسبت دول یورپ کو تھے وہ اس ظفریابی

سے بالکل بدل گئے اور سمجھنے لگے کہ یہ بھی ایک معتدبہ سلطنت یورپ میں ہے۔

وفات گلیڈ اسٹن: ۲۲ مئی ۱۸۹۸ء ۔ ۱۹ مئی کو گلیڈ اسٹن سابق وزیراعظم نے بعمر ۸۹ سال قضا کی۔ وہ ۲۹ دسمبر ۱۸۰۹ء کو پیدا ہوئے تھے۔ یہ بہت بڑا لائق شخص تھا اور جب اسپیچ کہنے کھڑا ہوتا تھا تو ایسا خوش بیان تھا کہ گھنٹوں میں ایک بحث ختم ہوتی تھی۔ سخت متعصب شخص تھا۔ ترکوں سے اسے عداوت قلبی تھی۔

اسپین و امریکہ: ۲۶ اگست ۱۸۹۸ء۔ بابت جزیرہ کیوبا مابین اسپین و امریکہ اس عرصہ میں سخت لڑائیاں ہوئیں اور امریکہ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ سلاطین یورپ نے باہم صلح کرادی اور جزیرہ کیوبا اور فلی پائن کو اسپین سے امریکہ کو دلوادیا۔

ملکوں میں شادیاں: ۱۵ ستمبر ۱۸۹۸ء ۔ آج بمعائنہ اودھ اخبار بحوالہ انگریزی اکسپریس معلوم ہوا کہ ممالک ذیل میں شادی لڑکوں اور لڑکیوں کی کس عمر میں ہوتی ہے۔

نام ملک	عمر لڑکا	عمر لڑکی	نام ملک	نام لڑکا	نام لڑکی
آسٹریا	۱۴ سال	۱۴ سال			
فرانس و بلجیم	۱۶ سال	۱۵ سال	جرمنی	۱۸ سال	۱۸ سال
روس و یکسنی	۱۴ سال	۱۶ سال	اسپین	۱۴ سال	۱۲ سال
سوئزرلینڈ	۱۴ سال	۱۲ سال	یونان	۱۴ سال	۱۲ سال

قسطنطنیہ میں شادیاں اس وقت ہی ہوجاتی ہیں جب لڑکے لڑکیاں چل پھر سکتے ہیں اور ضروری مذہبی احکام تمام کو سمجھ سکتے ہیں۔

جنگ افریقہ: ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء ۔ آج کل مابین ڈچ کاشتکاران ٹرانسوال واقع افریقہ و انگریزوں کے جنگ ہو رہی ہے اور بمقام کلنکو بہت بڑی جنگ ہوئی جس میں ۲۲ افسر انگریزوں کے مع جنرل سمنز قتل ہوئے۔

۲۰ دسمبر ۱۸۹۹ء دیکھنے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ جو لڑائی افریقہ میں مابین ڈچ کاشتکاران ٹرانسوال اور انگریزوں کے ہو رہی ہے وہ بہت سخت مقابلہ ہے۔ ہر لڑائی میں بہت سی فوج انگریزوں کی مقتول و مجروح ہوتی ہے۔ ڈچ ایسے نشانہ باز ہیں کہ افسروں کو چن چن کر مارتے ہیں اور سامان حرب بمقابلہ انگریزوں کے ان کا بہت عمدہ ہے۔ پانچ ہزار گز کے فاصلہ پر ان کی توپوں کے گولے بہت عمدہ کام کرتے ہیں اور انگریزوں کی توپیں دو ہزار گز کے فاصلہ کی ہیں۔ جناب ملکہ معظم قیصرۂ ہند کو اپنی فوج کے ضائع ہونے کا سخت ملال ہے۔ حتیٰ کہ ان کا قصد تھا کہ بعد بڑے دن کے لندن کے دوسرے مقامات کو جاویں لیکن وفور رنج و غم سے انھوں نے فسخ عزیمت کی۔

۲۸ جنوری ۱۹۰۰ء ۔ ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء سے جنگ ٹرانسوال واقع افریقہ مابین بوئر و برٹش گورنمنٹ کے شروع ہے۔ سرکار کے بہت سے افسر و فوجی لوگ ضائع ہوئے۔ ڈفرن کے خلف اکبر اور لارڈ رابنس کے اکلوتے بیٹے

اور لفٹیننٹ گورنر بہار کے صاحبزادے اور بڑے بڑے باقی افسر قتل ہوئے۔

۱۹ مارچ ۱۹۰۰ء۔ بلوم فانٹین دار الخلافت آرنج فری اسٹیٹ واقع جنوبی افریقہ کو لارڈ رابسن نے فتح کر لیا جس کے پریسیڈنٹ مسٹر اسٹمن تھے اور جنرل کرانجی فوج ملک آزاد کو گرفتار کر کے جزیرۂ سینٹ ہلینا بھیج دیا۔

۳۱ مئی ۱۹۰۰ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار واضح ہوا کہ ...... ۳۰ مئی سے دار الخلافت بلوم فانٹین جنوبی افریقہ کیپ ٹاؤن میں شامل کیا گیا اور اس کی رو سے 'آرنج فری اسٹیٹ' کا نام آئندہ 'آرنج ریور کالونی' ہوگا کیونکہ وہ اب مستقل طور پر انگریزوں کے قبضہ میں آگیا ہے۔ اب جہاں تک اخبارات دیکھے جاتے انگریزوں کی برابر فتح معلوم ہوتی جاتی ہے اور بوئر لوگ پسپا ہو رہے ہیں وہ جوہانس برگ میں پہنچ گئے ہیں۔

ملک چین: ۵ اگست ۱۹۰۰ء۔ آج کل ملک چین پر پانچ سلطنتیں چڑھائی کر رہی ہیں جن کی فوجیں برابر بذریعہ جہازات اپنے اپنے دار السلطنتوں سے بھیجی جا رہی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ جرمن، فرانس، روس، اٹلی، جاپان اور چھٹی برٹش گورنمنٹ۔ سبب اس لڑائی کا اخباروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم بکسر باشندگان چین کی پیشوا ہے انھوں نے جب یہ دیکھا کہ غیر ملک کے لوگ چینیوں کو عیسائی کیے ڈالتے ہیں تو انھوں نے غدر کر دیا اور جس قدر عیسائی لوگ بہم پہنچے ان کو قتل کر ڈالا۔ چوں کہ ان کی جماعت کثیر ہے اور اہل چین بھی ان کو اپنا پیشوا مانتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ لوگ بھی بکسروں کے شریک ہو گئے اور چینی فوج بھی ان کی معاون ہے اسی وجہ سے ان کی بہت بڑی جمعیت ہو گئی ہے اور ان سلطنتوں سے مقابلہ کے لیے وہ تیار ہیں۔ دیکھا چاہیے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ بظاہر سخت کشت و خون ہوتا نظر آتا ہے اور عجب نہیں بعد ظفر پانے سلطنت ملک چین کو باہم تقسیم کر لیں یہ سلطنت بہت پرانی ہے اور کسی نے اس وقت تک اس پر دست درازی نہیں کی تھی۔ لیکن اب انجام بخیر نظر نہیں آتا۔

جنگ افریقہ: ۱۲ جنوری ۱۹۰۱ء۔ اگرچہ جنرل رابٹس صاحب ٹرانسوال سے لندن کو واپس گئے لیکن ابھی بوئر برابر لڑ رہے ہیں اور جنگ ختم نہیں ہوئی۔ مسٹر کلوگر کے قائم مقام برابر لڑ رہے ہیں۔

وفات ملکہ وکٹوریہ: ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء۔ آج کے اردو اخبار میں یہ خبر غمگین مندرج دیکھی گئی کہ جناب ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرِ ہند نے اس جہان فانی سے بمقام لندن رحلت کی۔ وقت ۶ بجے ۳۰ منٹ شام کا تھا اور تاریخ ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء۔ کوئی شک نہیں کہ قیصرۂ ہند نہایت ہی خوش اقبال تھیں اور جس تاریخ سے وہ تخت انگلستان پر بیٹھیں برابر فتوحات بے پایاں حاصل ہوتے رہے اور اولاد کی جانب سے بھی وہ نہایت خوش نصیب تھیں کہ جن کے نواسے قیصر ولیم شہنشاہ جرمن ہیں۔ اس وقت ملکہ معظمہ کے قبضہ میں کل دنیا کا

ایک چہارم حصہ ہے اور کبھی آفتاب ان کی عملداری میں غروب نہیں ہوتا۔ اب ذیل میں ان کی مختصر سوانح عمری حوالۂ قلم کرتا ہوں جس سے ان کی عمر و تخت نشینی کا حال مفصل معلوم ہوگا۔

جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند ۲۴ جنوری ۱۸۱۹ء کو پیدا ہوئی تھیں۔ ۲۰ جون ۱۸۳۸ء کو تخت نشین ہوئیں اور ۲۲ جنوری کو رحلت کی۔ اس وقت ان کی عمر ۸۲ سال تھی۔ دو مرتبہ مرحومہ کی پنجاہ سالہ و شصت سالہ جوبلی ہوئی اور ایسی خوش اقبال تھیں کہ ایک چہارم دنیا ان کے قبضہ میں تھی۔

تدفین ملکہ و جلوس ایڈورڈ ہفتم: ۲ فروری ۱۹۰۱ء۔ چونکہ آج جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند دفن ہوں گی لہٰذا آج قصبہ بندیلہ کی کل دوکانیں بند ہوگئیں اور دفاتر میں تعطیل ہے۔

پرنس آف ویلز جو تخت سلطنت انگلشیہ پر جلوس فرما ہوئے ان کا لقب ایڈورڈ ہفتم رکھا گیا اور چھ ایڈورڈ اس سے قبل تخت انگلشیہ پر نشست فرما چکے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

نام	سن جلوس	سن کنارہ کشی یا وفات
ایڈورڈ اول	۱۲۷۲ء	۱۳۰۷ء
ایڈورڈ دویم	۱۳۰۷ء	۱۳۲۷ء
ایڈورڈ سویم	۱۳۲۷ء	۱۳۷۷ء
ایڈورڈ چہارم	۱۴۶۱ء	۱۴۸۳ء
ایڈورڈ پنجم	جنوری ۱۴۸۳ء (وفات)	
ایڈورڈ ششم	۱۵۴۷ء	۱۵۵۳ء
ایڈورڈ ہفتم	۲۳ جنوری ۱۹۰۱ء	

جنگ افریقہ: ۲۹ جولائی ۱۹۰۱ء۔ جنگ ٹرانسوال واقع جنوبی افریقہ ہنوز ختم نہیں ہوئی ہے اور بوئر اور انگریزوں سے برابر لڑائی جاری ہے۔ بالفعل انگریزی فوج بہ تعداد دو لاکھ ۳۵ ہزار جنگ گاہ میں موجود ہے یہ لڑائی ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو شروع ہوئی تھی۔ انگریزی فوج کے سپہ سالار لارڈ کچنر ہیں۔

دختر کلاں ملکہ وکٹوریہ: ۱۵ اگست ۱۹۰۱ء۔ شاہنشاہ بیگم فریڈرک جرمنی یعنی دختر کلاں ملکہ وکٹوریہ بعوارض چند در چند بعمر ۶۰ سال بتاریخ ۵ اگست ۱۹۰۱ء فوت ہوئیں جن کے ماتم کے واسطے چھ ہفتہ کا اعلان ہوا ہے۔

صدر امریکہ: ۱۹ ستمبر ۱۹۰۱ء۔ مسٹر میکنلے پریسیڈنٹ امریکہ کو بتاریخ ۴ ستمبر ۱۹۰۱ء جبکہ وہ الفلو نمائش گاہ کی سیر کر رہے تھے کسی زول بورو نے دو گولیاں ماریں جس سے انھوں نے انتقال کیا اور روزولٹ ان کی جگہ پر پریسیڈنٹ مقرر ہوئے۔

امیر کابل: ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ امیر عبدالرحمٰن خاں امیر کابل نے ۳ اکتوبر سن الیہ کو انتقال کیا اور بجائے ان کے حبیب اللہ خاں تخت کابل پر جانشین ہوئے اور انھیں کی بابت خاں مرحوم جانشینی تجویز کرتے تھے۔ حبیب اللہ خلف اکبر ہوشمند آدمی معلوم ہوتے ہیں جن کی جانشینی گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی منظور کی۔ عبدالرحمٰن مرحوم نہایت

لائق و دانش مند شخص تھے جنھوں نے افاغنہ پر بہت رعب داب کے ساتھ سلطنت کی اور جن کو انگریزی گورنمنٹ بھی مانتی تھی اور دو لاکھ روپیہ ماہوار ان کو گزارہ دیتی تھی اس غرض سے کہ روسی گورنمنٹ سے وہ کہیں مل نہ جائیں جو عرصہ سے براہ کابل ہندوستان کا قصد رکھتے ہیں۔ امیر صاحب نے اپنی فوج بھی قواعد داں تیار کی تھی۔

جنگ افریقہ: ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ جنگ ٹرانسوال جنوبی افریقہ اب تک مابین برٹش گورنمنٹ اور بوئروں کے قائم ہے جس کا آغاز ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ہوا تھا۔ اگرچہ بوئر بوجہ کمی فوج برابر دو تین روز تک جنگ نہیں کر سکتے ہیں تاہم سرکار کی ایک بڑی فوج سے جس کی تعداد دو لاکھ ترپن ہزار ہے برابر مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔

آبادی لندن: یکم فروری ۱۹۰۲ء۔ لندن کی مردم شماری انتالیس لاکھ ۳۶ ہزار ۴۱۵ ہے جس کی تصدیق اودھ اخبار مورخہ امروزہ سے ہوئی۔ دس سال گزشتہ میں تین لاکھ کا اضافہ ہوا۔

وفات لارڈ ڈفرن: ۱۴ فروری ۱۹۰۲ء۔ لارڈ ڈفرن صاحب سابق گورنر جنرل نے ۱۲ فروری ۱۹۰۲ء کو بمقام لندن رحلت کی۔

جنگ افریقہ: ۲۹ مارچ ۱۹۰۲ء۔ جنوبی افریقہ میں ٹرانسوال کے بوئرز نے جو برٹش گورنمنٹ سے ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو لڑائی شروع کی تھی وہ ابھی تک بدستور جاری ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ لوگ نہایت جری ہیں۔ باوجودیکہ ان کی فوج بہت قلیل ہے اور انگریزوں کی ڈھائی لاکھ سے زیادہ ہے لیکن وہ برابر مقابلہ کر رہے ہیں اور اکثر مقاموں پر انگریزوں کو فاش زک دی۔ اگرچہ ایک روز یہ شدنی ہے کہ وہ مغلوب ہو کر اطاعت قبول کر لیں گے مگر ابھی تک ان کے دم خم وہی ہیں۔

۳ جون ۱۹۰۲ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ جو لڑائی برٹش گورنمنٹ اور جنوبی افریقہ کے بوئر کے درمیان ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء سے ہو رہی تھی اور فریقین کے بڑے بڑے نامی افسر مقتول و مجروح ہوئے تھے آب دونوں میں تاریخ ۳۱ مئی ۱۹۰۲ء کو حسب شرائط ذیل صلح ہو گئی۔ کوئی شک نہیں کہ بوئر لوگ نہایت جری جاں کش اور بہادر ہیں جنھوں نے اپنی تھوڑی فوج سے ایک بہت بڑی سلطنت ذی مقدور سے جس کی کئی لاکھ فوج ان کے مقابل تھی دو سال سات مہینے تک برابر لڑتے رہے اور بہت کچھ نقصان اسے پہنچایا اور جس کا کروڑوں روپیہ اس جنگ میں صرف ہو گیا۔ شرائط صلح حسب ذیل ہیں: (شرائط بوجہ طویل عبارت ہونے کے ترک کیے گئے۔ ہاشمی)

۷ جون ۱۹۰۲ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ جنگ جنوبی افریقہ میں جو بوئر لوگوں کے ساتھ سرکار انگریزی سے ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء شروع ہوئی تھی اور ۳۱ مئی ۱۹۰۲ء کو بذریعہ صلح ختم ہوئی اس میں سرکار انگریزی کا ۲۲۰ ملین پونڈ جو مساوی ۳۳۰ ملین روپے کے ہے صرف ہوا۔ اس صرف میں معمولی فوجی صرفہ جو بالفعل بہت زیادہ ہو گیا ہے داخل نہیں ہے اور نہ وہ روپیہ شامل ہے جو گورنمنٹ کو اختتام جنگ کے بعد صرف کرنا ہو گا جس کی تعداد دس ملین پونڈ ہو گی۔ شرائط صلح میں جو ملین پونڈ ہے کاشتکاروں

اور گورنمنٹ انگریزی ہوئی ہے اس کی شرط پنجم یہ ہے کہ ڈچ کاشتکار اپنی حفاظت جان و مال کے خیال سے اپنی رائفل و بندوقیں اپنے پاس رکھیں گے اور چھٹی شرط یہ ہے کہ مصارف جنگ کے متعلق جنوبی افریقہ کے ٹرانسوال والوں سے کچھ نہیں لیا جائیگا۔

جشن تاج پوشی: ۷ر جون ۱۹۰۲ء۔ جشن تاج پوشی شہنشاہ انگلینڈ و ہندوستان جو ۲۶ر جون ۱۹۰۲ء کو بمقام لندن ہوگا اس میں بہت سے ہندوستانی والیان ملک جیسے مہاراجہ گوالیار، مہاراجہ جے پور، مہاراجہ اندور، مہاراجہ گنگا سنگھ بیکانیر اور بہت سے رؤسائے اعظم ہندوستان سے جا رہے ہیں مگر مہاراجہ جے پور نے یہ قابل یادگار بات کی ہے کہ اپنے کرم و دھرم کو قائم رکھنے کے لیے اپنے دیوتا بھی ولایت کو ساتھ لے گئے ہیں حتیٰ کہ ہاتھ پاک کرنے کی مٹی بھی جہاز پر رکھ لی گئی ہے۔ بمقابلہ اور والیان ملک کے مہاراجہ نے نہایت پابندی مذہب کے ساتھ لندن کا سفر اختیار کیا۔ اودھ سے راجہ پرتاب بہادر سنگھ پرتاب گڑھ بھی گئے ہیں غرض کہ احاطہ کلکتہ، بمبئی، مدراس اور لاہور وغیرہ سے خاص خاص رؤسا شرکت جشن تاج پوشی کے لیے جا رہے ہیں اور بہت بڑا صرف اپنے اوپر گوارا کیا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ بہ تقریب تاج پوشی ان کے واسطے کیا سلوک ہوتا ہے۔

جنگ افریقہ: ۹ر جون ۱۹۰۲ء۔ لارڈ کچنر صاحب سپہ سالار جنوبی افریقہ کو بہ صلہ ان کے حسن خدمات کے کہ انھوں نے بوئر لوگوں سے ۳۱ر مئی کو صلح کرا دی پچاس ہزار پونڈ انعام دیا گیا اور خطاب وائی کاؤنٹ ان کو شہنشاہ انگلینڈ نے مرحمت فرمایا اور قبل اس کے لارڈ رابرٹس کو بخدمات و کارگزاری جنوبی افریقہ کے ایک لاکھ پونڈ انعام میں ملا تھا۔ اس صلح سے جو ٹرانسوال میں بوئر لوگوں سے ہوئی تمامی ہندوستانی عموماً اور اہل انگلینڈ خصوصاً خوشیاں منا رہے ہیں۔

۱۰ر جون ۱۹۰۲ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار امروزہ سے واضح ہوا کہ بحوالہ بیان محکمہ جنگ جنوبی افریقہ کی لڑائی میں ایک ہزار چھہتر افسر اور چھبیس ہزار آٹھ سو بہتر سپاہی ہلاک ہوئے اور تین ہزار ایک سو سولہ افسر اور چھہتر ہزار تین سو چودہ سپاہی معزول الخدمت قرار پا کر انگلینڈ کو واپس بھیجے گئے۔

وزیر اعظم انگلستان: ۱۲ر جولائی ۱۹۰۲ء۔ ۱۲ر جولائی ۱۹۰۲ء کو لارڈ سالسبری وزیر اعظم انگلستان نے اپنی ملازمت سے استعفا دے دیا جس کو شاہ انگلینڈ و ہندوستان نے منظور فرمایا بجائے ان کے مسٹر بالفور ڈ وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

ایک عورت: ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء آج کے اودھ اخبار میں درج ہے کہ ایک عورت متعلق شہر جیلر ۔۔۔ ملک اٹلی میں رہتی تھی اس کی شادی کو ۱۹ر سال ہوئے ہیں اس مدت میں اس کے ۶۲ بچے پیدا ہوئے۔ ۵۹ لڑکے اور تین لڑکیاں۔ ۹ برس کے عرصہ میں گیارہ توام لڑکے پیدا ہوئے اور پانچ مرتبہ چار چار اور تین مرتبہ تین تین اور

ایک مرتبہ چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی اور کچھ زمانے میں صرف ایک ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اب اس کی عمر ۵۷ برس کی ہے اور ضعیف و ناتواں ہو گئی ہے کچھ کام اس سے نہیں ہو تا لہٰذا اٹلی کے بادشاہ کو ایک عرضداشت بھیجی گئی ہے کہ اسکا کچھ گذارہ مقرر کر دیں۔

آبادی چین: ۱۴ر اپریل ۱۹۰۳ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ جدید مردم شماری ملک چین بیالیس کروڑ ۲۶ لاکھ ۴۷ ہزار ہے۔

شاہ سرویہ: ۱۹ر جون ۱۹۰۳ء۔ ۱۲ر جون ۱۹۰۳ء کے تار برقی میں درج ہے کہ الیگزنڈر شاہ سرویہ مع ملکہ ڈریگا کے اپنے ایوان میں قتل کر دیے گئے اور ان کے ساتھ میں وزیر اعظم سرویہ اور ایک جنرل فوج بھی مقتول ہوئے۔ خود ان کی فوج نے انھیں قتل کیا۔ وجہ قتل یہ معلوم ہوئی کہ کل رعایا شاہ سے ناراض تھی۔ ۱۴ر اگست ۱۸۷۹ء کو شاہ سرویہ پیدا ہوئے۔ ۱۳ر اپریل ۱۸۹۳ء کو تخت نشین ہوئے تھے اور ۲۱ر جولائی ۱۹۰۰ء کو شاہ سرویہ نے اپنی نسبت میڈم ڈریگا سے کی اور ۵ر اگست ۱۹۰۰ء کو شادی ہو گئی۔ ڈریگا والدہ کی پیش خدمت تھی جس کی عمر اس وقت ۳۶ سال کی تھی یعنی بادشاہ سے عمر میں بڑی تھی۔ اس کا شوہر مر چکا تھا مگر بوجہ حسین ہونے کے بادشاہ نے اس کے ساتھ عقد کر لیا تھا۔

وفات پوپ: ۲۳ر جولائی ۱۹۰۳ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ پوپ روم اٹلی جو یورپ میں واقع ہے۔ ۲۰ر جولائی ۱۹۰۳ء کو وقت ۴ بجے دن کے فوت ہوئے۔ عمر ۹۴ سال تھی اور ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ پیشوا مذہب رومن کیتھولک کے تھے۔

وفات سالسبری: ۲۶ر اگست ۱۹۰۳ء ۲۲ اگست سن الیہ کو لارڈ سالسبری سابق وزیر اعظم انگلستان نے بمقام لندن قضا کی۔

بلغاریہ: ۱۴ر اگست ۱۹۰۳ء سرحد بلغاریہ پر پہلی بغاوت ہوئی لہٰذا فوج سلطان ٹرکی واسطے تادیب کے بھیجی گئی اور سلونیکا کے قریب کل جماعت باغیوں کی گولہ اندازی افواج ٹرکی سے مقتول ہوئی۔

ترکی: ۱۶ر ستمبر ۱۹۰۳ء۔ ممالک مقدونیا و بلغاریہ و سلونیکا کی بغاوت سے آج کل بڑی بدنظمی سلطان ٹرکی کی عملداری میں ہے اور افواج ٹرکی باغیوں کو گوشمالی واجب دے رہی ہے۔ ہزاروں آدمیوں کا کشت و خون ہو رہا ہے سلاطین یورپ سلطان کو الگ دھمکی دے رہے ہیں کہ بدنظمی جلد دور کی جائے۔

۱۷ر ستمبر ۱۹۰۳ء۔ آج کل یورپ میں باہم سلاطین میں انواع و اقسام کے نزاعات پیدا ہیں اور عموماً سلطان ٹرکی کو دبا رہے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ وہ بتیس دانتوں میں ایک زبان ہے۔

جنگ روس و جاپان: ۱۳ر فروری ۱۹۰۴ء۔ ۱۲ر فروری سن الیہ کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۹ر فروری ۱۹۰۴ء کو بوقت ۱۰ بجے دن مابین روس و جاپان لڑائی شروع ہو گئی اور جاپانی تارپیڈو کشتیوں نے

بمقام پورٹ آرتھر روسی جہازوں پر حملہ کیا یہ لڑائی دو بڑی سلطنتوں میں شروع ہوئی ہے۔ دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ معمر شخص: ۱۴ مارچ ۱۹۰۴ء۔ دنیا بھر میں سب سے زیادہ سن دراز و معمر شخص میر (ماسکو، روس) کا 'اذار دوستے' ہے۔ اس کی عمر ۱۳۶ برس کی ہے اور اس کی بصارت علی حال بھی قائم ہے۔ اس کا باپ ۱۲۰ برس کا ہو کر فوت ہوا تھا۔

آبادی امریکہ: ۱۳ اپریل ۱۹۰۴ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ کی مردم شماری جو ۱۹۰۳ء میں ہوئی تھی اس کی تعداد ۷ کروڑ ۹۹ لاکھ ہے۔

جنگ روس و جاپان: ۲۰ اپریل ۱۹۰۴ء۔ آج کے اخبار میں میں نے پڑھا کہ جاپان کے مرد و عورت دونوں اپنی بہبودی ملک کے عاشق ہیں جس کی تصدیق مضامین ذیل سے ہوتی ہے:

۱۔ ایک سپاہی لڑائی پر جاتا تھا۔ اس نے اپنے ایک دوست سے جو اسے پہنچانے آیا تھا بیان کیا مجھے ایک روز مرنا ہے پس بہتر ہے کہ ہم اپنے ملک کے لیے مریں۔ اگر میں بستر مرگ پر مروں گا تو کیا خاک میری ماں کو تسلی ہوگی۔

۲۔ ایک عورت نے اپنے بیٹے سے جب وہ لڑائی پر جاتا تھا کہا کہ تم لڑائی پر جاتے ہو پھر گھر کو واپس نہ آنا۔ اگر تم واپس ہوئے تو میں معاف نہ کروں گی۔

۳۔ قصبہ ذکاس کی ایک عورت کو جب معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا اس بنا پر جنگی خدمت سے معاف کر دیا گیا کہ وہ اکیلا اپنی ماں کا پرورش کرنے والا تھا تو اس نے فوراً خودکشی کر لی اور اس نے ایک خط میں بیان کیا کہ میں نے اس وجہ سے خودکشی کی کہ میرا بیٹا اپنے ملک کے لیے روسیوں سے آزادی کے ساتھ لڑ سکے۔ دم توڑنے کے وقت اس نے وہ خنجر جس سے خودکشی کی تھی اپنے بیٹے کو دے دیا کہ وہ اس کو دشمن کے خلاف کام میں لائے۔ لڑکے نے خنجر کمر سے باندھ لیا اور فوراً جنگ میں شریک ہونے کی درخواست پیش کر دی۔ واہ رے ملک کی ہمدردی! جگہ ایسی اہم قومی و ملک کی ہمدردی ہو تو کیوں نہ اس ملک کے بادشاہ کو پوری کامیابی حاصل ہو سکے۔

یکم جون ۱۹۰۴ء۔ مابین جاپان اور روسیوں کے ہنوز جنگ جاری ہے۔ دو مقاموں پر سخت لڑائیاں ہوئیں۔ ایک دریائے 'یلو' پر ۶ مئی کو، دوسری 'نان شان' پر ۱۵ مئی کو اور ان دونوں جنگوں میں جاپانیوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ نیز 'پورٹ آرتھر' میں۔ 'نان شان' کی جنگ میں جاپانیوں کو ۷۳ توپیں کلدار باقی میدانی اور بندوقیں و گولے بارود حاصل ہوئے اور بہت سے روسی گرفتار ہوئے۔

دنیا کی قومیں: ۲۹ جون ۱۹۰۴ء۔ فرانس کے ایک پروفیسر کے پاس کل روئے زمین کی اقوام کے

آدمیوں کے سر موجود ہیں۔ ان کی تعداد ۲۰۰ ہے۔ اس سے ہویدا ہے کہ تمام دنیا میں ۹۲۰ قومیں آباد ہیں۔

جنگ روس وجاپان: یکم جولائی ۱۹۰۴ء۔ اب تک جس قدر لڑائیاں مابین جاپان و روس ہوئیں ان سب میں جاپانی فتح یاب ہوئے اور ۲۸ جون کی جنگ میں انھوں نے کئی مقامات منچوریا کے روسیوں کے مقابلے میں فتح کرلیے۔

۱ر ستمبر ۱۹۰۴ء۔ آج کل خوب گھمسان لڑائی مابین جاپان اور روسیوں کے بمقام 'لیونگ' متعلقہ 'منچوریا' (چین) ہو رہی ہے۔ ڈھائی ڈھائی لاکھ فوج وتیرہ سو توپیں دونوں جانب ہیں اور ہزاروں آدمی دونوں طرف مقتول و مجروح ہو رہے ہیں۔ ۲۴ و ۲۸ راگست سن الیہ کے مابین سخت لڑائیاں ہوئیں اور تیری ستمبر سن الیہ بوقت ۹ بجے صبح کے جاپانیوں نے روسیوں سے لیونگ چھین لیا اور اپنا قبضہ و دخل کیا۔ جنرل کروپٹکین روسیوں کی طرف افسر اعلیٰ ہیں اور جنرل کروکی اور جنرل اوکر جاپانیوں کی جانب سے۔

اصطباغ ولی عہد روس: ۲۰ ستمبر ۱۹۰۴ء۔ اودھ اخبار محررہ امروزہ سے واضح ہوا کہ شہنشاہ روس نے بعد اصطباغ اپنے بیٹے شہنشاہ زادہ کی پیدائش کی یادگار میں اپنے دست مبارک کا لکھا ہوا حکم مشعر بریں خلاصہ نافذ کیا کہ ۱۔ فوج بحری و بری کو جو بکرار تکاب جرم پر سزائے جسمانی دی جاتی تھی وہ نہ دی جاوے گی۔ ۲۔ بقایا مال گزاری ٹیکس و محصول معاف کیا گیا۔ ۳۔ پیداوار زمانہ قحط کی تقاوی کاشتکاروں کو معاف ہوئی۔ ۴۔ بہت سے جرمانے معاف ہوئے۔ ۵۔ قیدیوں کی سزائیں جو پولیٹیکل قیدی اپنے زمانۂ قید میں نیک کردار رہے ان کی سزا ختم ہونے پر انھیں سیول اختیارات دیے جائیں۔ ۶۔ جن لوگوں نے قبل پندرہ سال پولیٹیکل جرائم کیے ہیں اور ان کا پتہ نہیں ہے اب ان پر جرم عائد نہ ہوگا۔ ۷۔ جو پولیٹیکل مجرم روس سے بیرونجات کو بھاگ گئے ہیں اگر وہ پھر اعادہ چاہیں تو وزیر داخلہ سے درخواست کریں۔ ۸۔ فن لینڈ کی باقیات مال گزاری و ٹیکس بابت ۱۹۰۴ء جو شہنشاہ زادہ کی پیدائش تک ادا نہیں کیے گئے وہ سب معاف کیے گئے اور وہاں کے کاشتکاروں کو جو نقد روپیہ یا غلہ دیا گیا اس میں سے ایک چوتھائی معاف ہوگا۔ ۹۔ موضعوں اور قصبوں پر اپنی طرف سے لوگ منتخب نہ کرنے کی علت میں جو جرمانہ کیا گیا تھا وہ بھی معاف کر دیا گیا۔ ۱۰۔ جو لوگ بغیر منظوری فن لینڈ سے چلے گئے تھے ان کو ایک سال کے اندر واپس آنے کی اجازت دی گئی۔ ۱۱۔ ان میں سے جو لوگ ملازم فوج تھے وہ فوراً واپس آکر حکام فوجی کو رپورٹ کریں۔ ان کو سزا نہ دی جائے گی۔ ۱۲۔ فوجی کاموں سے گریز کرنے کے جرم میں خاندان پر جو جرمانہ ہوا تھا۔ ان کو سزا نہ دی جائے گی۔

معاہدہ تبت و برٹش: ۱۲ر ستمبر ۱۹۰۴ء۔ برٹش گورنمنٹ اور تبت کے مابین حسب ذیل عہدنامہ ہوا۔

۱۔تبت پابند ہوگا کہ مقامات ینگ گیانتسی اور گرٹوک میں بازار قائم کرے۔ ۲۔تبت نصف ملین اسٹرلنگ تاوان جنگ ادا کرے۔ اس کی سالانہ تین اقساط ہوں گی۔ ۳۔برٹش فوج وادی چمبی پر اس وقت تک رہے گی جب تک کہ تاوان جنگ ادا نہ ہو۔ ۴۔برٹش گورنمنٹ کی رضامندی کے بغیر کوئی غیر سلطنت تبت کے کسی علاقہ پر قبضہ نہ کرے گی، نہ کسی سلطنت کو اس کا پٹہ دیا جائے گا۔ ۵۔کوئی غیر سلطنت معاملات تبت میں دست اندازی نہ کرے گی۔ نہ کوئی سڑک یا ریلوے یا تار برقی قائم کرے گی اور نہ کوئی کان کھدوائے گی۔

گھڑی کی ایجاد: ۱۱؍اکتوبر ۱۹۰۴ء۔ پیٹر ہیلے نے ۱۵۴۰ء میں گھڑی کی ایجاد کی تھی جس کی یادگار مقام نیورمبرگ میں قائم ہونے والی ہے۔

سلطنت روس: ۲۷؍نومبر ۱۹۰۴ء۔ نکولس دویم شہنشاہ حال روس کے زیر حکومت براعظم یورپ کا نصف مشرقی حصہ اور براعظم ایشیا میں نصف سے کچھ کم شمالی حصہ ہے۔ اس وسیع سلطنت کی لمبائی شرقاً غرباً تخمیناً پانچ ہزار میل ہے اور عرض شمالاً جنوباً قریباً ایک ہزار تین سو بیس میل کے ہے۔ کل سلطنت کا رقبہ ۸۶ لاکھ مربع میل ہے یعنی کل روئے زمین کا ایک ششم حصہ زیر حکومت شاہنشاہ روس ہے۔ آبادی اس عظیم الشان سلطنت کی ۱۲ کروڑ ہے۔ بحالت جنگ بری فوج کی تعداد ۲۵ لاکھ اور سواروں کی تعداد ۲۵ لاکھ ۷۰ ہزار ہے۔ روسی عموماً بلند قامت مضبوط و جری ہوتے ہیں۔

شہزادہ کابل: ۲۵؍دسمبر ۱۹۰۴ء۔ سردار عنایت اللہ خاں خلف اکبر امیر حبیب اللہ خاں والی کابل براہ لاہور، الہ آباد روانہ کلکتہ ہوئے جہاں لارڈ کرزن صاحب وائسرائے ہند سے ۲۷؍دسمبر کو ملاقات کریں گے۔ سردار صاحب کی عمر ۱۶ سال ہے، اور پانچ سو افغان ان کے ساتھ ہیں اور کل خرچہ ان کی آمد و شد کا گورنمنٹ برداشت کرے گی۔

۵؍جنوری ۱۹۰۵ء۔ سردار عنایت اللہ خاں خلف اکبر امیر حبیب اللہ خاں والی کابل ہندوستان سے واپس گئے اور لارڈ کرزن صاحب وائسرائے ہند نے بمقام کلکتہ ان کی بہت خاطر مدارت کی اور گورنمنٹ نے کل صرف ان کی آمد و شد ہندوستان کا اپنے ذمہ برداشت کیا۔

راتشچائلڈ: یکم جنوری ۱۹۰۵ء۔ راتشچائلڈ انگلستان میں ایک مشہور مہاجن ہے۔ اس کے تمول کو بعض سلطنتیں بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ اس کی منٹوں کی آمدنی لاکھوں شمار کی گئی ہے۔ جو نصائح اس نے اپنے خاندان کو کیے ہیں وہ غور کے قابل ہیں۔

۱۔اپنے کاروبار کے ہر جزو پر نہایت احتیاط کے ساتھ غور کرو۔ ۲۔ہر کام کو بہ مستعدی انجام دو۔ ۳۔ہر ایک معاملہ کا بعد غور کامل فیصلہ ناطق کرو۔ ۴۔اس قسم کی کوشش کرتے رہو جو باعث ترقی ہوں۔ ۵۔جو مصائب و تکالیف پیش آویں ان کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرو۔ ۶۔راست بازی کو مقدم سمجھو۔ ۷۔تاقیام زندگی ہر کام میں

کوشش وسعی تبلیغ کرتے رہو۔ ۸۔ کاروباری معاملہ میں ہرگز جھوٹ نہ بولو۔ ۹۔ لوگوں سے فضول ملاقات نہ کرو۔ ۱۰۔ اپنا فرض بہ مستعدی ادا کرو۔ ۱۱۔ اپنے اوقات عمدہ کاموں میں صرف کرو۔ ۱۲۔ جو امور اتفاقی پیش آئیں ان کا زیادہ مت خیال کرو۔ ۱۳۔ اپنے متعلقہ کاموں کو نہایت محنت و مستعدی کے ساتھ انجام دو۔

جنگ روس وجاپان: ۱۸ر فروری ۱۹۰۵ء۔ جاپانی روس کو منچوریا میں برابر شکست پر شکست دے رہے ہیں۔ پورٹ آرتھر ان سے چھین لیا اور 'مکڈن' میں بھی شکستیں دے رہے ہیں۔ ادھر سے سینٹ پیٹرس برگ، دارالخلافت روس 'وارسا' 'طفلس' وغیرہ میں لاکھوں آدمی بلوہ کر رہے ہیں۔ حضرت شہنشاہ روس محل میں چھپے ہیں۔ فوجیں بلوائیوں کا مقابلہ کر رہی ہیں جس کی وجہ سے زائد فوجیں واسطے مقابلہ جاپان کے منچوریا نہیں جاسکتی ہیں۔ ۸۔ فروری ۱۹۰۴ء کو جنگ شروع ہوئی تھی اور ہنوز برابر قائم ہے۔ جنرل اسٹوسل پورٹ آرتھر سے اس شرط کے ساتھ رہا ہوئے کہ وہ آئندہ کسی جنگ میں جاپانیوں کے مقابلہ میں نہ آئیں گے اور جنرل کروپٹکن 'مکڈن' میں شکستیں کھا رہے ہیں جو گورنمنٹ روس سے وعدہ کر کے آئے تھے کہ جاپانیوں کو سمندر میں ڈبو دوں گا۔

۱۶ر مارچ ۱۹۰۵ء جاپانیوں نے مکڈن واقع منچوریا کو روسیوں سے چھین لیا۔ اس لڑائی میں دو لاکھ روسی فوج قتل ہوئی اور چار ہزار مقید اور پانچ سو توپیں علاوہ بہت سے سامان رسد وغیرہ کے جاپانیوں کے ہاتھ آئیں۔ جنرل کروپٹکن جو جاپانیوں کو شکست دینے کے واسطے روس سے آئے تھے انھوں نے شہنشاہ روس کو درخواست دی ہے کہ ان کی جگہ پر کوئی دوسرا جنرل بھیجا جاوے۔ اب ان کے آرام کرنے کے دن ہیں۔

صلح کابل: ۲۷ر مئی ۱۹۰۵ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ سفارت مسٹر ڈین صاحب کابل کو گئی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرائط صلح تمام بدستور وہی قائم رہے جو امیر عبدالرحمان خاں مرحوم والی کابل کے عہد میں طے ہوئے تھے اور امیر حبیب اللہ خاں والی کابل کو گورنمنٹ ہند نے خطاب عطا کیے: ہز مجسٹی خود مختار دولت افغانستان۔

ایک عورت: ۲۱ر جولائی ۱۹۰۵ء۔ شہر 'کیوبا' (امریکہ) میں ایک عورت جس کی عمر ۳۰ سال اور قد ۲۶ انچ کا ہے اس کا نام 'جیکوڑا' ہے۔ حالت نوعمری میں اس کے سونے کے لیے معمولی ڈبے کے برابر پلنگ کافی ہوتا تھا۔ اس عمر میں بھی اس کے پیر آٹھ مہینہ کے اوسط قد کے بچے کے برابر ہیں۔ اگرچہ بہت پست قد ہے۔ مگر بدن کے کل عضو سڈول ہیں۔ اس کو گانے بجانے کا بہت شوق ہے۔ بائیسکل پر خوب سواری کرتی ہے۔

جہاز پر متلی: ۲۱ر جولائی ۱۹۰۵ء۔ جہاز کی سواری میں اکثر آدمیوں کو متلی ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ایک آنکھ میں پٹی باندھ لی جاوے تو جلد آرام ہو جاتا ہے (از اودھ اخبار)

صلح روس و جاپان: ۸ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ پورٹسماوتھ واقع امریکہ میں ۵ ستمبر ۱۹۰۵ء کو روسی اور جاپانیوں کے مابین صلح نامہ پر دستخط ہو گئے اور لڑائی ختم ہو گئی۔ شرائط صلح نامہ ۳ ستمبر کی تاریخ میں درج ہیں جو بوجہ طوالت نظر انداز کیے گئے (ہاشمی)

جاپان میں اخبارات: ۲۸ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ ابتداءً جاپانی اخبار ۱۸۶۲ء میں جاری ہوا تھا جس کو ۴۴ سال کا زمانہ ہوا اور اب جاپان میں ایک ہزار پانچ سو اخبار اور رسالے روزانہ نکلتے ہیں۔

متفرقات معلومات: ۴ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ آلپین بنانے کا سب سے بڑا کارخانہ 'برمنگھم' واقع انگلستان میں ہے جہاں ہر روز تعطیل وغیرہ کا زمانہ چھوڑ کر ۲ کروڑ ۷ لاکھ آلپینیں تیار کی جاتی ہیں۔ نیوزی لینڈ کے جنوب میں جزائر کا ایک مجمع جو سات بہنیں کہلاتا ہے اس میں ہمیشہ بارش ہوا کرتی ہے۔ سمندر کا پانی نہایت ہی مقوی جگر، معدہ و گردہ ہوتا ہے۔

روس میں بغاوت: ۱۸ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ روسی سلطنت کے ہر صوبہ میں غدر و فساد تو ہو ہی رہا تھا اب فوج بحری روسی نے بھی بغاوت شروع کر دی ہے۔ چنانچہ اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ روسی فوج بارمن نے بھی غدر کر دیا اور شہر مذکور کو لوٹ و جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ بد اقبالی نکولس دوئم شہنشاہ روس کی ہے۔

آبادی جرمنی: ۲۲ مارچ ۱۹۰۶ء۔ سلطنت جرمنی کی آبادی مردم شماری کے لحاظ سے ۶ کروڑ ۶ لاکھ ۸۲ ہے۔

اسپین: ۵ جون ۱۹۰۶ء۔ ۳۱ مئی ۱۹۰۶ء کو شاہ الفانسو اسپین کی شاہزادی اینا (انگلستان) سے شادی ہوئی۔ جب جلوس گرجا گھر سے ایوان خاص کو چلا تو کسی بدمعاش نے ایک گول چمکدار فولاد کا پھینکا جو شاہ کے گھوڑوں کے نیچے گر کر پھٹا۔ گاڑی شاہی کے پہیوں کو سخت نقصان پہنچا۔ گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ تین افسر سات سپاہی اور پانچ تماشائی ہلاک ہوئے اور ایک سو آدمی سخت مجروح ہوئے۔ تحقیقات ہو رہی ہے۔ شاہ اور ان کی بیگم محفوظ رہیں۔

شہد کی مکھیوں کے چھتے: ۶ نومبر ۱۹۰۶ء۔ اسپین میں شہد کی مکھیوں کے چھتے سولہ لاکھ تیرہ ہزار تھا۔ ان میں سے ۱۹ ہزار من شہد نکلتا ہے۔ (اردو اخبار مورخہ امروزہ)

امیر کابل: ۶ جنوری ۱۹۰۷ء۔ امیر حبیب اللہ خاں والی کابل بعزم سیاحت ہندوستان ۲ جنوری ۱۹۰۷ء لنڈی کوتل سرحد ہندوستان میں داخل ہوئے۔ ان کے ہمراہ گیارہ سو آدمی سوار و پیدل ہیں۔ امیر کی بہت خاطر مدارات ہو رہی ہے اور جب وہ ۳ جنوری سن الیہ کو داخل پشاور ہوئے تو ان کے قدموں کے پاس اکیس ہزار کی تھیلیاں منجانب گورنمنٹ بطور نذرانہ رکھی گئیں۔ امیر نے قبول کیا۔

وفات شاہ ایران: ۱۱ جنوری ۱۹۰۷ء۔ ۸ جنوری ۱۹۰۷ء کو وقت ۱۱ بجے رات کو مظفر الدین شاہ بادشاہ ایران نے قضا کی

<u>امیر کابل</u>: ۱۳ر جنوری ۱۹۰۷ء - امیر حبیب اللہ خاں والی کابل اب بادشاہ قرار دیے گئے ہیں اور ہمارے شہنشاہ نے ان کو خطاب ’ہز میجسٹی‘ کا عطا کیا ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں اور اسی مضمون کا انھوں نے تار بھی بمقام ’لنڈی کوتل‘ دیا تھا جس میں لقب ہز مجسٹی درج تھا - امیر کابل قبل تشریف آوری آگرہ کے اول ۸ر جنوری کو بمقام ’سرہند‘ علاقہ پٹیالہ کو اس غرض سے تشریف لے گئے کہ حضرت امام ربانی یعنی مجدد الف ثانی کے مزار پر فاتحہ پڑھیں جو مقام ’سرہند‘ سے دو میل فاصلہ پر واقع ہے - یہ ایک کابلی بزرگ ہیں جو شہنشاہ اکبر کے عہد سلطنت میں ہندوستان تشریف لائے تھے - اوّلاً ان کی شہنشاہ نے بہت قدر و منزلت کی لیکن وہ مذہب شاہ پر معترض ہوئے تو ان کی وقعت فی الجملہ گھٹ گئی - بعد انتقال شہنشاہ اکبر جہانگیر شاہ کا زمانہ آیا تو اراکین سلطنت کی شکایتوں پر پیر صاحب قلعہ گوالیار میں چند سال کے واسطے قید کر دیے گئے - تھوڑے عرصہ کے بعد جب سلطنت میں کچھ بے قراری پیدا ہو گئی تو جہانگیر نے نہایت اعزاز کے ساتھ حضرت کو قید سے رہائی دے کر اپنے پاس بلا لیا اور خود بھی مرید ہو گئے اور تقریباً تیرہ ہزار آدمی اراکین سلطنت میں سے جو مخالف تھے وہ سب کے سب پیر صاحب کے مرید ہو گئے اور ہر ایک حکم ان کا بطیب خاطر بجا لایا گیا - حضرت مجدد الف ثانی نے اسی زمانہ میں پیشین گوئی کی تھی کہ آئندہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب درّانی قوم کے افغان تخت کابل پر مسلط ہوں گے - چونکہ امیر حبیب اللہ خاں درّانی نسل سے ہیں لہٰذا جب وہ ہندوستان کو تشریف لائے تو انھوں نے حضرت صاحب کے مزار پر جا کر نہایت عقیدت کے ساتھ فاتحہ خوانی فرمائی -

۱۰ر جنوری ۱۹۰۷ء - اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر حبیب اللہ خاں امیر کابل جو ہندوستان تشریف لائے ہیں منجانب برٹش گورنمنٹ ان کی بہت بڑی خاطر داری اور اعزاز ہو رہا ہے جیسا کہ کسی اور نے کسی دوران کے ماسبق کا نہیں کیا - بمقام آگرہ لفٹیننٹ گورنر اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ و لارڈ منٹو گورنر جنرل وائسرائے ہند نے بڑی بڑی دعوتیں کیں جس سے امیر بہت خوش ہوئے اور ایک موٹر کار گاڑی قیمتی تین ہزار ان کی نذر کی گئی اور لارڈ منٹو نے امیر کو معزز تمغہ پہنایا -

۱۹ر جنوری ۱۹۰۷ء - امیر حبیب اللہ خاں کا یادگار حکم : چونکہ نماز عید الاضحیٰ امیر صاحب جامع مسجد دہلی میں پڑھیں گے لہٰذا دہلی کے مسلمانوں نے چاہا کہ ایک سو گائیں قربانی کریں - جب امیر صاحب کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انھوں نے حکم دیا کہ ہم ہندوستان کو بنا بر سیر و تفریح آئے ہیں نہ کسی فریق کے دل دکھانے کو ہم یہ نئی بات جس سے اہل اسلام و اہل ہنود کے اکثر جھگڑے ہوتے ہیں ناپسند کرتے ہیں اور بجائے اس کے اگر مسلمان بکرے

ذبح کریں گے تو باعث ہماری خوشی کا ہوگا۔ چنانچہ اب یہی ہونے والا ہے۔ اہل ہنود اس بات سے بہت خوش ہوئے اور جابجا کومیٹیاں کر کے اظہار خوشی کے تار امیر صاحب کی خدمت میں بھیج رہے ہیں۔

۲۲ر جنوری ۱۹۰۷ء۔ ۱۶ر جنوری کو امیر حبیب اللہ خاں امیر کابل علی گڑھ میں تشریف لائے اور کالج علیگڑھ کو غور و خوض کے ساتھ دیکھ کر نسبت تعلیم مذہبی کے واقفیت حاصل کی اور خوش ہوئے اور مبلغ بیس ہزار روپے بنا بر اعانت کالج مرحمت فرمائے اور چھ ہزار روپیہ سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔

۲۹ر جنوری ۱۹۰۷ء۔ ۲۵ر جنوری کو امیر حبیب اللہ خاں نے نماز عید الاضحی مسجد عیدگاہ دہلی میں پڑھی اور نماز جمعہ جامع مسجد میں۔ ۷۵ ہزار آدمی شریک نماز تھے۔

شاہ ایران: ۲۰ر فروری ۱۹۰۷ء۔ شاہ مظفر الدین متوفی ایران کے بجائے محمد علی مرزا تخت نشین ہوئے۔

امیر کابل: ۱۹ر مارچ ۱۹۰۷ء۔ امیر حبیب اللہ خاں امیر کابل کے ہندوستان میں تشریف لانے سے افغانستان کے متعصب فرقے بہت ناراض ہوئے ہیں اور جن خاص امور پر اعتراض ہے وہ یہ ہیں کہ امیر نے انگریزی افسروں کے ساتھ کھانا کھایا۔ ان سے بہت اظہار دوستی کا کیا۔ یوروپین لباس اختیار کیا اور بہت انگریزی چیزیں مول لیں۔ ایک مل کا تمام سامان خرید کیا۔ کلکتہ میں امیر فرامشن ہو گئے۔ جلال آباد کے قریب ضلع لاغمان میں ملاؤں کا ایک بہت بڑا جلسہ ہوا اور اشتعال طبع دلانے والی تقریریں کی گئیں اور یہ الزام لگایا گیا کہ امیر نے فرامشن ہو کر اپنا مذہب بدل دیا۔ بعض غالی ملاؤں نے یہ بھی کہا کہ اب وہ ہم پر قابل حکمرانی نہیں۔ اس جلسہ کو سردار عنایت اللہ خاں خلف اکبر امیر حبیب اللہ خاں نے منتشر کر دیا۔

شاہ ایران: ۲۰ر مارچ ۱۹۰۷ء۔ محمد علی شاہ بادشاہ ایران مظفر الدین شاہ مرحوم کے خلف اکبر ہیں جن کی عمر ۳۴ سال ہے۔ ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی شادی ملکہ جہاں خاتون وزیر جنگ کی بیٹی سے ہوئی۔

شاہ پرتگال: ۷ر فروری ۱۹۰۷ء۔ آج کے روزانہ اخبار سے معلوم ہوا کہ شاہ کارلوس پرتگیز اور ان کے بیٹے ولی عہد اور ملکہ پرتگیز گاڑی پر سوار جا رہے تھے اور ان کا چھوٹا بیٹا مینول گاڑی پر سوار تھا۔ آتش مخصوص گاڑی پر چڑھ کر ریوالور سے شاہ اور ولی عہد کو گولیاں ماریں۔ الاعرف ملکہ اور ان کا چھوٹا بیٹا محفوظ رہا۔ قاتل گرفتار ہو کر قتل کیے گئے۔

وزیر اعظم انگلستان: ۱۱ر اپریل ۱۹۰۸ء۔ ۸ر اپریل ۱۹۰۸ء کو مسٹر کیمبل بنرمن نے بوجہ علالت خود عہدہ وزیر اعظم لندن میں استعفا داخل کر دیا اور بجائے ان کے مسٹر اسکویتھ وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

افغانستان: ۹ر جون ۱۹۰۸ء۔ مہمندوں کو برٹش گورنمنٹ کی فوج نے گوشمالی واجب دی جس سے

انھوں نے اطاعت قبول کی اور جرمانہ بھی ادا کیا جنرل الکاکس فوج کے اعلا افسر تھے جن کی ہدایت سے فوج لڑی اور بہت بڑی کامیابی ہوئی۔

سلطان روم: ۲۶ اگست ۱۹۰۸ء سلطان عبد الحمید خاں نے قسطنطنیہ میں اپنی گورنمنٹ قائم کی اگرچہ بعض وزرار اس کے خلاف تھے لیکن سلطان نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور ان کو موقوف کرکے جدید وزرار مقرر کیے لیکن عموماً سلطان کی مکمل رعایا نے اظہار خوشی کا کیا اور یوروپین بادشاہ بھی پارلیمنٹ قائم ہونے سے بظاہر رضامند و خوش ہیں۔

عرب میں ریل: یکم ستمبر ۱۹۰۸ء۔ آج کی تاریخ سے مقام دمشق تا مدینہ منورہ ریل جاری ہوگئی۔ اب حجاج کو وہاں جانے میں بہت آسانی ہوگی۔ اور اس ریل کے جاری ہونے سے عموماً کل باشندگان ہندوستان وغیرہ جہاں مسلمان رہتے ہیں بڑی خوشی اور جشن منائے گئے۔

ایران میں غدر: ۲۰ ستمبر ۱۹۰۸ء۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت ایران میں غدر ہو رہا ہے۔ بادشاہ ایران آئینی حکومت کو پسند نہیں کرتے اور رعایا اسی کی خواستگار ہے۔ لہٰذا رعایا اور بادشاہ میں بمقام تبریز سخت لڑائی ہوئی اور برابر خوں ریزی ہو رہی ہے۔ دیکھا چاہیے کہ اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔

ترکی میں آئینی حکومت: ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۸ء کو ترکی میں آئینی حکومت قائم ہوئی اور پارلیمنٹ کا انعقاد ہوا اور باقاعدہ گورنمنٹ قرار دی گئی۔

وفات شاہ چین: ۱۷ نومبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ ۱۴ نومبر کو شاہنشاہ چین نے اور ۱۵ نومبر کو بیوہ شاہنشاہ چین نے انتقال کیا۔

۲۰ نومبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۱۶ نومبر ۱۹۰۸ء کو پونے دو سالہ فرزند پرنس چین شاہنشاہ پرنس جن ریجنٹ سلطنت چین مشتہر ہوئے کیونکہ شاہنشاہ اور بیوہ شاہنشاہ بیگم نے ۱۴، ۱۵ نومبر سن الیہ کو انتقال کیا تین ہزار برس پہلے جو جو رسوم و اعمال کیے جاتے تھے وہی شاہنشاہ اور بیگم شاہنشاہ کے وقت عمل میں آئے۔

ترکی: ۱۳ دسمبر ۱۹۰۸ء۔ سلطان ترکی نے ۱۷ دسمبر ۱۹۰۸ء کو پارلیمنٹ کا افتتاح کیا اور دستوری انتظام کے آغاز سے اپنی مسرت ظاہر کی۔

انگلستان میں برف باری: ۴ جنوری ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ برطانیہ عظمیٰ میں طوفان برف کا ایک تاریخی واقعہ ہے۔ ۱۹ ڈگری فارن ہیٹ تک پستہ ہیں۔

ترکی: یکم مئی ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء کو عبد الحمید خاں سلطان روم

حسب فتوی شیخ الاسلام تخت سے اتار دیے گئے کہ انھوں نے احکام شرع شریف کے خلاف کیا اور بے گناہوں کا خون بہایا اور رشید آفندی ان کے چھوٹے بھائی کو جن کی عمر ۶۵ سال کی ہے بلقب محمد پنجم تخت نشین کیا۔ سلطان عبدالحمید کی عمر ۶۸ سال کی ہے۔ انھوں نے ۳۳ برس حکومت کی۔ ان کا منشایہ تھا کہ پارلمنٹ بھی قائم ہو اور میرا بھی اختیار رہے۔ اس وجہ سے بڑا کشت وخون ہوا۔ سلطان عبدالحمید خاں مع گیارہ بیگمات و دو چھوٹے بیٹوں کے سلونیکا کو منتقل ہوئے اور بہ حالت جلاوطنی وہیں سکونت گزین ہوں گے۔ ۲۹ اپریل کو سلونیکا بھیجے گئے ہیں۔

یکم جون ۱۹۰۹ء۔ ۲۰ جون ۱۹۰۹ء سلطان عبدالحمید کی ذاتی دولت پانچ کروڑ پونڈ ہے جو معرض ضبطی میں آوے گی اور مصارف سلطنت میں صرف ہوگی۔

ایران: ۲۱ جولائی ۱۹۰۹ء۔ ۱۷ جولائی ۱۹۰۹ء کو شاہزادہ ولی عہد سلطان احمد مرزا فرزند دویم شاہ ایران شہر یار ہوئے اور فرقہ نیشنلسٹ کے خوف سے جس کے سرگروہ ستار خاں ہیں محمد علی شاہ ایران نے روسی سفارت خانہ میں پناہ لی۔

ترکی: ۲۹ جولائی ۱۹۰۹ء سلطنت قسطنطنیہ کی پارلیمنٹ نے چودہ ہزار تین سو چھہتر روپیہ مشاہرہ سلطان معزول عبدالحمید خاں کا مقرر کیا۔

باورچی خانہ شاہ روس: ۱۹ اگست ۱۹۰۹ء شاہنشاہ روس کے باورچی خانہ میں ۴۰ عدد نقرئی کڑاھیاں ہیں جن کی ہر ایک کی قیمت ۴۰ پونڈ ہے۔ شاہنشاہ روس کا میر سامان ایک فرانسیسی شخص ہے جس کے ساتھ مثل ایک شریف آدمی کے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس کو تلوار باندھنے کا اختیار ہے۔ اس کی تنخواہ چھ ہزار چار سو پونڈ سالانہ ہے۔ اس کی ماتحتی میں چھ اور آدمی کام کرتے ہیں جن کی تنخواہیں تین ہزار پونڈ سے بارہ ہزار پونڈ سالانہ تک ہے۔

شاہ ایران: ۲۴ نومبر ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ محمد علی شاہ معزول بادشاہ ایران ۶ ستمبر ۱۹۰۹ء کو خارج البلد ہوئے۔

وفات ایڈورڈ ہفتم: ۸ مئی ۱۹۱۰ء آج کے پانیر سے واضح ہوا کہ ایڈورڈ ہفتم بادشاہ انگلستان اور ہمارے شہنشاہ معظم نے ۶ مئی ۱۹۱۰ء کا دن گزار کے رات کو گیارہ بج کے ۴۵ منٹ پر بعارضہ انفلوئنزا انتقال کیا۔ عمر ۷۰ سال تھی۔ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں قحط و زلزلہ و طاعون اور ہر قسم کی پریشانیاں زیادہ لاحق رہیں۔

مصارف تدفین شاہان: ۹ اگست ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم وغیرہ کی لاش دفن کرنے میں حسب ذیل خرچ ہوا۔

شہنشاہ ایڈورڈ۔ ۴۰ ہزار پونڈ، ملکہ وکٹوریہ۔ ۲۵ ہزار پونڈ۔ قیصر جرمنی ولیم۔ ۵۶ ہزار پونڈ منجانب

اہل جرمنی و گورنمنٹ جرمنی کی جانب سے ایک لاکھ اسی ہزار پونڈ ڈیوک آف ولنگٹن۔ ایک لاکھ پونڈ نیلسن کی لاش اٹھانے میں ۵۰ ہزار پونڈ۔

آبادی نیویارک: ۶ ستمبر ۱۹۱۰ء۔ حال میں جو مردم شماری نیویارک میں ہوئی اس کی تعداد ۴۵ لاکھ ۲۶ ہزار آٹھ سو تیراسی ہے۔ دس برس میں ۱۲ لاکھ ۲۹ ہزار ۲۹۱ آدمیوں کا اضافہ ہوا۔

جاپان میں طوفان: ۷ ستمبر ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ ٹوکیو اور اس کے گردونواح میں جو فی الحال سیلاب آیا تھا اس کے نقصانات جان و مال کا اندازہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ ایک ہزار ایک سو آدمی معقود الخبر ہیں ۲۔ ایک لاکھ اکیاون ہزار چھ سو پینتیس مکان سیلاب میں ڈوب گئے ۳۔ پینتیس ہزار نو سو تریسٹھ مکان بہہ گئے ۴۔ چار سو ننانوے پل دریاؤں کے کچھ مسمار ہوئے اور چار سو اٹھارہ پل بہہ گئے ۵۔ ایک سو پندرہ مکانات کی زمین شق ہو گئی۔

ایران: ۲۲ ستمبر ۱۹۱۰ء سلطان احمد مرزا خلف محمد علی شاہ ایران نے وفات پائی۔

پرتگال: ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۰ء — پرتگال میں جمہوری سلطنت قائم ہو گئی اور شاہ ... الفانسو جہاز پر سوار ہو کر لندن وغیرہ کی طرف جان بچانے کو چلے گئے۔

تاج کی قیمت: ۲۸ نومبر ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ شاہ پرتگال کے تاج کی قیمت ۳ کروڑ روپیہ کہی جاتی ہے اور شہنشاہ روس کے تاج کی قیمت ۲½ کروڑ روپیہ ہے۔ شہنشاہ جارج پنجم کے تاج میں چھوٹے بڑے ۱۳۶۰ سفید ہیرے ہیں اور ۱۲۷۳ رنگین الماس جڑے ہوئے ہیں۔ چار بڑے موتی ایک لعل اور ایک بڑا نیلم لگا ہوا ہے۔ ۱۶ چھوٹے نیلم، ۲۶۵ چھوٹے موتی، ۱۸ بڑے مروارید اور چار پنے بھی اس میں لگے ہیں۔ ... کے تاج کی قیمت کا اندازہ ۲ کروڑ روپیہ کیا جاتا ہے جس میں کوہ نور کی قیمت کا حساب نہیں لگایا گیا ہے۔

ولی عہد جرمنی: یکم جنوری ۱۹۱۱ء۔ آج کل ولی عہد جرمنی ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیاحت فرما رہے ہیں اور ہماری گورنمنٹ ان کا ہر قسم کا اعزاز و دعوت و تواضع فرما رہی ہے کہ وہ وکٹوریہ آنجہانی کے نواسے ہیں۔

آبادی جرمنی: ۲۷ فروری ۱۹۱۱ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ دسمبر ۱۹۱۰ء میں مردم شماری ملک جرمنی کی ہوئی تھی اس کی تعداد چھ کروڑ اڑتالیس لاکھ چھیانوے ہزار ہے۔ ۱۹۰۵ء میں مردم شماری ملک مذکور کی چھ کروڑ اکتالیس لاکھ تھی۔ اس چار پانچ سال کے عرصہ میں بیالیس لاکھ چھپن ہزار کی زیادتی ہوئی۔

باب چہارم

مقامی حالات لکھنؤ ہردوئی وغیرہ کے

وبائے ہیضہ: ۲۵ر جولائی ۱۸۶۷ء۔ آج ریڈ صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی وارد سندیلہ ہوئے اور انھوں نے حکم قطعی صادر کیا کہ ایک محلہ کا آدمی دوسرے محلہ میں نہ جاوے بلکہ جابجا راستوں میں پہرے تلنگوں کے مقرر کردیے اور کیفیت یہ ہے کہ چھ سات آدمی روزمرہ مرتے ہیں۔ انگریزی ڈاکٹر ہردوئی سے آیا وہ ہر مریض کو دیکھنے جاتا ہے اور علاج کرتا ہے۔

۳۰ر جولائی ۱۸۶۷ء۔ خلائق سندیلہ شدت وبا سے از حد پریشان ہے بعض لوگ بیرونجات کو چلے گئے ہیں تقریباً ۲۵ر آدمی روز ہیضہ سے مرتے ہیں۔

۳۰ر اگست ۱۸۶۷ء۔ سندیلہ سے اب ہیضہ بالکل دفع ہوگیا اور لغایت ۷ار اگست قریب چھ سو آدمیوں کے باشندگان سندیلہ سے نذر ہیضہ ہوئے اکثر ان میں قابل یادگار ہیں۔ بابو جوالا پرشاد صاحب ہیڈ ماسٹر (بسواں) کی تحریر سے معلوم ہوا کہ قصبہ خیرآباد میں اس مرتبہ ہیضہ سے ایک ہزار آدمی فوت ہوئے۔

۲۷ر اگست ۱۸۶۷ء۔ آج جناب قاضی وجیہ الدین صاحب نے اعلان کیا کہ عنقریب بلائے آسمانی ہیضہ سے سخت تر آنے والی ہے سب لوگوں کو چاہیے کہ استغفار و توبہ کریں اور خیرات دیویں۔ (یہ بلا نہیں آئی۔ ہاشمی)

رہس: ۲۴ر مئی ۱۸۶۸ء۔ آج شب کو احاطہ آتقی میاں میں منشی فضل رسول صاحب نے ناچ رہس کا کرایا۔ یہ رہس لکھنؤ سے آیا تھا۔ اخیر شب کے جوگن نے بہت لطف دیا۔ مجمع کثیر تھا۔ ایسا ناچ پہلی مرتبہ میرے ہوش میں ہوا۔

۲۵ر مئی ۱۸۶۸ء۔ اس بات سے مجھے سخت ملال ہوا کہ والد کے سیوم کے روز منشی فضل رسول صاحب کے یہاں ناچ کرایا گیا۔ اگرچہ اس محلہ میں تین دن سے زیادہ ماتم داری نہیں ہے لیکن قرابت قریبہ ہرگز مقتضی ایسے جلسہ کی نہ تھی۔

مردم شماری: ۴ر اکتوبر ۱۸۶۸ء۔ تمام ہندوستان میں مردم شماری ہونے والی ہے۔ سندیلہ کے ایک محلہ کا کام مردم شماری محمد کریم خاں تحصیلدار نے مجھے تفویض کیا۔

۱۱ر اکتوبر ۱۸۶۸ء۔ آج نمبر خانہ شماری قصبہ سندیلہ میں دینا شروع ہوئے اکثر رئیس سندیلہ اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔

رہس: ۱۹ر دسمبر ۱۸۶۸ء۔ آج شادی میر ابوالحسن فرزند ڈپٹی محمد حسن 'سنڈائی' کی تھی جس میں رہس لکھنؤ والوں کا

جنا آہر طوائف سندیلہ سے ناچ وغیرہ میں مقابلہ ہوا۔ راس سندیلہ کو ترجیح رہی۔

عملیات: ۱۹ اگست ۱۸۶۹ء۔ آج ہری ہر شاہ فقیر اندرائن (سندیلہ) نے حامد حسین کو طلب کیا اور شاہ 'اندراش' کی قبر کے سامنے انھیں کھڑا کیا۔ کھڑے ہونے کے ساتھ ہی حامد حسین نے غل شور مچایا کہ حسن علی شاہ گوپامئو کا ہوں۔ حامد حسین کے بالوں پر عاشق ہو کر سترہ دن سے ان کے ساتھ رہتا ہوں لیکن اب چھوڑتا ہوں ہرگز نہ آؤں گا۔ غرض کہ ہری ہر شاہ نے حامد حسین کے چہرہ پر کچھ پڑھ کر پھونک ڈالی اور حسن علی شاہ چلے گئے اور حامد حسین صحیح و سالم ہو گئے۔ یہ کیفیت میری چشم دید ہے۔ معلوم نہیں کہ کیا اسرار تھا۔

شکار: ۲۲ فروری ۱۸۷۰ء۔ آج سید فضل حسین (ابن سید فضل رسول) لکھنؤ سے آئے ان سے دریافت ہوا کہ شاہزادہ ایڈنبرا واسطے شکار کے جنگل نیپال کو تشریف لائے۔

وفات علی نقی خاں: ۳۰ نومبر ۱۸۷۱ء۔ نواب علی نقی خاں سابق وزیر اعظم لکھنؤ نے بعارضہ ہیضہ نواب محسن الدولہ لکھنؤ کے مکان پر قضا کی اور لاش ان کی کربلا بھیجی گئی۔

سندیلہ میں ریل: ۱۵ جنوری ۱۸۷۲ء۔ اب انجن ریل مع گاڑیوں محمولہ کارخانہ سڑک ریل کا برابر آمد و شد رکھتا ہے اور کام تعمیر اسٹیشن سندیلہ بہ عجلت ہو رہا ہے۔ ظن غالب ہے کہ ماہ آئندہ سے ریل سندیلہ سے لکھنؤ تک جاری ہو جائے۔

۲۵ جنوری ۱۸۷۲ء۔ اب ریل گاڑی 'سیت' (سندیلہ اور ہردوئی کے درمیان ایک اسٹیشن ہاشمی) تک جاتی ہے۔ آج تفریحاً برخوردار مصطفےٰ علی ہمراہ جان علی خدمتگار 'سیت' تک گئے اور شام کو واپس آئے۔

۲۹ جنوری ۱۸۷۲ء۔ آج بابو ایشر داس اسٹیشن ماسٹر سندیلہ مقرر ہو کر آئے۔ ستر روپے تنخواہ مقرر ہوئی اور اشتہار دیا کہ یکم فروری سے سندیلہ سے لکھنؤ تک ریل جاری ہو گی اور پانچ آنہ کرایہ دینا پڑے گا۔ ٹھیکہ تعمیر اسٹیشن سندیلہ متعلق حسن علی قصاب کانپور کے ہے۔

یکم فروری ۱۸۷۲ء۔ آج سات بجے صبح سواریاں بذریعہ ریل لکھنؤ روانہ ہوئیں۔ دوسری ریل لکھنؤ سے چار بجے آوے گی۔ پانچ آنہ فی کس کرایہ ہے۔

۲ فروری ۱۸۷۲ء۔ آج شیخ فہیم الزماں صاحب و عزیزی بشیر الزماں تفریحاً بہ سواری ریل لکھنؤ گئے۔

۴ فروری ۱۸۷۲ء۔ آج منشی امتیاز الزماں خویش چودھری سرفراز احمد تعلقہ دار 'گُنجہ' (ضلع بارہ بنکی) مع اپنے چھوٹے بھائی محمد زماں کے تفریحاً بہ سواری ریل سندیلہ کو آئے اور دس روپے برخوردار مصطفےٰ علی کو بطور شیرینی دیے۔

۱۵ جولائی ۱۸۷۲ء۔ آج سندیلہ سے ہردوئی تک ریل جاری ہوئی۔ پانچ آنہ تین پائی محصول مقرر ہوا۔

اسی ریل پر برخوردار مصطفیٰ علی میرے پاس 'چونسہ' آئے لہ

<u>ایک لڑکا</u>: ۲۰ر اگست ۱۸۷۲ء۔ شیو چرن عرف بچن فرزند اکلوتا بابو بودھن پال ڈاکٹر شفاخانہ سندیلہ آج ہیضہ وبائی میں مبتلا ہوا اور ۱۰ بجے وفات پائی۔ یہ لڑکا نیک بخت تھا۔ عربی فارسی انگریزی کا میں اچھی لیاقت پیدا کی تھی۔ سب لوگوں کو اسکے انتقال کا افسوس ہوا۔ ڈاکٹر بودھن پال نے اس کی قبر اپنے باغ منصوبہ میں پختہ بنوائی ۔

<u>اولاد میر قاسم علی</u>: ۲ر اکتوبر ۱۸۷۲ء۔ آج میر قاسم علی سوداگر نے بعارضہ پیرانہ سالی انتقال کیا۔ مرحوم اولاد کی طرف سے خوش نصیب تھے اور جب ان کے اولاد ہوئی تو دو لڑکے ایک ساتھ پیدا ہوئے۔ کبھی لڑکا لڑکی۔ اور کبھی دونوں لڑکے۔ ایسا آدمی نگاہ سے کم گزرا ہے۔ اخیر عمر میں منشی فضل رسول صاحب کے وہاں چار روپیہ ماہواری کے نوکر تھے۔ حساب کھنڈسار و دیہات کا لکھا کرتے تھے ۔

<u>ایک بنگالی</u>: ۱۲ر دسمبر ۱۸۷۲ء۔ آج بضرورت کام ریل' کانپور گیا۔ بابو کیلاش چندر مکھرجی سے ملاقات ہوئی ان کا قیام کانپور میں رہتا ہے۔ آدمی طویل القامت و فربہ اندام خلیق ہیں اور تنخواہ ۱۵۰ روپے پاتے ہیں۔ ایسا موٹا تازہ آدمی بنگالی میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا ہے۔

<u>عرس محمد علی شاہ</u>: ۴ر جنوری ۱۸۷۳ء۔ آج شب کو عرس محمد علی شاہ کا حسین آباد (لکھنؤ) میں تھا۔ کرم خاں ملازم حسین آباد کی تحریک سے میں بھی شریک ہوا اور پھاٹک حسین آباد پر بیٹھ کر خوب تماشا دیکھا۔ کیفیت روشنی و آتش بازی نہایت درجہ قابل تعریف ہے۔ میں نے جو سامان اس امام باڑہ میں آرائش کا دیکھا اس کی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔ واقعی محمد علی شاہ نہایت عقیل و تجربہ کار و انجام بیں بادشاہ تھے ان کی یادگار کسی حالت میں مٹ نہیں سکتی ہے

<u>شطرنج</u>: ۱۶ر جنوری ۱۸۷۳ء۔ آج بابو اگھر ناتھ سے دو بازی شطرنج کی میں نے جیتیں۔ آٹھ سال کے بعد آج شطرنج کھیلنے کا اتفاق ہوا۔ باوصف کامیابی میں اپنے نفس پر لعنت کرتا تھا کہ کیوں میں مرتکب ایسے فعل لہو و لعب کا ہوا جو میرے خلاف عادت تھا۔

<u>کینڈی صاحب</u>: یکم فروری ۱۸۷۳ء۔ کینڈی صاحب نے چہار عدد کتب اردو جو میں نے واسطے

لہ چونسہ: تحصیل سندیلہ میں ایک بڑا گاؤں ہے جو ریلوے اسٹیشن اسیت (سندیلہ ہردوئی لائن) سے تین میل پر واقع ہے اور مولوی مظہر علی صاحب کے خاندان منشی سید فضل رسول صاحب کی ملکیت میں تھا۔ مولوی صاحب اس زمانے میں اسیت میں بعہدہ خزانچی ریلوے تعینات تھے لیکن رات کو چونسہ میں جاکر رہتے تھے۔ اسی گاؤں کے نام سے آم کی مشہور قسم 'چونسہ' مشہور ہے۔ جسے منشی فضل رسول صاحب نے بطور قلم لگایا تھا۔ ہاشمی۔ ۲۔ آتش بازی اور روشنی کا ہر سال محرم میں اب بھی ہوتی ہے لیکن اسے عرس نہیں کہا جاتا۔ مولوی صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ یہ محمد علی شاہ نہیں محمد علی بادشاہ اودھ تھے۔ ہاشمی

پڑھنے کے دی تھیں بذریعہ چٹھی مجھ کو واپس کیں۔ لکھا کہ مجھ کو کمال افسوس ہے کہ ان کتابوں کے پڑھنے کا مجھے موقع نہیں ملا اور بہت شکر گزاری ادا کی۔ سچ یہ ہے کہ کینڈی صاحب کو مجھ سے الفت زیادہ تھی۔ کبھی میرے حالات کا مستفسر نہیں ہوتا تھا۔ مجھے ہر نوع کی آزادی حاصل تھی اور میرے ساتھ ایسی خوش اخلاقی سے پیش آتا تھا کہ دوسرے انگریز سے ایسی امید نہیں ہو سکتی۔ مجھے کمال افسوس ہے کہ ایسے حاکم مہربان سے علیحدہ ہوتا ہوں۔

<u>ریل شاہ جہاں پور تک</u>: یکم مارچ ۱۸۷۳ء۔ آج لکھنؤ سے شاہ جہاں پور تک ریل جاری ہو گئی ہے۔ منشی فہیم الزماں صاحب واسطے سیر شاہ جہاں پور کی آج دو بجے کی ریل پر تشریف لے گئے۔

<u>تعزیے</u>: ۹ مارچ ۱۸۷۳ء (۹ محرم ۱۲۹۰ھ)۔ آج ... کچھ تعزیے دیکھ کر سو رہا۔ شکرو ملازم قاضی وجیہہ الدین سے دریافت ہوا کہ اب کے سال ۳۷۵ تعزیے قصبہ ہذا میں رکھے گئے۔

<u>ملازمت ریل</u>: ۳ اپریل ۱۸۷۳ء۔ اس مرتبہ جب سے ریل میں ملازم ہوا ہوں مجھے بالمرہ کی دوا دوش رہتی ہے۔ اگر سواری ریل کی اور بالمرہ نئے نئے لوگوں سے ملاقات ہونے کا موقع نہ ملتا تو شاید یہ نوکری مجھ سے نہ چل سکتی۔

<u>گنگا کا پُل</u>: ۱۱ اپریل ۱۸۷۳ء۔ آج میں کانپور گیا اور گھاٹ دریائے گنگ پر قیام کیا۔ کام تیاری پل گنگا کا بہت مستعدی سے ہو رہا ہے۔ نیوٹن صاحب انجینیر اس کے مہتمم ہیں۔ بہت سی کوٹھیاں گل چکی ہیں اور متصل جرنیل گنج تعمیر اسٹیشن کی تیاری ہو رہی ہے۔

<u>شاہ تقی علی کاکوروی</u>: ۷ جون ۱۸۷۳ء۔ میں آج شب کو شریک عرس شاہ تراب علی صاحب کاکوروی ہوا۔ منڈولی سے دو کوس کا فاصلہ تکیہ کاکوروی کا ہے۔ میں نے دو روپے شاہ تقی علی صاحب و مولوی محمد اکبر صاحب کو نذر دیے اور بارہ بجے رات کو منڈولی واپس آیا۔ شاہ تقی علی صاحب خلیق و مہذب، ذی علم اور زاہد ہیں اور اشغال شبانہ روزی نہایت عمدہ ہیں۔ ایسا بزرگ فی الحال اس نواح میں نہیں ہے۔

<u>باون سبھا</u>: ۲۳ اگست ۱۸۷۳ء۔ آج منڈولی میں جلسہ بابو لوگوں نے قرار دیا۔ شب اوّل میں سور داس نابینا ساکن لکھنؤ نے بہت خوب چکارہ بجایا۔ اس کے بعد ناچ باون سبھا کا ہوا جس سے تمام شب جگنے کا اتفاق ہوا۔ جلسہ عموماً اچھا تھا۔ دو روپیہ چندہ کے میں نے بھی دیے

<u>وفات شاہ تقی علی کاکوروی</u>: ۱۳ ستمبر ۱۸۷۳ء۔ پرسوں شاہ تقی علی صاحب بزرگ کاکوروی نے ایک بجے دن کو رحلت فرمائی۔ یہ بہت بزرگ شخص تھے۔ اس نواح میں ان کے مانند دوسرا نہیں تھا۔ ذی علم، خوش بیان، حالات خاندانی سے واقفیت تام رکھتے تھے۔ بہت بڑے بڑے لوگ کاکوری لکھنؤ و سندیلہ

کے ان کے مرید تھے۔ وفور اخلاق سے لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب جذب کر لیتے تھے۔ سن شریف قریب اسی سال کے ہوگا۔

راجہ فتح چند: ۴؍ اکتوبر ۱۸۷۳ء۔ آج راجہ فتح چند صاحب تعلقہ دار سرون بڑا گاؤں ضلع ہردوئی نے بعمر ۷۰ سال انتقال کیا۔ راجہ صاحب بڑے منتظم تھے۔ مالگزاری سرکار اور تنخواہ ملازمین بوقت وجوب ادا کر دیتے تھے۔ لیکن چونکہ مزاج میں خساست تھی لہٰذا عموماً ان کے جاننے والے علی الصباح ان کا نام نہیں لیتے تھے۔ خزانہ انھوں نے بہت فراہم کیا تھا۔ آخر وقت میں مفلوج و نابینا ہو گئے تھے۔

شب دیگ: ۲۸؍ دسمبر ۱۸۷۳ء۔ آج منشی فہیم الزماں صاحب نے سرفراز علی رکاب دار لکھنؤ سے شب دیگ تیار کرا کے بعض مشاہیر اشراف محولہ مہتوانہ کو طلب کر کے دعوت کی۔ واقعی شب دیگ نہایت نفیس تیار ہوئی تھی اور یہ امر منشی صاحب کی عالی حوصلگی پر دال ہے کہ بلا کسی خاص وجہ کے ایسا صرف گوارہ کر کے ہم لوگوں کو طعام لذیذ سے متلذذ فرماتے ہیں۔

اکرام اللہ خاں: ۱۲؍ فروری ۱۸۷۴ء۔ منشی اکرام اللہ خاں صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع ہردوئی بحصول رخصت دو ماہ بہمراہی تین میاں صاحب رئیس بلگرام روانہ حیدرآباد دکن ہوئے۔ سنا گیا ہے کہ وہاں کسی عہدۂ معزز پر مامور ہوں گے۔

راجہ گوالیار کی طوائف: ۹؍ مئی ۱۸۷۴ء۔ دریافت ہوا کہ راجہ گوالیار اپنی طوائف چندر بھاگا کے لینے کے واسطے لکھنؤ آئے تھے جس نے منشی محمد حسین وکیل سے عقد کر لیا ہے۔ رات کے وقت وکیل کے مکان پر چڑھ دوڑے۔ وکیل صاحب تو بھاگ گئے تھے مگر چندر بھاگا کو گوشمالی معقول دی۔

حاجی وارث علی شاہ: ۳۰؍ جون ۱۸۷۴ء۔ حاجی وارث علی صاحب سے اسٹیشن لکھنؤ پر ملاقات ہوئی۔ ان شاہ صاحب کے بہت لوگ مرید ہیں بلکہ مستورات زیادہ ہیں۔ چودھری امتیاز الزماں صاحب کو عقیدت کمال ہے اور ہر مرید کو میں زیادہ ارادت مند پاتا ہوں۔

ایک انگریز انجینیر: ۳۱؍ اگست ۱۸۷۴ء۔ کینلس صاحب انجینیر کا کوروی اکثر کانپور بہ جلسۂ ناز نیناں رہا کرتے ہیں۔ شاید عنقریب کسی کو پسند کر کے شادی کریں گے۔ جس کی وجہ سے اکثر کاغذات بلا دستخط رہتے ہیں اور کوئی کام اجرا نہیں ہوتا۔

ستی: ۷؍ اپریل ۱۸۷۵ء۔ کل ایک برہمنی موضع رسول پور میں اپنی خاوند کی لاش کے ساتھ ستی ہو گئی۔ بدریافت اس حال کے اہلکار فوجداری و تحصیلدار سندیلہ موقع پر پہنچے اور بعد تحقیقات تیس آدمیوں کو گرفتار کر کے لائے۔

ایک تکیہ کلام: ۱۹ر نومبر ۱۸۷۵ء۔ یعقوب خاں سابق کمیدان عہد شاہی رئیس 'مرزا گنج' نے قضا کی۔ ان کا عہد شاہی میں بہت دور دورہ تھا۔ "میاں کے سر کی قسم" ان کا تکیہ کلام تھا۔ جاہل محض تھے لیکن آدمی خوش نصیب تھے۔ بعمر ۶۵ سال قضا کی۔

جلوس شاہزادہ ویلس: ۶ر جنوری ۱۸۷۶ء۔ آج میں لکھنؤ گیا۔ قیصر باغ میں مقیم ہوا۔ شام کو سواری شاہزادہ ویلس بہادر ولی عہد ملکہ وکٹوریہ معائنہ کی۔ شاہزادہ صاحب بگھی چواسپہ پر سوار تھے۔ ہزارہا خلقت تماشائی تھی۔ عمر تخمیناً ۳۵ سال ہوگی۔

۷۔ جنوری ۱۸۷۶ء۔ آج شاہزادہ ویلس قیصر باغ میں ۹ بجے رات کو تشریف لائے۔ منجانب تعلقہ داران اودھ دعوت بارہ دری قیصر باغ میں ہوئی۔ روشنی و آتش بازی عمدہ تھی۔ ایک تاج مرصع و بکس نقدی وغیرہ قیمتی تیس ہزار روپیہ منجانب تعلقہ داران پیش ہوا جس کو شاہزادہ صاحب نے منظور و قبول فرمایا۔

مسماۃ علیما: ۲۰ر فروری ۱۸۷۶ء۔ میر معصوم علی تھانہ دار سندیلہ نے حسب الحکم رائے شیو سہائے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع ہردوئی کے مسماۃ علیما زوجہ محمد اجمل سے دربارہ تکلیف دہی شوہر وخسر کے دریافت کیا۔ مسماۃ مجیب ہوئی کہ میں اصالتاً ڈپٹی صاحب کے اجلاس میں مقدمہ متدائرہ کی پیروی و جواب دہی کروں گی۔ اس حال سے تمام شرفائے سندیلہ کو تاسف ہوا کہ عورت پردہ نشین کو ایسی جرات ہے کہ جس سے بدنامی و ناموسی متصور ہے۔ خدا غارت کرے۔

۲۷ر فروری ۱۸۷۶ء۔ آج کل ہر گلی و کوچہ میں تذکرہ مقدمہ مسماۃ علیما النسا و محمد اجمل کا ہوتا ہے اور کمال درجہ فضیحتی ہو رہی ہے۔ یہ مقام کمال عبرت کا ہے جس شخص کا باپ عہدۂ صدر اعلیٰ پر بمشاہرہ ۶۰۰ روپیہ ماہواری پر ممتاز ہو اس کی لڑکی بمقابلہ اپنے شوہر کے عدالت میں روبکاری کرتی پھرے۔

۶ر مارچ ۱۸۷۶ء۔ آج مسماۃ علیما النسا کا مقدمہ ہردوئی میں پیش ہوا۔ بیانات قاضی وجیہ الدین صاحب و قاضی عابد علی و مولوی کریم الزماں تحریر ہوئے۔ حکم تاریخ آئندہ پر سنایا جائے گا۔

۹ر مارچ ۱۸۷۶ء۔ مسماۃ علیما النسا کے مقدمہ میں اجلاس رائے شیو سہائے صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع ہردوئی سے حکم مچلکہ لینے پانچ سو روپیہ کا بہ میعاد ایک سال محمد اجمل شوہر مدعیہ سے نافذ ہوا۔ اگر مابین سال کے محمد اجمل پھر اپنی زوجہ کو تکلیف دیں گے تو پانچ سو روپیہ تاوان ان کو دینا پڑے گا۔

ریل گاڑی لڑی: ۳۰ر ستمبر ۱۸۷۶ء۔ آج شب کو عجب اتفاق ہوا کہ بغفلت رام دین کلید بردار اسٹیشن

سندیلہ سے سڑک آہنی قینچ مال گاڑی کی کھلی رہ گئی اور مسافر گاڑی بباعث کھلی ہونے قفل قینچ کے اسی سڑک آہنی پر جس پر مال گاڑی کھڑی تھی چلی آئی اور ایک ضرب شدید مال گاڑی کو دی کہ کل گاڑیاں اس کی اسٹیشن چبوترہ پر چڑھ آئیں اور چند گاڑیاں پٹری سڑک کے نیچے اتر گئیں۔ اس صدمہ سے اکثر مسافر مجروح ہوئے۔ کلیہ بردار مفرور ہو گیا۔ صبح کو بمشکل تمام مسافر گاڑی لکھنؤ کی شاہجہاں پور کو روانہ ہوئی۔ دیکھا چاہیے کہ اس جرم میں کتنے آدمی سزایاب ہوں۔

به سلسلۂ خطاب ملکہ: ۴؍جنوری ۱۸۷۷ء۔ آج منجانب سرکار پنڈت لشمبر ناتھ تحصیلدار سندیلہ لے رضائی و کمل محتاجوں کو تقسیم کیے اور شب کو مدرسہ سرکاری میں طوائفوں کا ناچ ہوا۔ آتش بازی چھوٹی۔ مبلغ پانچ سو روپیہ بہ سلسلۂ خطاب ملکہ معظمہ قیصر ہند تحصیل سندیلہ میں صرف ہوئے۔

ایک نابینا: ۱۸؍فروری ۱۸۷۷ء۔ ایک حافظ نابینا ساکن شہر دہلی وارد مکان منشی عزیز الدین صاحب ہوئے ہیں۔ غزل و قصیدہ اساتذہ سلف کے بہت یاد ہیں اور ان کے گلے میں کچھ ایسی تاثیر پیدا ہے کہ دوسرے شخص کی آواز میں اپنی آواز ملا دیتے ہیں۔

چیچک: ۲۲؍فروری ۱۸۷۷ء۔ سندیلہ میں آجکل چیچک کی شدت ہے اکثر لڑکے اس عارضہ میں فوت ہوئے اور ہو جاتے ہیں۔

انجام آشنائی: ۳۰؍اپریل ۱۸۷۷ء۔ میر تصدق حسین برادر عابد علی نمبردار جمکورہ اور مسماۃ تلشیا خاکروبن زوجہ کالکا خاکروب سندیلہ سے آشنائی تھی۔ آج میر مذکور بخانہ کالکا خاکروب تلشیا سے ملتفت تھے۔ یہ حالت دیکھ کر خاکروب مذکور کو سخت اشتعال طبع ہوا۔ نامبردہ نے تصدق حسین کو بانکہ سے مجروح کیا۔ چند زخم چہرہ پر لگے اور اپنی زوجہ تلشیا اور منیا خوشدامن کو جو محرم راز اس واقعہ کی تھی چند زخم کاری لگائے۔ مقدمہ زیر تحقیقات پولیس ہے۔

قلت بارش: ۱۰؍اگست ۱۸۷۷ء۔ جس مقام پر طوائفان سندیلہ علم لے کر کربلا میں مقیم ہوتی تھیں اور دعا باران رحمت کی کرتی تھیں، شب کو کسی شخص نے بھیٹ[1] کربلا میں آگ لگا دی اور چند بھیٹیں جو ایک دوسرے سے پیوستہ تھیں سوختہ ہو گئیں۔ بے چاری طوائفیں بباعث خوف بحالت سراسیمگی بھاگ کر اپنے اپنے گھر آئیں اور امیدواری بارش میں یہ سوختگی نصیب ہوئی۔

---

[1] بھیٹ اس اونچے ٹیلے کو کہتے ہیں جہاں پان کی کاشت ہوتی ہے یہ ٹیلے عموماً کسی چھوٹے یا بڑے تالاب کے کنارے منتخب کیے جاتے ہیں۔ کربلا سندیلہ میں ایک تالاب اس نام سے موسوم ہے جس کے کنارے عشرۂ محرم کو تعزیے دفن کیے جاتے ہیں (ہاشمی)

۸ اگست ۱۸۷۷ء۔ اگرچہ آج چودہ تاریخ ساون کی ہے لیکن بارش اب تک نہیں ہوئی ہے۔ دوپہر کو ہوا گرم چلتی ہے اور رات کو ایسی گرمی ہوتی ہے کہ جس کی برداشت نہیں ہوسکتی ہے۔

۱۱ اگست ۱۸۷۷ء۔ اب تک مطلقاً بارش نہیں ہوئی۔ روز بروز نرخ غلہ کا گراں ہوتا جاتا ہے۔ جو خریف کاشتکار دلانے بوئی تھی وہ خشک ہوگئی۔ بظاہر آثار خشک سالی پیدا ہیں۔ خدا اپنا فضل کرے۔

۱۲ اگست ۱۸۷۷ء۔ آج کل ایسی گرم ہوا دوپہر کو چلتی ہے جیسے مہینہ بیساکھ یا جیٹھ کا ہو۔ فصل کنوار و اگہن باستثنا اس کے جو کنوئیں پر ہے اور سینچی گئی ہے بالکل نیست و نابود ہوگئی ہے۔

یکم اکتوبر ۱۸۷۷ء۔ ہوا گرم دس بجے صبح سے ایسی تیز چلتی ہے کہ باہر مکان کے نکلنا سخت ناگوار ہوتا ہے اور رات کو مثل چیت و بیساکھ کے سردی ہوتی ہے۔ اس سے اور بھی بارش کی نسبت مایوسی ہے۔

عرس فضل میاں: ۲۲ اکتوبر ۱۸۷۷ء۔ اس مرتبہ حافظ کرم احمد صاحب[1] کے مکان پر عرس جناب فضل میاں مرحوم و مغفور کا بہت بڑے مجمع کے ساتھ ہوا۔ قوالان خیرآباد و لکھنؤ و سندیلہ حاضر جلسہ تھے اور گانا بھی بہت اچھا ہوا۔ حافظ صاحب جس قدر نذریں اپنے مریدوں سے پاتے ہیں سب قوالوں کو دیدیتے ہیں اور خرچہ عرس کا اپنی جیب خاص سے کرتے ہیں۔ واقعی ذات حافظ صاحب نہایت مغتنم ہے۔

قحط: ۱۰ فروری ۱۸۷۸ء۔ بفضل یزداں فصل ربیع بہت خوب ہے اگر کوئی آفت ارضی و سماوی نازل نہ ہوئی تو فصل کنوار و اگہن کی حالت سقیم بخوبی دفع ہوجائے گی لیکن فی الحال لوگ بھوکوں کے مارے مرے جاتے ہیں۔ اگرچہ رئیسان قصبہ ہذا نے کچھ روپیہ بطریق چندہ واسطے تقسیم محتاجوں کے فراہم کیا ہے جس سے نو پائی یومیہ ہر ایک کو تقسیم ہوتی ہے اور چودھری خصلت حسین وتحصیلدار صاحب سندیلہ اس کے مہتمم ہیں لیکن یہ مقدار بباعث گرانی غلہ ان کے واسطے ہرگز کافی نہیں ہے۔

۱۲ فروری ۱۸۷۸ء۔ بباعث گرانی غلہ اعلیٰ و ادنیٰ سب کو پریشانی ہے۔ اکثر آدمی بوجہ فاقہ کشی پہچانے نہیں جاتے۔ بباعث ہجوم محتاجین مجھے اپنی نشست گاہ میں بیٹھنا دشوار ہے۔

حافظ شوکت علی: ۱۶ فروری ۱۸۷۸ء۔ آج حافظ شوکت علی صاحب[2] میرے مکان پر تشریف لائے اور ایک قطعہ دستاویز ہبہ نامہ مورخہ یکم فروری ۱۸۷۸ء بابت موضع "گگرالی" میرے سامنے واسطے گواہی کے پیش کیا میں نے تعمیل حکم کی کی۔ یہ ہبہ نامہ حافظ صاحب نے اپنی اہل خانہ مسماۃ "اما" کو باستثنائے باغات کے تحریر کیا ہے۔

---

[1] حافظ کرم احمد صاحب کے ایک جدی بزرگ جو بڑے خدا رسیدہ تھے (ہاشمی)۔ [2] حافظ شوکت علی صاحب رئیس سندیلہ مولوی مظہر علی کے استاد رہ چکے تھے۔ (ہاشمی)

سید شریف: ۲۹ر اگست ۱۸۷۸ء۔ آج سید شریف میاں سجادہ نشین درگاہ حضرت معین الدین چشتی قدس اللہ سرہٗ اجمیری وارد سندیلہ ہوئے اور درگاہ مخدوم صاحب میں قیام کیا اور میرے واسطے ایک تسبیح، ایک شانہ صندل و قدرے خرما و خاک درگاہ مبارک معرفت اپنے خادم کے بھیجی جس کو میں نے متبرک سمجھ کر لے لیا اور ایک روپیہ ان کی نذر کو دے دیا۔

ٹیڈی: ۱۴ر اکتوبر ۱۸۷۸ء۔ کل سہ پہر کو ٹیڈی بکثرت پورب سے پچھم کو گئی۔ شب کو جہاں بسیرا کرے گی غالباً فصل کنوار نیست و نابود ہو جائے۔

علاقہ فضل رسول: ۲۳ر اکتوبر ۱۸۷۸ء۔ اگرچہ منشی فضل رسول صاحب کا علاقہ کورٹ سے واگزار ہوا ہے لیکن اس کا انتظام کچھ اچھا نہیں ہے۔ قواعد مرتب ہوئے ہیں لیکن ان پر عمل نہیں ہوتا ہے بلکہ ان کے خلاف کارروائی ہوتی ہے۔ مخبری کو زیادہ زور قوت ہے۔

ٹیکس: ۱۳ر فروری ۱۸۷۹ء۔ آج کل ڈپٹی سید محمد اکبر صاحب ہردوئی سے وارد سندیلہ ہیں اور تجویز ٹیکس اہل حرفہ پر حلقہ بندی پٹواریوں کی کر رہے ہیں۔ ان کے خوف سے تمام رعایا اندیشہ ناک ہے کہ تجویز ٹیکس سخت کرتے ہیں۔

شکار: ۱۶ر فروری ۱۸۷۹ء۔ نواب غنی بہادر داماد برادر خورد نواب علی نقی خاں بہادر وزیر اعظم واجد علی شاہ لکھنؤ و محمد خاں داروغہ بہ تقریب شکار وارد سندیلہ ہوئے اور میرے مکان پر شب کو قیام کیا اور صبح کو واسطے کھیلنے شکار کے روانہ گھوگیرہ ہوئے۔ میں نے انکے کھانے پینے کا وہاں انتظام کرا دیا۔ پانچ چھ آدمی ان کے ہمراہ کیا۔

۲۳ر فروری ۱۸۷۹ء۔ نواب غنی بہادر و محمد خاں داروغہ گھوگیرہ سے واپس آئے۔ چند چڑیاں ان کو شکار میں ملیں۔

منشی فہیم الزماں: ۲۷ر مارچ ۱۸۷۹ء۔ منشی فہیم الزماں نے اپنے بیٹے بشیر الزماں کی رفاقت گوارا نہ کر کے ان کو مدرسہ علی گڑھ سے طلب کیا ہے اور مشیر الزماں (داماد) چونکہ بحالت تنہائی وہاں قیام نہیں کر سکتے ہیں اس وجہ سے وہ بھی آویں گے اور لکھنؤ میں تحصیل علم کریں گے۔

یکم مئی ۱۸۷۹ء۔ کل بشیر الزماں و مشیر الزماں علی گڑھ سے سندیلہ لوٹ آئے اور پڑھنا انگریزی کا چھوڑ دیا۔

اخبار نور الانوار: ۹ر جون ۱۸۷۹ء۔ بمعائنہ اخبار نور الانوار کانپور مورخہ ۲ جون ۱۸۷۹ء سے معلوم ہوا کہ سال رواں سالہائے گزشتہ سے زیادہ خراب ہے۔ ۳۰ر جون کو اتصال مریخ کا زحل کے ساتھ ہوگا جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ لغایت ۱۲۸۵ فصلی بیماری ہیضہ و وبائی بخار و چیچک عالمگیر ہوگی۔ انسان اور حیوان بکثرت تلف ہوں گے۔

اور ۳ر جون کو ایک نیا ستارہ نمایاں ہوگا جو وقت ولادت حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے ظاہر ہوا تھا۔ روشنی اس کی ستارہ زہرہ سے زیادہ منور ہوگی۔ یہ پیشین گوئی کارسپانڈنٹ نور الانوار نے بحوالہ صاحب اخبار ریاست پٹیالہ مورخہ ۱۴ مئی ۱۸۷۹ء کے کی ہے۔ دیکھا چاہیے کہ اس کا کیا ظہور ہو۔ منشی فضل رسول صاحب کو اس پیشین گوئی کے دیکھنے سے تحیر ہوا اور ایک نقل اس کی اپنے پاس رکھ لی ہے۔

<u>کثرت انبہ</u>: ۱۵ر جون ۱۸۷۹ء۔ اب کے سال انبہ ایسی کثرت سے پیدا ہوا ہے کہ قبل اس کے کسی سال میں اتنا زیادہ اور ارزاں فروخت نہ ہوا تھا۔ بالفعل اس کی قیمت ایک پیسہ سیکڑہ ہے۔

<u>وفات قاضی وجیہ الدین</u>: ۱۱ر اکتوبر ۱۸۷۹ء۔ آج قاضی وجیہ الدین صاحب نے عارضہ تپ و لرزہ میں بعمر ۷۰ سال قضا کی۔ یہ بہت بزرگ شخص تھے اور عرس سالانہ حافظ امام علی صاحب اپنے مرشد کا کیا کرتے تھے اور چار پانچ دن تک شب و روز جلسہ رہتا تھا اور اکثر کتھک کے لڑکوں کا ناچ ہوتا تھا اور سندیلہ کے بہت لوگ ان کے مرید تھے۔ ہر جمعہ کو بوقت سہ پہر قوالوں کا گانا ہوا کرتا تھا۔ قاضی عابد علی صاحب اپنے داماد و بھانجے سے اخیر وقت تک ان کو ملال رہا۔

<u>میونسپلٹی کے ممبر</u>: ۸ر نومبر ۱۸۷۹ء۔ بموجب حکم مورخہ ۲۴ر اکتوبر ۱۸۷۹ء جناب چیف کمشنر صاحب بہادر اودھ راقم بشمول دیگر ارباب سندیلہ ممبر میونسپل سندیلہ کا مقرر ہوا۔ اسم نویسی درج ذیل ہے۔

"راجہ وزیر چند تعلقہ دار۔ سید فضل حسین تعلقہ دار۔ چودھری خصلت حسین تعلقہ دار۔ منشی مظہر علی۔ لالہ گنگا سہائے۔ لچھمن پرساد بزاز۔ لالتا پرساد بزاز۔ منشی عزیز الدین اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پنشن یافتہ۔ شیخ اعظم علی چودھری عبد الباقی۔"

<u>تابوت کا قضیہ</u>: ۲۴ر دسمبر ۱۸۷۹ء۔ سید محمد تقی منصف نے کہ شیعہ مذہب ہیں قصد کیا کہ تابوت محلہ اشراف ٹولہ درگاہ حضرت عباس میں لے جائیں جس کو میر مشرف علی نے منگل بازار میں تعمیر کیا ہے۔ یہاں پر سید ابو القاسم و سید فضل حسین و چودھری عبد الباقی و شیخ اعظم علی و حامد حسن و سید محمد تقی وغیرہ اور بہت سے جولاہے کھنی ٹولہ کے آمادہ فوجداری ہوئے اور رپورٹ تھانہ میں لکھوائی کہ منصف صاحب خلاف عملدرآمد قدیم کے ہمارے محلہ میں تابوت لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو سخت فوجداری ہوگی۔ تب حسب فہمائش مولوی عبد القادر صاحب تحصیلدار سندیلہ و حافظ رحیم بخش تھانہ دار کے منصف صاحب تابوت کو اشراف محلہ میں نہیں لائے اور درگاہ مخدوم صاحب کے راستہ سے امام باڑہ چودھری تفضل حسین میں لے گئے۔

<u>وفات والدہ امجد خاں</u>: ۷ار اپریل ۱۸۸۰ء۔ شب کو ۱۱ بجے مردم خانہ محمد علی خاں سابق چکلہ دار

نواب لبعارضہ پیرانہ سالی بعمر ۹۵ سال قضا کی۔ ان کو اپنی حیات میں صدمات پیہم لاحق حال ہوئے علی الخصوص علی امجد خاں ان کے اکلوتے بیٹے کے زمانہ غدر میں مقتول ہونے سے سخت صدمہ پہنچا۔[1]

ایک لطیفہ: ۱۲ مئی ۱۸۸۰ء۔ احمد رضا خاں صاحب تھانہ دار ہوشنگ آباد ساکن رام پور واسطے ملاقات مولوی فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی فائز سندیلہ ہوئے اور مکان منشی فضل حسین پر قیام کیا اور مزاحاً یہ بات کہی کہ اگر مکان منشی صاحب کو بہشت قرار دوں تو ہو سکتا ہے کیونکہ مثل بہشت کے اس مکان میں پاخانہ نہیں ہے۔

عرس فضل رسول: ۳ و ۴ جولائی ۱۸۸۰ء۔ آج عرس منشی فضل رسول صاحب مرحوم قبرستان 'عمر بیرہ' پر قرار پایا۔ اکثر قوال بیرونجات سے آئے تھے۔ اور سید فضل حسین نے بادشاہ پسند کشمیری کو بقرار داد بیس روپے یومیہ علاوہ کرایہ ریل و خرچ خوراک کے لکھنؤ سے بلایا۔ رات کو اس کا جلسہ خوب ہوا۔ مولوی واجد علی کاکوری سے اور منشی مظفر علی اسیر لکھنؤ سے تشریف لائے تھے۔ چار سو روپیہ اس کام میں صرف ہوا۔ کل اہتمام میرے متعلق تھا۔

جائداد اسیر لکھنوی: ۱۲ ستمبر ۱۸۸۰ء۔ منشی غضنفر علی و افضل علی صاحبزادگان منشی مظفر علی اسیر واسطے تصفیہ چک الیس پور تحصیل ہردوئی میں ایک اراضی فضل رسول صاحب اور ان کے دوست اسیر لکھنوی نے مشترکہ طور پر خریدی تھی انتظام اس کا فضل رسول صاحب تعلقہ دار کے سپرد تھا (ہاشمی) لکھنؤ سے تشریف لائے۔ تمام دن گفتگو ہوتی رہی لیکن کوئی تصفیہ نہیں ہوا۔

۴ اکتوبر ۱۸۸۰ء۔ حسب طلب منشی سید فضل حسین صاحب لکھنؤ جا کر منشی مظفر علی اسیر سے اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ چک الیس پور بالفعل ان کے قبضے میں ہے اور جب اراضی بنجر کا فرد ہو جائے تو اس وقت اس کی بابت کوئی فیصلہ ہو اور ان کو نالش سے باز رکھا۔

نینی تال: ۲۳ ستمبر ۱۸۸۰ء۔ ۱۸ ستمبر سن رواں کو نینی تال پہاڑ پر ایسا سیلاب آیا کہ ایک ٹکڑا پہاڑی کا پھٹ کر گرا جس سے بہت انگریز ہلاک ہوئے اور نینی تال والوں کو بہت بڑی مصیبت کا سامنا ہوا۔

پارسی تھیٹر: ۵ اکتوبر ۱۸۸۰ء۔ شب کو بارہ دری قیصر باغ (لکھنؤ) میں پارسیوں کا تھیٹر ہمراہ سید فضل حسین صاحب کے معائنہ کیا۔ ٹکٹ درجہ دوئم ایک روپیہ کا تھا۔ صبح کو سندیلہ لوٹ آیا۔

---

[1] بعض لوگوں نے ان کا نام امجد علی خاں لکھا ہے۔ یہ بڑے باثر اور جری شخص تھے اور بہرائچ کے چکلہ دار بھی تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے لڑتے ہوئے لکھنؤ میں بمقام عالم باغ مارے گئے۔ رجب علی بیگ سرور نے ان ہی کے وہاں قیام کر کے "شگوفۂ محبت" لکھی تھی۔ (ہاشمی)

طوائفوں کے تعزیے: ۷، ۹، ۸ دسمبر ۱۸۸۰ء۔ مسماۃ اچھی طوائف سندیلہ نے کہ بالفعل مرزا محمد علی بیگ تعلقہ دار اورنگ آباد (تحصیل سندیلہ) سے علاقہ رکھتی ہے اپنا تعزیہ کمال تزک واحتشام سے اٹھایا۔ مرزا صاحب کی جانب سے جلوس بہت عمدہ تھے۔ چوبدار وجھنڈی بردار وغیرہ اورنگ آباد سے آئے تھے۔ مرزا صاحب نے پانچ سو روپیہ اس کام کے واسطے اچھی طوائف بنت گوہر طوائف اشراف ٹولہ کو دیے ہیں۔

اب کی سال بھی محرم سندیلہ میں کمی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اکثر طوائفوں نے بباعث غربت وافلاس کے تعزیہ داری چھوڑ دی ہے۔ لاڈو طوائف جس کا تعزیہ ہر سال دھوم سے اٹھتا تھا اب کی سال اس نے تعزیہ نہیں رکھا۔ صرف محفل عزا پر قناعت کی۔

تعزیہ بسنت: ۲ فروری ۱۸۸۱ء۔ دو سال گزشتہ سے وصی علی شاہ صاحب درگاہ بسنت اٹھاتے ہیں جو فیض بخش نجارہ ان کے مرید کے مکان سے اٹھتا ہے جس میں چند گلدستہ ہائے رنگارنگ کے ایک ظرف گلی میں رکھے ہوتے ہیں اور گاتے بجاتے گشت کرتے ہوئے درگاہ مخدوم صاحب میں لے جاتے ہیں اور کل مریدین کی پوشاک بسنتی ہوتی ہے۔ جب بسنت اندر درگاہ کے پہنچتا ہے تو شاہ صاحب کے مریدوں پر کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس وقت گانا خوب ہوتا ہے۔ بہت سے اہلِ مذاق شریک ہوتے ہیں۔ مجھے تو کبھی اتفاق جانے کا نہیں ہوا مگر منشی فضل حسین اس مرتبہ شریک ہوئے تھے۔

آتش بازی: ۱۰ مارچ ۱۸۸۱ء... شام کو دریائے گومتی کے دونوں طرف اور کشتیوں پر نہایت عمدہ روشنی کی گئی اور آتش بازی چھوٹی۔ یہ دونوں چیزیں قابل دید تھیں جس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ اہتمام اس کا چودھری خصلت حسین صاحب تعلقہ دار سندیلہ وسکریٹری انجمن ہند سے متعلق تھا اور چودھری نصرت علی صاحب اسسٹنٹ سکریٹری کو بہ حسن کارگزاری کام متعلقہ نمائش اجلاس گورنمنٹ سے حسب ذیل خلعت عطا ہوا۔

دوشالہ ایک، رومال شالی ایک، دوپٹہ بنارسی ایک، چوغہ پشمینہ ایک، جملہ ۵ عدد۔ اور یقین ہے کہ ان کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہو۔

نواب نور الحسن خاں: ۱۴ اپریل ۱۸۸۱ء۔ شیخ نور الحسن ولد مولوی نواب صدیق حسن خاں صاحب شوہر رئیسہ بھوپال واسطے بیعت مولوی فضل الرحمٰن صاحب (گنج مراد آباد) معہ مولوی قدرت اللہ سندیلوی دار دمکان منشی سید فضل حسین ہوئے۔

۱۵ اپریل ۱۸۸۱ء۔ نواب نور الحسن خاں صاحب کہ بطن دختر مدار المہام صاحب بھوپال سے ہیں

معہ برادرم سید عنایت حسین روانہ مراد آباد ہوئے اور مولوی فضل الرحمٰن صاحب کی بیعت کی اور بھائی عنایت حسین صاحب بھی مرید ہوگئے۔ واقعی ذات مولوی صاحب اس زمانہ میں بہت غنیمت ہے۔

۱۷ اپریل نواب نور الحسن بعد بیعت مراد آباد سے واپس آئے۔ عمران کی قریب ۷۰ برس کے ہوگی۔ چونکہ عقد نواب صاحب کا قصبہ فتح پور ہسوہ میں قرار پایا تھا وہاں سے مولوی فضل رحمٰن صاحب کی بیعت کو چلے آئے۔

۱۸ اپریل۔ برادرم سید عنایت حسین صاحب و نواب نور الحسن خاں صاحب و مولوی قدرت اللہ روانہ بھوپال ہوئے۔

شادیوں کی کثرت: ۱۸ جون ۱۸۸۱ء۔ آج کل سندیلہ میں شادیوں کی کثرت ہے۔ رات ہوئی باراتیں نکلنے لگیں۔ شاید اب کی سال سال پیوستہ کے مانند زیادہ شادیاں ہوں گی۔

عرس فضل رسول: ۲۰ جون ۱۸۸۱ء۔ شب کو روشنی شب عرس منشی فضل رسول صاحب کے مزار پر ہوئی۔ قوال بیرونجات سے آئے ہیں۔ محفل حال و قال نصف شب تک گرم رہی۔ ضامن علی شاہ لکھنوی کو کیفیت بہت زور و شور سے آئی جس سے لوگ محظوظ ہوئے۔

بارش میں روزہ: ۳۰ جولائی ۱۸۸۱ء۔ چار دن سے برابر بارش ہوتی ہے اور دن بھر ابر محیط بہ آسمان رہتا ہے۔ اس وجہ سے روزہ داروں کو چنداں روزہ معلوم نہیں ہوتا ہے۔ یہ بھی فضل یزدانی کے باعث ہے۔

تیتر کی چوری: ۱۰ اگست ۱۸۸۱ء۔ آج کل ایک مقدمہ چوری تیتر کا اجلاس منشی فضل حسین صاحب میں چالانی پولیس دائر ہے کہ جس میں اسمی سرفراز علی رئیس زادہ شاہ آباد بھی ماخوذ ہیں۔ اور اکثر رئیس قصبہ مذکور مقدمہ مسطورہ کی پیروی کر رہے ہیں۔

پیپر مل لکھنؤ: ۲۷ ستمبر ۱۸۸۱ء۔ بہمراہی سید فضل حسین کارخانہ کاغذ سازی جو متصل دریائے گومتی لکھنؤ کے ہے آج جا کر معائنہ کیا۔ واقعی بہت بڑا کارخانہ ہے۔ جس میں صدہا آدمی ملازم ہیں اور دو انگریز بھی نوکر ہیں۔ بالفعل چھوٹی کل سے کاغذ بنتا ہے اور بڑی کل مرتب ہو رہی ہے۔

مقدمہ جائداد امیر لکھنؤ: ۱۷ نومبر ۱۸۸۱ء۔ سید افضل علی ولد منشی مظفر علی امیر لکھنوی نے بابت مداخلت منیجر اراضی افضل پور واقع گرنٹ الیس آباد (تحصیل ہردوئی) بمقابلہ منشی سید فضل حسین تعلقہ دار نالش حسب دفعہ ۹۳ ایکٹ لگان تحصیل ہردوئی میں دائر کی اور مولوی ابو الحسن تحصیلدار ہردوئی نے ان کو ڈگری عطا فرمائی۔ اب نگرانی عدالت جوڈیشیل میں ہے جس کی منشی کولی پرشاد صاحب سے رائے لی جائے گی۔

تعزیہ داری: ۲۸ نومبر ۱۸۸۱ء۔ ۵ محرم ۱۲۹۹ھ۔ آج نصیباً طوائف کا تعزیہ بڑی دھوم دھام سے

اٹھا۔ چودھری خصلت حسین صاحب رئیس اعظم قصبہ ہذا اور دیگر رؤسا تعزیہ کے ساتھ تھے۔

۲۹ نومبر۔ آج شب کو حسب معمول قدیم امام باڑہ محمد اشاد اور میر قاسم علی میں جاکر شریک ہوا۔ اور گزشتہ شب کو چودھری صاحب کے یہاں گیا تھا۔

۲ دسمبر۔ شکر و خدمت گار قاضی عابد علی صاحب سے معلوم ہوا کہ اب کے سال ۱۴۴ تعزیے سندیلہ خاص میں رکھے گئے۔ یہ شخص رات بھر تعزیوں کی زیارت کرتا ہے اور کوئی تعزیہ اس کے شمار سے نہیں چھوٹتا ہے اور صبح کو مجھے تعداد سے مطلع کرتا ہے۔

کمیٹی تعلقہ داران اودھ: ۳۰ دسمبر ۱۸۸۱ء۔ کو میٹی تعلقہ داران آج بارہ دری قیصر باغ میں شریک ہوا۔ مرزا محمد علی بیگ تعلقہ دار اورنگ آباد (سندیلہ) درگھوبر دیال سیٹھ تعلقہ دار معز الدین پور لسواں سے ملاقات ہوئی یہ دونوں شخص بہت اشفاق سے پیش آئے۔ ۱۸۶۳ء میں یہ دونوں صاحب میرے مدرسہ سیتاپور میں ہم سبق تھے۔

۳۱ دسمبر۔ آج روشنی و آتش بازی بارہ دری قیصر باغ قابل دید تھی اور ایسی چیزیں نمائش گاہ میں دیکھنے میں آئیں جو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ عزیزی بشیر الزماں (خلف فہیم الزماں) میرے کمرہ قیصر باغ میں مقیم ہیں۔

مرض دق: ۵ جنوری ۱۸۸۲ء۔ قاضی صمصام علی (مظہر علی صاحب کے ایک خالہ زاد بھائی ہاشمی) کو باوجودیکہ شیر عورت و شیر خرِ دبختی سرطان یعنی کیکڑے کی استعمال کرائی گئی لیکن حرارت لاحقہ میں کوئی افاقہ نہیں ہے۔ میں نے بہت سے کیکڑے دریائے گومتی سے منگا دیے تھے (یہ اشیا پرانے زمانہ میں مرض دق سے بچنے کے لیے مفید سمجھی جاتی تھیں۔ ہاشمی)۔

مولوی ضامن حسین: ۱۵ جنوری ۱۸۸۲ء۔ آج مولوی ضامن حسین صاحب سٹی مجسٹریٹ دکھن حیدرآباد سے ملاقات ہوئی۔ پانچ سو روپے ماہواری کے نوکر ہیں اور آدمی خلیق ولئیق ہیں۔ باوجودیکہ میں نے ان سے عربی پڑھی ہے اور ان کا شاگرد ہوں لیکن نہایت تعظیم و تکریم سے بوقت ملاقات پیش آتے ہیں۔

وفات منشی عزیز الدین: ۱۱ مئی ۱۸۸۲ء۔ صبح کے چار بجے منشی عزیز الدین صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پنشن یافتہ نے بعارضہ فالج عمر ۶۳ سال میں قضا کی۔ مرحوم اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ باپ شیخ جمیل الدین تھے جو قبل ولادت بیٹے کے مفقود الخبر ہو گئے تھے۔ لہٰذا مولوی فضل صاحب ماموں حقیقی کے سایہ عاطفت میں پرورش و تعلیم پائی اور رفتہ رفتہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری پر فائز ہوئے۔ زمانہ غدر کی خیر خواہی سے موضع الوا تحصیل بلگرام میں ملا اور بعد حصول پنشن مبلغ دو سو چون روپے کے خانہ نشین ہوئے۔

قبل وفات آمدنی جناب مرحوم کی بشمول پنشن چھ سو ماہواری تھی۔ زوجہ اولیٰ کی اولاد قائم نہ رہنے سے عقد ثانی قصبہ مسولی، ضلع نواب گنج بارہ بنکی میں کیا جن سے تین فرزند نرینہ اور دو لڑکیاں موجود ہیں۔ آدمی نہایت راست گو، لائق و تجربہ کار تھے۔ اپنی حیات میں کمال عزت و توقیر گورنمنٹ انگلشیہ سے حاصل کی۔

ظہور لکھنوی: ۲۲؍ اگست ۱۸۸۲ء۔ منشی ظہور الحسن شاعر لکھنؤ کو منشی فضل حسین نے بمشاہرہ مبلغ دس روپیہ ماہواری نوکر رکھا ہے اور شاعر صاحب ان کے واسطے دیوان مرتب کر رہے ہیں۔ کلام اچھا ہوتا ہے۔

مولوی عبد القادر صاحب[1]: ۵؍ ستمبر ۱۸۸۲ء۔ جلسہ کمیٹی میونسپل مدرسہ سندیلہ میں منعقد ہوا۔ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار و مولوی عبد القادر صاحب تحصیلدار سندیلہ در بارۂ سڑک دہمن بہت بے لطفی سے گفتگو ہوئی۔ راجہ صاحب نے سخت کلمہ تحصیلدار صاحب کی نسبت کہا اور طیش کھا کر جلسہ کمیٹی سے اٹھ جانے کا قصد کیا لیکن چودھری محمد عظیم صاحب نے ان کو فہمائش کر کے روکا مگر تحصیلدار صاحب نے زبان درازی نہیں کی اور سکوت کیا۔ راجہ درگا پرشاد صاحب نے بہ کمال معذرت اور متعدد اشخاص کو درمیان میں ڈال کر عبد القادر صاحب سے صفائی حاصل کی۔ راجہ صاحب مغلوب الغضب ضرور ہیں۔

دنگل: یکم نومبر ۱۸۸۲ء۔ آج سہ پہر کو دنگل کشتی پہلوانوں کا غلہ کے گودام میں ہوا۔ چار آنہ ایک آنہ اور چھ پائی کا ٹکٹ تھا۔ چراغ علی پہلوان اورنگ آباد (تحصیل سندیلہ) و مشتاق صاحب پنجابی کی کشتی ہوئی۔ آخرش چراغ زیر ہوا۔

دربار لکھنؤ: ۲۸؍ نومبر ۱۸۸۲ء۔ شام کی ریل میں واسطے شرکت دربار کے میں لکھنؤ گیا۔ مولوی عبد القادر صاحب تحصیلدار سندیلہ میرے ساتھ ریل میں تھے میں منشی فضل حسین کے پاس قیصر باغ میں ٹھہرا۔

۲۹ نومبر آج گورنر جنرل صاحب (لارڈ رپن) نے صبح کے گیارہ بجے دربار فرمایا۔ تعلقہ دار و دیگر رؤسائے عظام مشرف بہ زیارت ہوئے۔ اور یہ دربار بارہ دری قیصر باغ میں ہوا۔

۳۰؍ نومبر۔ شب کو تمام قیصر باغ میں روشنی ہوئی اور جب دس بجے گورنر جنرل صاحب تشریف لائے تو نہایت عمدہ قسم کی آتش بازی چھوٹی۔ میں بھی تعلقہ داروں کے ساتھ اندر بارہ دری کے یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا صبح کی ریل میں میں سندیلہ لوٹ آیا اور کاروبار تعلقہ جلال آباد میں مصروف ہوا۔

شیخ حامد حسن: ۲؍ جنوری ۱۸۸۳ء۔ شیخ حامد حسن (رسید فضل حسین تعلقہ دار کے بہنوئی) نے بخانہ حسین باندی طوائف روزمرہ کا قیام اختیار کیا ہے۔ اس سے منشی فضل حسین صاحب و دیگر اعزا سسرالی ناراض ہیں۔

---

[1] عبد الماجد دریابادی صاحب کے والد جو عرصہ تک سندیلہ کے تحصیلدار رہے۔ ہاشمی

فہرست ووٹ دہندگان: ۴۴ مارچ ۱۸۸۲ء۔ بہ استعانت چودھری عبدالباقی فہرست اسم نویسی رائے دہندگان ہر چہار محلہ قصبہ سندیلہ کی مرتب کر کے بخدمت مانک چند قائم مقام تحصیلدار سندیلہ کے پیش کی جس سے وہ بہت رضامند اور خوش ہوئے۔

شادی الطاف رسول: ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۳ء۔ آج صبح کو تقریب مانجہ برخوردار الطاف رسول (ولد سید فضل حسین) قرار پائی۔ مجمع بہت کثیر تھا اور بتاشے نہایت خوش انتظامی کے ساتھ تقسیم ہوئے۔ کوئی محروم نہیں گیا۔ بیرونجات کے لوگ متعدد مکانوں میں فردکش تھے جن کے واسطے ہر قسم کا سامان ضروری مہیا کیا گیا۔ ہر مہمان کی خبر گیری کے واسطے علیحدہ علیحدہ آدمی مقرر تھے . . .

۲۰ اکتوبر۔ ہزارہا مردمان بیرونجات طوائفان گردونواح شادی الطاف رسول میں آئی تھیں اور سب کو وقت معین پر کھانا اور دیگر اشیائے ضروری پہونچتی تھیں۔ مجھے شب و روز دو گھنٹے سے زاید آرام کی مہلت حاصل نہ تھی۔ دو کشمیری مسمیان کھلونا و فضل حسین و ایک انگریزی باجا جس میں ۲۳ آدمی تھے اور دو ڈیرہ طوائف مسماۃ نظیر جان و چھوٹی صاحب لکھنؤ سے آئے تھے اور ایک ڈیرہ کشمیری قصبہ 'سانڈی' کا بھی تھا۔ برادری تاشہ نواز شمار میں آٹھ عدد تھی۔ چھ ہزار بخش مسلمانوں کو علاوہ خوراک ہائے ہنود کے روزمرہ تقسیم ہوتے تھے۔ اشخاص معزز کی اسم نویسی جو شریک شادی تھی درج ذیل کی جاتی ہے۔ اگرچہ ان کے علاوہ بہت سے زمیندار وغیرہ بھی شریک تھے جس کی صراحت اس مقام پر لکھنا طوالت سے خالی نہیں (اس کے بعد اکیس تعلقہ دار رؤسا اور وکلاء کی فہرست ہے جو یہاں حذف کی جاتی ہے۔ ہاشمی)

۲۲ اکتوبر۔ بارات سید الطاف رسول بہ کمال احتشام دو بجے رات کو روانہ ہوئی۔ سامان آرائش بہت خوب تھا لیکن انور خاں و جیجے مالی کی غفلت بلکہ نمک حرامی سے ہمراہ بارات کے سامان روشنی کا کم تھا۔ ان لوگوں نے بخیال اس کے کہ اس ہجوم میں کون باز پرس کرے گا مزدوران بہت کم فراہم کیے اور ان کی اجرت خود چکھ گئے۔ اس ان کی نالائقی سے کمال رنج دباعث بے لطفی کا تھا . . . چار بجے صبح کو بارات منشی شمس الدین کے دروازے پہنچی تو نوشاہ ہاتھی پر سوار اور ان کے ہر چہار جانب ہاتھیوں کا حلقہ تھا آتش بازی علی حسین و محمد حسین و فرزند علی آتش بازان لکھنؤ قابل تعریف تھی جس سے عموماً سب لوگ بہت خوش ہوئے۔

۲۳ اکتوبر۔ صبح کو ایک گھڑی دن چڑھے عقد برخوردار الطاف رسول خلف منشی سید فضل حسین تعلقہ دار 'جلال پور' مسماۃ شفیق النساء دختر منشی سید عنایت حسین سے بعوض مہر پچیس ہزار کے ہوا۔ منشی شمس الدین صاحب

نانا دولھن کفیل مصارف شادی تھے اور دولھن کے باپ نے کچھ زیور اور سید کرامت حسین چچا نے ایک گھڑا مع زیور نقرئی اور کچھ ظروف مسی جہیز میں دیے۔ دس بجے دن کے بارات رخصت ہوئی۔ شام کی ریل میں اکثر مہمان رخصت ہوئے۔

۲۴ تا ۲۷ اکتوبر شادی الطاف رسول میں عموماً انتظام اچھا تھا اور انعام بھی اچھا دیا گیا جس سے سندیلہ اور اس کے نواح میں اس شادی کی بہت شہرت و ناموری ہوئی...

منشی شمس الدین صاحب نے میرے انتظام شادی الطاف رسول کی بہت تعریف کی اور نہایت درجہ میرا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے تمہارے انتظام کی نسبت ایسی امید ہرگز نہیں تھی...

خدا کا شکر ہے کہ شادی الطاف رسول میں میرے انتظام کی بہت شہرت ہوئی اور ہر شخص میرا نام نیکی سے لیتا ہے اور جو اندیشہ مجھے حالی خاطر تھا اس کا انجام بفضل یزداں نیک ہوا۔ منشی شمس الدین صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بعد فراغت شادی اپنی نواسی کے روانہ نواب گنج (بارہ بنکی) ہوئے۔

<u>راجہ درگا پرشاد</u>: ۱۱ فروری ۱۸۸۴ء۔ چونکہ راجہ درگا پرشاد صاحب کے ساتھ اتفاق نشست و یکجائی اجلاس بنچ میں روزمرہ ہوتا ہے اس وجہ سے ان کی لیاقت کا حال بخوبی منکشف ہوا۔ آدمی نہایت لائق و فہمیدہ ہیں۔ علم فارسی میں دستگاہ کامل ہے۔ نہایت خوش خط و زود نویس ہیں۔ قانون دانی البتہ کم ہے۔

۲۵ فروری۔ آج راجہ درگا پرشاد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ چند امور میں مجھ سے مشورت کی اور فرمایا کہ ہماری اور آپ کی کومیٹی میونسپل سندیلہ میں ہمیشہ اتفاق رائے ہونا چاہیے۔ جو آپ کو منظور ہوا کرے وہ آپ پہلے سے کہہ دیں۔ میں اس سے اتفاق کروں گا۔

<u>تیترا لڑکا</u>: ۱۲ مارچ ۱۸۸۴ء۔ کل بخانہ ملک مصطفیٰ حسین دوپہر کو فرزند نرینہ پیدا ہوا۔ چونکہ لڑکا بعد تین لڑکیوں کے پیدا ہوا ہے اس وجہ سے عورتیں اس کو تیترا نامزد کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ایسا لڑکا ناقص ہوتا ہے باپ اس کو نہ دیکھے۔ اس وجہ سے ملک صاحب سخت متردد ہیں اور اپنے گھر نہیں جاتے۔

<u>منشی شمس الدین</u>[۱]: ۱۳ اپریل ۱۸۸۴ء۔ شب کو منشی شمس الدین صاحب بحصول پنشن از عہدہ اکسٹرا اسسٹنٹی نواب گنج سے تشریف لائے۔ بانوے روپے ماہوار پنشن مقرر ہوئی۔ بوقت ملاقات کمال عنایت بزرگانہ سے پیش آئے اور میری تعظیم کی اور فرمایا کہ حسب سفارش فوربس صاحب کمشنر فیض آباد میں ریاست بلرامپور میں بہ عہدہ وزیر خزانہ بہ مشاہرہ تین سو روپیہ ماہواری مقرر ہوا ہوں۔

---

[۱] منشی فضل حسین کے چچا۔

بنارسی باغ لکھنؤ: ۱۹ اپریل ۱۸۸۴ء۔ بمقام لکھنؤ۔ شام کو بنارسی باغ کی میں نے سیر کی۔ نہایت خوش کیفیت ہے اور سبزہ و گل بوٹے اس کے تازگی بخش ہیں۔ اتفاق سے اس وقت کچھ گوری پلٹن گھنگرا والی (رکذا) کی آئی اور انگریزی باجا نہایت عمدگت کے ساتھ بجایا جس سے طبیعت نہایت محظوظ ہوئی۔ شام کو سندیلہ لوٹ آیا۔

ایک امام باڑہ: ۱۳ مئی ۱۸۸۴ء۔ مرزا محمد علی بیگ تعلقہ دار اورنگ آباد (تحصیل سندیلہ) کو مسماۃ اچھی طوائف سندیلہ سے اتحاد ہے لہذا حسب خواہش اس کی مرزا صاحب بصرف زر کثیر ایک امام باڑہ طوائف مذکور کے واسطے تعمیر کرا رہے ہیں جس کے مہتمم مولوی محمد امیر موالی حسین رئیس منڈی کے ہیں۔ چونکہ اس کی تیاری کا جشن ہوگا۔ اس وجہ سے مرزا صاحب تشریف لائے ہیں۔

سندیلہ میونسپلٹی: ۹ اکتوبر ۱۸۸۴ء۔ آج کو میٹی لوکل سلف گورنمنٹ کچہری پنچ میں ہوئی۔ بمشورت یک دیگر منظوری عہدہ ہائے ذیل کے استحکام کے طور پر تجویز ہوئی جس کی رپورٹ صاحب ضلع کو بھیج دی گئی اور جس کے مستقل ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ مولوی عبدالقادر صاحب تحصیلدار (میر مجلس) چودھری محمد عظیم صاحب (نائب میر مجلس) راجہ درگا پرشاد صاحب (نائب میر مجلس) راقم (سکریٹری میونسپل)۔ حکم گورنمنٹ مورخہ ۶ اکتوبر ۱۸۸۴ء بدیں مضمون موصول ہوا کہ بیس ممبر واسطے کو میٹی میونسپل کے قائم ہوئی۔ منجملہ ان کے پندرہ شخص مجوزہ رعایا اور پانچ شخص مقرر کردہ سرکار ہیں اور وہ پانچوں آنریری مجسٹریٹ سندیلہ کے جن کا تقرر ہمیشہ گورنمنٹ کرتی رہے گی۔ چودھری محمد عظیم منشی تفضل حسین کنور درگا پرشاد کنور وزیر چند مولوی سید مظہر علی۔

تعزیے: ۲۹ اکتوبر ۱۸۸۴ء۔ آج چند مشہور تعزیے میں نے جا کر دیکھے جو اپنی ساخت میں قابل تعریف ہیں۔ "خیراتی و بدل منہیار، میر ناظم علی سوداگر، امامی نورباف، سمادھان بھرجی، لال خاں، میر قاسم علی سوداگر"۔ واجد علی نے ایک تعزیہ ٹمین کا تیار کیا جیسا کہ قبل اس کے کبھی نہیں بنا تھا۔

۳۰ اکتوبر۔ شکر و ملازم قاضی عابد علی نے بیان کیا کہ اب کے سال ۳۲۳ تعزیے سندیلہ میں رکھے گئے۔ مرزا محمد علی بیگ تعلقہ دار اورنگ آباد (تحصیل سندیلہ) نے ایک تعزیہ قصبہ بلسواں سے بہ قیمت پچیس روپے اچھی طوائف کو منگوا دیا جو نہایت عمدہ تھا۔

مولوی خلیل الدین[1]: ۴ نومبر ۱۸۸۴ء۔ کل مولوی خلیل الدین خلف شیخ امین الدین حقانی مکہ شریف سے واپس آئے۔ بہ عمر ۲۵ سال وہ عالم و حافظ و حاجی و طبیب ہوئے۔ ایسا لیق آدمی اب اس محلہ میں نہیں ہے۔

ایک شادی: ۱۳ دسمبر ۱۸۸۴ء بشب کو نو بجے عقد سید نبی احمد خلف مولوی علی احمد وکیل جبل پور مسماۃ سیدا دختر شیخ حامد حسن سے بعوض ۴ متقال نقرہ کہ مساوی ایک سو چھپن روپے آٹھ آنے کے ہوتا ہے

---

[1] مولوی مظہر علی کے بھانجے۔ (ہاشمی)

مسجد مولوی فضل علی صاحب میں ہوا۔ مولوی مہدی حسن صاحب کی ممانعت سے اندر و باہر نہ تو ڈھول بجی نہ کسی قسم کا گانا ہوا۔ مولوی علی احمد صاحب وکیل نے کھانا اہلِ برادری کو اچھا تقسیم کیا تھا۔ نان بہت بڑی تھی جہیز عمدہ ملا۔ منشی فضل حسین نے ایک گھوڑا معہ زیور نقرئی جہیز میں دیا۔

مولوی عبدالقادر: ۱۲ مارچ ۱۸۸۵ء۔ مولوی عبدالقادر تحصیلدار سندیلہ کی تنخواہ میں پچیس روپے سرکار سے اور اضافہ ہوئے ایک سو پچھتر روپے ماہواری تنخواہ پائیں گے۔

بسمل خیرآبادی: ۱۹ ستمبر ۱۸۸۵ء۔ محمد حسین خاں بسمل بعد ملاقات حافظ کرم احمد صاحب خیرآباد تشریف لے گئے۔ یہ وہی بسمل ہیں جو حافظ صاحب کے قدموں سے جدا نہیں ہوتے تھے اور ہر وقت لباس گیروا پہنے رہتے تھے اور خیرآباد سے سندیلہ پا پیادہ آتے تھے۔ اب جب سے ریاست ٹونک میں اپنے باپ کی جگہ وکیل ریاست ہو گئے ہیں حافظ صاحب سے کچھ علاقہ ہی نہیں رہا اور خیرآباد میں آئے تو کبھی سندیلہ نہیں آتے اور جب حافظ صاحب خیرآباد جاتے ہیں تو سوائے معمولی دعوت کے نہ وہ خدمت ہے اور نہ وہ اطاعت اور نہ وہ مریدی ہے جس کا ابتداً شور و شغب زیادہ تھا۔

لفٹیننٹ گورنر کی آمد: ۱۹ نومبر ۱۸۸۵ء۔ آج گبسن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی واسطے انتظام جلوس وغیرہ تشریف آوری لفٹیننٹ گورنر بہادر، ہردوئی سے سندیلہ وارد ہوئے اور بہ کمال مستعدی ہر ایک کام کی دیکھ بھال کی اور مجھ سے بوقت شام کچہری منصفی میں دریافت کیا کہ کس قدر مقدمات ۱۸۸۴ء میں دائر و فیصل ہوئے۔ میں نے بیان کیا کہ دو سو پینتیس ۲۳۵ مقدمے دائر ہوئے۔ ۱۰۰ میں مجرموں کو سزا ہوئی اور ۵۴ مقدمے بذریعہ راضی نامہ و عدم ثبوت جرم کے خارج ہوئے اور کسی کا اپیل نہیں ہوا۔ اس بات سے بہت خوش ہوئے اور کپتان صاحب سے میری تعریف کی۔

۲۰ نومبر ۱۸۸۵ء۔ صبح کے ۸ بجے بذریعہ اسپشل ٹرین جناب نواب الفرڈ لایل صاحب لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی (یعنی یوپی۔ ہاشمی) و چیف کمشنر اودھ لکھنؤ سے تشریف لائے۔ اسٹیشن سندیلہ پر فرش باناتی بچھا تھا۔ میں بھی شریک پیشوائی تھا۔ اوّل اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ بعدہٗ ۱۰ بجے اسکول میں تشریف لائے۔ منجانب میونسپل راجہ درگا پرشاد صاحب نے ایڈریس پڑھا۔ جواب میں کلمات خوش فرمائے اور پنچ مجسٹریٹوں کی تعریف کی۔ مدرسہ سرکاری بھی فرش بانات وغیرہ سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ چودھری محمد عظیم صاحب نے بہت چاہا کہ لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر ان کے مکان پر تشریف لے جاویں جس کے واسطے مکان

اپنا بہت آراستہ کیا تھا مگر صاحب ممدوح تشریف نہیں لے گئے اور دو بجے کی ریل میں مراجعت فرمائی. بازار بہت خوب آراستہ تھا اور ہر ایک دوکان سفیدی سے پتی ہوئی تھی۔

ڈائرکٹر تجارت وزراعت: ۳ مارچ ۱۸۸۶ء۔ آج مسٹر بکر صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر تجارت وزراعت سے کہ بہ تقریب دورہ سندیلہ تشریف لائے ہیں میں نے ملاقات کی اور حسب فرمائش ان کی جوڑی لاکھ ساخت سندیلہ قلم دان وپلنگ پوش سندیلہ کے بنے ہوئے اور آرسی گوپامئو کی بنی ہوئی ملاحظہ کرائی اور تھوڑے سے لڈو ٹھگری حلوائی کے ان کو بھیجے جس سے نہایت درجہ خوش ہوئے اور ایک یادداشت مجھ کو لکھ کر بھیج دی کہ جس کے مطابق مجھکو جولائی سے میں پلنگ پوش تیار کرا کے عجائب خانہ لکھنؤ کو بھیجوں۔

منشی غضنفر علی: ۳۰ مارچ ۱۸۸۶ء۔ منشی سید غضنفر علی صاحب خلف منشی مظفر علی صاحب اسیر سے ان کے مکان پر جا کر ملاقات کی اور مقدمہ گرنٹ ہردوئی دیر تک بات چیت رہی اور بوقت رخصت ہونے کے منشی صاحب نے اپنے دروازے تک مشایعت کی۔

ہیضہ: ۳ اگست ۱۸۸۶ء۔ سندیلہ علی الخصوص اشرف محلہ میں شکایت ہیضہ بڑھتی جاتی ہے اور روزمرہ دو چار آدمی ضائع ہوتے ہیں۔ ۷ اگست۔ کل شام سے دو شیشہ گلاب اور ایک سیر آلو بخارا خرید کر کے الٰہی بخش خدمت گار کو تفویض اس ہدایت کر دی ہے کہ جو شخص عارضہ میں مبتلا ہو کر طالب گلاب یا آلو بخارا وغیرہ کا ہو تو فوراً اس کو دیا جاوے۔ چنانچہ اسوقت تک چند آدمی لے جا چکے ہیں۔ (اس کے بعد کئی تاریخوں میں ہیضہ سے مرنے والوں کے نام درج کیے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ بیماری سندیلہ اور اس کے نواح میں بھی پھیل گئی تھی۔ مولوی صاحب کا نواسہ رشید الدین بھی اسی ہیضہ میں ضائع ہوا۔ اور اہل خانہ موصوف اور بڑی بیٹی افضلا بھی مبتلائے مرض ہوئی تھیں لیکن بچ گئیں۔ ہاشمی)

۱۵ ستمبر۔ شب کو والدہ منشی فضل حسین اور دختر شیخ حامد حسن لکھنؤ سے وارد سندیلہ ہوئیں۔ اب بیماری ہیضہ سندیلہ سے دفع ہوئی۔ اب نہ کوئی بیمار ہوتا ہے نہ ضائع ہوتا ہے۔

بسمل خیرآبادی: ۲۹ نومبر ۱۸۸۶ء۔ سچ ہے کہ حافظ کرم احمد صاحب کو اپنے پیر معشوق علی شاہ صاحب کے عرس میں صرف کرنے سے کوئی آسودگی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی قرض ودام سے روپیہ لے کر عرس شاہ صاحب کیلیے کل خیرآباد کو تشریف لے گئے۔ افسوس ہے کہ محمد حسین بسمل خیرآبادی (مضطر خیرآبادی کے بڑے بھائی۔ ہاشمی) باوجود عمدہ روزگار ہونے کے کوئی استعانت اس صرف میں نہیں کرتے ہیں۔ میں نے اس وجہ سے یہ بات لکھی کہ بسمل صاحب معشوق علی شاہ کے پوتے اور حافظ کرم احمد صاحب کے مرید ہیں۔

برہما میں ملازمت: ۶ر فروری ۱۸۸۷ء۔ آج میرے پاس کئی اشتہار ہردوئی سے آئے کہ جس شخص کو ملازمت پولیس برہما کی منظور ہو وہ ہردوئی جائے۔ اس کی تنخواہ چونّن روپے ماہواری سے پچھتر روپے تک ہوگی۔ اور جو شخص زبان برہمی سیکھ لے گا اس کی تنخواہ اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ میں نے اشتہارات جابجا چسپاں کرادیے۔ جس کو خواہش ہوگی وہ ہردوئی جاکر نوکری حاصل کرے گا۔

حکیم عبدالعزیز دریابادی: ۷ر اپریل ۱۸۸۷ء۔ حکیم عبدالعزیز صاحب برادر چچازاد مولوی عبدالقادر صاحب تحصیلدار سندیلہ حسب طلب والدہ منشی فضل حسین واسطے معالجہ کے لکھنؤ سے تشریف لائے اور بعد معائنہ نبض وقارورہ جناب مقدسہ کے ایک اشرفی نذر میں پیش کی گئی لیکن حکیم صاحب نے میری رشتہ داری کی وجہ سے قبول نہیں کی۔ اور میری کوٹھی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب کوئی مکان قصبہ سندیلہ میں ایسا نہ ہوگا۔

ریل سیتاپور۔لکھیم پور: ۲۷ر اپریل ۱۸۸۷ء۔ ۱۵ر اپریل سے ریل سیتاپور سے لکھیم پور تک جاری ہوئی جس کا محصول درجہ ادنیٰ فی کس سوا پانچ آنے قرار پائے گا۔

شادی پوتی اسیر لکھنوی: ۳۰ر مئی ۱۸۸۷ء۔ الطاف رسول (پسر منشی فضل حسین تعلقدار) واسطے شرکت تقریب شادی دختر منشی مظفر علی صاحب حکیم شاعر لکھنوی کے صبح کی ریل سے روانہ لکھنؤ ہوئے اور مبلغ دس روپے نیوتہ کے منجانب منشی فضل حسین بغرض حوالگی شاعر صاحب ان کو دیے گئے۔

حاجی وارث علی: ۲۲ر جولائی ۱۸۸۷ء۔ کل حاجی وارث علی شاہ صاحب سندیلہ میں تشریف لائے۔ نانی صاحبہ برخوردار مصطفےٰ علی ان کی مرید ہیں۔ میری کیفیت بے کاری شاہ صاحب سے عرض کی۔ فرمایا خدا اس کا مالک ہے۔

ہیضہ وبائی: یکم اکتوبر ۱۸۸۷ء۔ بالفعل ہیضہ وبائی سندیلہ میں پھر شائع ہوا ہے۔ اکثر علیل اور ایک آدمی ضائع بھی ہوئے ہیں (اس کے بعد متعدد تاریخوں میں مرنے والوں کے نام درج ہیں۔ ہاشمی)

لفٹیننٹ گورنر: ۷ر نومبر ۱۸۸۷ء۔ سر الفرڈ لایل صاحب لفٹیننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی و اودھ نے چارج لفٹیننٹی کا سر آکلینڈ کالون صاحب کو بمقام الہ آباد دیا اور ۲۱ر ماہ حال کو روانہ ولایت ہوں گے۔

حکیم بندہ حسن: ۱۵ر دسمبر ۱۸۸۷ء۔ کل حکیم بندہ حسن صاحب جو ملازم موروثی چودھری محمد عظیم کے تھے اور بہ ضرورت ادائے ایک شہادت کے کانپور گئے تھے وہاں درد قولنج اور ضیق النفس میں مبتلا ہوکر بمقام کانپور بعمر ستر سال وفات پائی۔ جس کے سننے سے نہایت درجہ افسوس ہوا کیونکہ حکیم صاحب کی ذات سندیلہ میں نہایت غنیمت تھی۔ مزاج میں خلق و مروت زیادہ تھی۔ اہالی قصبہ کو ان کی ذات سے بہت فیض تھا اور جو

شخص بلاتا تھا بلا تکلف وخیال غریب و امیر کے تشریف لے جاتے تھے۔ افسوس کہ اب سندیلہ طبیب سے خالی ہوگیا۔ تیس روپے ماہواری علاوہ کھانے کے چودھری صاحب ان کو دیتے تھے اور حکیم صاحب ان کے چھتیس برس کے ملازم تھے اور اہلِ قصبہ بھی بوقت معالجہ ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔

کانگریس و اہلِ اسلام : ۱۲ دسمبر ۱۸۸۷ء محمد باقر خاں صاحب اسسٹنٹ کمشنر ہردوئی نے بمقدمہ کانگریس اہلِ اسلام جو ۲۷ و ۲۸ دسمبر سن الیہ کو بمقام لکھنؤ مکان منشی امتیاز علی صاحب وکیل پر منعقد ہوگا۔ مجھ سے سوالات چند متعلقہ طرز و روشِ اہلِ اسلام سندیلہ دریافت کیے تھے جس کا جواب میں نے بہ استعانت محمد ذکی (درگاہ) کے لکھ بھیجا۔

نیا گورنر : ۲۳ جنوری ۱۸۸۸ء۔ آج بارہ بجے دن کے سر آکلینڈ کالون صاحب لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و چیف کمشنر اودھ کے دربار میں بمقام کیننگ کالج شریک ہوا۔ ڈپٹی کمشنران اضلاع نے اپنے اپنے ضلع کے لوگوں کو پیش کیا۔ مجھے ہارس فورڈ ڈپٹی کمشنر ضلع ہردوئی نے اس اعلان کے ساتھ پیش کیا کہ یہ آنریری مجسٹریٹ و سکریٹری میونسپل بورڈ سندیلہ کا ہے۔ ایک اشرفی میں نے نذر دکھلائی۔ ایک بجے لفٹیننٹ گورنر صاحب نے اسپیچ دی اور عطر و پان کے بعد دربار برخاست ہوا۔

تماشا تھیٹر : ۲۹ جنوری ۱۸۸۸ء۔ آج شب کو دائم علی کے تماشے تھیٹر میں ۹½ بجے سے دو بجے تک مدرسہ سندیلہ میں شریک رہا۔ ٹکٹ نمبر ایک دو روپے کا لیا تھا اور محمد ذکی کو جو میرے ہمراہ گئے تھے آٹھ آنہ کا ٹکٹ لے دیا تھا۔ اور اپنے تین خدمتگاروں کو چھ آنے کے ٹکٹ خرید دیے تھے مگر تماشا اچھا نہ تھا۔ کچھ لطف حاصل نہیں ہوا۔

منشی شمس الدین : ۳ فروری ۱۸۸۸ء۔ منشی شمس الدین صاحب چالیس سال ہوئے جب وہ ریاست گوالیار میں بہ عہد ملازمت ایک مہاجن کے بارہ سو کے مقروض تھے۔ مہاجن مرگیا تھا۔ اس کے لڑکے کو بلا کر کل قرضہ اس کا ادا کر دیا۔ ایسا کام کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتا ہے۔

گِل صاحب : ۶ فروری ۱۸۸۸ء۔ آج گل صاحب اسسٹنٹ کمشنر ہردوئی سے ملاقات ہوئی۔ آدمی بہت خلیق اور نیک مزاج ہیں اور مقدمات فوجداری میں بہت کم سزا دیتے ہیں۔ ایسا انگریز میری یاد میں کبھی ضلع میں نہیں آیا۔ اگر گِل کو لعنم میم گل سے تشبیہ دیں تو ہو سکتا ہے۔

عبد القادر صاحب[1] : ۵ مارچ ۱۸۸۸ء۔ آج پروانہ تبادلہ مولوی عبد القادر صاحب تحصیلدار سندیلہ

---

[1] عبد الماجد دریابادی صاحب کے والد۔ ہاشمی

ازاجلاس صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی اس مضمون سے موصول ہوا کہ مولوی عبدالقادر صاحب بلگرام کو اور منشی مقبول احمد صاحب تحصیلدار بلگرام سے سندیلہ کو تبدیل ہوئے یہ خبر سن کر مجھے اور کل اشخاص سندیلہ کو بغایت درجہ ملال ہوا مولوی صاحب نہایت نیک مزاج فہمیدہ اور عقیل تھے تحصیل سندیلہ میں کوئی ان سے ناراض نہیں تھا...

تحصیلدار صاحب نے علاوہ نو مہینے قائم مقامی کرنے کے جس کے بعد ہردوئی اپنے عہدۂ سررشتہ داری پر واپس گئے تھے۔ ۲۹ر جون ۱۸۸۱ء کو پھر چارج تحصیلداری کا سید محمد صاحب تحصیلدار سے حاصل کیا اور بعد چند روز کے مستقل ہوگئے اور اس وقت تک اسی عہدہ پر ممتاز رہے۔ اس حساب سے چھ سال نو مہینے انھوں نے تحصیلداری سندیلہ کی کمال نیک نیتی اور تدین کے ساتھ انجام دی اور مجھے ان کی ذات سے ہر طرح کی اعانت ملی اور ملنے کی امید تھی۔ دیکھنا چاہیے کہ اب منشی مقبول احمد صاحب سے کس طرح برتاؤ ہوتا ہے۔

۲ر اپریل۔ آج مولوی عبدالقادر صاحب تحصیلدار بہ چشم گریاں روانہ بلگرام ہوئے۔ وقت رخصتی اسٹیشن پر ہر قسم کے لوگ مشایعت کو گئے تھے۔ یہ ان کی محض وسعت اخلاق کا نتیجہ تھا....

۲۲ر ۲۳ و ۲۴ر اپریل۔ مولوی عبدالقادر صاحب تحصیلدار بلگرام ایک ہفتہ کی رخصت لے کر اس غرض سے وارد سندیلہ ہوئے کہ اپنے قبائل کو دریاباد پہنچادیں۔

مولوی عبدالقادر صاحب مع اپنے اہل خاندان کے روانہ قصبہ دریاباد ہوئے۔ ریلوے اسٹیشن پر مجمع رخصتی کثیر تھا۔ افسوس ہے کہ اب ان کا سردست سندیلہ آنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

وکٹوریہ ہال ہردوئی: ۲۰ر اپریل ۱۸۸۸ء۔ خط مارس فورڈ صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی اس مضمون سے موصول ہوا کہ ۲۱ر اپریل سنہ الیہ کو بنیاد وکٹوریہ ہال ہردوئی کی مسٹر ایڈورڈ برن صاحب چیف سکریٹری لفٹیننٹ گورنر ڈالیں گے۔ تم بھی اس جلسہ میں شرکت کرو۔

غم مفارقت: ۲۸ر مئی ۱۸۸۸ء شب کو دختر لالہ دولت رام جس نے اپنے شوہر منسارام کے غم مفارقت دائمی میں کھانا پینا ترک کر دیا تھا اور یادِ شوہر میں کیفیت جنون کی پیدا ہوگئی تھی ۱۱ بجے رات کو بعمر ۱۷ سال فوت ہوئی۔ واقعی اس کو عشق حقیقی تھا اور زمانہ سابق میں ایسی ہی عورتیں ستی ہو جاتی تھیں۔

کثرت بارش: ۳۰ر اگست ۱۸۸۸ء۔ کل آدھی رات سے بارش بہ شدت ہوئی۔ ایسی اس طرف کم ہوئی تھی۔ زراعت خریف کو بہت نقصان پہنچا۔ یہ قاعدہ مستمرہ ہے کہ ساون میں ہوا مغربی و بھادوں میں ہوا مشرقی سے بارش ہوتی ہے لیکن اس سال اس کے برعکس محض ہوا بظاہر آثار اچھے نہیں ہیں۔ صدہا مکان خام گر گئے....

۳۱؍اگست: آج بھی تمام روز بارش رہی۔ مکانات خام و پختہ برابر گر رہے ہیں۔ شاید سندیلہ میں کوئی مکان ایسا نہ ہوگا جو ٹپکنے سے محفوظ رہا ہو۔ اور ہنوز کوئی آثار آسمان کھلنے کے نہیں معلوم ہوتے۔ میرے دیہات ملکال پور دگھو وغیرہ میں فصل خریف کو بہت نقصان پہنچا کہ یہ مواضع فی الجملہ نشیب میں واقع ہیں۔

۲؍ستمبر: آج بھی چند مکانات پختہ و خام گر گئے۔ واقعی اس بارش سے تمامی خلائق کو بہت نقصان پہنچا۔ یہ ایک قسم کی آفت ہے جو ہمارے افعال قبیحہ کا نتیجہ ہے۔ پروردگار عالم فضل کرے۔ آثار سال کے بہت خراب ہیں۔

۲۰؍ستمبر: اس سال اضلاع مغربی و شمالی و اودھ و کلکتہ وغیرہ میں ایسی بارش ہوئی کہ سیلاب آگیا۔ اور حیدرآباد میں نماز استسقاء بہ جمعیت دو دو ہزار کے پڑھی جاتی ہے۔ یہ بھی ایک شان خدا ہے کہ کہیں ایسی بارش ہو کہ سیلاب آجائے اور پیداوار مفقود ہو جائے اور کہیں ایسی کمی ہو کہ خشک سالی سے آثار قحط نمایاں ہوں۔

<u>انفلوئنزا</u>: یکم اکتوبر ۱۸۸۸ء آج کل شکایت تپ و لرزہ کی سندیلہ اور اس کے نواح میں زائد ہے۔ اب آدمی بھی ضائع ہونے لگے ہیں۔ (اس کے بعد کی تاریخوں میں متعدد اموات کی خبریں درج کی گئی ہیں۔ ہاشمی۔)

<u>خط جہنم</u>: ۱۵؍اکتوبر ۱۸۸۸ء۔ آج کل عجب نیرنگیاں سندیلہ میں وقوع پذیر ہیں کہ جن کا اظہار اس موقع پر بے محل نہ ہوگا۔ منشی ... کی عادت ہے کہ بلاوجہ لوگوں کو ستانے و دق کرنے کو اکثر خطوط گمنام ان کے نام بھیجا کرتے ہیں بلکہ اکثر اپنے دست و قلم سے لکھا کرتے ہیں جس کا جواب اسی طریقہ سے ان کو وصول ہوا کرتا ہے۔ بقول شخصے چاہ کَندہ را چاہ درپیش۔ چنانچہ کئی روز ہوئے کہ ایک خط منجانب جناب منشی (ان کے والد صاحب مرحوم) از مقام جہنم بنام (اپنے بیٹے) صاحب اس مضمون کا موصول ہوا کہ "اتو خاں میرے پاس داخل جہنم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تم لوگوں سے خوش برتاؤ نہیں کرتے اور کل اہل قصبہ کو اپنا دشمن کر لیا ہے جس سے ایں جانب کو سخت ملال و تاسف ہے۔ قصد تھا کہ قبر توڑ کر نکل آؤں اور تم کو گوشمالی مناسب دوں لیکن یہ قانون قدرت کے خلاف ہے اس وجہ سے مجبور رہا۔ اگر تم اپنے طریق و عمل و طرز معاشرت درست نہ کرو گے تو دوسرے نہج سے تمہاری تنبیہ و سرکوبی ہوگی۔" یہ خط بدل ان تحریرات کا ہے جو وہ دوسروں کے دل دکھانے کے واسطے بھیجتے ہیں ورنہ اور رئیس بھی سندیلہ میں ہیں ان کے نام کیوں نہیں ایسے خطوط آتے۔ افسوس ہے کہ منشی موصوف نے اپنے وقار اور حرمت کو ایسا بگاڑا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو ان کے نام تحریرات ہزل و تمسخر بھیجنے کی جرأت ہوتی ہے۔ خدا ان کو رائے صائب عطا کرے۔

<u>راجہ محمود آباد</u>: ۶؍نومبر ۱۸۸۸ء آج ۱۱ بجے دن کے میں قیصر باغ (لکھنؤ) مع برخوردار مصطفیٰ علی کے گیا۔ اوّل چودھری نصرت علی صاحب اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ہند سے ملاقات کی۔ بہت خلق سے پیش آئے

اور میری خواہش پر آمادہ ہوئے کہ راجہ امیر حسن خان صاحب سے دلوانے چھٹی میں سعی ضرور کروں گا۔ چنانچہ ۳ بجے راجصاحب سے ملاقات ہوئی۔ بہ لطف پیش آئے اور میری درخواست پر جناب ممدوح نے وعدہ کیا کہ میں کسی حاکم کو چھٹی ضرور لکھ دوں گا۔ چونکہ دماغ راجہ صاحب کا باعث لاحق ہوجانے عارضہ جنون کے ہنوز جیسا کہ چاہئے صحیح نہیں ہے اس وجہ سے ان کے حرکات وافعال متغیرانہ حالات میں ہیں جس کا شمہ یہ ہے کہ صبح کے تین بجے بعد نماز آرام کرتے ہیں اور بارہ بجے دن کو بیدار ہوتے ہیں۔ اسکے بعد نماز و وظیفہ میں معروف ہوجاتے ہیں کہ کسی کو نوبت کلام وکلام تین بجے شام تک نہیں پہنچتی ہے۔ کوئی کام خود نہیں دیکھتے۔ ہاں ہوں میں شبانہ روز گزرتا ہے۔ آخرش آج ان کے کثرت اوراد سے کوئی موقع مجھے لکھوانے چھٹی مطلوب کا نہیں ملا۔

۷ نومبر۔ بوقت ایک بجے دن کے میں پھر واسطے ملاقات راجہ امیر حسن خاں صاحب بہادر قیصر باغ گیا اور بہ جس کوشش چودھری نصرت علی صاحب راجہ صاحب نے واسطے سفارش برخوردار مصطفٰے علی کے ایک چھٹی انگریزی از دست خود بنام مٹس صاحب ڈپٹی کمشنر سیتاپور کے لکھ دی جس کا یہ مضمون تھا کہ سید مصطفٰے علی نوجوان آدمی میرے ایک دوست کا بیٹا ہے۔ ان کے باپ میرے ساتھ مدرسہ سیتاپور میں انگریزی پڑھتے تھے مصطفٰے علی نے امتحان انٹرنس کلکتہ یونیورسٹی کو پاس کیا ہے اور اب درجہ ایف۔ اے میں پڑھتے ہیں۔ یہ شخص تعلقدار سندیلہ کا عزیز ہے۔ بہ عہد شاہی ونیز بوقت تسلط عملداری سرکار انگریزی ان کے مورث اعلا اعلا عہدوں پر ممتاز رہے اور بہت ذی عزت ہیں اس وجہ سے میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ براہ عنایت مصطفٰے علی کو کوئی عہدہ ان کی عزت کے موافق عطا کریں گے جس کا میں مشکور ہوں گا۔

بعد واپسی مکان قیام میں نے کل بندوبست جانے برخوردار مذکور کا کر دیا اور مولوی عبدالغنی صاحب وکیل سیتاپور کے نام خط لکھ دیا کہ اپنے مکان میں برخوردار کا قیام کرا دیں اور صاحب ضلع سے ملاقات کرا دیں۔

۱۲ نومبر۔ آج چار بجے شام کو برخوردار مصطفٰے علی ضلع سیتاپور سے واپس آئے معلوم ہوا کہ مٹس صاحب ڈپٹی کمشنر سیتاپور سے بمقام اسدھولی ملاقات ہوئی۔ راجہ امیر حسن خاں صاحب کی چھٹی ملاحظہ کرکے فرمایا کہ بالفعل کوئی جگہ خالی نہیں ہے لیکن تمہارا نام امیدواروں میں لکھ لیا گیا۔ بروقت موقع پرورش کی جائے گی چونکہ صاحب بہادر وعدہ کے پکے ہیں عجب نہیں کہ کسی موقع پر یاد کریں بلکہ برخوردار موصوف سے کہہ دیا ہے کہ کبھی کبھی ملاقات کر جایا کرو۔

انجمن اسلامیہ سندیلہ۔ ۱۸ نومبر ۱۸۸۸ء۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ۔ آج جلسہ انجمن اسلامیہ اشراف ٹولہ سندیلہ بوقت ۹ بجے صبح مدرسہ سرکاری میں قرار پایا۔ ایک سو سے زائد باشندگان سندیلہ کا مجمع تھا۔ منشی

فضل حسین صدر نشین کیے گئے۔ سید محمود رضا ولد سید محسن رضا صاحب، امیر حسن، کرامت علی ولد شیخ سلامت علی صاحب مرحوم، مولوی حفیظ اللہ مدرس دویم ساکن ساندی، مولوی فیاض علی مدرس اول محلہ منڈئی نے مناسب وقت ہمدردی و ترقی دین اسلام کے اسپیچیں کیں۔ یہ جلسہ ۳ گھنٹے تک قائم رہا۔ انجمن مذکور ۱۳۰۱ھ میں قائم ہوئی ہے۔ خدا برکت دے کہ یہ قائم رہے اور کوئی نفاق باہمی پیدا نہ ہو جائے۔ اس انجمن کی دیکھا دیکھی واجد خاں صاحب نے محلہ ملکانہ میں اور ریاض الدین پٹواری، مخدوم پورہ نے محلہ منڈئی میں ایک ایک انجمن چندہ سے قائم کی ہے۔ اگر ان میں نفاق نہ ہوا تو خیر ورنہ انجام بخیر نہ ہوگا۔

حافظ کرم احمد: ۱۹ نومبر ۱۸۸۸ء۔ افسوس ہے کہ آج ایک بج کر ۴۰ منٹ دن کے جناب حافظ کرم احمد صاحب نے بہ عمر ۷۰ سال اس دار ناپائدار سے رحلت فرمائی۔ ان کی مفارقت دائمی سے باشندگان سندیلہ کو عموماً اور ان کے اعزا و مریدین کو خصوصاً از بس صدمہ ہوا۔ جناب مرحوم شیخ صدیقی حافظ محمد حسین صاحب کے بیٹے تھے۔ کتب درس تصوف میں دستگاہ کامل تھی۔ ابتداءً بعد تحصیل علم ضروری اضلاع للت پور وغیرہ میں بہ عہدہ ہائے مختلف ملازم سرکار تھے۔ ۱۸۵۵ء و ۱۸۵۶ء میں ضلع اوری ملک متوسط میں سررشتہ دار و موضع سراون میں تھانہ دار رہے۔ زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں سندیلہ تشریف لائے اور بعد رفع غدر و تسلط عملداری برٹش گورنمنٹ ضلع ساگر میں سررشتہ دار بندوبست و پیش کاری وغیرہ عہدہ ہائے مختلف پر ممتاز رہے۔ بعد تکمیل ملازمت ۱۸۷۲ء میں بحصول پنشن تیرہ روپے چار آنے خانہ نشین ہوئے۔ حضرت معشوق علی صاحب خیرآبادی کے مرید تھے اور اس طریقت میں معلومات کامل تھی۔ آپ کے صدہا مرد و زن سندیلہ و خیرآباد، گوپامئو، لکھنؤ، ساگر، بھوپال، ٹونک وغیرہ میں مرید ہیں۔ باوصف قلت مداخلت و حالت توکل اپنے دادا پیر حضرت فضل میاں صاحب قدس اللہ سرہٗ کا عرس ۱۲ شوال کو بمقام سندیلہ بہت دھوم دھام سے فرماتے تھے اور ہر سال خیرآباد تشریف لے جاکر ۷ ربیع الاول کو اپنے مرشد کا عرس بڑی فیاضی و کشادہ دلی و خوش اعتقادی سے سرانجام دیتے تھے۔ اس مرتبہ علالت درد صدر مانع عزیمت خیرآباد ہوئی اور عرس آخری سندیلہ میں کیا۔ آپ کو کاشتکاری کا بہت شوق تھا۔ اگرچہ اس سے نفع قلیل حاصل ہوتا۔ بباعث وسعت اخلاق و فطری فیاضی و تعلیم علم فقر کے لوگوں کا ہجوم رہتا۔ دوسروں کا نفع اپنے نقصان پر مقدم جانتے۔ کسی سائل کو بے نیل مرام واپس نہیں کرتے اور اس کے فائدے کو بدل معروف ہو جاتے۔ کنبہ پروری میں یکتا تھے۔ دوسروں کے انجام مرام میں کسی نہج سے دریغ نہیں فرماتے اور ان کی راحت کو اپنی تکلیف پر ترجیح دیتے۔ ان کی ذات خیر و برکت سے رونق محلہ تھی اور کل اہل سندیلہ ان کا اعزاز کرتے

تھے۔ بخت تاسف ہے کہ آج جناب ممدوح نے باتیں کرتے ہوئے درد صدر میں انتقال فرمایا جو کم و بیش دو ہفتہ سے لاحق تھا اور چھ بجے شام کو اپنے احاطہ نشست گاہ میں مدفون ہوئے۔ چار پانچ سو آدمی تجہیز و تکفین میں شریک تھا جناب مرحوم کے کوئی اولاد ذکور نہ تھی۔ صرف ایک لڑکی یادگار چھوڑی جو قبل اس کے لاولد بیوہ ہو چکی ہے۔ افسوس صد افسوس کہ آج کے روز سے ان کا نام و نشان بالکل معدوم ہو گیا۔

۲۰؍ نومبر۔ آج طعام دو جا بہ خانہ جناب حافظ کرم احمد صاحب مرحوم بھیجا۔ چونکہ برخوردار مجتبیٰ علی حافظ صاحب مرحوم کے بہ کمال عقیدت مندی مرید تھے لہٰذا رحلت فرمائی حافظ صاحب سے ان کو نہایت صدمہ ہوا اور چند گھنٹے اوقات عزیز کے گریہ و زاری میں صرف کیے۔

ایک عقد شرعی: ۷؍ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ آج ۹ بجے رات کو عقد شرعی دختران وصی علی شاہ صاحب درگاہ کا فرزندان حامد علی و مشرف علی سے ہوا۔ میں بھی شریک رہا۔ محمد ادریس خلف حامد علی کا عقد مسماۃ کنیز فاطمہ اور نبی محمد عرف مسیح اللہ خلف مشرف علی کا مسماۃ اللہ بخشی سے ہوا۔ ایک ایک ہزار اور ایک ایک روپیہ مہر قرار پایا۔ دس بجے رات کو فراغت ہوئی۔ بعد نکاح شاہ صاحب اپنے سر پر چکی کے پل رکھ کر اور لڑکیوں کو پا پیادہ لے کر ان کی سسرال پہنچا آئے۔ لڑکیاں سات سات پیوند کی چادریں اوڑھے تھیں اور پجاموں میں بھی پیوند لگے تھے۔ ایسے شرعی طریقے سے عقد سندیلہ میں کبھی نہیں ہوا۔ بروقت رخصتی دولھن ایک کہرام عظیم تھا۔ کل حاضرین کو رقت تھی۔

اطبائے سندیلہ: ۱۲؍ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ افسوس کہ سندیلہ طبیبوں سے خالی ہو گیا۔ بعد انتقال حکیم بندہ حسن صاحب اب کوئی ایسا نظر نہیں آتا کہ اس سے رجوع کیا جائے اور پھر بعد تشخیص کامل علاج ہو۔ گرچہ حکیم جاوید علی مہتوانہ شاگرد رشید حکیم صاحب مرحوم علاج متوجہ کرتے ہیں اور بجانب غربا ان کی نظر زیادہ ہے لیکن جو علمیت اور لیاقت حکیم صاحب کو حاصل تھی وہ کہاں۔ میرے خیال میں اب طب یونانی روز بروز معدوم اور علاج انگریزی کو ترقی ہے۔ غالباً اب عموماً علاج انگریزی ہوا کرے گا۔ اور یونانی مطلقاً مفقود ہو جائے گا۔

منشی امتیاز علی و اکرام اللہ خاں: ۲۴؍ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار امروزہ سے واضح ہوا کہ منشی امتیاز علی صاحب رئیس کاکوری وکیل عدالت ہائے لکھنؤ ۲۱ ماہ حال کو عازم بھوپال ہوئے اور ۲۲ خواہ ۲۳؍ دسمبر کو چارج منصب وزارت ریاست مذکور دسٹر وارڈ صاحب مہتمم ریاست سے حاصل کریں گے۔ شکر ہے کہ ہمارے ہم وطن بھائی کو ایسا اعزاز حاصل ہوا جس سے ہر آئینہ موجب فخر قومی متصور ہے۔ اور اسی پرچے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محمد اکرام اللہ خاں صاحب بہادر (نواب یار جنگ صوبہ دار گلبرگہ دکن) رکن ریاست رام پور

مقرر ہوئے اور شاید یکم جنوری ۱۸۸۹ء کو ریاست مذکور میں فائز ہو کر کنور لطف علی خاں صاحب سے چارج حاصل کریں۔ سنا گیا کہ منشی امتیاز علی صاحب کی دو ہزار پانچ سو روپیہ اور ڈپٹی اکرام اللہ خاں صاحب کی بارہ سو روپیہ تنخواہ ہوئی۔ صاحب آخر الذکر علاوہ اس تنخواہ کے پانچ سو روپیہ پنشن ماہواری ریاست حیدر آباد سے اور تین سو بیس روپیہ گورنمنٹ انگریزی سے پاتے رہیں گے۔

برادر خورد: ۲۹ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ آج شب کو حسب ہدایت سابقہ جناب حافظ کرم احمد صاحب مرحوم شیخ شجاعت حسین و حیدر حسن وغیرہ ساکنان گوپامئو مریدین حافظ صاحب مرحوم و مغفور نے عزیزی سید اظہر علی کو خلیفہ جناب مرحوم کا قبول کیا اور بعد بندش عمامہ خلافت قوالان نے مبارک بادگائی اور مریدین نے نذریں پیش کیں۔ چوں کہ اس کارروائی میں عجلت بہت ہوئی اس وجہ سے میں شریک نہ ہو سکا۔ واقعی حافظ صاحب عزیز موصوف سے بباعث ان کی سلیم الطبعی و شائستگی کے ازحد خوش تھے اور علم فقر کی تعلیم بوجہ ان کی حاضر باشی بطرز مناسب فرمائی تھی۔ خدا کرے کہ سر انجام اس خلافت کا خوش اسلوبی سے ظہور پذیر ہو۔

انجمن اسلامیہ: ۳۰ دسمبر ۱۸۸۸ء۔ آج ایک بجے دن کے جلسہ انجمن اسلامیہ مدرسہ سندیلہ میں قرار پایا۔ منشی فضل حسین پریسیڈنٹ کمیٹی تجویز ہوئے اور مولوی علی احمد صاحب نے در بارۂ ترقی تعلیم اہل اسلام کے پرجوش اسپیچ بیان کی جس سے حاضرین کو ایک نوع کا اثر ہوا۔ بعدہ مولوی مقیم الدین صاحب عالم پنجابی نے چند آیات قرآنی کا ترجمہ بطور وعظ کے فرمایا اور جلسہ برخاست ہوا۔

گورنر کا دربار: ۵ فروری ۱۸۸۸ء صبح کی ریل میں جناب سر آکلینڈ کالون صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی و چیف کمشنر اودھ وارد ہردوئی ہوئے۔ چار بجے شام کو بمقام وکٹوریہ ہال دربار ہوا۔ چودھری محمد عظیم صاحب نے از جانب وکٹوریہ ہال اور راجہ درگا پرشاد نے منجانب تعلقداران ایڈریس پڑھا اور راقم نے منجانب ڈسٹرکٹ بورڈ و حاجی محمد حسین خان شاہ آباد نے از جانب میونسپلٹی و سید تقی صاحب (عرف بھیتن میاں) نے از طرف بلگرام انسٹی ٹیوٹ ایڈریس و شیخ نظر حسین وکیل ہردوئی نے قصیدہ یکے بادیگرے پیش کیا جو قبول و منظور ہوا۔ بعدہ الائچی و پان تقسیم ہو کر دربار برخاست ہوا۔ شام کو آتش بازی و روشنی و رقص جدن و نگین وغیرہ طوائفان لکھنؤ و فضل حسین کشمیری کا ہوا۔

کتب خانہ وکٹوریہ ہال: ۲۳ فروری ۱۸۸۹ء۔ آج صبح کی ریل میں واسطے شرکت کمیٹی چندہ کتب خانہ کالون صاحب وکٹوریہ ہال ہردوئی کو گیا۔ بارہ بجے کمیٹی ہوئی۔ مبلغ چار ہزار چھ سو روپے کی تعداد کتب خانہ

تاریخ مذاہمک قرار پائی۔ منشی نولکشور صاحب مالک مطبع اودھ اخبار نے اسپیچ پڑھی اور دو ہزار پانچ سو جلد کتاب کی ایک فہرست پیش کی جو کتب خانہ کالون میں داخل کریں گے اور دو سو روپے نقد واسطے خرید ایک کتاب جامع علوم و فنون کی دینا منظور کیے جو کتاب لندن سے خرید ہو کر آوے گی۔ اوّل ہارس فورڈ صاحب ڈپٹی کمشنر بعدہٗ علی بہادر صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس و منشی نظیر حسن صاحب نے اسپیچیں پڑھیں جن کا تعلق فائدہ عام کتب خانہ کالون سے تھا۔ پانچ بجے شام کو فراغت ہوئی اور اسی وقت شام کی ریل میں سندیلہ واپس آیا۔

شادی عزت علی: ۸ مارچ ۱۸۸۹ء۔ شب کو جلسہ رقص شادی عزت علی (خلف چودھری نصرت علی صاحب) میں شریک ہوا۔ حسب ذیل تعلقداران اودھ نے بباعث اسسٹنٹ سکریٹری ہونے چودھری صاحب کے شرکت کی۔ علاوہ تعلقداروں کے اور بھی معزز لوگ شریک ہوئے تھے۔ تفصیل تعلقدار: راماشنکر بخش صاحب تعلقدار کھجور گاؤں ضلع رائے بریلی۔ راجہ تصدق رسول صاحب تعلقدار جہانگیر آباد ضلع بارہ بنکی۔ خان بہادر احمد حسن خان صاحب تعلقدار گدیا ضلع بارہ بنکی، مرزا محمد علی بیگ تعلقدار اورنگ آباد ضلع سیتاپور، محمد علی خان صاحب تعلقدار بھلامئو ضلع لکھنؤ، داروغہ نظیر حسن تعلقدار ضلع لکھنؤ، وصی حیدر عرف جبی میاں صاحب تعلقدار بلگرام ضلع ہردوئی، ٹھاکر جنگ بہادر صاحب تعلقدار سرورہ ضلع سیتاپور، وصی الزماں تعلقدار اناؤ، راقم جلسہ میں چند منٹ ٹھہر ۱۱ اور دو روپے چودھری نصرت علی صاحب اور دو روپے چودھری محمد عظیم صاحب کو نیوتہ دے کر مکان پر واپس آیا۔

۹ مارچ۔ صبح کو نکاح چودھری عزت علی خلف چودھری نصرت علی صاحب کا مساۃ مینا دختر چودھری محمد عظیم صاحب سے بعوض مہر پچھتر ہزار کے ہوا۔ حافظ شوکت علی صاحب نے نکاح پڑھا۔ سامان آرائش و آتش بازی بہت خوب تھا۔ چند ڈیرے طوائف کے لکھنؤ سے بھی آئے تھے۔ چودھری محمد عظیم صاحب نے حسب معمول کندوری عام طور سے تقسیم کیا اور جہیز بھی اچھا دیا۔ تفصیل مختصر درج ذیل ہے۔

ظروف نقرہ ۵۱۔ ظروف مسی ۱۵۱۔ زنجیر فیل یک۔ اسپ یک۔ شتر یک۔ زیور کل طلائی تھا۔ صرف چھپیاں گوکھرو نقرئی تھے (کذا) یہاں تک کہ زیور پیر کا بھی مثل کڑے و چھڑے کے طلائی دیا گیا۔ ظروف و زیور مضبوط و وزنی تھا۔ الغافیہ نہ تھا۔ چھ ہزار کشش کندوری میں صرف ہوئے۔ گیارہ بجے رات کو بارات رخصت ہوئی۔ جب بارات بخانہ دولھا پہنچی تو ایک دیگ کلاں و ایک لوٹا نقرئی و ایک پات طلائی قیمتی ۲۲۲ روپیہ چوری گیا جس کی تفتیش ہو رہی ہے۔

چیچک: ۳۰ اپریل ۱۸۸۹ء۔ آج کل سندیلہ خاص اور اس کے نواح میں اس قدر شکایت چیچک ہے کہ صدہا لڑکے اس عارضہ میں ضائع ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں مگر یاں جن لڑکوں کو ٹیکا دیا گیا ہے وہ البتہ اس شکایت

سے محفوظ ہیں۔ یہ عجیب موذی عارضہ ہے کہ صدہا اشخاص کو داغ مفارقت اولاد دے رہا ہے۔

حکیم ظہور الحسن: یکم مئی ۱۸۸۹ء- آج میں نے بوقت ملاقات منشی مقبول احمد صاحب تحصیلدار سندیلہ سے حکیم ظہور الحسن نبیرہ میر کرم صفی کی سفارش کی کہ سندیلہ میں حکیم کے نہ ہونے سے عموماً تکلیف سخت ہے۔ اگر ان کا تقرر صیغہ میونسپل سے کیا جائے تو باعث بڑے رفاہ عام کا ہے۔ چنانچہ تحصیلدار صاحب نے سفارش منظور کی اور کو میٹی آئندہ پر ان کا تقرر و تنخواہ وغیرہ کی بحث کو موقوف رکھا۔

مدرسہ انگریزی: ۲۷ جون ۱۸۸۹ء- آج کومیٹی واسطے قائم ہونے مدرسہ انگریزی کے باستعانت ارباب سندیلہ قائم ہوئی۔ کثرت رائے سے طے پایا کہ یکم جولائی سن الیہ کو دیوان خانہ چودھری دھوکن میں جو تین روپے ماہواری کرایہ پر لیا گیا ہے مستقر ہو۔ بالفعل تین مدرس دو انگریزی اور ایک فارسی داں واسطے تعلیم کے تجویز ہوئے واسطے امور انتظامی کے منشی علی بہادر صاحب تحصیلدار سندیلہ پریسیڈنٹ وکنور درگا پرشاد صاحب وکنور نرندر بہادر صاحبان وایس پریسیڈنٹ اور راقم الحروف سکریٹری تجویز ہوا اور پروانہ جات تقرری بنام مدرسین جاری ہوئے۔ پنڈت آسارام نقل نویس سب ججی ہردوئی مدرس اول تنخواہ بیس روپے اکبر خاں سندیلہ مدرس دوم دس روپے لالہ جواہر لال سندیلہ معلم فارسی سات روپے، بھگوان دین چپراسی سندیلہ تین روپے۔ کل چالیس روپے ماہوار کے۔ پنڈت آسارام کے نام پروانہ تقرری بھیجا گیا ہے اگر وہ قبول نہ کریں گے تو کوئی دوسرا شخص تجویز ہوگا۔

یکم جولائی۔ آج مدرسہ انگریزی بہ دیوان خانہ چودھری دھوکن مرحوم راقم وکنور درگا پرشاد وکنور نرندر بہادر صاحبان نے کھولا۔ بالفعل اکبر خاں و جواہر لال نے کام شروع کیا۔ ہیڈ ماسٹر ابھی نہیں آئے۔

۹ جولائی۔ آج میں نے ایک فہرست مرتب کی اور اس کو شائع کیا کہ روسائے قصبہ ہذا و ممبران میونسپل بروقت تشریف آوری کرنل پچر صاحب جو ۱۱ جولائی کو وارد سندیلہ ہوں گے کھولنے مدرسہ انگریزی میں شرکت کریں۔

۱۱ جولائی۔ آج بارہ بجے دن کی ریل میں کرنل پچر صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی و ڈاکٹر مکریڈی صاحب و برل صاحب کپتان پولیس واسطے کھولنے مدرسہ انگریزی سندیلہ کے رونق بخش سندیلہ ہوئے اور دیوان خانہ چودھری دھوکن میں تشریف لے جاکر جہاں بالفعل مدرسہ تجویز ہوا ہے مدرسہ کو کھولا۔ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سردن ٹراگاؤں نے اسپیچ پڑھی جس کے جواب میں صاحب ضلع نے اپنے ایڈریس میں وعدہ کیا کہ ہم اس مدرسہ کے واسطے سرکاری مدد بھی دیں گے اور میونسپل سندیلہ سے بھی بحالت گنجائش مدد کی تحریک کریں گے راقم و جملہ تعلقداران و رؤسا قصبہ ہذا موجود جلسہ افتتاح تھے۔

۱۹ر جولائی۔ میر علی حسن ساکن پہانی ہیڈ ماسٹر مدرسہ انگریزی سندیلہ مقرر ہو کر آئے اور چارج اپنے عہدہ کا لیا۔
۲۱ر جولائی۔ آج کل بہ منصب سکریٹری مدرسہ انگریزی سندیلہ مجھے کچھ کام زیادہ بڑھ گیا ہے لیکن اس سے مجھے کچھ مجبوری نہیں ہے اور نہایت خوشی سے میں اس کام کو انجام دیتا ہوں جس کی علّت غائی صرف رفاہ خلائق و حصول اعزاز ہے۔
۳۱ر جولائی۔ آج بغرض ہوا دار کرنے دیوان خانہ چودھری دھوکن مرحوم (جس میں بالفعل مدرسہ انگریزی قائم ہوا ہے) ایک دروازہ پشت برلب سڑک توڑوا دیا تاکہ معلمین و متعلمین کو احتباس ہوا سے تکلیف نہ ہو۔
ایک میت: یکم ستمبر ۱۸۸۹ء۔ آج مسماۃ شفیق النساء دختر منشی سید عنایت حسین صاحب یعنی اہل خانہ سید الطاف رسول خلف منشی فضل حسین نے بعارضہ تپ دق بوقت ۵ بجے شام کے اس دنیا سے رحلت کی۔ عمر ۱۷ سال تھی مرحومہ کے تا مرگ حواس خمسہ درست رہے اور باتیں کرتی رہیں اور کلمہ شہادت پڑھتی رہیں۔ ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو بہ صرف مبلغ پندرہ ہزار روپیہ شادی ہوئی تھی لیکن بباعث نااتفاقی مورثان فریقین ایک روز بھی آسائش نصیب نہ ہوئی۔۔۔ دو باتیں مرحومہ کے انتقال میں جدید ہوئیں جو رواج سندیلہ کے خلاف تھیں۔ اوّل جب لاش مکان سے لے چلے تو بباعث خفیف ترشح ایک سائبان مختصر بغرض حفاظت لاش چار آدمی تانے لے چلے۔ دوسرے یہ کہ نماز جنازہ مسجد عمر بہرہ کے اندر ہوئی جس کی نسبت علما میں اختلاف ہے۔
مدرسہ انگریزی و حکیم ظہور الحسن: ۱۹ ستمبر ۱۸۸۹ء۔ آج میونسپل کمیٹی ماہواری قرار پائی۔ بکثرت رائے مبلغ پندرہ روپے ماہوار واسطے امداد مدرسہ انگریزی کے تجویز ہوئے۔ حکیم ظہور الحسن نبیرہ میر کرم صفی، پورہ پار ٹولہ، سندیلہ از جانب میونسپل کمیٹی طبیب تجویز ہوئے اور دس روپے ماہوار ان کو کمیٹی میونسپل سندیلہ سے ملیں گے بشرطیکہ حکام بالا اس تجویز کو منظور کریں اور بائیس روپے ان کو چندہ سے ملیں گے جس کو روسائے سندیلہ نے منظور کیا ہے اور ایک روپیہ میں نے بھی اس مد میں دینا جائز رکھا۔ ظہور الحسن حکیم نوجوان خوش تشخیص ہیں اور علاج اچھا کرتے ہیں۔
اچھی طوائف: ۱۶ اکتوبر ۱۸۸۹ء۔ مسماۃ اچھی طوائف کل بعد حج کعبہ سے داخل سندیلہ ہوئی۔ اس نے گناہوں سے توبہ کی اور اب اس کا قصد اپنے پیشہ کا نہیں ہے۔ عجب نہیں کسی سے عقد کر لیوے۔
ٹیکا چیچک: ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۹ء۔ آج کمیٹی خاص میونسپل میں یہ طے ہوا کہ کام لگانے ٹیکا ہر ایک ممبر کو تفویض کیا جائے اور وے لوگ ہفتہ وار اپنے اہتمام خاص سے کام ٹیکا کا انجام کرا دیں جس کی بابت ہدایت خاص گورنمنٹ موصول ہوئی ہے چنانچہ میرے متعلق ہفتہ اول دسمبر ۱۸۸۹ء کا مقرر ہوا ہے۔
مذبح: ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۹ء۔ آج بہ ہمراہی سید علی بہادر تحصیلدار سندیلہ دو گھنٹہ کامل گشت قصبہ ہذا کا کیا

اور مقامات ذبیحہ کے تجویز کیے۔ آخرش متصل تالاب شراحوض ایک موقع واسطے ذبیحہ کے قرار پایا۔ لبعد تعمیر اس مکان میں گائے بیل وغیرہ ذبح ہوا کریں گے اور جو مقام تالاب شاہ دیوان عالم تجویز ہوا ہے۔ اس میں بکری و بھیڑی وغیرہ ذبح ہوا کریں گی۔ یہ مکانات عنقریب میونسپل سے تعمیر کرائے جائیں گے۔

مرمت نہر: ۲۸ر نومبر ۱۸۸۹ء آج کل مرمت نہر تالاب 'بچکوہرہ' جو ندی 'بیتا' میں منتہی ہوئی ہے میرے اہتمام میں ہوتی ہے۔ حسن علی سابق خدمت گار راقم بحیثیت میٹ سولہ نفر مزدوروں سے کام لیتا ہے۔ آج میں نے کام معائنہ کیا۔ آج چند جریب تیار ہوا ہے اور اچھا ہوا ہے۔ اب یقیناً زمان بارش میں پانی تالاب 'بچکوہرہ' و 'بھٹریلا' کا جو محلہ مہتوانہ کے گرد پھیل جاتا تھا بلا تکلف 'بیتا' میں بہتا چلا جائے گا۔

قیمت گوشت: ۸ر دسمبر ۱۸۸۹ء۔ آج میونسپل کمیٹی اکتوبر و نومبر سن الیہ کی ایک ساتھ ہوئی۔ ایک امر متعلقہ نامنظوری افزونی قیمت گوشت کے میری رائے کو غلبہ رہا اور منجملہ بارہ ممبران موجودہ کے دس کو مجھ سے اور ایک کو چودھری محمد عظیم سے اتفاق رائے ہوا۔ ان کی رائے تھی کہ قیمت گوشت کی دو آنے سے ڈھائی آنے سیر کردی جائے۔ آخرش بہ کثرت رائے فیصلہ ہوا اور دو آنہ سیر قیمت قائم رہی۔

فضل حسین واحمد علی شوق: ۲۲ر فروری ۱۸۹۰ء۔ غلط بیانی سے بروقت افشائے راز ہمیشہ ندامت ہوتی ہے لیکن کچھ لوگ اس کے ایسے عادی ہو رہے ہیں کہ باوصف زک پر زک اٹھانے کے باز نہیں رہتے۔ چنانچہ آج کل ایک مقدمہ مابین منشی فضل حسین تعلقدار و سید علی بہادر صاحب تحصیلدار سندیلہ کے زیر بحث ہے بدین تفصیل کہ منشی صاحب نے ایک فٹن گاڑی لکھنؤ سے بقیمت نو سو پچاس روپے بذریعہ احمد علی شوق (جن کا اخبار موسومہ آزاد لکھنؤ سے نکلتا ہے) خرید کرا کے سندیلہ منگائی اور خرچ اس کا درج روشن باقی تعلق ہوا۔ اور قبل آنے گاڑی کے منشی صاحب نے راجہ کنور بہادر صاحب تعلقدار خریداری گاڑی اور اس کی قیمت کا اظہار کیا اور محمد یحییٰ مختار عام نے بھی اس کی تصدیق میر الطاف حسین سپرنٹنڈنٹ آکرٹائی سے کی۔ جب سپرنٹنڈنٹ نے محصول طلب کیا تو منشی ساڑھے چار سو قیمت گاڑی قرار دے کر چودہ روپے ایک آنہ محصول بھیج دیا۔ چونکہ سپرنٹنڈنٹ کو اصل قیمت سے اطلاع تھی لہٰذا انھوں نے سید علی بہادر صاحب پریسیڈنٹ میونسپل کو اس صورتحال سے اطلاع دی جس پر تحصیلدار نے بعد استفسار از شوق (جو حسن اتفاق سے بہ تقریب شادی رفیع الزماں ہمراہ بارات آئے تھے) کل کیفیت درج کر کے منشی صاحب سے جواب طلب کیا ہے۔ دیکھیے کہ کیا جواب دیتے ہیں۔

۲۴ر فروری۔ جب منشی فضل حسین کو معلوم ہوا کہ احمد علی شوق، مالک اخبار آزاد لکھنؤ نے سید علی بہادر

تحصیلدار سے تصدیق کی ہے کہ گھی بذریعہ ان کے نو سو پچاس کو خرید ہوئی ہے تب تو منشی صاحب سخت پریشان ہوئے اور ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ مقدمہ بجرم اخفاے محصول قائم کیا جائے لہٰذا فوراً مبلغ تینتیس روپے بابت قیمت گھی نو سو پچاس کے محصول بھیج دیا لیکن تحصیلدار صاحب نے اس وقت تک لینے سے انکار کیا جب تک منشی صاحب نے تحریری اقبال خرید گاڑی کا بہ قیمت نو سو پچاس روپے کے نہیں کیا۔ سچ ہے کہ جھوٹ بولنے کا ایسا ہی نتیجہ ہوتا ہے جیسا کہ منشی صاحب نے حاصل کیا ہے جس سے تمام سندیلہ میں مطعونی ہو رہی ہے۔

کالون انسٹی ٹیوٹ: ۱۰/مارچ ۱۸۹۰ء۔ آج ایک ٹکٹ شرکت جلسہ کالون انسٹی ٹیوٹ جس کی بنیاد بادشاہ باغ لکھنؤ میں ۱۱/مارچ ۱۸۹۰ء وقت ۵ بجے شام کے قائم ہوگی مرسلہ چودھری نصرت علی صاحب اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ہند لکھنؤ موصول ہوا۔ چونکہ کل مقدمات چند فوجداری میری پیشی میں ہیں اس لیے شکریہ کے ساتھ عذر عدم شرکت کا لکھ بھیجا[۱]۔

شادی میں فضول خرچی: ۱۹/مارچ ۱۸۹۰ء۔ چونکہ دختر مرزا محمد علی بیگ تعلقدار اورنگ آباد ضلع سیتاپور کی تقریب رخصتی بہت دھوم دھام سے قرار پائی ہے..... سنا گیا ہے کہ بہت بڑا مجمع ہوگا۔ کئی لاکھ روپے کا صرف جائز رکھا گیا ہے۔ ہمارے ہندوستانی بھائی ایسی ہی فضول خرچی سے مقروض و پریشان ہیں۔

قانون ٹیکا: ۳/اپریل ۱۸۹۰ء۔ آج شام کمیٹی میونسپل منعقد ہوئی۔ سید علی بہادر صاحب پریذیڈنٹ کمیٹی نے تجویز کیا کہ قانون ٹیکا قصبہ ہذا میں جاری کیا جاوے جس کی تائید بالاتفاق ہوئی اور اس بارے میں ایک روداد خاص بخدمت صاحب ضلع واسطے منظوری گورنمنٹ کے بھیجی گئی۔

مرزا محمد علی بیگ: ۱۵/جون ۱۸۹۰ء۔ مرزا محمد علی بیگ صاحب ولد آغا جان تعلقہ دار اورنگ آباد (ضلع سیتاپور) سے آج شام کو ملاقات ہوئی۔ بہت تپاک سے پیش آئے اور میرے بعض خیالات کو (جیسے بدمستی سے احتراز اور مظلوموں پر نگاہ کرم) اپنے سے مطابق پا کر بہت خوش ہوئے اور اگلے زمانے کا پورا خیال ان کے قلب پر حالی ہے جب کہ میں اور وہ ۱۸۶۳ء میں مدرسہ سیتاپور میں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ بالفعل عشق اچھی جان بنت گوہر طوائف سندیلہ میں مرزا صاحب سخت مبتلا ہیں اور اس کو ایک عمارت پختہ بصرف مبلغ چھ ہزار روپیہ سندیلہ میں تعمیر کروا دیا ہے

کثرت انبہ: ۳/جولائی ۱۸۹۰ء۔ آج کل آم کی بہت افراط ہے۔ ہر سڑک و گلی میں اس کی خریداری ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ دو پیسہ سیکڑہ فروخت ہوتے ہیں۔ بمقابلہ ہر سال کثرت ہے۔

۱؎ کالون کالج کے نام سے یہ ادارہ اب بھی موجود ہے۔ ا ثمی۔

نماز بقر عید: ۲۸ جولائی ۱۸۹۰ء۔ مولوی مقیم الدین صاحب ساکن ڈیرہ اسماعیل خاں صاحب کی کوشش موفورہ سے آج نماز بقرعید عیدگاہ میں ہوئی۔ دو ہزار سے زائد آدمی شریک تھے۔ کل رؤسا قصبہ بڑا چودھری محمد عظیم صاحب وحافظ شوکت علی صاحب و منشی فضل حسین صاحب وغیرہ باوصف ترشح بارش شریک نماز ہوئے۔ ایسا مجمع شاید عہد شاہی میں ہوا ہو لیکن اس میں اس قدر رؤسا کا اجتماع محالات سے ہوگا۔ یہ نتیجہ محض مولوی صاحب کی محنت شاقہ کا ہے۔ مولوی صاحب ایک غریب الوطن شخص ہیں (جن) کا سر دست قیام سندیلہ بباعث تعلیم چودھری حسن جان متبنیٰ چودھری محمد رؤف صاحب کے ہے۔ جہاں سے چالیس روپے ماہوار علاوہ کھانے کے مقرر ہے، مگر محض حمیت وجوش اسلام سے اس بار عظیم کو اپنے سر لیا جس کا بہ فضل خدا انجام بخیر ہوا۔ اس مجمع سے ایک شوکت اسلام ظاہر ہوتی تھی۔ خدا ہم لوگوں کو ہدایت کرے کہ ہمیشہ نماز عیدین عیدگاہ میں ادا کریں جس کا چبوترہ چندہ سے وسیع کر دیا گیا ہے۔

تین درخت: ۸ اگست ۱۸۹۰ء۔ بالفعل اندرون آبادی قصبہ سندیلہ تین درخت حسب ذیل ایسے بلند ہیں جو قصبہ سے تین تین کوس کے فاصلہ پر نمودار ہوتے ہیں اور ایسا بلند کوئی درخت کسی محلہ میں نہیں ہے۔ اس وجہ سے وہ ضرور اس زمانہ میں قابل یادگار ہیں۔ درخت کھجور منصوبہ نظام میاں واقع اشراف ٹولہ دو عدد، درخت املی بخانہ اللہ دیا نورباف مملوکہ میر شرف علی وغیرہ برواری محلہ ایک عدد۔

ایک کتاب خواں: ۸ اگست ۱۸۹۰ء میر ہادی کتاب خواں ساکن ملیح آباد نے قضا کی۔ عمر ۷۵ سال تھی۔ یہ شخص بروز چاند رات محرم ہر سال سندیلہ میں آجاتا تھا اور مقامات معروف میں کتاب خوانی مجلس عزا میں کرتا تھا۔ اس سوز وگداز وخوش الحانی سے کتاب پڑھتا کہ حاضرین کو نہایت لطف ملتا تھا اور مقامات غم میں سخت رقت ہوتی تھی۔ اکثر حضرات محض بغرض سماعت کتاب شریک مجلس عزا ہوتے تھے۔ اب ان کے انتقال سے لطف کتاب خوانی جاتا رہا اور محرم سندیلہ کا نصف رہ گیا۔ سنا گیا کہ یہ واقعہ کل بمقام ملیح آباد ہوا۔

ظہور لکھنوی: ۳۱ اگست ۱۸۹۰ء۔ آج گیارہ بجے دن کے منشی ظہور الحسن شاعر ساکن لکھنؤ بعارضہ تپ در مکان منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار بعمر ۶۵ سال فوت ہوئے۔ متوفی اگرچہ قوم کے باورچی تھے لیکن خواندہ فارسی دان تھے۔ شاعری میں تحقیقات اچھی تھی۔ منشی مظفر علی اسیر لکھنؤ کے شاگرد رشید تھے۔ مزاج میں از بس انکساری تھی۔ بظاہر وہی ان کی باعث فروغ ہوئی۔ ظہور تخلص تھا۔ منشی فضل حسین تعلقہ دار انھیں کے باعث شاعر مشہور ہوئے۔ دو دیوان اپنی فکر رسا سے ان کے نام سے لکھ دیے ورنہ بذاتہ تعلقہ دار صاحب کو ایک مصرعہ موزوں کرنے کی لیاقت نہ تھی۔ چونکہ شاعر متوفی کو تمنا تھی کہ سندیلہ کے قبرستان آم ہرہ میں دفن ہوں پس جب زائد علیل ہوئے تو لکھنؤ سے سندیلہ چلے

آئے۔ منشی فضل حسین بچلدوے شعر گوئی پندرہ روپے ماہوار متوفی کو دیتے تھے۔ میں اس امر کو بھی فروگذاشت نہیں کرنا چاہتا کہ متوفی کی عقل صائب اور تجربہ کار شخص تھے اور اپنی منکسر مزاجی سے ہر ایک کو راضی رکھا۔

<u>لاڈو طوائف</u>: ۱۶ر نومبر ۱۸۹۰ء۔ آج مسماۃ لاڈو طوائف دختر مولا طوائف جس نے ایک مسجد بازار بزازہ امانی گنج میں تعمیر کی ہے میری عیادت کو آئی۔ اس کا عہد شاہی میں بہت بڑا دور دورہ تھا۔ بوجہ مصاحبت نواب علی نقی خاں وزیر اعظم گل چکلہ دار اس کے مطیع تھے۔ یہ ایک نقل مشہور ہے کہ اس نے اپنی تقریب ہمّی میں ... سے گھوئیاں چھلوائی تھیں۔ اب بھی وہ خوش حال ہے۔ اس کے پاس ایک موضع موسومہ لاڈو کھیڑا ضلع اناؤ میں معافی ہے جس کی ا کاسی حال ...۵ روپیہ سالانہ سے کم نہیں ہے۔

<u>وفات منشی فہیم الزماں</u>: ۷ر دسمبر ۱۸۹۰ء۔ کل ۱۱½ بجے رات کو منشی فہیم الزماں صاحب خلف شیخ ممتاز الزماں صاحب نواسہ دیوان محمد علی صاحب مرحوم نے بعوارض مختلف بہ عمر ۴۶ سال قضا کی۔ مرحوم نے پرسوں بدرستی و حواس جب میں ان کی ملاقات کو گیا تھا اپنے خلف اکبر شیخ بشیر الزماں سے کہا کہ میرا قیام بمقام سندیلہ بباعث مولوی مظہر علی (راقم) کے ہوا۔ تم کو چاہیے کہ ہمیشہ ان سے صلاح لیتے رہو اور ان کے افعال کی تقلید کرو جو باعث تمہاری بہبودی کا ہوگا۔ میں واقعی لکھتا ہوں کہ مرحوم نہایت خوش تقریر تواریخ داں، حافظ قوی کے آدمی تھے۔ علوم متعارفہ میں واقفیت تام تھی۔ خوش نیت، خوش خوراک خوش پوشاک تھے۔ دنیاوی جھگڑوں سے بباعث لائق کارندوں کے بے فکر تھے۔ راقم کے نہایت درجہ خیر طلب اور بہ وفور محبت دعائے خیر سے یاد کرتے تھے۔ اکثر عمدہ عمدہ کھانے رکابدار لکھنؤ سے پکواتے، خود کھاتے اور اپنے احباب کو کھلواتے تھے۔ سندیلہ میں ان کے مقابل دوسرا خوش خوراک کم دیکھا گیا۔ اولاد کی طرف سے بھی خوش نصیب تھے کہ دو فرزند سعادت مند بشیر الزماں و نعیم الزماں اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں جن کے فرائض سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ آج ایک بجے دن کے اپنی مادر مرحومہ کے پہلو احاطہ زیر مجلسرا میں مدفون ہوئے۔ ان کی مفارقت دائمی کا مجھے صدمہ سخت ہوا۔ پانچ سو بخشش کھانے کے جس میں قورمہ قلیہ اور پلاؤ شامل تھا برسم تعزیت میں نے بھیجے ..... ایک روز قبل از انتقال جناب مرحوم نے بشیر الزماں کو بلا کر وصیت کی کہ تم دونوں بھائی میری کل جائداد کے بلا تفریق مالک ہو میرے بعد کوئی فساد نہ ہونا چاہیے۔

<u>چودھری نصرت علی</u>: ۶ر دسمبر ۱۸۹۰ء۔ آج چودھری نصرت علی صاحب سابق اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ہند لکھنؤ، حال اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع بریلی میری ملاقات کو تشریف لائے اور گھنٹہ بھر سے زائد قیام کر کے نہایت لطف و تپاک سے باتیں کرتے رہے۔ یہ خاندان چودھری حشمت علی صاحب مرحوم میں لائق و خوش فکر

آدمی ہیں اور انھوں نے اپنے ہم چشموں میں کامل ترقی و اعزاز حاصل کیا۔

فضل حسین: ۲۶ر جنوری ۱۸۹۱ء۔ آج منشی سید فضل حسین صاحب نے اپنے شیشہ آلات سے میری کوٹھی کو بعنوان شائستہ آراستہ کرادیا کہ تقریب مانجہ نورِ چشم مجتبیٰ علی اسی مکان میں ہوگی اور ایک لیمپ جو آندھی سے بھی گل نہیں ہوسکتا اور ایک فلٹر سنگ جس سے بہ آسانی پانی صاف ہو جاتا ہے بہ اصرار مجھے دیا اور تہ دل سے اپنی محبت کا میری جانب اظہار کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ضرور صاف دل آدمی ہیں لیکن افسوس کہ بباعث قلت جوہر عقل ان کے مصاحبوں کا ان کے قلب پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ اگر صحبت نیک ہوتی تو ان کے مقابل دوسرا آدمی سندیلہ میں نہ ہوتا۔

فوج گورا پلٹن: ۱۳ر فروری ۱۸۹۱ء۔ کل ایک فوج گورا بہ تعداد ۲۰۰۰ بہ قصد جانے گنگا پار کے لکھنؤ سے وارد سندیلہ ہوئی۔ سید علی بہادر صاحب تحصیلدار (ساکن بلگرام) کی کوشش سے انتظام رسد نہایت عمدہ تھا۔ گوروں نے بلا کسی جبر و تعدی کے اشیائے ضروری خریدکیں اور قیمت کامل ادا کی۔

میلہ دھنک جگ: ۱۸ر مارچ ۱۸۹۱ء۔ معلوم ہوا کہ میلہ دھنک جگ حسب اشارہ کرنل ہارس فورڈ صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی و کوشش مالا یطاق مولوی سید علی بہادر صاحب تحصیلدار سندیلہ میدان شیرہ حوض (سندیلہ) میں بڑی دھوم دھام سے ہوا جو تاریخ یکم مارچ سے تاریخ امروزہ تک قائم رہا۔ سوائے روسائے قصبۂ ہٰذا بہ نجات کے بہت سے لوگ شریک ہوئے اور بہ توجہ تحصیلدار تاجروں کی بکری بھی ہوئی۔ ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، بیل بھی بکثرت آئے۔ سنا گیا ہے کہ بیل کی بکری زائد ہوئی۔

عقد مرزا محمد علی بیگ: ۲۵ر مارچ ۱۸۹۱ء۔ تحریر لالہ دیاشنکر سندیلہ سے معلوم ہوا کہ پرسوں واقعہ ۲۳ر مارچ ۱۸۹۱ء روز دوشنبہ بوقت ۱۱ بجے دن کے بمقام سندیلہ عقد مرزا محمد علی بیگ تعلقہ دار اورنگ آباد (ضلع سیتاپور) خلف آغا جان صاحب، مسماۃ اچھی بنت گوہر طوائف اشراف ٹولہ سندیلہ سے ہوا اور پانچ ہزار مہر قرار پایا۔ مرزا صاحب بہت روز سے اس کی تمنا رکھتے تھے اور اسی امید پر علاوہ تیاری زیورات قیمتی سات ہزار خرچ کر کے اس کا امام باڑہ پختہ تعمیر کرادیا جیسا کہ اس محلہ میں دوسرا نہیں ہے۔

قافلہ برائے حج: ۲۴ر مئی ۱۸۹۱ء۔ آج ایک قافلہ قصبۂ ہٰذا کے محلہ اشراف ٹولہ سے بغرض طواف کعبہ و زیارت مدینہ منورہ نو بجے صبح کی ریل میں روانہ بمبئی ہوا جس میں اکثر میرے اعزا و بزرگ شامل ہیں جن کے اسمائے گرامی درج ذیل کیے جاتے ہیں ۱۴ نام مردوں اور عورتوں کے درج ہیں جو یہاں حذف کیے گئے۔ ہاشمی) مشتاق احمد کو منشی فضل حسین صاحب نے اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے خرچ دے کر روانہ کیا ہے باقی لوگ اپنے صرف یا باستعانت

دوسروں کے جاتے ہیں۔ مسماۃ فاطمہ (اہل خانہ حافظ کرم احمد صاحب مرحوم) کو زیارت مدینہ منورہ کے لیے عرض حاصل ہے۔ میں نے بروقت روانگی مبلغ پانچ روپے ان کے نذر کیے۔ خدا سب کی تمنائیں پوری کرے اور بخیر و عافیت معاودت وطن کرے۔ منشی سید فضل حسین صاحب نے اپنے چچا منشی سید شمس الدین احمد صاحب کو مبلغ ایک ہزار پانچ صد روپیہ بغرض سفر بیت اللہ قرضاً دیا جس کی ادائی بااقساط ہوگی۔

چودھری نصرت علی ۱۸۰ار مئی ۱۸۹۱ء۔ واقع ۱۶ر مئی اس حال کو چودھری نصرت علی صاحب رئیس سندیلہ و اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع بریلی نے اپنی ملازمت چار سو روپے ماہوار سے مستعفی ہو کر پھر اپنی نوکری سابقہ اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ہند لکھنؤ کو واپس آگئے۔ اگرچہ اس عہدہ کی تنخواہ تین سو روپے ماہوار ہے لیکن اختیارات کو وسعت اپنی ذات کو آزادی اور ہر طرح سے صورت انتفاع پیدا ہے اور زیادہ تر فائدہ کی بات یہ ہے کہ جب چاہا سندیلہ چلے آئے اور اپنے ذاتی معاملات ریاست کی پورے اطمینان کے ساتھ نگرانی کر لی اور عجب نہیں کہ بباعث عنایت افسران انجمن یہاں بھی کچھ اضافہ تنخواہ کا ہو جاوے۔ آدمی خوش نصیب ہیں۔

راجہ درگا پرشاد: ۱۲ر جولائی ۱۸۹۱ء۔ کل شب کو راجہ درگا پرشاد صاحب نے بڑا جشن واگزاری علاقہ کا کیا جن کو حال نے کرکورٹ (آف وارڈس) سے چھڑایا ہے۔ بہت سے لوگ اہلکاران ہر دوئی سے شریک ہوئے تھے اور علی جان کشمیری اور ایک طائفہ زنانہ علاوہ سندیلہ کے لکھنؤ سے آیا تھا۔ تمام رات بڑی مسرت کا جلسہ رہا۔ چونکہ راجہ صاحب میرے دوست ہیں لہٰذا خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا ان کو ہدایت کرے کہ ایسی فضولیات سے وہ اپنے کو بچاویں تاکہ علاقہ قائم رہے ورنہ سوا لاکھ روپے کی قرض داری جس کا سود دس آنے فی صدی ہے علاقہ کو اپنے خاندان میں قائم نہیں رکھ سکتے۔ یہ بحث عقلی دلیل سے کی گئی ہے اگر کوئی غیبی تائید ہو جاتا تو اس کا علم نہیں۔

مستی نظیر جان: ۲۵ر جولائی ۱۸۹۱ء۔ کل سے بہ تقریب مستی مسماۃ نظیر جان طوائف بڑی دھوم دھام ہو رہی ہے۔ کل شام کو پانچ ریل گاڑیوں میں دہ نامور مردانہ و زنانہ طائفے لکھنؤ سے آئے جو بلا اخذ اجرت معقول شہر سے نقل و حرکت نہیں کیا کرتے ہیں لیکن مسماۃ مذکور کے ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے بلا لینے کسی اجرت کے شریک جلسہ ہوئے بلکہ ایک جانب ریل کا کرایہ اپنی جیب خاص سے ادا کیا۔ مسمیان بنیادین و کالا کشمیری جو آج کل لکھنؤ میں گانے و بجانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے و مسماۃ نذیر جان چودھری طوائفان لکھنؤ و مسماۃ بگن و جدن جو اپنی خود آپ ہی نظیر ہیں شریک جلسہ ہوئیں اور بڑے بڑے نامی قوال و ستار یے وغیرہ نے بھی شرکت جلسہ مذکورہ کے کی۔ مسماۃ نظیر جان سندیلہ نے بڑی عالی حوصلگی کے ساتھ اس جلسہ کو انجام دیا اور آج صبح سے تمام دن رات اور کل صبح تک قیام جلسہ رہے گا۔

میرے خیال میں شاید کبھی ایسی تقریب اس دھوم دھام سے قصبہ ہذا میں ہوئی ہو اور ایسے لوگ جو اپنے فن میں معروف و کامل ہیں شریک ہوئے ہوں۔ مسماۃ نظیر جان سندیلہ نے کھانا بھی اعلیٰ درجہ کا پخت کرا کے تمامی مہمانوں کو کھلایا اور روسائے قصبہ ہذا کو تقسیم کیا۔ آج کے دن بڑی دھوم دھام ہو رہی ہے جو قابل دید ہے اور یہ جلسہ مرزا محمد علی بیگ صاحب تعلقدار اورنگ آباد کے گنج میں جو متصل ریلوے اسٹیشن ہے قرار پایا۔ اکثر روسائے سندیلہ شریک جلسہ ہوئے۔

۲۶ر جولائی۔ آج جلسہ رقص مستی نظیر جان طوائف سندیلہ کا ختم ہوا۔ شب کو جلوس کے ساتھ بہ کمال تزک و اهتمام بارات نکلی تھی۔ آرائش گٹی اور آتش بازی چھٹی اور شام کی ریل میں مہمان رخصت ہو کر روانہ لکھنؤ ہوئے۔ جس قدر طائفے مردانہ و زنانہ لکھنؤ سے آئے تھے انھوں نے کسی قسم کی تکلیف نظیر جان سندیلہ کو نہیں دی۔ مجھے مُسن لوگ کہتے ہیں کہ ایسی مستی عہد شاہی سے اس وقت تک کسی طوائف کی ایسی دھوم دھام سے نہیں ہوئی۔

<u>کثرت بارش</u> : ۱۰ر اگست ۱۸۹۱ء - ۱۰ر محرم ۱۳۰۹ھ - ۲۶ر ساون ۱۲۹۸ فصلی۔ شب گزشتہ کو ۱۲ بجے رات سے بشدت بارش ہوئی اور تمام دن اسی حالت سے ہوتی رہی۔ یا تو امساک باراں کی شکایت تھی یا اس کا نزول اس افراط سے ہوا کہ لوگ گھبرا گئے اور کمتر مکانات پختہ ایسے ہوں گے جو ٹپکنے محفوظ رہے ہوں۔ کچے مکانوں کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ بہت سے سرنگوں بھی ہو گئے۔ اکثروں کی دیواریں گر گئیں بعضوں کی چھتیں..... اس شدت کی بارش کسی سال شاید ہی ہوئی ہو کہ جملہ تالاب گرد و نواح قصبہ الٹے بہہ رہے ہیں۔ اگر نہر 'بردنی' ذکر بلا' نہ نکلی ہوتی تو نصف قصبہ ڈوب جاتا۔ پیمائش آلہ بارش سے واضح ہوا کہ کل ۸ بجے دن سے ۶ بجے شام تک ایک انچ و ۲۹ خط اور کل ۷ بجے شام سے آج ۸ بجے صبح تک ۶ر انچ ۲۵ خط اور ۸ بجے سے ۵ بجے شام تک ۳ر انچ ۱۶ر خط۔ جملہ ۱۱ر انچ ۷۵ خط بارش ہوئی۔ ضلع ہذا میں ۳۲ر انچ اوسط بارش کا ہے اور یہ بارش بہ لحاظ اوسط سالانہ ۱۱ر انچ یعنی ایک ثلث ۲۴ گھنٹے میں ہوئی۔ دیکھا چاہیے کہ مہینہ بھادوں کیسا اپنا اثر دکھلاتا ہے۔ ہمارے اشراف ٹولہ کے تعزیہ داروں کو شاباشی دینا چاہیے کہ ایسی بارش و ہوا میں وہ اپنے تعزیوں کو مرثیہ پڑھتے ہوئے اسی طریقہ سے کربلا لے گئے جیسے ہمیشہ لے جاتے تھے۔ تعزیوں کا صرف ٹھاٹھ تو رہ گیا تھا اور ابرک و کاغذ کا کوئی نشان نہ تھا جو وقت معمول ساڑھے پانچ بجے "کربلا میراں معز الدین" قدس اللہ سرہ العزیز میں دفن ہوئے۔ امسال پورے طور سے شمار تعزیوں میں بارش مانع ہوئی اس وجہ سے صحیح تعداد ان کی میں نہیں لکھ سکتا۔

<u>حج کے مسافر</u> : ۳۰ر اگست ۱۸۹۱ء - آج رات کی ریل میں مسماۃ فاطمۃ النساء و مسماۃ عزیزاً (اہل خانہ و دختر حافظ کرم احمد صاحب مرحوم) بعد حج کعبۃ اللہ براہ ساگر وارد سندیلہ ہوئیں۔ موصوفین ۵ شوال ۱۳۰۸ھ کو ہمراہ

قافلہ اشراف ٹولہ سندیلہ سے روانہ ہوئی تھیں۔ چونکہ خرچ کافی نہ تھا اور ان کے بھتیجے حافظ نذیر الدین وکیل ساگر نے کچھ استمداد ان کی نہیں کی تھی اس وجہ سے مدینہ منورہ نہ جا سکیں جس کی ان کو بے حد تمنا تھی۔

۲۵ ستمبر - آج منشی شمس الدین صاحب مع اہلِ خانہ واعزہ و قافلہ اشراف ٹولہ کے (جس کی صراحت ۵ شوال ۱۳۰۸ھ کو درج روزنامچہ ہذا ہو چکی ہے) حج کعبۃ اللہ سے وارد سندیلہ ہوئے۔ سوائے مسماۃ کھو اہلیہ منشی عزیز الدین صاحب مرحوم کہ ان کا انتقال بعد حج و طواف کعبہ مکہ معظمہ میں ہو گیا تھا۔ منشی صاحب بسبب علالت خود مدینہ منورہ نہ جا سکے۔

<u>تعزیے پر جھگڑا</u> ۲۵ ستمبر ۱۸۹۱ء - آج تعزیہ میر قاسم علی سوداگر ملکانہ کا اٹھا اور گشت کرتے ہوئے جب مدرسہ مولوی حیدر علی صاحب مرحوم کے آگے پہنچا تو کسی ہندو نے سنکھ بجایا جس سے تعزیے رکھ دیے گئے اور ایک کیفیت بلوہ کی پیدا ہو گئی۔ مسلمانوں نے فوراً تار ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع ہردوئی کو دیا کہ سنکھ کے بے محل بجنے کی باعث رانی صاحبہ اہلیہ کنور وزیر چند صاحب تعلقہ دار سرون بڑا گاؤں کی ہیں کہ انھوں نے پرسوں بھی جب تعزیہ وزیر ولد شہابو کماںگر و دیگر شرکائے چندہ اشراف ٹولہ کا 'گدڑی' میں پہنچا تھا تو رانی صاحبہ نے اس وقت اپنی کوٹھی پر سے سنکھ و گھنٹہ بجوایا تھا۔ اگرچہ شام کو تحصیلدار و تھانہ دار سندیلہ نے مسلمانوں کو سمجھا بجھا کر مسلمانوں کے تعزیے ان کے مکانوں پر واپس کرا دیے لیکن ان کی رائے ہے کہ جب تک صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر موقع پر تشریف لا کر بعد تحقیقات تدارک مناسب نہ کریں گے اس وقت تک ہم تعزیوں کو دفن نہ کریں گے۔ اس مرتبہ مابین اہلِ اسلام و ہنود ایک نزاع جدید پیدا ہوئی ورنہ اب تک کبھی ایسا واقعہ قصبہ ہذا میں نہ ہوا تھا۔ اس جھگڑے میں ملکانہ و منڈی و بعض اصحاب مہتوانہ کے علی الخصوص اہلِ تشیع شریک ہیں۔

<u>بارش کی کثرت</u>: ۲۷ ستمبر ۱۸۹۱ء - تین دن سے برابر بارش ہو رہی ہے اور ہر وقت ابر و باد محیط آسماں رہتا ہے۔ آج کل کی راتیں کیفیت ساون بھادوں کی دکھلا رہی ہیں۔ مہینہ کنوار میں میں نے ایسی کیفیت اپنے ہوش میں کبھی نہیں دیکھی۔ خلق زیادتی بارش سے عاجز ہے۔ نقشہ ذیل سے کیفیت زیادتی بارش جس کا اندراج گزٹ انگریزی سرکاری الہ آباد مطبوعہ ۲۶ ستمبر سنہ الیہ میں ہوا ہے ضلع ہردوئی کی ہر ایک تحصیل کی واضح ہو سکتی ہے۔

نام تحصیل	اوسط بارش سالانہ	یکم جون تا ۲۶ ستمبر	بیشی
ہردوئی	۳۴/۷۰	۴۴/۶۲	۹/۹۲
شاہ آباد	۳۶/۴۷	۴۶/۵۰	۱۰/۵۳
سندیلہ	۳۳/۷۹	۳۸/۳۱	۴/۵۲
بلگرام	۲۶/۶۷	۳۴/۴۴	۷/۷۷

<u>مولوی خلیل الدین</u>: ۸ر اکتوبر ۱۸۹۱ء - آج برخوردار مولوی خلیل الدین ولد شیخ امین الدین حقانی

(عرف جنگا میاں) جو میرے حقیقی بھانجے ہیں بعد سیاحت بغداد، کاظمین، نجف اشرف و کربلائے معلی وغیرہ براہ بندر کراچی، لاہور، امرتسر وغیرہ ہوتے ہوئے صبح کی ریل سے وارد سندیلہ ہوئے۔ عزیز موصوف نے ۲۷ سال کی عمر میں کلام شریف حفظ کیا، عالم ہوئے، فن طبابت میں دستگاہ کامل حاصل کی اور زیارت کعبہ سے مشرف ہوئے۔ اس لیاقت کا آدمی اب قصبہ ہذا میں کوئی نہیں ہے۔ بالفعل موصوف ریاست تعلقہ رواڑی میں بمشاہرہ مبلغ بیس روپے ماہوار سررشتہ دار جنگی ہیں لیکن افسوس کہ علم مروجہ زمانہ حال انگریزی قانون سے ناواقف ہیں جو باعث فلاح و بہبودی امور دنیوی متصور ہے۔

<u>ہیضہ</u>: ۱۲ نومبر ۱۸۹۱ء۔ اگرچہ سردی پڑنے لگی ہے لیکن ہنوز آب و ہوا قصبہ ہذا کی خراب حالت میں ہے۔ آج بھی دو آدمی بلا کے درماں میں ضائع ہوئے بلکہ جہاں تک اخباروں میں دیکھا جاتا ہے تو عموماً کل ہندوستان میں اسی بیماری ہیضہ کی از حد شکایت ہے۔ شہر لکھنؤ بہت پرخطر ہو رہا ہے۔

<u>درخت پیپل</u>: ۲۴ نومبر ۱۸۹۱ء۔ آج شام کو کرنیل کوٹن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی نے شاخ ہائے پیپل بلکہ نصف درخت متنازعہ (جس کی وجہ سے تعزیہ ہائے سوداگران ملکانہ جو چہلم کو دفن ہوتے تھے ہنوز بدستور ان کے گھروں پر رکھے ہیں اور وے لوگ رجوع نالش پر آمادہ ہیں) کٹوا ڈالا۔ یہ پیپل متصل مکان شیخ نثار علی مہتوا نہ لب چاہ پختہ واقع ہے اور اس کی شاخیں سڑک پختہ کو گھیرے ہوئے تھیں۔

<u>نئے و پرانے تحصیلدار</u>: ۲۹ نومبر ۱۸۹۱ء۔ آج بابو نوروز علی (نئے تحصیلدار سندیلہ، سابق ہیڈ کلرک ضلع پرتاب گڑھ) میری ملاقات کو تشریف لائے اور تا دیر میرے مکان پر نشست رکھی۔۔۔ میں نے بوقت شب ان کی دعوت کی اور ہر قسم کا کھانا پکوا کر کھلایا۔ بظاہر آدمی صاف گو، سچے و مستعد معلوم ہوتے ہیں۔

آج ڈھائی بجے ریل میں سید علی بہادر صاحب سابق تحصیلدار اپنے وطن بلگرام کو تشریف لے گئے۔ جہاں سے اپنی ملاقات جدید منیجری علاقہ جات کورٹ آف وارڈس سیتاپور کو جائیں گے۔ بروقت روانگی اسٹیشن پر مجمع زائد تھا۔ سید صاحب آدمی مدبر، تیز مزاج و صاحب جرأت تھے۔ قلم پر بہت زور تھا اور حکام کو فوراً راضی کر لیتے تھے اور وہی باعث ان کی اس قدر جلد ترقی کا ہوا۔ اگرچہ خاص لوگ قصبہ کے ان سے رضامند تھے لیکن عوام کچھ شاکی تھے۔ میرے حال پر ان کی عنایت خاص تھی۔ ان کے عہد میں میونسپل سندیلہ کو بہت رونق ہوئی۔ متعدد سڑکیں جدید پختہ تیار ہوگئیں۔ بم پولس پختہ بنے۔ لالٹینیں روشنی کی بڑھیں۔ مدرسہ انگریزی چندہ سے مقرر ہوا۔ حکیم ظہور الحسن بصرف میونسپل و نیز چندہ سے مقرر ہوئے۔ نہر بیرونی کربلا کھودی گئی جس سے قصبہ کو بڑا فائدہ ہوا ورنہ امسال کی

بارش میں زیادہ حصّہ اس کا غرق ہو جاتا۔ غرضکہ بہت سے کام رفاہ عام کے اُن کے عہد میں ہوئے۔ انھوں نے دماغ ایسا عالی پایا ہے کہ جو تجویز کرتے تھے وہ مقبول حکام وقت ہوتے تھے۔

ایک ڈپٹی کمشنر: ۲۵ دسمبر ۱۸۹۱ء۔ آج کل بہ تقریب یوم کلاں (کرسمس۔ بڑا دن۔ ہاشمی) ہمارے کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی مقیم موضع 'بروا' میں جہاں سب سامان عیش مسماۃ دلیل کنور ٹھکرائن 'بروا' زوجہ چندر کا پرشاد تعلقدار نے مہیا کیا ہے۔ 'کچھونہ' سے 'بروا' تک ایک سڑک مرتب ہوئی۔ تعلقداروں کی بگھیاں وغیرہ ہر دو جانب سے واسطے لانے والے جانے احباب صاحب ضلع کے تیار رہتی ہیں۔ سامانِ روشنی کافی ہوا تعلقدار رؤسا، حکام و اہل کار ضلع حسب حیثیت خود ہا عمدہ عمدہ ڈالیاں پیش کر رہے ہیں اور صاحب ممدوح معہ اپنے دیگر یوروپین احباب کے نہایت مسرت کے ساتھ جشن میں مصروف ہیں۔ جہاں تک خیال کیا جاتا ہے ایسا یوروپین حاکم عیش دوست کامل و طامع اس ضلع میں کبھی نہیں آیا ہے جس سے کل رعایا بباعث عدم دستیابی قیمت کاملہ سخت پریشان ہیں اور نگاہ حیرت سے دیکھ رہے ہیں کہ ایسے لوگ یورپ میں بھی ہوتے ہیں جن کے افعال ظاہری قابل نفرت ہیں۔ سچ یہ ہے کہ جب سے ضلع قائم ہوا ہے ایسا صاحب ضلع کبھی نہیں آیا۔

۲۶ دسمبر۔ بحکم کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر کل شکاری بہٹروں کے قصبہ ہذا سے موضع 'بروا' کو طلب ہو گئے تاکہ شکار کھیل کر ممدوح الیہ کو تازہ بٹیریں پہنچا دیں اور نام قیمت صفر۔ جو تعلقدار بہ جشن یوم کلاں اعلیٰ درجہ کی ڈالی خود لے جا کر پیش کرتے ہیں تو قبول ہوتی ہے ورنہ واپس۔ چنانچہ راجہ درگا پرشاد صاحب و کنور نرندر بہادر صاحب تعلقداران کی ڈالیاں اسی وجہ سے نامقبول ہوئیں کہ وہ خود نہ گئے تھے۔ لہٰذا بفور سماعت اس حال کے موصوف الیہم افتاں و خیزاں آج 'بروا' تشریف لے گئے اور ڈالیاں پیش کر کے شام کو واپس آئے کہ مقدم خوشنودی حاکم ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ یہ ظالم حاکم کب تک ضلع میں رونق بخش رہیں گے۔

مردم شماری ضلع: ۴ فروری ۱۸۹۲ء۔ جو مردم شماری ۱۸۹۱ء کو تمامی ممالک محروسہ عملداری انگریزی کی ہوئی تھی تو اس کی رو سے ضلع ہردوئی میں جہاں کہیں باشندہ ہوں حسب ذیل مرد و زن شمار میں آئے۔

نام مقام	مرد	زن	میزان
میونسپل ہردوئی	۶۷۳۳	۴۴۱۹	۱۱۱۵۲
تحصیل ہردوئی	۱۵۸۸۳۱	۱۳۰۰۸۸	۲۸۸۹۱۹
میونسپل سنڈیلہ	۸۴۷۸	۸۳۲۵	۱۶۸۰۳
تحصیل سنڈیلہ	۱۳۸۲۳۰	۱۲۲۳۰۹	۲۶۰۵۳۹
تحصیل بلگرام	۱۳۵۸۸۶	۱۳۶۲۱۹	۲۷۲۱۰۵
میونسپل سانڈی تحصیل بلگرام	۴۹۱۴	۴۷۲۵	۹۶۳۹
میونسپل شاہ آباد	۱۰۲۹۲	۹۸۶۱	۲۰۱۵۳
میونسپل پہانی (تحصیل شاہ آباد)	۴۰۶۶	۳۹۲۷	۷۹۹۳
میزان کل ضلع ہردوئی	۵۹۶۴۸۵	۵۱۶۷۰۹	۱۱۱۳۱۹۴

رام لیلا : ۲۱ر فروری ۱۸۹۲ء۔ آج بجے شام کو بہ سواری گھتی معہ عزیزی بشیرالزماں بغرض معائنہ میلا رام لیلا کے گیا۔ جما و اچھا ہے۔ کچھ دو کاندار بیرونجات کے بھی آئے ہیں۔ بیل گائے کی کثرت ہے۔ پانچ چھ ہاتھی اور بہت سے گھوڑے سوداگری کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ بیلوں کی بکری زیادہ ہو رہی ہے۔ اس میلہ کا نام رام لیلا اس وجہ سے رکھا گیا کہ یہاں کے ہنود بمقابلہ اہل اسلام زیادہ متمول ہیں جن سے حسب حیثیت چندہ کافی وصول ہو کر امور انتظامیہ میلا میں صرف ہوتا ہے اور اصل غایت مدد سرکاری یہ ہے کہ چشمہ تجارت قصبہ ہذا میں جاری ہو اور ہر چیز بہ آسانی بہ کفایت مل سکے جس سے فروغ ورونق قصبہ متصور ہے۔

۲۴ر فروری۔ امسال میلہ رام لیلا میں اکثر مسلمان بھی جاتے ہیں۔ آج چودھری محمد عظیم صاحب رئیس اعظم سندیلہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ اب کے سال چنداں رکاوٹ مسلمانوں کو نہیں ہے ورنہ پر سال مولوی ہدایت رسول وغیرہ واعظوں نے بہت جھگڑے پیدا کر دیے تھے۔ یہ زمانہ نازک ہے انسان کو چاہیے کہ حالت وقت کی دیکھ کر کام کرے۔

تحصیلدار سندیلہ : ۲۴ر مارچ ۱۸۹۲ء۔ افسوس کہ بابو نوروز علی تحصیلدار سندیلہ عیش دوست ثابت ہوئے جن کو مسماۃ مقصودا طوائف بازار سندیلہ سے تعشق پیدا ہو گیا ہے۔ اب میں یقین نہیں کر سکتا کہ ان کی داب حکومت پورے طور سے قائم رہے جب کہ رؤسائے قصبہ سے بھی میل نہیں ہے۔

۲۹ر مارچ۔ بابو نوروز علی صاحب تحصیلدار سندیلہ کی مخالفت اہل قصبہ سے روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ تحصیلدار صاحب علانیہ طور پر لوگوں کو برا بھلا کہا کرتے ہیں اور بدنامی سے نام پیدا کرنے کو مستعد ہیں۔ طریق عمل ظاہری ضرور مقتضی اس کا ہے کہ شاید سندیلہ ان کو جلد چھوڑنا پڑے۔ یہ امر بخوبی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ شریف القوم نہیں ہیں . . . . . .

۱۳ر اپریل۔ میں نے اس قسم کا آدمی چھوٹے قد کا نہیں دیکھا کہ وہ اپنے راز کو (یعنی کہ وہ بے پاک ہیں) علانیہ افشا کرے۔ یہ حضرت ایسے عقل مند ہیں کہ ہر وقت سر دربار ہر ایک کو برا بھلا کہا کرتے ہیں حتیٰ کہ چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار سندیلہ کی نسبت کوئی دقیقہ برائی کا اٹھا نہیں رہتا۔ بالمرہ صدہا صلواتیں سناتے ہیں . . . یہ سچ ہے کہ غلام بے باک کسی کا دوست نہیں ہوتا اور نہ اس سے کوئی امید ہو سکتی ہے اور لطف یہ ہے کہ باوجود حکومت سخت حضرت تماش بینی کے بھی شائق ہیں۔ مسماۃ مقصودا طوائف بازار والی بوقت شب ہم بستر رہتی ہے۔

وفات مولوی سرفراز علی : ۸ر مئی ۱۸۹۲ء۔ آج بجے شام کو مولوی سرفراز علی ملکانہ اپنے فرزند علی اصغر کی بارات شرمی دروازہ حافظ محمد اسحاق خلف میر وارث علی مرحوم کے لائے۔ مہر کی کمی و بیشی کی نسبت کچھ خفیف بحث

فریقین میں ہوئی۔ مولوی صاحب کو غصہ آگیا۔ بدن کپنے لگا۔ بسم اللہ کہہ کر سر جھکا لیا۔ دفعتاً انتقال ہوگیا۔ اس وقت مصلحتاً یہ راز مخفی کیا گیا۔ اول عقد علی اصغر مسماۃ خلیقاً دختر حافظ اسحاق سے بعوض مہر پانچ ہزار کے کر دیا گیا۔ اس کے بعد وفات مولوی صاحب مشتہر کی گئی۔ ایسی واردات کمتر گوش گذار ہوئی اور کبھی دیکھا نہیں گیا کہ خوشی کے ساتھ شادی کرنے کو آئے تھے اور بعوض رخصتی دولھن خود کی لاش گئی۔ رخصتی کی بابت بوقت استفسار میں نے کہا کہ لاش لے جاکر دفن کرنا چاہیے اور بعد سیوم یا جب مناسب ہو رخصتی دولھن کی کر لی جائے جو باتفاق منظور ہوا۔ مولوی سرفراز علی صاحب اس وقت میں نہایت بزرگ و نیک مزاج تھے۔ ابتداً اضلاع متوسط میں ملازم گورنمنٹ رہے اور بتدریج ترقی کر کے سپرنٹنڈنٹ بندوبست مقرر ہوئے جہاں سے مبلغ اڑتیس روپے بارہ آنہ ماہوار پنشن حاصل کر کے سندیلہ آئے۔ پچیس سال سے خانہ نشین تھے اور کچھ اراضی خرید لی تھی۔

بارش: ۲۱؍ جولائی ۱۸۹۲ء۔ جمعہ گزشتہ ۱۵؍ جولائی سے جو بارش شروع ہوئی اس کا سلسلہ آج تک برابر قائم ہے۔ زمین خشک بخوبی تر ہوگئی۔ اب کاشتکاروں کی خواہش ہے کہ تھوڑے روزوں کے واسطے بیلا ہو جاوے تو کھیت نکائے جائیں۔ ۲۴؍ جولائی۔ جیسا کہ ایک ہفتہ ہوا خلائق نہ ہونے بارش سے منتشر تھی ویسے ہی اب اس کی زیادتی سے پریشان ہے کہ نشیبی کھیت ڈوبے جاتے ہیں اور موقع نکونی نہیں ملتا۔

محرم کے تعزیے: ۳۱؍ جولائی ۱۸۹۲ء مطابق ۶؍ محرم ۱۳۱۰ھ۔ محلہ اشراف ٹولہ کی رونق تعزیہ داری صرف طوائفوں کی ذات سے ہے۔ بالمرہ ان کے تعزیے ۶؍ محرم تک بہت دھوم دھام بڑے مجمع کے ساتھ اٹھتے ہیں اور بہ استثنائے بعض رؤسائے معزز کل قصبہ کے لوگ ساتھ ہوتے ہیں جس کی رونق زیادہ تر سڑک پختہ بمقابل شفاخانہ و مدرسہ سرکاری کے ہوتی ہے اگر ان کے تعزیے نہ اٹھتے ہوتے تو شاید سوائے ساتویں اور دس محرم کے اور کسی دن مجمع نہ ہوتا۔

وصی علی شاہ: ۲۳؍ اگست ۱۸۹۲ء۔ آج بوقت شب میں نے وصی علی شاہ صاحب سجادہ نشین درگاہ مخدوم صاحب سید علاء الدین صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی عیادت کی جو چند روز سے اندرون ناک دنبل نکلنے کے باعث علیل ہیں۔ بہت خاطر سے پیش آئے۔ چونکہ آدمی خلیق ہیں جو ان کی ملاقات کو جاتا ہے ان کی محبت کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ فقرا کے واسطے انکساری ایک پہلا حسن ہے جو ان میں موجود ہے۔ مولوی سید علی اختر صاحب خلف سید غلام حسین صاحب مرحوم مخدوم زادہ سندیلہ اور بہت سے دیگر حضرات ان کے مرید ہیں۔

ہیضہ: ۲۹؍ ستمبر ۱۸۹۲ء۔ ہنوز ہیضہ کی چھیڑ چھاڑ قصبہ میں چلی جاتی ہے۔ دو تین آدمی بالمرہ ضائع ہوتے ہیں۔ محلہ مہتوانہ کا کل خاندان چودھری اور محلہ منڈی کے اعلیٰ رئیس سندیلہ چھوڑ کر لکھنؤ وغیرہ مقامات کو چلے گئے۔

نااتفاقی رؤسا: ۴ ر اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ افسوس کہ ہمارے قصبہ میں باہم رؤسا کے اتفاق نہیں ہے۔ حالانکہ یہ دونوں (راجہ درگا پرشاد و کنور نرندر بہادر) ہنود تعلقہ دار جن کی باہم قرابت ہے اور ایک دادا کی اولاد ہیں باہم رنجش چلی جاتی ہے۔ اگر کاش تعلقہ تقسیم نہ ہوا ہوتا تو نائرۂ فساد کبھی نہ بجھتی۔ وائے برحال ان تعلقہ داران کے جن کے سلسلہ باہم رشتہ داری قائم نہیں ہے۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ ہمارے قصبہ میں مطلقاً اتفاق کی جڑ قائم نہیں۔ باہم ایک دوسرے کے ہمیشہ فسادات برپا رہتے ہیں اور اسی پھوٹ کے باعث ہر ایک حاکم تحصیل کو پورا موقع ان پر حکومت کا حاصل ہوتا ہے۔

ایک عقیدہ: ۱۵ ر اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ یہ ایک مشہور نقل تھی کہ اس زمانہ میں ہیضہ نہیں رہتا اور اگر ہوتا ہے تو دفع ہو جاتا ہے جب کہ سیار و گدھے بولنے لگتے ہیں اور ابابیلوں کا جھنڈ چہچہاتا ہوا ہوا میں اڑتا ہے۔ لیکن جب اس مرتبہ تجربہ کر کے دیکھا گیا تو بالکل خلاف اس کے وقوع میں آیا۔ یہ سب جانور بولتے رہے لیکن بیماری نہ گھٹی۔ پہ سچ یہ ہے کہ مشیت ایزدی میں کسی کو دخل نہیں۔

ہیضہ: ۱۶ ر اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ ۲۶ ر اگست سن الیہ سے شکایت ہیضہ قصبہ ہذا میں شروع ہوئی جس کی شکایت کچھ نہ کچھ آج تک چلی جاتی ہے۔ موضع کدوری میں چالیس سال کے بعد امسال ہیضہ نے خروج کیا۔ پچاس آدمی ضائع ہوئے۔ زمینداران خوش حال گاؤں چھوڑ کر دوسرے مواضعات کو چلے گئے۔

منشی شمس الدین: ۱۹ ر اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ منشی شمس الدین احمد صاحب خلف حکیم سید عبدالشکور صاحب مرحوم صرف ہمارے بزرگوں میں بقید حیات ہیں اور بظاہر تجربہ کار ممکن تھا کہ ان کا دباؤ اور رمان خوردوں پر ہوتا اور اُن کی ذات سے مدد ملتی۔ لیکن افسوس کہ وہ ایسے اپنی بی بی (ہماری ممانی صاحبہ) کے قابو میں ہیں کہ بدون ان کی مشورت کے کام نہیں کر سکتے اور عورتوں کی کج عقلی مشہور ہے ... (ان کی) زن مریدی تمام محلہ میں مشہور ہے۔ پس مقام غور ہے کہ ایسی حالت میں کس سے رائے لی جائے۔

گورنر کا دربار ہردوئی: ۲۹ ر اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ آج ۳ ر بجے شام کو سر آکلینڈ کالون صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی و چیف کمشنر اودھ کا دربار ہوا۔ مسٹر ولیم صاحب قائم مقام کمشنر اضلاع لکھنؤ وغیرہ ہمراہ تھے۔ میری کرسی کا نمبر ۳۲ تھا۔ درباریوں میں جملہ تعلقہ داران و رؤسا و معزز ممبران میونسپل و ڈسٹرکٹ بورڈ شریک تھے۔ منجانب باشندگان ضلع ہردوئی چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار و رئیس سندیلہ نے ایڈریس اردو میں پڑھا جس کا جواب لارڈ صاحب نے اسی زبان میں دیا۔ جملہ درباری حسب ہدایت کرنل کوٹن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی عمامہ

باندھے تھے۔ سوائے چند درباریوں کے جنھوں نے پرانے طریقہ کو قائم رکھنے کا عذر کیا تھا۔

کیمیا سازی: ۱۵ر نومبر ۱۸۹۲ء۔ آج قریب نصف شب بوقت ایک بجے مولوی لطف علی صاحب برادر کوچک شیخ مومن علی صدر اعلیٰ کا انتقال ہوا۔ آپ کو کیمیا کا بے حد شوق تھا۔ بعد ترک روزگار اسی عارضہ میں تا بہ زلیست مبتلا رہے لیکن کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ حتیٰ کہ دھونکتے اور پھونکتے بصارت بھی جاتی رہی۔ اب بہ عمر ۶۰ سال فوت ہوئے۔ ایک بیٹا محمد اجمل یادگار چھوڑا جو ریاست بھوپال میں تھانہ دار ہے۔

وصی علی شاہ: ۴ر دسمبر ۱۸۹۲ء۔ آج وصی علی شاہ صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت مخدوم سید علاء الدین صاحب قدس اللہ سرہ العزیز میری ملاقات کو تشریف لائے۔ میں نے معمولاً ایک روپیہ نذر دیا اور ایک حقہ چرمی پنجابی جو ہر چہار جانب پتر ہائے پیتل سے آراستہ تھا اور وہی اس وقت ان کے واسطے بھر کر آیا تھا اور مزے میں نہایت خوشگوار تھا پس ان کی پسند پر میں نے بہمہ وجوہ مرتب کرا کے ان کے ساتھ کر دیا۔ شاہ صاحب بہت خلیق و نیک صفات ہیں اور اس زمانے میں انکی ذات اہالی درگاہ میں لاغنیمت ہے۔ عمر ۵۵ سال کی ہے۔

مکان چودھری نصرت علی: ۲۲ر دسمبر ۱۸۹۲ء۔ آج میں نے مکان نو تعمیر چودھری نصرت علی صاحب (ولد چودھری عظمت علی صاحب مرحوم) کا دیکھا جو اپنی پھلواری کے میل میں بنایا ہے اور تالاب گیونڈی سے متصل ہے۔ یہ ایک عظیم الشان عمارت ہے۔ ... بعد تکملہ یہ عمارت بلحاظ وسعت اور با موقع ہونے میں لاثانی ہو گی اور میرے خیال میں تیس ہزار سے زائد اس کی تیاری میں صرف ہوگا۔

نیا بندوبست اراضی: ۳ر جنوری ۱۸۹۳ء۔ آج چار بجے شام کی ریل میں مسٹر ریڈ صاحب صدر بورڈ واسطے ملاحظہ و جانچ کے وارد سندیلہ ہوئے۔ غالباً مواضعات پیمائش شدہ کی پرتال پڑتال کریں گے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوبست سخت ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ نظر آتا ہے کہ کسی خاندان میں کوئی حقیت (زمینداری) باقی نہ رہے گی۔ شاید فی صدی پانچ زمیندار ہوں گے۔ جنھوں نے اپنے مصارف کو حالت اعتدال پر رکھا ہو اور کچھ خزانہ جمع کر لیا ہو ورنہ عموماً پچانوے مالگزاروں کے مصارف بڑھے ہوئے ہیں جن کا صرفہ آمدنی موجودہ سے بمشکل چلتا ہے اور جب نصف منافع ان کا اس بندوبست میں سرکار لے لیگی تو بجز اس کے کہ اپنے علاقہ موروثی سے ان کو دست برداری لازم آوے اور کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔

تعداد ممبران میونسپلٹی: ۲۳ر جنوری ۱۸۹۳ء۔ حسب ہدایت بابو نور وز علی تحصیلدار سندیلہ راقم نے کمیٹی کر کے بہ مشاورت چودھری عبد الباقی صاحب وغیرہ ممبران کمیٹی (کی) فہرست رائے دہندگان و امیدواران

ممبری کی ترمیم کر کے مرتب کی جس کی تعداد گھٹ کر اب مفصلۂ ذیل ہوئی۔

فہرست رائے دہندگان بقیہ محلہ		فہرست امیدواران بقیہ محلہ		فہرست رائے دہندگان بقیہ محلہ		فہرست امیدواران بقیہ محلہ	
اشراف ٹولہ	۸۷	اشراف ٹولہ	۳۰	منڈی	۲۹	منڈی	۴
مہتوانہ	۵۶	مہتوانہ	۲۰	ملکانہ	۲۹	ملکانہ	۶

شرکت دربار لکھنؤ: ۶ مارچ ۱۸۹۲ء۔ آج ٹھیک گیارہ بجے بہ ہمراہی منشی فضل حسین صاحب بسواری بگھی کوٹھی کیننگ کالج (لکھنؤ) میں واسطے شرکت دربار کے حاضر ہوا۔ بارہ بجے جناب سر چارلس صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر تشریف لائے۔ کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی نے جناب محتشم الیہ سے معرفی کرایا۔ ایک اشرفی پیش کی جو مَس کر کے واپس ہوئی۔ شرکت دربار کے واسطے شرط تھی کہ عمامہ سر پر، دوپٹہ کمر میں اور بوٹ وارنش پیر میں ہو، جس کی پوری تعمیل ہوئی۔ چونکہ مجھے روشنی و آتش بازی سے جو کل رات کو ہوگی چنداں شوق نہیں ہے لہٰذا آج آٹھ بجے رات کی گاڑی میں سندیلہ لوٹ آیا۔

تھیٹر بکاولی: ۴ مارچ ۱۸۹۲ء۔ آج شب کو حسب اصرار کنور نریندر بہادر صاحب تعلقہ دار میں ان کے مکان پر تماشائے تھیٹر میں شریک ہوا جو آجکل لکھنؤ سے وارد سندیلہ ہے۔ بکاولی کا تھیٹر ہوا۔ میں رات کے ایک بجے تک شریک تماشا رہا۔ اگرچہ نقالوں کی پوشاک وغیرہ عمدہ تھیں لیکن خوش آواز نہ تھے۔

تحصیلدار نوروز علی: ۴ اپریل ۱۸۹۲ء میں نے ایسا تحصیلدار قبل اس کے کوئی نہیں دیکھا جس کی مختصر نظیر یہ ہے کہ جس شخص کے خلاف مقدمہ لگان یا فوجداری فیصل کرنا چاہتے ہیں تو اوّل ہی سے علانیہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں کو ڈگری یا سزا دوں گا اور جب مسل کی ترتیب شروع کرتے ہیں تو اپنی مرضی کے موافق اس کا تکملہ کر دیتے ہیں تاکہ اس کے زور سے ڈگری یا سزا میں ایسی قوت پیدا ہو جائے کہ اپیل سے کوئی سقم مقدمہ کی اصلیت میں عائد نہ ہو اور تماش بینی کا یہ حال ہے کہ کوٹھے پر مقصودؔ طوائف بازاری کو لیے پڑے رہتے ہیں اور نیچے کے مکان میں حضرت کی بی بی صاحبہ ہمشیرہ کلاں اور لڑکے بالے رہتے ہیں لیکن اسکا مطلقاً خیال نہیں رہتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔

۱۷ اپریل۔ آج بابو نوروز علی تحصیلدار سندیلہ نے بضرب دُہل منادی کرائی کہ ہر ایک دوکاندار پندرہ روز کے اندر اپنی دوکانوں کے آگے چھپر آہنی ڈالیں اور جس کا چھپر پھوس کا بعد پندرہ دن کے قائم رہے گا وہ مستوجب سزا متصور ہوگا۔ اس حکم سے اکثر دوکاندار پریشان ہیں کہ جن کو استطاعت اس صرفہ کی نہیں ہے کہ جس میں پچیس تیس روپے سے کم خرچ نہ ہوں گے۔ لہٰذا ضرور ہے کہ وہ پھوس کا چھپر اتار کر دھوپ میں تپا کریں اور ذکر خیر تحصیلدار کی

یاد میں بھیجن لگا دیں۔ یہ نیا حکم نہ تو خلاف ورزی قواعد میونسپل میں ہے اور نہ اس کے واسطے کوئی منظوری کمیٹی سے ہوئی ہے اور نہ گورنمنٹ نے اپنے گزٹ میں اس کا اعلان کیا ہے پس یہ کیسے واجب التعمیل ہو سکتا ہے لیکن چونکہ ہمارے روساے قصبہ میں اتفاق نہیں ہے اور سب نفسی نفسی کا دم بھر رہے ہیں اس وجہ سے ہر ایک حکم تحصیلدار کا چار و ناچار واجب التعمیل ہو جاتا ہے۔ یہ زمانہ عرصہ تک لوگوں کو یادگار رہے گا۔

چودھری محمد عظیم: ۱۹ اپریل ۱۸۹۳ء۔ آج بھی اکثر لوگ عید ملنے آئے اور میں بھی اپنے اعزہ سے ملنے گیا۔ شام تک اکثر حصہ وقت کا ملاقات احباب میں صرف ہوا۔ چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار و رئیس اعظم سندیلہ وفات اپنے اہل خانہ سے سخت مغموم ہیں کہ ان کا لطف زندگانی بالکل جاتا رہا بلکہ کل عید کو کپڑے بھی نہیں بدلے اور نہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے گئے۔ مسجد مخدوم صاحب میں معہ فرزندان خود نماز ادا کی۔ دوسرے بابو نوروز علی تحصیلدار کی دشمنی اور مقدمہ زیادہ ستانی رقم بٹائی بینی گنج، جو ہنوز عدالت سے فیصل نہیں ہوا ہے اور بھی ہر وقت سوہان روح ہو رہا ہے۔ گو چودھری صاحب مالا مال ہیں لیکن افسوس کہ ان کی جان کو راحت و چین نہیں اور سخت پریشانی میں زندگی گذار رہے ہیں اور ان کا طریق عمل ایسا غیر مستحسن ہے کہ کسی اہل قصبہ سے لطف نہیں ہے حتی کہ چودھری نصرت علی صاحب عزیز قریب اور اپنے خاص فرزندوں سے بھی نہیں۔ اسی وجہ سے کوئی آسودگی حاصل نہیں۔ کل بوقت ملاقات اپنا حال زار دردناک بیان کرتے تھے۔

میلہ صحبت: ۲ مئی ۱۸۹۳ء۔ آج بہ تقریب میلہ صحبت (صحبتیا بابا کے نام پر اس میلہ کا نام میلہ صحبت پڑ گیا تھا۔ ہاشمی) میں نے مبلغ دس روپے اپنے لڑکوں کو دیے اس میلہ میں سید سالار مسعود غازی کا بہت مان دان ہے۔ لڑکوں میں اس کی بہت قدر ہوتی ہے۔ انواع و اقسام کی چیزیں خرید و فروخت ہوتی ہیں جس سے اطفال کی نہایت دلچسپی متصور ہے۔

نتیجہ امتحان الہ آباد یونیورسٹی: ۳ مئی ۱۸۹۳ء۔ اب کے سال نتیجہ امتحان یونیورسٹی الہ آباد حسب ذیل ہے جس کی تصدیق ۲۹ اپریل ۹۳ء کے گزٹ سرکاری سے ہوتی ہے۔ ایم اے (۲۰) بی اے (۹۱) ایف اے (۳۰۳) انٹرنس (۸۲۹) ایم اے میں کیننگ کالج کا ایک لڑکا اول آیا۔ (پہلے یوپی میں تمام امتحانات انٹرنس تا ایم اے الہ آباد یونیورسٹی ہی کے تحت ہوتے تھے۔ ہاشمی)

موسم: ۸ مئی ۱۸۹۳ء۔ اگرچہ مہینہ جیٹھ کا رواں ہے لیکن فصل میں کچھ ایسا غیر معمولی انقلاب ہے کہ شب و روز بہ شدت ہوا شرقی چلتی ہے اور شب کو سردی ہوتی ہے چنانچہ آج جب میں بوقت شب زیر سائبان سو رہا تھا تو مجھے لحاف اوڑھنے کی ضرورت داعی ہوئی اور یہی کیفیت تمامی ہندوستان میں دیکھنے اخبارات

سے ظاہر ہوتی ہے۔ میرے ہوش میں ایسا حال کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

سفر حج: ۳ جون ۱۸۹۳ء۔ عزیزی حامد حسن ولد مولوی فضل علی مرحوم معہ مسماۃ باندی طوائف خود مجبول رخصت از ریاست بھوپال جہاں وہ انسپکٹر پولیس بمشاہرہ یک صد روپے ماہوار ہیں واسطے شرف زیارت کعبۂ معظمہ و مدینہ منورہ براہ جبل پور روانہ ہو کر جہاز 'خیوا' پر عازم بیت اللہ ہوئے۔ اس جہاز میں بہت سے حجاج سوار تھے۔ جب چند منازل طے ہوئیں تو دفعتاً جہاز میں آگ لگ گئی جس سے اکثر جانیں تلف اور کل اسباب حاجیوں کا سوخت ہو گیا۔ ان میں سے بعض تن تنہا کشتیوں کے مل جانے سے ایک جزیرہ کے کنارے پہنچے اور اپنی جان بچائی اور مال اسباب سے ہاتھ دھوئے۔ منجملہ ان کے عزیز موصوف بھی معہ اپنی اہلیہ کے اس آفت و مصیبت سخت سے محفوظ رہے۔ صرف اسباب کے ساتھ گئی اور اب اس جزیرہ سے مکہ پہنچنے تک وقت حج کا گزر جائے گا لہذا وارد بمبئی ہوئے ہیں۔

کثرت انبہ: ۳ جولائی ۱۸۹۳ء۔ آم کی امسال بہت کثرت ہے۔ بعض روز شام کو ایک پیسہ سیکڑا فروخت ہوتے ہیں۔

مسخر گی: ۲۵ جولائی ۱۸۹۳ء - ۱۱ محرم ۱۳۱۱ھ .... میں حسب تحریک تحصیلدار کے ایک بجے (دن) سے چھ بجے شام تک ان کے ساتھ گدڑی سے کربلا میراں معز الدین تک (جہاں قصبہ کے تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ ہاشمی) رہا۔ اگرچہ ماندگی محسوس ہوئی۔ . . کربلا میں لالہ ہزاری لال ولد بخشی دیال ساکن "سنڈیلہ" اور بابو نوروز علی تحصیلدار و پنڈت شیورام تھانہ دار سندیلہ سے بہت کچھ مسخراپن ہوا۔ حتیٰ کہ تھانیدار نے ہزاری لال کو بہ حالت مسخرگی ایک گڑھے میں ڈھکیل دیا جس میں پانی بھرا ہوا تھا جس سے کل کپڑے اس کے بھیگ گئے اور وہ تحصیلدار و تھانیدار کے پیچھے چہلا لیے ہوئے مارتا پھرتا تھا اور یہ دونوں شخص اسی مجمع میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے جس پر بڑے قہقہے ہوتے رہے اور علاوہ محرم کے ایک یہ تماشا جداگانہ تھا جس کو صاحب تہذیب نگاہ حیرت سے دیکھتے تھے اور معزز حکام کی جانب نگاہ کم وقعتی سے نظر کرتے تھے۔ افسوس کہ آج کل زمانہ کچھ عجیب رنگ کا ہو رہا ہے کہ جن باتوں کو دیکھ کر کمال تعجب ہوتا ہے۔

نفاق باہمی: ۷ اگست ۱۸۹۳ء۔ آج کل حالت سندیلہ نہایت پر آشوب ہے۔ ایک رئیس دوسرے کا دشمن ہو رہا ہے۔ بلکہ باہم خاندانوں میں لطف نہیں ہے۔ جہاں جاؤ سوائے اس تذکرہ کا دوسرا ذکر نہیں ہوتا۔ یہ حالت میری یاد میں شاید کبھی نہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے باعث بابو نوروز علی تحصیلدار ہیں جو باہم رؤسا میں چڑھاؤ اُتار کر کے ملال پیدا کر رہے ہیں اور ان کی یہ باتیں اس وجہ سے جلد پر اثر ہو جاتی ہیں کہ صاحب ضلع کے مزاج میں ان

ور رسوخ کامل حاصل ہے۔ میں ذیل میں تفصیل ان رؤسا کی حوالہ قلم کرتا ہوں جن میں بالفعل مخالفت ہے اور فہرست یہاں نظرانداز کی گئی۔ ہاشمی ۔ تحصیلدار صاحب کل روسا کے کم و بیش چٹکی لیتے ہیں۔ چودھری محمد عظیم صاحب اور ان کے بیٹوں سے مخالفانہ عداوت ہے۔ منشی فضل حسین صاحب کو نگاہ تیز سے دیکھتے ہیں۔ راجہ درگا پرشاد و کنور نرندر بہادر صاحبان چونکہ حاضر باش رہتے ہیں اس وجہ سے بظاہر میل ہے لیکن باطناً ضرور چٹکی لینے کو تیار ہیں جب موقع پا جاویں بے داغ نہ چھوڑیں گے۔ پروردگار عالم ایسے شخص کے سابقہ سے اپنے حفظ میں رکھے۔

خلاف دستور قدیم: ۱۲ اگست ۱۸۹۳ء۔ ہمارے خاندان میں یہ دستور کبھی نہ تھا کہ مستورات پردہ نشین قبرستان میں جائیں یا سیر باغات کریں لیکن اب منشی سید فضل حسین صاحب نے اپنی اہلیہ ثانی (کاکوری) کے واسطے ایسا جائز رکھا ہے کہ وہ اکثر قبرستان 'مرہرہ' میں جایا کرتی ہیں اور جن ہمارے باغ میں جہاں ہزار ہا مردے دفن ہیں گل گشت کرتی رہتی ہیں اور اکثر کوٹھی 'مرہرہ' میں قیام بھی رہتا ہے۔ آج انھوں نے 'بڑے باغ' کی سیر کی جو طرف ہتھوانہ میں متصل ریلوے اسٹیشن ہے۔ یہ امور ضرور ہمارے خاندانی اصول کے خلاف ہیں۔

امرود کی کثرت: ۲۸ اگست ۱۸۹۳ء۔ آج کل سندیلہ اور اس کے نواح میں امرود کی اس قدر کثرت ہے کہ شاید قبل اس کے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جو عام طور پر دو ڈیڑھ پیسہ پنج سیری فروخت ہوتے ہیں اور غریب لوگوں کے باعث شکم پری ہوتے ہیں۔ نرخ غلہ فصل ربیع سے ارزاں ہے۔ تین پیسے پنج سیری کے حساب سے بجھڑا فروخت ہوتا ہے جس سے ایک آدمی ڈیڑھ پیسے میں بہت آسودگی کے ساتھ شکم پری کر سکتا ہے۔

میلاد شریف: ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء۔ آج ۸ بجے رات کو پنڈت شیورام تھانہ دار پولیس نے محفل میلاد تھانہ میں منعقد کی۔ اکثر روسائے قصبہ شریک تھے۔ راقم بھی حسب اصرار شریک ہوا۔ محفل پُر رونق تھی۔ جلیبی بکثرت تقسیم ہوئیں۔ تھانیدار صاحب کا یہ فعل مصلحت سے خالی نہیں۔

۹ اکتوبر: کل شب کو چودھری محمد عظیم صاحب تعلقدار نے محفل میلاد بڑی دھوم سے کی۔ مجمع کثیر تھا اور ایک ایک رکابی نصف سیر پلاؤ اور ایک ایک ہانڈی بورانی کی ہر ایک کو تقسیم کی۔ اس قسم کی محفل آج تک قصبہ سندیلہ میں میری یاد میں کسی خاندان میں نہیں ہوئی کہ پلاؤ اور بورانی تقسیم ہوئی ہو۔

بنیاد سرائے و شفاخانہ: یکم دسمبر ۱۸۹۳ء۔ آج سرائے 'کوئن' کا بنیادی پتھر مسٹر جے ایڈ منسٹی صاحب کمشنر قسمت لکھنؤ نے آٹھ بج کر پچیس منٹ صبح کو اپنے ہاتھ سے رکھا۔ کنی نقرئی جس پر نام صاحب بہادر بقید تاریخ وغیرہ کندہ تھا۔ قیمتی تیس روپے کی تھی۔ اوّل راجہ درگا پرساد صاحب تعلقہ دار 'بڑا گاؤں' بانی سرائے نے

ایڈریس بزبان اردو پڑھا جس کے جواب میں صاحب کمشنر نے ارشاد کیا کہ اس کام خیرات سے تجار و مسافروں کو بہت بڑا نفع ہوگا اور راجہ درگا پرشاد و کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا۔ دربار میں تعلقہ دار رؤسا تقریباً ڈیڑھ سو کے کرسی نشین تھے اور میری نشست زمرہ آنریری مجسٹریٹوں میں تھی۔

بوقت ساڑھے چار بجے شام کے کمشنر صاحب ممدوح نے پتھر بنیادی شفاخانہ کا اراضی قدیم مملوکہ چودھری محمد عظیم میں رکھا۔ یہ کٹی بھی قیمتی بتیس روپے کی تھی اور بہ جواب ایڈریس کے جو راجہ صاحب نے منجانب میونسپل بورڈ پڑھا تھا صاحب ممدوح نے بابت اراضی سرائے (یہاں پہلے بھٹیاری سرائے تھی۔ ہاشمی) کے چودھری محمد عظیم صاحب کا اور بابت اعانت چندہ کے رؤسائے قصبہ علی الخصوص خان بہادر چودھری نصرت علی صاحب کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے پانچ سو اس تعمیر میں دینا منظور کیے ہیں۔ یہ دربار صبح کے دربار سے پر رونق تھا۔ حکام میں کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر، مسٹر ہیوم صاحب اسسٹنٹ کمشنر اور شاہزادہ ہمایوں قدر صاحب شریک تھے۔ صاحب ضلع اور اسسٹنٹ صاحب کی کرسی بالائے تخت صاحب کمشنر کے داہنے و بائیں تھی۔

پزایہ: ۲۵ نومبر ۱۸۹۳ء۔ آج صبح کو بہ سواری اسپ مادیہ خود "تالاب کھتری" واقع مہتوانہ پر ایک موقع تیاری پزایہ کا دیکھا جو انگریزی ساخت کا چمنی دار بنایا جائے گا۔

شفاخانہ ہردوئی: ۲۳ دسمبر ۱۸۹۳ء۔ آج ۳ بجے شام کے بعد سر چارلس کراس ویٹ لفٹیننٹ گورنر بہادر کا شفاخانہ جدید (ہردوئی) کے صحن میں دربار ہوا۔ اول راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سندیلہ نے اپنا تصنیف کیا ہوا قصیدہ فارسی زبان کا پڑھا۔ بعدہٗ منشی نظیر حسن صاحب نے منجانب رؤسائے ضلع ایڈریس اردو میں پڑھ کر سنایا۔ اس کے جواب میں محتشم الیہ نے انگریزی میں جواب پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ رؤسائے ضلع کی اعانت سے شفاخانہ مردانہ اور ٹھاکر صورت سنگھ صاحب کی استعانت سے شفاخانہ زنانہ تعمیر ہوا جس کو میں نے آج نہایت خوشی کے ساتھ کھولا۔ وہ ایک نہایت وسیع عمارت ہے۔ جناب لفٹیننٹ گورنر کے ہمراہ ایک کمپنی فوج جنگی اور بائیس سوار رسالہ کے تھے۔ یہ محض خوبی اقبال ہے کہ چار صوبہ کا مالک ایک تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ ایسے وسیع ملک کا دورہ کر رہا ہے جس کا حکم ہے کہ کوئی شے ہرگز بلا قیمت نہ لی جاوے لیکن معلوم نہیں کہ وہ قیمت کون حاصل کرے گا۔ جب کہ رسد زمینداروں سے لے کر فراہم ہو چکی ہے۔

بڑے دن کی ڈالیاں: ۲۵ دسمبر ۱۸۹۳ء۔ میں نے بمقام ہردوئی دیکھا کہ اکثر تعلقہ داروں کے نائب و بعض اصالتاً واسطے پیش کرنے ڈالی جناب نواب لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر اور ان کے سکریٹریوں کو بہ تقریب جشن

بڑے دل کے وارد ہوئے اور قیمتی ڈالیاں پیش کیں۔ ان میں سے بعض کے نام درج ذیل کرتا ہوں:

۱۔ لالہ بھگوان دیال صاحب نائب ریاست مہاراجہ پرتاپ نرائن سنگھ صاحب تعلقہ دار اجودھیا۔ ۲۔ شیخ عنایت اللہ صاحب نائب راجہ امیر حسن خاں صاحب محمود آباد۔ ۳۔ خلف الصدق راجہ جنگ بہادر صاحب نانپارہ۔

تبادلہ تحصیلدار: یکم جنوری ۱۸۹۴ء۔ آج نقل حکم صاحب کلکٹر اعظم گڑھ مشعر بدیں مضمون مرسلہ دفتر ہردوئی بنام بابو نوروز علی تحصیلدار سندیلہ کو موصول ہوئی کہ تم ضلع اعظم گڑھ کو تبدیل ہوئے اور بجائے تمہارے شیخ عبدالرحمان صاحب ضلع مذکور سندیلہ کو آویں گے۔ بابو صاحب کو ۵ جنوری تک ضلع مذکور میں پہنچ کر چارج تحصیلداری لینا چاہیے۔ ہمارے کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر کو غالباً اس تبادلے سے بہت افسوس ہوا ہوگا۔ پنڈت شیورام تھانیدار و بابو تیسری دیال اسٹیشن ماسٹر ریلوے اور بعض دیگر اشخاص کو بہت ہی افسوس ہوگا کہ ان کی حکومت جاتی رہی۔

مولوی فضل الرحمان صاحب: ۲۰ جنوری ۱۸۹۴ء۔ سچ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جناب مولوی فضل الرحمان صاحب ساکن گنج مرادآباد نہایت مقدس بزرگ ہیں جن کے حصول زیارت کی غرض سے ہزاروں مرد و زن ہر فرقہ کے منازل دور دراز بلکہ تمامی ہندوستان سے چلے آتے ہیں۔ کوئی دن نہیں جاتا کہ دو چار آدمی آپ کا شرف زیارت حاصل نہ کرتے ہوں۔ حتیٰ کہ یوروپین بھی آتے ہیں چنانچہ جب ۳ دسمبر ۱۸۹۳ء کو جناب سر چارلس کراس ویٹ صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی و چیف کمشنر اودھ بہ تقریب دورہ "ملانواں" سے "بانگرمئو" تشریف لے گئے تو آپ کا ذکر خیر سن کر متمنی ملازمت ہو کر مع سکریٹری وغیرہ ہمراہیان خود مرادآباد تشریف لے گئے، اور آپ سے مصافحہ کیا۔ آپ نے صرف اس قدر صاحب معظم الیہ سے فرمایا کہ ظلم زیادہ ہوتا ہے اس کا انسداد کرو۔ فی الواقع آپ کی ذات شریف بسا غنیمت ہے۔ مشہور ہے کہ اس وقت آپ کا سن شریف ایک سو چھ سال کا ہے اور بخوبی چلتے پھرتے ہیں اور لکھنے پڑھنے وغیرہ میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

بابو نوروز علی: ۱۲ فروری ۱۸۹۴ء۔ آج دو بجے کی ریل میں مرزا یعقوب حسن تحصیلدار وارد سندیلہ ہوئے اور بابو نوروز علی تحصیلدار سندیلہ سے چارج تحصیلداری سندیلہ کا لیا۔ بابو صاحب سندیلہ چھوڑنے سے بہت افسردہ خاطر ہیں جہاں دو سال دو ماہ سولہ یوم بوجہ نا اتفاقی رؤسا بہت تیزی سے تحصیلداری کی۔ مزاج میں عجلت، تلون، نا عاقبت اندیشی، ارذل کا درخور اخبار پر عمل، تماش بینی کا بد تہذیبی کے ساتھ شوق مثل بازاریوں کے جھگڑالانا، عزت و آبرو کسی کی نہ سمجھنا، قبل از وقت بات کہنا، ظلم کو جائز رکھنا، کسی مشرب کا پابند نہ ہونا، ہندوؤں کو مسلمانوں پر ترجیح دینا۔ البتہ صاف دل و صاف معاملہ تھے۔

راجہ درگا پرشاد: ۱۸ فروری ۱۸۹۴ء۔ آج بحالت تخلیہ مجھ سے اور راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سے نہایت صفائی کے ساتھ ہر قسم کی بات چیت ہوئی اور گذشتہ حالات بابو نور وز علی تحصیلدار بیان ہوتے رہے جو ان کے اور میرے ساتھ غلبتاً مخالفانہ طریقے سے برتے جاتے تھے اور باہم ہمارے اور راجہ صاحب کے یہ معاہدہ ہوا کہ ہم دونوں سچے دوست ہو جاویں حتیٰ کہ جو میرا دوست وہ انکا اور جو میرا دشمن وہ ان کا اور اسی پر زور دے کر قول قرار ہوا اور باہم ہاتھ ملایا گیا اور ایک چھڑی ناخ کی قیمتی پندرہ روپے میں نے بہ یادگار راستحکام اس معاہدہ کے بذریعہ تحریر امروزہ خدمت میں راجہ صاحب ممدوح کے ارسال کی جو تحریری شکر گزاری کے ساتھ قبول ہوئی اور جواب میں یہ بھی کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی کسی موقع پر ایسے معاہدہ کی یادگار میں ایسی چیز پیش کروں گا کہ ہر وقت پیش نظر رہے اور میری یاد ہر وقت آپ کو دلاتی رہے۔

مسہل اور ناچ گانا: ۲۵ اپریل ۱۸۹۴ء۔ آج کل مسماۃ کندن کا کو روی اہل خانہ ثانی منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار نے مسہل لیا ہے اس وجہ سے مسماۃ رانا میراثن ملیح آباد و لکھنؤ کا گانا شب و روز سنا کرتی ہیں۔ یہ میراثن مثل طوائفوں کے ناچتی گاتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ اہل محلہ خوش ہوں کہ ان کو مفت بلا صرف گانا سننے کو ملتا ہے جو بالاخانہ زنانہ پر ہوا کرتا ہے۔ یہ سب باتیں زیادتی روپیہ سے حاصل ہوتی ہیں۔

خطاب خان بہادر: ۳۱ مئی ۱۸۹۴ء۔ معائنہ اودھ اخبار مطبوعہ امروزہ سے واضح ہے، اگر حسب الحکم گزٹ آف انڈیا محکومہ ۲۶ مئی مولوی سید علی احمد صاحب خلف مولوی سید غلام حسین صاحب مرحوم اشراف ٹولہ سندیلہ حال وکیل جبل پور کو بہ تقریب جشن سالگرہ ملکہ وکٹوریہ انگلستان کی خطاب خان بہادر بطور زیادتی اعزاز کے عطا ہوا۔ ۲۴ مئی سن الیہ کو ملکہ کی عمر پورے پچھتر سال کی ہوئی۔

جلوس مہندی: ۱۰ جولائی ۱۸۹۴ء۔ ۶ محرم ۱۳۱۲ھ۔ آج دس بجے رات کو واجد ٹمن ساز محلہ اشراف ٹولہ نے مہندی نکالی سامان روشنی و آرائش بہت خوب تھا۔ مومن علی (صدر اعلیٰ) کے مکان کی طرف سے چودھری عبدالباقی کے دروازے ہوتی ہوئی پیارے شہید دل میں اور وہاں سے بازار منگل ہو کر میری کوٹھی کے نیچے نکلی اور پھر چوراہا سڑک پختہ پر ہو کر اس کے امام باڑہ میں پانچ بجے صبح کو پہنچی۔ مرثیہ قدم قدم پر ہوتا جاتا تھا اور مجمع بھی زائد تھا۔ میرے خیال میں یہ پہلا موقع اس کے نکلنے کا اس قصبہ میں ہے۔

ناک کٹی: ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء آج کلو ولد فہیم اللہ نے کلو خلف روح الدین کی ناک دانت سے کاٹ لی جو علیحدہ ہوگئی۔ یہ دونوں اشراف محلہ میں رہتے ہیں کچھ معاملہ عاشق معشوقی کا تھا۔ کلو کچھ ایسا حسین و خوبصورت لڑکا نہ تھا لیکن طبیعت۔

خاندان چودھری حشمت علی: ۴ دسمبر ۱۸۹۴ء۔ چودھری حشمت علی صاحب تعلقدار مرحوم کے خاندان میں بالفعل تین شخص محمد عظیم صاحب تعلقہ دار خان بہادر چودھری نصرت علی صاحب اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ہند تعلقہ داران لکھنو و چودھری محمد رؤف صاحب گزارہ دار تعلقہ گگرالی، سربرآوردہ و حکام رس ہیں اور باہم ان تینوں میں قرابت قریبہ ہے اور بظاہر بہ جلسہ یکجائی مثل شیر و شکر پیوستہ رہتے ہیں لیکن دل میں ایسا نفاق پیدا ہے کہ ایک دوسرے کا سخت دشمن ہے اور پیش گاہ حکام ایک دوسرے کی توہین و تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ یہ کیفیت میں نے اسی خاندان میں دیکھی۔ یہ محض نفسانیت ہے جو باعث تخریب ہو رہی ہے۔ اگر باہم ان میں اتفاق ہوتا تو کل قصبہ ان کا مطیع و معتقد رہتا اور کوئی دم مخالفت نہ مار سکتا۔ یہ علامت ادبار ہے جو عموماً مسلمانوں پر مسلط ہو رہی ہے۔

فاقے کے مارے: ۲۶ دسمبر ۱۸۹۴ء۔ آج میں ایک واقعہ افسوسناک حوالہ قلم کرتا ہوں جو باعث عبرت ناظرین ہوگا۔ مجھے آج صبح اسسٹنٹ سرجن سندیلہ نے ایک خط بھیج کر اپنے شفاخانہ میں طلب کیا کہ میں ایک ملزم کا بہ حیثیت مجسٹریٹ بیان لکھوں جو جاں بلب ہے۔ اور شفاخانہ میں زیر علاج۔ مسماۃ پاربتی زوجہ خوشحال چمار "چندپور" مزرعہ "بھربیرہ" تھانہ سندیلہ نے بوقت استفسار بیان کیا کہ وہ بیوہ ہے اور اس کے چار خوردسال لڑکے تھے۔ پانچ روز سے کچھ کھانے کو میسر نہیں آیا اور بھوک سے تڑپتے تھے۔ تب وہ اپنے لڑکوں کی ایسی حالت برداشت نہ کر سکی اور مرنے کو زندگی پر ترجیح دی۔ سب سے اول اس نے چاروں لڑکوں کا گلا استرے سے کاٹا اور پھر اپنے گلے پر استرا پھیرا جس سے نیم جان ہے۔ سانس پیٹ کی کچھ ذرا یہ زخم کچھ منہ سے نکلتی ہے۔ چند ساعت کے بعد لڑکا تو مر گیا تینوں لڑکیاں زندہ ہیں جن کی عمر احمت و غیرہ درج ذیل ہے۔

مسماۃ مہرنیا عمر دس سال۔ مسماۃ مکوئی عمر ۶ سال۔ مسماۃ دلارہ عمر تین سال۔ مسمی گھانسی پسر متوفی ۵ سال تینوں لڑکیاں غالباً بچ جاویں مگر ماں کی خیریت نہیں جس کی عمر ۴۰ سال ہے۔ یہ فعل محض مجبوری سے ہوا ورنہ اولاد سے دلاری دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔

افتتاح کوشش سرائے: ۲ جنوری ۱۸۹۵ء۔ بہ تقریب کھولنے سرائے سندیلہ کے دور دور سے مہمان راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار کے آرہے ہیں اور سرائے کی بہت آرائش ہو رہی ہے۔ واقعی یہ کام راجہ نے نہایت حوصلہ مندی کے ساتھ باوصف مقروض ہونے علاقہ کے انجام دیا ہے جس کی تیاری آراستگی اور مہمان داری کا خرچہ بیس ہزار سے کم نہیں ہو سکتا۔ میں نے حسب خواہش جناب موصوف ایک تاریخ سنگ مر

پرکندہ کرکے بطور یادگار و استحکام روابط و اتحاد کے وسط پھاٹک سرائے نوتعمیر میں نصب کروائی ہے۔

۳ر جنوری ۱۸۹۵ء۔ آج تقریب افتتاح سرائے کوئن عمل میں آئی۔ ضلع کے جملہ حکام تعلقہ داران و رؤسا وغیرہ علی قدر مراتب کرسی نشین ہوئے۔ کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی جن کے نام نامی پر یہ سرائے موسوم ہوئی ٹھیک تین بجے شام کو تشریف لائے۔ اول راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار بانی سرائے نے ایڈریس پڑھا۔ بعدہٗ کرنل صاحب نے بزبان انگریزی اس کا جواب دیا۔ پھر اس کا ترجمہ شاہزادہ مرزا ہمایوں قدر صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے پڑھ کر سنایا۔ ایڈریس پارچہ ریشمی سرخ پر تحریر تھا جو کشتی نقرئی میں لگا کر پیش کیا گیا اور کنجی نقرئی سے صاحب بہادر نے قفل افتتاح کا کھولا۔ صاحب بہادر نے اپنے جواب میں راجہ صاحب کو ہدایت کی کہ کچھ جائداد واسطے مرمت ضروری سرائے کی علیحدہ کر دی جاوے تاکہ وہ ہمیشہ قائم و برقرار رہے۔ شب کو جلسہ چند طائفہ زنانہ سندیلہ و علیجان کشمیری کا ہوا۔ یہ کام راجہ صاحب نے واقعی نہایت حوصلہ کے ساتھ کیا ہے اور اپنے ہمسروں میں سبقت لے گئے۔ میری نشست بائیں جانب صف اول میں آنریری مجسٹریٹوں میں تھی۔

حال و قال: ۱۸ر جنوری ۱۸۹۵ء۔ آج رات سے منشی فضل رسول صاحب کا عرس شروع ہوا اور مشائخ لکھنؤ واسطے زینت محفل کے آ رہے ہیں۔ کاش منشی صاحب (یعنی مفضل حسین صاحب جو اپنے والد منشی فضل رسول کا عرس کرتے تھے۔ ہاشمی) اس مصنوعی حال و قال کی مجلس موقوف کر کے دو چار ہزار بخش کھانے محتاجوں کو تقسیم کراتے تو شاید روح جناب مغفور کو زیادہ ثواب پہنچتا۔ اس مجلس کا یہی نتیجہ نکلا کرتا ہے کہ شہر کے لوگ حالیوں کا تماشا دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہیں اور ان کی شورش سے لطف گانے کا بھی مفقود ہو جاتا ہے اور کچھ عجب نہیں کہ ایسے افعال اور حرکات سے مرحوم کی روح کو صدمہ ہوتا ہو۔

افعال قبیحہ: ۱۸ر فروری ۱۸۹۵ء۔ آج عزیز از جان بشیر الزماں خلف منشی فہیم الزماں صاحب سے معلوم ہوا کہ آج کل کے تعلیم یافتہ لڑکے اکثر عارضہ زلق میں مبتلا ہیں۔ بعضوں کو شکایت کم اور بعض کو زیادہ ہے۔ جن کی شادیاں ہو گئیں وہ دوا کی تلاش میں سرگرداں اور بے شادی والے ہنوز اس سے غفلت میں پڑے ہیں۔ ان دنوں طریقہ تہذیب تحفظ بدنامی صحبت مستورات یہی قرار پایا ہے۔ تفصیل ابتلائے نوجوانان مجلوق جس کی تصدیق اب تک ہوئی ہے یہ ہیں۔ (یہاں مصنف روزنامچہ نے آٹھ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے نام درج کیے تھے جن میں ان کا ایک بیٹا بھی شامل ہے۔ ہاشمی) افسوس اگر ابتدائے عمر میں شادی کی جاتی ہے تو اولاد کم زور پیدا ہوتی ہے۔ تعلیم کی طرف چنداں توجہ نہیں رہتی اور اگر اس میں توقف ہوتا

ہے تو ایسے افعال قبیحہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ کل لڑکے تعلیم یافتہ ہیں۔

مالگذاری میں اضافہ : ۳۱ مارچ ۱۸۹۵ء۔ آج میں نے راجہ درگا پرشاد صاحب کی جمع ثانی معائنہ کی جس کی وہ نقل لائے ہیں تو جمع مالگذاری سابق کے دوچند ہے۔ اس حالت میں کیسے امید ہو سکتی ہے کہ ان کا یا کسی کا علاقہ بحالت موجودہ قائم رہ سکتا ہے چہ جائے کہ راجہ صاحب پر اس وقت قریب دو لاکھ کے قرضہ ہے۔ جس وقت سے میں نے یہ کیفیت دیکھی ہے اور سنی ہے میرے ہوش جاتے رہے کہ میں اپنی کثیر عیال داری کے ساتھ کیونکر بسر کر سکوں گا جب کہ جمع سابق سے دوچند تجویز ہو رہی ہے اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش کا بجز اس کے میرا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ عزت و آبرو سے رکھے۔ بجز اس کے افضال کے اب کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

ندوۃ العلما لکھنؤ : ۱۰ اپریل ۱۸۹۵ء۔ بارہ دری قیصر باغ (لکھنؤ) میں جلسہ ندوۃ العلما منعقد ہوا ہے جس میں مشہور و نامی علما تمامی ہندوستان کے شریک ہیں۔ مقاصد جلسہ یہ ہیں کہ اہل اسلام کو ترقی دینی و دنیوی میں توجہ و ترغیب ہو جو اور قوموں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ دونوں وقت صبح و شام وعظ ہوتا ہے اور اس تمامی خرچ کے کفیل حضرت وکیل صاحب ہیں۔ خدا ان کو اپنی کوشش میں کامیاب کرے۔

ہنگامہ محرم میں : ۶ جولائی ۱۸۹۵ء۔ نویں محرم کو تعزیہ چودھری کلو کا معہ دیگر تعزیوں کے اگڈری میں زیر محل راجہ صاحب کے پہنچا تو ایک مرتبہ غل ہوا کہ رانی چندر کنور زوجہ راجہ وزیر چند صاحب کے محل سے اینٹ آئی اور کل تعزیے وہیں رکھ دیے گئے اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ تحصیلدار و تھانیدار و مرزا ہمایوں قدر صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر موقع پر پہنچ کر تحقیقات کرنے لگے حالانکہ اینٹ آنے کی کوئی اصلیت نہ تھی۔ صرف یہ کارروائی واجد خاں بوچ کی تھی جنھوں نے صمد ولد علی رضا مہتوانہ والی وغیرہ چند اپنے ملازم افترا پرداز کو اشارہ کر دیا تھا کہ جب تعزیے اگڈری میں پہنچیں تو چند پارہ سفالی تعزیوں پر اچھال دیں اور جب رانی کی طرف بدگمانی ہو کر ہنگامہ برپا ہو جاوے اور تعزیے والے پولس و حکام کا کہنا نہ مانیں تو آپ کے درمیان میں ڈال کر انھیں راضی کریں تاکہ اس کے باعث سے پیش گاہ حکام رسوخ و وقعت پیدا ہو اور پولس ہر ایک فعل ناجائز کے ارتکاب کو مانع نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب تعزیہ والوں نے پولس وغیرہ کا کہنا نہ کیا تو حضرت نے اپنی سازباز مخیلہ کے مطابق سب کو رام کر کے تعزیوں کو آگے بڑھایا اور ایک نوع کی ظاہری نمود حاصل کی ورنہ دراصل یہ کوئی بات نہ تھی مگر افسوس یہ فطرت ان کی کھل گئی اور پولس کو بھی معلوم ہو گیا۔ عجب نہیں کہ یہ راز حکام کو بھی منکشف ہو جاوے اور ان کی فطرتی کارروائی کا ثمرہ بد ملے۔ عجب بے ڈھب لوگ ہیں کہ

حکام وقت سے ان کو مطلقاً خوف نہیں اور ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں کہ جس سے نیک رئیسوں کے جسم میں رعشہ پیدا ہوتا ہے۔ خدا ایسے لوگوں کی نزدیکی سے اپنی حفاظت میں رکھے۔

جلسۂ میلاد: ۱۲ ستمبر ۱۸۹۵ء - آج صبح کو چودھری نصرت علی صاحب خان بہادر رئیس "مہتوانہ" کے مکان پر محفل میلاد شریف منعقد تھی۔ اوّل پانچ پانچ لڈو جو اسی غرض سے تیار ہوئے تھے تقسیم ہوئے اور جب وہ باعث مجمع کثیر کافی نہ ہو سکے تو مٹھائی بازار سے منگا کر تقسیم ہوئی اور جب وہ بھی غیر کافی ٹھہری تو سو روپے کے پیسے فی کس دو آنے کے حساب سے بانٹے گئے اور جب وہ بھی حساب نہ چل سکا تو ایک آنہ بعدہٗ چھ پائی فی کس دیے گئے۔ سنا گیا کہ ۱۶۵۰ روپے اس تقریب میں صرف ہوئے۔ اب سندیلہ میں مجلس کرنا بہت مشکل ہو گیا۔ نیکی تو درکنار برائی پیش قدمی کو تیار۔ اس وجہ سے متوسط لوگوں نے ایسا کرنا موقوف کر دیا ہے۔ گردن صد عیب و نہ کرون یک عیب۔

تحفہ راجہ صاحب: ۲۶ ستمبر ۱۸۹۵ء - راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار "سرون بڑا گاؤں" منی تال سے آج واپس آئے اور براہ ازدیاد محبت و مراسم دوستانہ ایک قلمدان برنجی ساخت انگریزی وارنش شدہ لائے اور بطور تحفہ کے مجھے لطف فرمایا۔ سچ یہ ہے کہ ایسے طریق عمل سے بنائے محبت و دوستی کو صورت استحکام کی پیدا ہے۔

لکھنؤ کی قفلیاں: ۷ اکتوبر ۱۸۹۵ء - مسمیٰ ڈھونڈھے لکھنؤ کی بالائی کی قفلیاں نہایت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہیں جو پاؤ بھر سے کم نہیں ہوتیں اور دو آنہ سے تین آنہ تک بلحاظ کمی و بیشی بالائی کے فی قفلی فروخت ہوتی ہے۔ آج وہ بذریعہ برخوردار مرتضیٰ علی لکھنؤ سے منگائی تھیں اور استعمال میں آئیں جو نہایت پسندیدہ ثابت ہوئیں اور بدرجہ غایت قابل تعریف۔ مرتضیٰ علی ایک سال درجہ الیف اے کا امتحان دیں گے۔ خدا کامیاب کرے۔

دربار لفٹیننٹ گورنر: ۳ فروری ۱۸۹۶ء - آج ۸ ½ بجے صبح کی ڈاک گاڑی میں بغرض شرکت دربار لکھنؤ گیا۔ قیصر باغ میں ٹھہر کر اپنے ساتھ کا کھانا بمعیت منشی سید فضل حسین صاحب تعلقہ دار کے کھایا اور انھیں کی بگھی پر ۱ ½ بجے کیننگ کالج موقع دربار میں بذریعہ ٹکٹ درباری داخل ہوا۔ ٹھیک بارہ بجے جناب سر انٹنی میکڈانل صاحب لفٹیننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی و چیف کمشنر اودھ تشریف لائے۔ اوّل فرمان شاہی و تمغہ عطائے خطاب (نائٹ کمانڈر) مہاراجہ پرتاب نرائن سنگھ اجودھیا کو مرحمت ہوا اور فرمان پڑھ کر سنایا گیا پھر ہر ایک درباری کو ضلع کے صاحب ڈپٹی کمشنروں نے ٹکٹ کے ذریعے سے نام پکار کر پیش کیا اور لفٹیننٹ گورنر بہادر نے ایک اشرفی نذر پیش شدہ مس کی۔ بعدہٗ درباری جو بساط قالین اوپر داہنی کنارہ سے پیش ہوا تھا وہ بائیں کنارہ قالین مذکور ہو کر اپنی جائے نشست پر جا بیٹھا۔ اس کے بعد جناب معتشم الیہ نے

انگریزی میں اسپیچ دی جس کا ترجمہ اردو محمد رفیق صاحب ایڈیشنل جج لکھنؤ نے پڑھ کر سنایا جس کا خلاصہ نسبت تعلقہ داران اودھ یہ تھا کہ اپنی اولاد کو تعلیم دلائیں اور مصارف شادی و غمی میں تخفیف کریں اور بادشاہ وقت کی خیر خواہی میں معروف رہیں۔ ازاں بعد ضلع کے ڈپٹی کمشنر نے درباریوں کو عطر پان دیا اور ٹھیک ۱½ بجے کے دربار برخواست ہوا اور پھر بہ معیت منشی صاحب موصوف قیصر باغ میں واپس ہو کر بعد ادائے نماز ظہر ریلوے اسٹیشن کو گیا اور ۴½ بجے شام کی ڈاک گاڑی میں اپنے مکان سندیلہ کو واپس آیا۔

یوپی کی میونسپلٹیاں: ۴ر مئی ۱۸۹۶ء۔ رپورٹ سالانہ تمام گورنمنٹ اضلاع مغربی و شمالی و اودھ میغہ میونسپل ۱۸۹۶ء سے واضح ہوتا ہے کہ انعقاد میونسپل کمیٹی بقید مردم شماری ۱۸۹۱ء ضلع ہردوئی حسب ذیل ہے۔

نام قصبہ	کب میونسپلٹی قائم ہوئی	مردم شماری اندر حدود میونسپل	نام قصبہ	کب میونسپلٹی قائم ہوئی	مردم شماری اندر حدود میونسپل
سندیلہ	۱۳ر جولائی ۱۸۶۸ء	۱۶۸۱۳	سانڈی	یکم اپریل ۱۸۷۷ء	۹۶۲۹
ہردوئی خاص	یکم جنوری ۱۸۷۱ء	۱۱۱۵۲	پیہانی	یکم اپریل ۱۸۷۷ء	۷۹۹۳
شاہ آباد	یکم نومبر ۱۸۷۲ء	۲۰۱۵۳			

قیام میونسپل و مردم شماری شہر ہائے نامی اضلاع مختلف مغربی و شمالی و اودھ

نام قصبہ و شہر	کب میونسپلٹی قائم ہوئی	مردم شماری اندر حدود میونسپل	نام قصبہ و شہر	کب میونسپلٹی قائم ہوئی	مردم شماری اندر حدود میونسپل
لکھنؤ	یکم جنوری ۱۸۶۲ء	۲،۶۷،۹۱۰	میرٹھ	یکم جولائی ۱۸۶۳ء	۱،۱۹،۳۹۰
بنارس	یکم جون ۱۸۶۸ء	۲،۱۳،۱۶۱	بریلی	۲۳ر جون ۱۸۵۸ء	۱،۰۷،۷۸۵
آگرہ	۷ر اکتوبر ۱۸۶۳ء	۱،۶۹،۵۰۹	فیض آباد	۱۹ر اگست ۱۸۶۵ء	۷۲،۶۸۹
کانپور	۲۲ر نومبر ۱۸۶۱ء	۱،۶۳،۸۷۹	باندہ	یکم نومبر ۱۸۶۵ء	۶۳،۰۷۱
الہ آباد	یکم مارچ ۱۸۶۳ء	۱،۶۲،۸۹۵			

بسمل خیرآبادی: ۴ر جون ۱۸۹۶ء۔ آج محمد حسین بسمل خیرآبادی اپنے مرشد حافظ کرم احمد صاحب مرحوم کی قبر پر واسطے فاتحہ خوانی کے آئے جو ۲۲ سال گزشتہ سے منحرف تھے۔ ابتدا میں ان کو ایسی عقیدت تھی کہ حضرت مرشد کی قدم بوسی کو خیرآباد سے پا پیادہ آتے تھے اور بحالت قیام سندیلہ چارپائی پر نہیں لیٹتے تھے۔ اس وقت ان کی شادی نہیں ہوئی تھی اور نہ کوئی عمدہ روزگار ملا تھا لیکن جب شادی ہوئی اور ریاست ٹونک میں رئیس کے میر منشی مقرر ہوئے تو سندیلہ کا کبھی رخ بھی نہیں کیا۔ جب بی بی لاولد فوت ہوگئیں اور روزگار سے پنشن پائی ولولہ سابقہ پھر جوش میں آیا اور حسرت بھری آرزوؤں سے کشاں کشاں سندیلہ آئے اور فاتحہ مزار مرشد کے بعد

قوالی گانا سنا۔ اگر کاش حیات مرشد میں اپنی عقیدت سابقہ پر قائم رہ کر آمد و رفت رکھتے تو بمقابلہ اوروں کے ان کو خلیفہ ہونے کا فخر و اعزاز و ترجیح ہوتی۔

لفٹیننٹ گورنر: ۲۴ جولائی ۱۸۹۶ء۔ سر انٹنی میکڈانل صاحب لفٹیننٹ گورنر نہایت بیدار مغز و منصف حاکم ہیں۔ حکام ماتحت علی الخصوص یوروپین ان سے بہت ڈرتے ہیں۔ ان کی رائے عدل و انصاف سے مملو ہے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ ان کے ماتحت رعایا پر کوئی ظلم و تعدی جائز رکھیں۔ اس وجہ سے ہر شخص کو عام حکم ہے کہ جو کچھ ان پر جبر ہوا ہو جو ان کو کہنا سننا ہو اپنی زبان سے بیان کریں تاکہ اس پر غور مناسب کیا جاوے۔ عمر صاحب محتشم الیہ قریب پچاس سال کے ہوگی۔ پستہ قد جسیم آدمی ہیں۔

ایک تعلقہ دار کی فریاد: ۹ اگست ۱۸۹۶ء۔ آج منشی رحمت اللہ تحصیلدار سندیلہ نے بوقت ملاقات مجھ سے بیان کیا کہ ... تعلقہ دار کی وجہ ناراضگی میرے ساتھ یہ ہے کہ انہوں نے دو شکایتیں مجھ سے کیں کہ میں ان کا انسداد کرا دوں لیکن وہ ایسے امور تھے کہ میں ان کی تعمیل میں قاصر رہا۔ اول یہ کہ چودھری علی جان خلف دویم چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار جہاں کہیں ملتے ہیں تو مجھے انڈا دکھلاتے ہیں اور قیں کر دیتے ہیں اور جب میں بازار میں نکلتا ہوں تو بازاری لڑکے مجھے منہ چڑھاتے ہیں اور انڈا دکھلاتے ہیں۔ آپ ان کو گوشمالی واجب دیں۔ دوسرے میری آشنا شیرن (طوائف) کے یہاں رات کو ڈھیلے آتے ہیں اور نصف جلے ہوئے کنڈے اور میری کوٹھی و محل سرائے میں اینٹیں آتی ہیں تو میری بی بی کو اس موسم گرما میں صحن میں لیٹنا دشوار ہو گیا ہے۔ اس کا انسداد کر دیں۔ میں نے کہا کہ دونوں باتیں مجھ سے نہیں ہو سکتی ہیں۔ آپ خود اس کا بہ حیثیت تعلقہ دار اپنی دولت مندی کے باعث بندوبست کر سکتے ہیں۔

انتظام بے روزگاری: ۱۴ اگست ۱۸۹۶ء بمعائنہ اودھ اخبار اسی روزہ کے معلوم ہوا کہ یکم اگست ۱۸۹۶ء کے گزٹ انتظام عامہ امیدواران ملازمت کے لیے گورنمنٹ نے بذریعہ ریزولیشن ۹۲۹/۵ ج محکمہ مورخہ ۲۴ جولائی سن الیہ کے مشتہر کیا ہے کہ جو شخص انگریزی یا اردو کا مڈل پاس ہو گا اس کو ۲۵ روپے ماہوار تک ملازمت مل سکتی ہے اور جو انٹرنس پاس ہو گا اس کو ۵۰ روپے ماہوار سے زائد تنخواہ تک نوکری مل سکے گی۔

اسپتال سندیلہ: ۶ ستمبر ۱۸۹۶ء۔ آج شفاخانہ جدید سندیلہ کا کھولا گیا اور بابو سوشی بھوشن بنرجی اسسٹنٹ سرجن سندیلہ نے اس میں بیٹھ کر معالجہ شروع کیا۔

ایک رسم: ۲ اکتوبر ۱۸۹۶ء۔ چونکہ بخانہ الطاف رسول خلف الصدق منشی سید فضل حسین صاحب امید ولادت فرزند اولین ہے اور اب ساتواں مہینہ ختم ہو رہا ہے لہذا حسب رواج خاندانی آج تقریب ستوانی

دوپٹہ ڈالنے کی یہ فراہمی مستورات برادری گانے بجانے کے ساتھ ادا ہو رہی ہے۔ خدا کرے فرزند صاحب اقبال پیدا ہو۔

حکیم عبدالعزیز دریابادی: ۳۰ر نومبر ۱۸۹۶ء۔ آج تحریر دریاباد سے واضح ہوا کہ ۲۷ر نومبر سن الیہ جمعہ کو بوقت ۱۲ ½ بجے حکیم عبدالعزیز خلف مولوی نور کریم صاحب نے بعارضہ سِل قضا کی۔ عمر ۵۶ سال تھی۔ مرحوم مدرس عربی کیننگ کالج لکھنؤ کے تھے اور پچھتر روپے تنخواہ پاتے تھے۔ علم طب میں بھی اچھی مداخلت تھی اور روز بہ روز ان کی شہرت اور فیس یومیہ بڑھتی جاتی تھی۔ اب پندرہ روپیہ تک یومیہ تھا۔ اپنے سب بھائیوں میں لئیق تھے اور سب لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ صرف دو لڑکیاں یادگار چھوڑیں اور کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی بیوی کے نام وصیت کر گئے۔

ایک تحصیلدار: ۱۹ر دسمبر ۱۸۹۶ء۔ منشی رحمت اللہ تحصیلدار سندیلہ سخت جابر اور رشوت خور ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ جب وہ دورہ پر تشریف لے جاتے ہیں تو اپنے گھوڑے کے واسطے چھ سیر دانہ زمینداروں سے لیتے ہیں۔ چار سیر گھوڑے کو دے کر باقی سندیلہ میں لاکر چند روز تک اسی حساب سے اپنے گھوڑے کو کھلاتے ہیں ان کو خرید نا نہیں ہوتا اور نہ ان کو کوئی اثر قحط سالی کا پہنچا۔ یہ ایک ادنیٰ بات ہے اور باتوں کی نسبت اسی نہج کا خیال کر لیا جاوے اور طرہ یہ ہے کہ یہ سب جلب منفعت عرضہ ڈیہ بتلا کر کی جاتی ہے۔ عموماً لوگوں کا خیال ہے کہ اس قماش کا کوئی تحصیلدار سندیلہ میں نہیں آیا۔

امداد محتاجین: ۲۵ر دسمبر ۱۸۹۶ء۔ آج مسٹر لاٹوش صاحب صدر بورڈ اضلاع مغربی و شمالی و اودھ سندیلہ آئے اور ایک قطعہ نوٹ پچاس روپے کا منشی رحمت اللہ تحصیلدار سندیلہ کو دیا کہ محتاجوں کو رضائی بنوا دیں چنانچہ حسب تحریک تحصیلدار میں نے چالیس رضائی اور تیس عدد لہنگے بنوا دیے جن کی تیاری میں جملہ چون روپے آٹھ آنے صرف ہوئے۔

۵ر جنوری ۱۸۹۷ء۔ آج ۸۰ رضائی حسب ہدایت تحصیلدار سندیلہ تیار کرا کے محتاجین کو بھیجیں جس کی حاصل تیاری میں مبلغ چھیاسٹھ روپے آٹھ آنہ نو پائی خرچ ہوئے۔ یہ امداد منجانب گورنمنٹ ہے۔ آج بمشکل تمام فہرست مستورات پردہ نشین قصبہ ہٰذا حسب ہدایت ڈپٹی انبا سہائے صاحب میں نے مرتب کی جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔ علاوہ اس کے ابھی اور بھی مستورات باقی ہیں جن کا اندراج عجلت میں نہ ہو سکا

اشراف ٹولہ - ۱۳۲ ' مہتوانہ - ۹۱ ' ملکانہ - ۲۸ ' منڈئی - ۲۵ = کل ۲۷۷

۱۵ر جنوری ۱۸۹۷ء۔ آج محلہ چوپار ٹولہ (ملکانہ) میں بوقت سہ پہر ہمراہ ڈپٹی انبا سہائے صاحب

رہا اور گزارہ مستورات پردہ نشیں وغیرہ کو شام تک تقسیم کرتا رہا اور اس کے بعد گیارہ بجے رات تک عورات اشراف محلہ کی تقسیم ہوتی رہی۔ اگرچہ اس کام سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے کہ کھانے و سونے کا وقت ہو جاتا ہے لیکن محض بغرض رفع تکلیف مردمان پریشان حال جن کو دو دو تین تین وقت کھانا میسر نہیں آتا ہے میں اس تکلیف کو تکلیف نہیں تصور کرتا ہوں بلکہ عین موجب راحت جانتا ہوں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ نکوئی بے شراکت تمام ڈپٹی صاحب میری ایک مدت دراز تک رہے گی۔

تماشا کرناٹکی: ۲۶ جنوری ۱۸۹۷ء۔ آج ۴ بجے شام کو مسٹر ہوٹبل صاحب اسسٹنٹ کمشنر ہردوئی نے اپنے لشکر "باغ پڑاو" میں کرناٹک حیدرآباد دکن کا تماشا کرایا اور حسب طلب منشی رحمت اللہ تحصیلدار ازدم قوم راجہ درگا پرشاد و کنور نرندر بہادر شریک جلسہ تھے۔ میں نے ایک روپیہ تماشا کرنے والوں کو دیا۔ اور لوگوں نے بھی بقدر اپنی حیثیت مراتب کے دیا۔ تماشا اچھا تھا۔

ڈپٹی کمشنر ہردوئی: ۴ مارچ ۱۸۹۷ء۔ کل دوپہر کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی نے مسٹر ہاپکنس صاحب سابق جج ہردوئی کو اپنے عہدہ کا چارج دے دیا اور آج نو بجے کی ڈاک گاڑی میں روانہ ولایت لندن ہوئے میں نے بھی اسٹیشن پر سلام رخصتی کیا۔ بعض روسائے قصبہ ہذا صدر (ہردوئی) کو بھی واسطے ملاقات کے گئے تھے۔ اور لکھنؤ تک بھی ہمراہ گئے۔ صاحب بہادر جبر پسند تھے۔ ہر ایک چیز مفت چاہتے تھے۔ ان کی پنج سالہ ڈپٹی کمشنری میں لوگوں کو کوئی نفع نہیں ہوا بجز رحمت اللہ کے جن کو پیش کاری ضلع اناؤ سے تحصیلدار سندیلہ مقرر کرا دیا۔ باوجودیکہ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار نے اپنی تعمیر کوئن سرائے سے اپنے کو زیر بار قرضہ کر دیا لیکن کوئی رعایت ان کے ساتھ بھی نہیں ہوئی۔ اور چلتے چلاتے یہ دو باتیں ان کے عہد کی یادگار رہیں گی کہ اپنی روانگی کے دو ہفتہ قبل انھوں نے کل روسائے ضلع ہذا کی قرقی کرا کے پورا مطالبہ چھ آنے خریف کا باوجود قحط سالی کے وصول کر لیا حالانکہ منشائے گورنمنٹ فی صدی چالیس لینے کا تھا جس کا اشتہار گورنمنٹ گزٹ مورخہ ۱۲ جنوری میں درج ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسرے یہ کہ بہت سی پردہ نشیں محتاج اور غیر پردہ دار کے نام خارج کر دیے جن کو گورنمنٹ سے گزارہ ملتا تھا۔ منجملہ ان کے بہت سے ہلاک ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ عجب نہیں کہ وہ اپنے جانشیں مسٹر ہاپکنس صاحب کو بھی ایسی تعلیم دے گئے ہوں۔

تاریخ شادی: ۲۴ ستمبر ۱۸۹۷ء۔ ۔ ۔ ۔ نور چشم مرتضیٰ علی کی بارات لکھنؤ جاوے گی اور عقد شرعی ہوگا اور ۲۷ ربیع الثانی کو رخصتی ہو گی اور ۲۸ کو دونوں اپنے دو بیٹوں ارتضیٰ علی و مرتضیٰ علی کی شادیاں

مولوی مظہر علی نے ایک ہی تاریخ کو کی تھیں۔ ہاشمی) کی سندیلہ سے واپسی ہوگی کیوں کہ ۲۶ کو بعد شام کے ۲۷ تاریخ لگ جاوے گی جو طاق ہوگی اور اس قسم کی تاریخ میں رواجاً عقد نہیں ہوتا ہے۔

نواب یار جنگ: ۲۸ فروری ۱۸۹۸ء۔ آج منشی اکرام اللہ خاں صاحب نواب یار جنگ واسطے عیادت منشی فضل حسین صاحب کاکوری سے تشریف لائے۔ ان کو اب گورنمنٹ انگریزی اور ریاست حیدر آباد سے بارہ سو پنشن ملتی ہے۔ میں نے اسٹیشن ریل تک پیشوائی کی اور بوقت سہ پہر بہ سواری بگھی مقامات مشہور کی سیر کرائی۔ مجھ سے بہ اخلاق پیش آئے۔ میری ان سے ملاقات سابق کی بھی تھی جب کہ وہ بندوبست میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع ہردوئی میں تھے۔

رسم نیوتہ: ۳۱ مئی ۱۸۹۸ء۔ برخوردار سید حافظ علی ولد سید ماجد علی مرحوم نے اپنی بیٹی کا عقد محمد عزیز کے ساتھ کیا۔ اس میں کسی کا نیوتہ نہیں لیا اور نہ کوئی رسم ادا ہونے دی حتیٰ کہ کسی قسم کا کھانا بھی سمدھیانے نہیں بھیجا۔ صرف کچھ زیور معمولی اور ایک جوڑا لڑکی کو دے کر رخصت کر دیا جب انھوں نے نیوتہ نہیں لیا ہے تو آئندہ کسی کو نہیں دلویں گے۔ یہ طریقہ انھوں نے جدید اختراع کیا جس کا رواج اس محلہ و قصبہ میں نہیں ہے۔

ممولا و مکڑی: ۱۷ ستمبر ۱۸۹۸ء۔ تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ کھم پچھ (کذا) عرف ممولا پرند اور جالا مکڑی برسات کے شروع ہونے پر ناپید ہو جاتا ہے یعنی پرند پہاڑوں پر چلا جاتا ہے اور مکڑی جالا لگانا موقوف کر دیتی ہے اور بارش کے خاتمے پر پرند کو پھر نمایاں ہو جاتا ہے اور مکڑی جالا لگانا شروع کر دیتی ہے اور یہ دلیل اس بات کی ہے کہ اب اور بارش نہ ہوگی۔ چنانچہ آج کل اس قسم کے آثار نظر آ رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بارش اور زیادہ نہ ہوگی کہ جھلے پالے اور کانس بھی پھولنے لگی ہے۔

گراموفون: ۲۹ مارچ ۱۸۹۹ء۔۔۔۔ اس کے بعد میں کنور نریندر بہادر صاحب سے ملا۔ مجھے اپنی کوٹھی جدید کا معائنہ کرایا اور بہت لطف و محبت سے پیش آئے اور ایک گھنٹہ تک مجھے مسٹر ایڈیسن صاحب امریکہ کا ایجاد کیا ہوا باجہ سنایا جو جدید ایجاد ہوا ہے اور جس میں ہر ایک شخص کی آواز کا فوٹو اتر جاتا ہے جس قسم کی وہ بات چیت کرے اور گانا گاوے فوراً اس کی آواز پیالہ میں اتر جاتی ہے اور جس وقت اس کو ٹوکیے فوراً اسی قسم کا گانا جیسا گویے نے گایا تھا اسی تال سُر سے بجنے لگتا ہے۔ کنور صاحب نے اس باجے کو بقیمت مبلغ تین سو روپے خرید کیا ہے۔

چوہے: ۴ اپریل ۱۸۹۹ء۔ بدھا نام راؤ ساکن سہنگوان نے اپنے کھیتوں کے ڈھائی ہزار چوہے مارے جس سے ایک کھیت اس کا چوہوں کی ضرر رسانی سے محفوظ رہا اور جائداد خوب پیدا ہوئی اور وہ

ترکیب یہ کرتا تھا کہ جس قدر گڑھے اس کے کھیت میں تھے ان میں پانی بھر دیتا تھا اور جب چوہے گڈھوں سے نکلتے تھے تو اس کے بیٹے اور بھائی جو تعداد میں پانچ چھ تھے سب مل کر ان کو مار ڈالتے تھے جس سے افزائش چوہوں کی اب کے سال نہ ہو سکی۔ یہ ترکیب میں نے اپنے ہوش میں کبھی دیکھی نہ سُنی۔

تھیٹر: ۸ر اپریل ۱۸۹۹ء۔ آج شب کو ایک تھیٹر لکھنؤ کا جلسہ احاطہ تقی میاں مرحوم میں شروع ہوا۔ ٹکٹ ۲ روپے سے لے کر بارہ روپے تک تھا۔

شادیوں کی کثرت: ۵ر مئی ۱۸۹۹ء۔ آج کل ایک مہینہ سے اس قدر کثرت شادی بیاہوں کی قصبہ ہذا میں ہے کہ اوسطاً روزانہ بارہ سے پندرہ تک کا ہے۔ اور یہی کیفیت دیہات میں ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے غدر کے بعد ۱۸۵۸ء کی کیفیت یاد آجاتی ہے کہ اس زمانے میں یہی کثرت تھی۔

نیا شوالہ: ۲۵ر جولائی ۱۸۹۹ء۔ آج استھاپنا مہادیو کا شوالہ سنگ مرمر میں ہوا۔ شب کو چند طوائفوں کا ناچ ہوا تھا اور سرائے و دھرم شالہ میں روشنی ہوئی تھی۔ راجہ درگا پرشاد صاحب نے اس کام کو بہت دھوم دھام سے انجام دیا۔ یہ فعل دھرم کا راجہ صاحب نے ایسا کیا جو ان کے باپ دادا سے نہ ہو سکا جو عہد شاہی میں بڑے معزز چکلہ دار تھے۔

ایک ڈھاڑی کا ناچ: ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۹ء۔ آج شام کو گمی کرج ولد مرج ڈھاڑی گوالیار کا منشی سید فضل حسین صاحب کے مکان پر ناچ ہوا اور بہ اصرار منشی صاحب میں شریک جلسہ ہوا۔ وہ اولاً تلواروں کی باڑھ پر بلا تکلف پیروں کی تھپکی دے کر ناچا اور کوئی اثر تلوار کی باڑھ کا اس کے پیروں اور تلووں پر نہیں پہنچا۔ دوسرے دو چھوٹے بتاشوں کو بچا کر ناچا اور ایک بھی بتاشا نہیں ٹوٹا۔ تیسرے وہ گھونگرو پیروں میں نہیں باندھے تھا لیکن وہ مُنہ سے ایسے صاف گھونگرو بجاتا تھا گویا وہ پیروں کی تھپکی دے کر بجاتا ہے۔ بظاہر اس کی عمر ۳۵ سال کے اندر ہے منشی صاحب نے مبلغ دس روپیہ اس کو انعام دیا۔

چندہ مقتولین جنگ: ۲۴ر دسمبر ۱۸۹۹ء۔ آج کو میٹنگ امداد ورثار مقتولین و مجروحین جنگ ٹرانسوال میونسپل ہال میں منعقد ہوئی کہ جو انگریزی فوج بمقابلہ ڈچ کاشتکاران ٹرانسوال کے قتل ہوئی ہے انکی بیواؤں اور خورد سال لڑکوں کی چندہ سے اعانت کریں۔

حاجی وارث علی شاہ: ۲۵ر مارچ ۱۹۰۰ء۔ چونکہ حاجی وارث علی شاہ صاحب رئیس دیوا (ضلع بارہ بنکی) آج چار یوم سے وارد سندیلہ ہیں اور بر مکان چودھری وقار محمد صاحب مرحوم مقیم ہیں مقامات مختلف سے

جوق جوق لوگ آپ کی زیارت کے واسطے چلے آتے ہیں۔ روشن چوکی ہر وقت بجتی رہتی ہے اور چندہ مریدین سے لنگرخانہ جاری ہے جہاں سے مہمانوں کو کھانا ملتا ہے۔ دن میں تین تین چار چار مرتبہ تہ بند بجتے ہوئے اٹھتے ہیں (حاجی صاحب کا واحد لباس ایک تہ بند ہوتا تھا جس کو بطور احرام باندھے رہتے تھے۔ ہاشمی) جو شاہ صاحب کو نہلائے جاتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کے ہزاروں مرد و زن مرید ہیں اور آج کل آپ جس مکان میں فروکش ہیں وہاں ایک میلہ سا لگا رہتا ہے اور صدہا آدمی مرید ہوتے جاتے ہیں۔ واقعی آپ کی ذات اس وقت میں بہت غنیمت ہے۔ آج میں نے بھی حضرت سے ملاقات کی۔ اٹھ کر مجھ سے نہایت تپاک سے ملے اور میری لیاقت وغیرہ کی بہت تعریف کی۔

محمد فرنگی محلی: ۲۱ اگست ۱۹۰۰ء۔ کل شب کو مولوی محمد نعیم صاحب فرنگی محلی لکھنؤ نے بعارضہ ہیضہ وبائی رحلت کی۔ عمر ۷۰ سال تھی۔ آپ نہایت بزرگ شخص تھے اور آپ کی تجہیز و تکفین میں ہزاروں آدمی شریک تھے۔

مقبرہ وصی علی شاہ: ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء۔ آج مسمیان بندو و فیض الدین و عبدالرزاق سنگ تراشان آگرہ مقبرہ وصی علی شاہ بہمہ وجوہ مرتب کر کے روانہ آگرہ ہوئے۔ اس مقبرہ کی تیاری کے واسطے ایک ہزار پانچ سو پچیس روپے راجہ جنگ بہادر صاحب نانپارہ نے عطا کیے اور باقی روپیہ کی شاہ صاحب کے مریدین نے امداد کی۔ جملہ دو ہزار خرید سنگ سفید و تیاری مقبرہ و بارہ دری وغیرہ میں صرف ہوئے۔ چونکہ شاہ صاحب مرحوم نہایت خلیق و شہرت گرفتہ شخص تھے ویسی ہی عمدہ آپ کی یادگار قائم ہوئی جو مدت دراز تک قائم و برقرار رہے گی۔

مضطر خیرآبادی: ۱۹ نومبر ۱۹۰۰ء۔ آج ۲ بجے دن کو عقد عزیزی مقصود علی خلف منشی نیاز علی صاحب مرحوم گھندن طوائف ہاڑی سے بعوض مہر مبلغ پانچ ہزار روپیہ کے ہوا۔ برخوردار مجتبیٰ علی نے عقد پڑھا۔ اس طوائف کا عقد اول افتخار حسین مضطر خیرآبادی سے ہوا تھا لیکن جب ان کی شادی اپنی برادری میں ہوئی تو انھوں نے اسکو طلاق دیدی عمر تخمیناً ۱۹ سال کی۔

سوگ وفات ملکہ وکٹوریہ: ۴ فروری ۱۹۰۱ء۔ بمعائنہ اودھ اخبار امروزہ واضح ہوا کہ اصحاب ذیل نے واقعہ ۲ فروری ۱۹۰۱ء کو بیوم تجہیز و تکفین جناب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند انگریزی گرجا گھر لکھنؤ میں جا کر نماز پڑھی۔ راجہ تصدق رسول صاحب تعلقدار جہانگیر آباد وائس پریسیڈنٹ انجمن ہند لکھنؤ نے از جانب تعلقہ داران اودھ اور حاجی سید شعبان علی خاں صاحب تعلقہ دار از جانب اہل شیعہ و خان بہادر چودھری نصرت علی صاحب سندیلوی منجانب اہل سنت۔ مسلمانوں کو مسجد میں دعاے مغفرت مانگنی چاہیے تھی۔

۲۳ فروری ۱۹۰۱ء۔ آج صبح کی ڈاک گاڑی میں لکھنؤ گیا اور گیارہ بجے سفید بارہ دری قیصر باغ میں شریک جلسہ تعزیت وفات ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند ہوا۔ اضلاع مغربی و شمالی و اودھ کے تمام معزز اشخاص جمع تھے۔

حتیٰ کہ نواب حامد علی خاں صاحب رام پور بھی تشریف لائے تھے۔ ٹھیک بارہ بجے دن کو سر میکڈانلڈ صاحب لفٹیننٹ گورنر اصلاع مغربی وشمالی رونق بخش ہوئے اور بہ صدارت خود اوّل اسپیچ اندوہناک پڑھی۔ اس کے بعد تجویز فرمایا کہ کوئی قومی یادگار جناب قیصر ہند کی تجویز کی جائے اور اس کے واسطے چندہ ہونے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسی وقت صرف چار آدمیوں نے یہ تجویز چندہ ظاہر کی۔

نواب صاحب رامپور۔ ایک لاکھ، مہاراجہ بھگوتی سنگھ صاحب بلرام پور۔ پچاس ہزار، مہاراجہ بنارس پچیس ہزار راجہ صاحب نانپارہ دس ہزار، جملہ ایک لاکھ پچاسی ہزار۔ اسی وقت چندہ ہوا اور مابقیہ چندہ ضلع وار فراہم ہوگا۔ بعد اس کارروائی کے جلسہ برخاست ہوا اور شام کی ریل میں سندیلہ لوٹ آیا۔

پھوٹ (پھل) : ۲۳ ستمبر ۱۹۰۱ء۔ امسال پھوٹوں کی ایسی کثرت ہے کہ ایک پیسہ و ڈیڑھ پیسہ کو ایک ٹکرہ ملتا ہے جس میں تعداد پندرہ بیس پھوٹوں سے کم نہیں ہوتی۔ لوگوں کو اس سے نفرت ہو چلی ہے۔ ستر اسی برس کی عمر والے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری یاد میں کبھی ایسی افراط نہیں ہوئی۔ میں نے جہاں تک اس کی افراط کی بابت خیال کیا تو اسکا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پورا مہینہ بھادوں کا بہ حالت خشکی رہا یعنی پانی بالکل نہیں برسا جس کی وجہ سے اسکی کثرت ہوئی۔

فاتحہ چہلم : ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ آج فاتحہ چہلم نور چشمی جمیلا کا ہوا۔ جس میں ہر قسم کا کھانا زردہ پلاؤ وغیرہ پخت ہوا اور جس میں مبلغ ۳۲ روپے خرچ ہوئے۔ ہم لوگوں میں عجیب رسم ہے کہ اوّل تو آدمی مرجائے دوسرا اوپر خرچ مزید ہو جس سے سخت رنج و زیر باری متصور ہے۔ مگر کیا کیا جاوے رسم سے چارہ نہیں۔

اصلاح رسوم : ۳ جنوری ۱۹۰۲ء۔ آج بعد ختم فاتحہ سوم ہمشیرہ منشی کرامت حسین صاحب حسب تجویز مولوی احمد علی صاحب امور ذیل بہ اتفاق یک دگر طے قرار پائے۔

۱۔ کسی شخص کی وفات پر گھر والے و نیز اہل برادری جو شریک غم ہوں وہ منہ ڈھانک کر نہ روئیں اور نہ متوفی کے حالات بیان کریں۔ ۲۔ بجز رشتہ داروں کے اور کوئی اہل برادری متوفی کے گھر میں اقل درجہ تین روز سے زائد قیام نہ کرے۔ ۳۔ قریب تر رشتہ دار طعام آقریب بہ خانہ متوفی بھیجیں لیکن اس کی مقدار اسی قدر رہے جو متوفی کے گھر والوں اور اقرب رشتہ داران مقیم کے واسطے کافی ہو۔ ۴۔ طعام مندرجہ ذیل بھیجا جائے: کھچڑی منہ سی وگھی۔ دال و چاول۔ قلیہ و روٹی۔ ۵۔ جب کسی کے گھر واقعہ وفات وقوع میں آئے تو اس کے افسر خاندان کو لازم ہے کہ اطلاع وفات اپنے اعزہ و خاص احباب کو بذریعہ حجام کر دیوے تاکہ کسی شخص کو عدم اطلاع کا عذر نہ ہو۔

پردہ : ۵ مارچ ۱۹۰۲ء۔ محمد عربی بیرسٹر نے بالاعلان اس بات کو ظاہر کیا کہ اپنی بیوی کو بے پردہ رکھنا

نامناسب نہیں سمجھتا ہوں چنانچہ میں اکثر کھلی گاڑی میں اپنے ساتھ ان کو بغرض تفریح لے جاتا ہوں اور جب ۷ مارچ کو میں اپنی بیوی کو لکھنؤ سے سندیلہ سکنڈ کلاس میں لا رہا تھا تو اس درجہ میں ایک انگریز بھی بیٹھا تھا لیکن میں نے کوئی پرواہ نہیں کی ... اور اپنی بیوی کو لے کر اسی درجہ میں بیٹھ گیا اور جب سندیلہ اسٹیشن پہنچا ہوں بلا انتظار اس کے کہ کوئی پردہ واسطے اترنے کے کیا جاوے وہ فوراً اتر کر پالکی پر سوار ہو گئیں اور میں اپنے ملازمان ذکور سے بھی چنداں پردہ کرانا پسند نہیں کرتا ہوں۔ ابھی کچھ خفیف حجاب سا ہے بعد چندے وہ ترک کرا دوں گا۔ میں اس پردہ کو بالکل ناپسند کرتا ہوں۔ نوکر چاکر مثل جنگلی درختوں کے ہیں ان سے پردہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

نیا فیشن: ۲۵ مارچ ۱۹۰۲ء۔ مسٹر محمد عربی بیرسٹر ڈاڑھی تو منڈواتے ہی تھے اب انھوں نے مونچھیں بھی منڈوا ڈالیں ان کی صورت بد نما معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک نئی وضع ایجاد ہوئی ہے۔

اپنی وفات کا کھانا: ۱۳ اپریل ۱۹۰۲ء۔ مسماۃ عبادالنساء زوجہ غلام حسین ولد منشی فصیح اللہ درگاہ اپنی وفات کا کھانا اپنی حیات میں آج کل قصبہ ہذا میں تقسیم کر رہی ہیں۔ چونکہ لاولد ہیں اس وجہ سے اپنے بعد اس انتظام کا کوئی کرنے والا نہیں دیکھا۔ یہ ایک نئی بات قصبہ ہذا میں ہوئی۔ مسماۃ موصوفہ نے ثواب حج بھی حاصل کر لیا ہے۔

جشن تاج پوشی: ۲۶ جون ۱۹۰۲ء۔ چونکہ شاہنشاہ انگلستان بعارضہ ذات الجنب سخت علیل ہو گئے اس وجہ سے جشن تاج پوشی بموجب ہدایت گورنمنٹ سب مقاموں پر ملتوی ہو گیا اور آج شام کو ہم بعض معزز مسلمانوں نے مسجد امر ہیرہ پر واسطے درازی عمر شاہنشاہ معظم کے دعائے خیر کی اور ہندوؤں نے دھرم شالہ راجہ درگا پرشاد صاحب میں شاہنشاہ وقت کے واسطے دعائے خیر مانگی۔

۹ اگست ۱۹۰۲ء آج انتظام جشن تاج پوشی شاہنشاہ ہندوستان ہمارے قصبہ سندیلہ میں ہوا۔ روشنی ہوئی، آتش بازی چھوٹی، تکلفات حاضرین نے نوش کیے اور جلسہ طوائفان سندیلہ مدرسہ اردو سندیلہ میں شب بھر ہوا۔ میں نے ایک روپیہ کا غلہ محتاجوں کو تقسیم کیا اور ہر طرح کا اظہار مسرت کیا گیا حتیٰ کہ پانچ بجے شام کو کرناٹک والوں کا بھی تماشا ہوا۔ جنھوں نے عمدہ عمدہ کرتب دکھلائے اور یہ تماشا شفاخانہ کے صحن میں ہوا۔

حرص جائداد: ۲۲ اگست ۱۹۰۲ء۔ سر لاٹوش صاحب گورنر اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ نے ۳ اگست ۱۹۰۲ء کے جلسہ میں یہ طے کر دیا کہ چودھری محمد جان تعلقہ دار ٹکرالی کو اس وجہ سے اجازت شرکت کی نہیں دی کہ اُن کی نسبت چودھری محمد عظیم اپنے باپ کو زہر دینے کی بدگمانی ہے اور راجہ جنگ بہادر صاحب مرحوم نانپارہ کے بیٹے بدیں وجہ شرکت دربار سے ممنوع کیے گئے کہ ان کی نسبت لفٹیننٹ گورنر کو مخبری ہوئی کہ انھوں نے اپنے باپ کو جو تول

ے مارا کہ جس کے رنج سے وہ بیمار ہو گئے۔ آخرش مقام بہرائچ میں انھوں نے قضا کی۔ اب کے سال یہ واردتیں ایسی ہو گئیں کہ ہلاکت خود اپنے بیٹوں کے ہاتھ سے مسموع ہو رہی ہے۔ سچ یہ ہے کہ جائداد دنیا میں ایسی شے ہو رہی ہے جس کی وجہ سے بھائی بھائی کی جان کا دشمن ہو جاتا ہے اور بیٹا باپ کو نگاہ دشمنی سے دیکھتا رہتا ہے۔

خورشید طوائف: ۹ ستمبر ۱۹۰۲ء - ۳ بجے صبح کو خورشید طوائف نے درد شکم میں قضا کی۔ عمر ۲۰ سال تھی۔ گانے و ناچنے میں مشہور تھی۔ منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار نے بندہ علی خاں و پیغمبر بخش قوالان بدایونی کو بہ مشاہرہ ۲۰ روپیہ ماہوار نوکر رکھ کر چند سال تک تعلیم کرائی تھی۔ متوفیہ کا چوک لکھنؤ میں قیام رہتا تھا اور اس کی آمدنی ۴۰۰ ماہوار تک پہنچ گئی تھی۔ افسوس اس کے کل اعزا کی امیدوں کا خون ہو گیا اور اس کی ہمشیر شیریں جان طوائف منشی صاحب مرحوم اپنی بہن کی وفات سے سڑن سی ہو گئی اور عجب نہیں کہ چند مہینوں میں فور رنج و غم سے فوت نہ ہو جاوے۔

کانپور میں طاعون: ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء - ہفتہ مختتمہ ۱۸ اکتوبر میں شہر کانپور میں ۹۸۶ آدمی بعارضہ طاعون فوت ہوئے۔ یہ تعداد بہت زیادہ ہے۔ اہل کانپور اپنے اپنے گھر چھوڑ کر بیرونجات کو چلے گئے اور کاروبار تجارت میں بہت کمی ہو گئی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ کام بند ہے۔ خدا اس بلائے بے درماں کو جلد دفع فرمائے۔ سخت اندیشہ ہے کہ کہیں لکھنؤ میں اس کا خروج نہ ہو۔

گورنمنٹ هاؤس میں میلاد: ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء ۔۔۔ درین ولا ایک میلاد شریف نینی تال گورنمنٹ ہاؤس میں منعقد ہوئی اور سر لاٹوش صاحب لفٹیننٹ گورنر اضلاع مغربی و شمالی و اودھ نے معہ اپنے مصاحبوں کے اس میں شرکت کی اور بیس منٹ تک شریک جلسہ میلاد رہے یہ ایک نئی بات لاٹ صاحب نے کی۔

جشن تاج پوشی: یکم جنوری ۱۹۰۳ء - آج دلی میں دربار بہت شان و شوکت سے ہوا اور یہی کیفیت ہر ضلع میں تھی یعنی فرمان پڑھا گیا اور لوگوں کو اعزاز حاصل ہوا۔ آج میں نے نماز عید مسجد امہرہ پر پڑھی اور اسی جانب سے ۱۱ بجے کی ریل میں بنا بر شرکت جشن تاج پوشی شاہنشاہ معظم ہندوستان روانہ ہردوئی ہوا جہاں قریب ۱ بجے کے پہنچا اور سیدھا وکٹوریہ ہال کو جہاں دربار منعقد ہوا چلا گیا۔ ٹھیک ۲ بجے دن کو مسٹر ہوپ صاحب ڈپٹی کمشنر و مسٹر سبا ٹا ڈیر صاحب جج و مسٹر کاکسی صاحب مہتمم بندوبست تشریف لائے۔ ڈپٹی کمشنر نے فرمان شاہی پڑھا۔ اس کے جواب میں من جانب تعلقہ داران و رؤسائے ضلع ہردوئی ایڈریس پڑھا گیا۔ اس کے بعد سندیں تقسیم ہوئیں جو من جانب وائسرائے گورنر جنرل ہند دربار دہلی سے دستخطی سر لاٹوش صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر ضلع متحدہ آگرہ و اودھ سر بمہر آئی تھیں۔ منجملہ ان کے ایک ٹھاکر مہاراج سنگھ تعلقہ دار ہتورہ بجلدوے قائم کرنے ایک

مدرسے کے عطا ہوئی اور دوسری راقم کو بوجہ انجام دیے کام آنریری مجسٹریٹی و سکریٹری میونسپلٹی سندیلہ کے صاحب ضلع سے عطا ہوئی جس کا مضمون یہ ہے "بموجب ہدایت ہز اکسیلنسی گورنر جنرل کشور ہندیہ سند بکمال عنایت و مہربانی ایڈورڈ ہفتم شاہنشاہ ہندوستان منشی مظہر علی سندیلہ ضلع ہردوئی کو بہ اعتبار ان کی خدمات آنریری مجسٹریٹی و سکریٹری میونسپل بورڈ سندیلہ عطا کی گئی۔ یکم جنوری ۱۹۰۳ء" ......

طاعون: ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء۔ آج بمعائنہ اودھ اخبار معلوم ہوا جس نے سرکاری گزٹ اضلاع طاعون زدہ کا حوالہ دیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ تمام ہندوستان میں شکایت طاعون پھیلی ہوئی ہے جس کی ترقی اضلاع پنجاب و بنگالہ میں زیادہ ہے خصوصاً ضلع سارن واقع بنگالہ میں ایک ہزار ۲۱۶ آدمیوں نے ایک ہفتہ میں قضا کی۔ اضلاع ناگپور و جبل پور میں غضب ناک طاعون پھیلا ہوا ہے جو ملک متوسط میں واقع ہیں۔ جبل پور میں ایک ہفتہ میں ۵۹۳ آدمی فوت ہوئے اور ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے ۱۲ اضلاع میں طاعون پایا جاتا ہے جس میں الہ آباد کانپور وغیرہ شامل ہیں۔ اب شہر لکھنؤ میں بھی اس کی شدت ہو چلی ہے اور بالفعل مفصلہ ذیل محلوں میں ہے۔ مقبول گنج، فتح گنج، امین آباد، بزازہ، گنیش گنج، ٹیڑھی بازار، مولوی گنج، ہاٹ جی، کھجوا، حضرت گنج (باوجودیکہ اس محلہ میں صفائی بہت زیادہ ہے)۔ اناؤ کے عموماً کل باشندے بیرونجات کو اپنے تجویزکے مقامات کو چلے گئے۔ چنانچہ خاندان مولوی صفی اللہ و عطاء اللہ، حافظ کرم احمد صاحب مرحوم و چودھری عبدالباقی صاحب مرحوم کے مکان پر سندیلہ آکر قیام گزین ہیں۔ یہ عارضہ طاعون ہیضہ سے بہت بڑھا چڑھا ہوا ہے۔ اس کا قیام دو تین ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوتا لیکن طاعون کا قیام جس شہر میں وہ آتا ہے مہینوں رہتا ہے بلکہ ایک موسم جانے کے بعد پھر دوسرے سال بھی زور کرتا ہے۔ اللّٰھم احفظنا من البلاء الدنیا و عذاب الآخرۃ

عبدالوہاب فرنگی محلی: ۳ اپریل ۱۹۰۳ء۔ معائنہ اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ یکم اپریل ۱۹۰۳ء کو مولوی عبدالوہاب فرنگی محلی لکھنؤ نے قریب عصر کے مرض طاعون سے انتقال فرمایا۔ جناب مرحوم اپنے علم و فضل و جمیع حیثیات کے اعتبار سے ایک ممتاز عالم باعمل تھے۔ خدا مغفرت کرے۔

طوطے: ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء آج میلہ صحبتیا[1] کا ہوا۔ بمقابلہ اور چیزوں کے برف زیادہ بکا۔ ایک شخص باہر سے چند طوطے تعلیم یافتہ لایا تھا جو ایک پیسہ فیس کا ہر شخص سے لے کر ان کا تماشا دکھاتا تھا۔ تماشا یہ تھا کہ طوطے مگدر و بیٹھک ہلاتے، توپ داغتے اور چند ٹکڑے کاغذوں میں سے جس کو پوشیدہ طور پر چھوڑ دو

[1] صحبتیا باغ سندیلہ میں یہ میلہ ماہ مئی یا جون میں سیدنا لالہ غازی کے لیے میں لگتا تھا۔ اس میلہ میں تمام پڑوس کے لوگ ہندو و مسلمان دونوں شریک ہوتے تھے۔ ایک

وہی اٹھالاتے۔ غرضکہ انواع اقسام کے تماشے کرتے تھے۔

فاؤنٹن پین: ۲۶ راگست ۱۹۰۳ء۔ آج ایک قلم انگریزی اعلیٰ درجہ کا جس کے اندر روشنائی بھر کر ایک شخص گھنٹوں لکھ سکتا ہے اور برخوردار مصطفٰے علی بقیمت تین روپیہ ولایت لندن سے لائے تھے اور التفات رسول کو دینا تجویز ہوا تھا آج میں نے ان کو بھیج دیا۔ بہت خوش ہوئے۔

شادی کا شوق: ۱۸ راکتوبر ۱۹۰۳ء۔ آج سید حسین احمد اشراف ٹولہ سے واضح ہوا کہ مہینہ ستمبر گزشتہ میں سید کرامت علی پنشنر ڈپٹی کلکٹر نے اپنا عقد چہارم اپنی منجھلی سالی سے کیا۔ یہ تین بہنیں تھیں۔ بڑی کا عقد اوائل میں ہوا اور چھوٹی کا ڈپٹی صاحب سے جو یکم فروری ۱۹۰۲ء کو فوت ہوئیں اور منجھلی سے چوتھا عقد کیا۔ عمر ڈپٹی صاحب اکسٹھ سال ہے۔ چہرے پر جھریاں پڑ گئی ہیں۔ بازوؤں کی کھال لٹکتی ہے۔ کمر خمیدہ ہے۔ غذا بہت قلیل ہوتی ہے۔ دُبلے وضعیف از حد ہیں۔ تند ہوا کے جھونکے سے اڑ جا سکتے ہیں۔ حرارت غریزی کم پائی جاتی ہے۔ بظاہر یہ عقد ایام زندگی گھٹانے والا گویا پیغام اجل ہے۔ خدا مبارک کرے۔

محمد احمد خاں صاحب: ۲۳ راکتوبر ۱۹۰۳ء۔ محمد احمد خاں صاحب تعلقہ دار دکسمنڈی خورد (ملیح آباد) ولد فقیر محمد خاں صاحب مرزا گنج تحصیل ملیح آباد نے ۱۵ ستمبر یوم سہ شنبہ کو قضا کی۔ عمر ۷۲ سال تھی۔ مرحوم نے ۴ عقد کیے اور قریب ایک سو کے اولاد ہوئیں۔ منجملہ ان کے اب حسب ذیل بیبیاں اور لڑکے لڑکیاں موجود ہیں۔ ازواج۔ ۱۰ عدد، فرزندان نرینہ۔ ۱۵ عدد، دختران۔ ۲۲ عدد علاوہ اس کے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں بکثرت ہیں اور خاں صاحب ایسے پُر قوت تھے کہ سال گزشتہ تک انھوں نے عقد کیے ہیں۔

طاعون: ۸ ردسمبر ۱۹۰۳ء۔ بوقت ۳ بجے شام کے بصدارت مسٹر گرے صاحب کمشنر لکھنؤ تحصیل منڈیاؤں میں کمیٹی طاعون قرار پائی اور ایک گھنٹہ تک صاحب بہادر نے اسپیچ دی کہ بیماری طاعون لاعلاج ہے لیکن اس کا انسداد حسب ذیل صورتوں سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ ایسے مکان میں قیام کیا جائے جو ہوادار ہو اور جس میں دھوپ آتی ہو۔ ۲۔ نیب کی پتی اکونڈا اور گندھک مکان میں سلگانا چاہیے۔ ۳۔ جب آدمی طاعون میں مرجائے تو اس کے کپڑے وچارپائی جلوا دے۔ ۴۔ مکان بالکل چھوڑ دیا جائے اور دوسرے مقام پر قیام کرے۔ ۵۔ صفائی مکان باضابطہ کرائی جاوے۔ ۶۔ اوّل بیماری چوہوں سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا جس گھر میں وہ مریں اس گھر کی بخوبی صفائی کرائی جاوے۔ ۷۔ کوٹھے کا قیام بہ نسبت نیچے کے اچھا ہوتا ہے۔ ۸۔ جس مکان میں اینٹوں کا فرش ہو وہ خام فرش سے بہتر ہے۔

۵ جنوری ۱۹۰۴ء۔ کل مسمی گنیش ولد منشی کلوار موضع "مہونہ" طاعون سے فوت ہوا۔ وہاں کے باشندوں نے اس کی لاش متوفی کے مکان پر بھیج دی۔ لاش پہنچنے پر اس کے چچا متوفی نے ممانعت کی کہ گھر کے اندر نہ ڈالی جائے جو تمام شب چبوترے پر پڑی رہی۔ جب آج صبح کو مولوی حامد علی محرر رجسٹری و دیگر ہمسایہ مسلمانوں کو اطلاع ہوئی تو وہ لوگ موقع پر گئے اور مالک مکان سے استدعا کی کہ اگر وہ اجازت دیوے تو وہ لوگ قبر کھدوا کر لاش کو دفن کرائیں۔ بوجہ اس کے کہ متوفی کے اعزہ و اقارب کوئی شریک تجہیز و تکفین نہیں ہوئے تھے۔ آخرش بحالت مجبوری تین ہندو (دو جوشی اور ایک اہیر) لاش اٹھانے کو بہم پہنچے۔ تب مادر متوفی نے چوتھا پایہ خود اٹھایا اور جو قبر مسلمانوں نے کھدوائی تھی اس میں جا کر دفن کر دیا۔ یہ مقام عبرت کا ہے کہ عزیز شریک نہ ہوں اور ماں اپنے بیٹے متوفی کی لاش خود لے جا کر دفن کرے اور جلوانے کا کوئی سوبیتا نہ ہو سکے۔ اس بیماری کی نسبت جہاں تک غور کیا گیا نوجوان، خواہ مرد ہو یا عورت، و لڑکے لڑکیاں زائد مرے اور مرتے ہیں۔

۱۱ جنوری ۱۹۰۴ء۔ آج آٹھ بجے صبح کو ہمارے محلہ کے چاروں طرف سورہ یٰسین اس طور پر گشت کر کے پڑھی گئی کہ چوراہے ٹھاولہ ہال سے لوگوں نے پڑھنا شروع کیا اور جہاں پر "مبین" آیا وہاں سات نمازیوں نے سات سات اذانیں کہیں۔ اور اس طور پر سات روز تک گشت ہوگا۔ خدا کرے اس سورہ یٰسین کی برکت سے طاعون سارے قصبہ ہذا سے دفع ہو جائے۔

۱۶ جنوری ۱۹۰۴ء۔ منگا برئی (پان فروش) کی لاش بذریعہ میونسپل گڑوا دی گئی۔ اس کے اعزا نے متوفی کی مدد نہیں کی جو طاعون میں مرا تھا۔ یہ زمانہ ایسا ہے کہ عزیز قریب بھی طاعون کے ڈر سے لاش کے قریب آنا پسند نہیں کرتے۔

<u>وقف حسین آباد لکھنؤ</u>: ۱۸ فروری ۱۹۰۴ء۔ وقف امام باڑہ حسین آباد کی ابتدا اس عطیہ سے ہوئی جو محمد علی شاہ سابق شاہ اودھ نے ۱۸۳۹ء سے ۱۸۴۱ء تک کیا تھا اس کی کل مقدار چھتیس لاکھ ۲۷ ہزار تھی۔ یہ بیبا رقم کاغذ زر سرکاری کی حیثیت سے جمع تھی جس کی ایک لاکھ ۱۸ ہزار آمدنی ہے اور دوکانوں وغیرہ کے کرایہ کی بھی آمدنی ہے۔ پس اس امانت کی کل آمدنی ایک لاکھ ۴۳ ہزار سال ہے۔ اس روپیہ میں سے نصف روپیہ خاص کام یعنی ان وظائف میں صرف ہوتا ہے جو شاہ کے نام ۱۶ اشخاص کو پنشنوں میں اور زائرین کربلا معلی کو دی جاتی ہیں۔ (۳۰ ہزار) اور امام باڑہ نواب آصف الدولہ کے عملہ کے مصارف اور اخراجات مذہبی ہوتے ہیں۔ آمدنی کا دوسرا نصف حصہ ضروری مرمت عمارتوں کے قائم رکھنے اور مفید عام اور خیرات میں صرف ہوتا ہے۔ مفید عام صیغوں میں متولیوں نے جامع مسجد کی مرمت کرائی اور شہر سے امام باڑہ تک وکٹوریہ باغ لگایا۔ یہ چمن بندی

مسٹر مول صاحب کمشنر لکھنؤ کی تجویز سے ہوئی تھی اس سے امانت کی عمارتیں خوشنما معلوم ہوتی ہیں اور اہل شہر کی تندرستی اور تفریح کا باعث ہے جو اس مقام کے سبزہ کے خوشنما میدانوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔

آندھی: ۱۲؍ جون ۱۹۰۴ء۔ آج ۲½ بجے دن کو ایک ایسی گرد آلودہ آندھی آئی کہ دو منٹ تک ایسا اندھیرا رہا کہ میں اپنا ہاتھ دو فٹ کے فاصلہ پر نہیں دیکھ سکتا تھا میری یاد میں ایسی کوئی آندھی قبل اس کے نہیں آئی۔

نرخ آم: ۲۰؍ جون ۱۹۰۴ء۔ اب کے سال انبحی دو پیسہ سیکڑہ فروخت ہوئے جس کی انتہا افراط تھی۔

پکریا پیر: ۱۹؍ ستمبر ۱۹۰۴ء۔ پکریا پیر ارضی جو قلعہ پر مشہور ہے وہ ایک صیغہ دار بھگومیاں چودھری کے عزیز تھے جن کو کسی عامل نوابی نے لعلت بقایا مالگزاری زندہ دفن کرادیا تھا جن کا نام طہ تھا۔ اس امر کی تصدیق مولوی مہدی حسن صاحب ولد مولوی فضل علی صاحب سے آج ہوئی لیکن صیغہ دار متوفی اب پکریا پیر مشہور ہیں اور بعض جاہل لوگ محلہ کے ان پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں لے

عجیب الخلقت لڑکا: ۸؍ اکتوبر ۱۹۰۴ء۔ شب گزشتہ کو ایک لڑکا محلہ کسانٹولہ ٢ے میں عجیب الخلقت بخانہ فتو ولد جمن کسان پیدا ہوا جس کا مُنہ لانبا تھوتھنی نکلی ہوئی۔ بجائے آنکھ کان کے گُتھی لگی ہوئی ہے۔ ٹھڈی ناک نہیں۔ ہاتھ پیروں کی انگلیاں ندارد، پاؤں کے گٹوں میں ناخن نکلے ہیں اور چار دانت اوپر کے نمایاں ہیں۔ زبان نکلی ہوئی ہے۔ بدن مثل مچھلی کے سفنوں کے چٹخا ہوا ہے۔ جسم موٹا ہے جس کے مقابلے میں ہاتھ پیر پتلے ہیں۔ بکری کا دودھ اس کو پلایا جاتا ہے۔ تمام دن وہ زندہ رہا اور آٹھ بجے رات کو مر گیا۔

سید سالار مسعود غازی: ۲۷؍ اکتوبر ۱۹۰۴ء۔ سید مسعود غازیؒ ۱۷؍ شعبان ۴۲۳ھ مطابق ۱۰۳۲ء کو بہرائچ میں داخل ہوئے اور ۱۸؍ رجب ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۳ء کو سہیر دیو نے ان کو معہ ان کی تمامی فوج کے قتل کیا اور سید سالار بہرائچ کے تالاب کے قریب جس پر سورج کا مندر تھا اور جس کو سالار اپنی آرام گاہ کیلئے بہت پسند کرتے تھے مدفون ہوئے۔ سید سالار ساہو کے بیٹے اور سلطان محمود کے بھانجے تھے ٣ے

لے مولوی منظہر علی صاحب کے مکان سے کچھ دور ایک مرتفع میدان ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں بہت پہلے ایک قلعہ تھا۔ اس لیے یہ میدان ابھی تک قلعہ کہلاتا ہے۔ اس کے مغربی جنوبی کنارے پر ایک برج لکھوری اینٹوں کا بنا ہوا تھا جس پر ایک پکریا کا پرانا پیڑ لگا تھا۔ یہ بھی مشہور تھا کہ اس میں کوئی شہید مدفون ہیں اسلیے وہ پکریا پیر کے نام سے موسوم ہوگئے تھے۔ ۱۹۵۰ء تک یہ برج خستہ حالت میں موجود تھا۔ اب وہاں کچھ نہیں ہے اور قلعہ کی زمین پر مکانات بن گئے ہیں۔ ہاشمی ٢ے اب یہ محلہ کسانٹولہ کہلاتا ہے۔ ٣ے [illegible] گزیٹیئر ڈکشنری (انگریزی) میں سالار مسعود غازی کی شہادت کی تاریخ ۱۵؍ جون ۱۰۳۳ء مطابق ۱۴؍ رجب ۴۲۴ھ لکھی ہے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے کئی ساتھی اور تمامی فوج بھی شہید ہوئے تھے۔ اور یہ کہ ان کی عمر اس وقت صرف ۱۹ سال کی تھی۔ ہاشمی

سخت سردی: ۲؍فروری ۱۹۰۵ء - آج کل برف بہت گر رہی ہے اور ہوا بہت تند چلتی ہے جس سے بے حد سردی ہے اور کثرت برف سے مٹر، چنا، ارہر اور آلو جاتا رہا۔ جو ظروف پانی سے بھرے رکھے تھے ان میں بھی برف جم گیا اور گڑھا تالاب 'مخدوم پورہ' کا ایک حصہ اس سے منجمد ہو گیا۔ آج کل نہایت شدت کی سردی ہے۔ میری کوٹھی کے اندر انگلیاں ٹھٹھری جاتی ہیں اور صبح شام دونوں وقت اپنی کوٹھی میں انگیٹھی روشن کرایا کرتا ہوں تب چین پڑتی ہے۔

۵؍فروری ۱۹۰۵ء چار روز برابر برف گرنے سے حسب ذیل پیداوار فصلی کو سخت نقصان پہنچا جس کا تخمینہ صحیح طور پر بعد ایک ہفتہ کے تحریر کروں گا۔

"نخود، مٹر، گندم، پوستہ، تمباکو، جو، آلو، ارہر، درختان میوہ دار، درختان انبہ خورد سال مہوہ، جامن، کچھیا نہ"۔

میرے قلمی باغ اشراف طور کو جو چند سال سے پھلا پھولا تھا بہت ضرر پہنچا۔ برف بہت دبیز گری تھی کہ تالاب اجمیر و آگرہ منجمد ہو گئے۔ خیال ہوتا ہے کہ تمامی ہندوستان میں یہ بلا نازل ہوئی کیونکہ تحریرات باندا، الہ آباد اور دیوا ضلع بارہ بنکی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں تو میرے ہوش میں نہ ایسا پالا پڑا اور نہ ایسی سردی ہوئی۔ (شاید برف گرنے سے مراد مولوی صاحب کی مراد پالا پڑنے سے ہے۔ کیونکہ یو پی کی وادی میں برف گرنے کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سخت پالا پڑنے سے پانی منجمد ہو گیا ہو ورنہ ایسا تو اب بھی میری یاد میں کبھی نہیں ہوئی تھی)

رویت ہلال: ۱۵؍فروری ۱۹۰۵ء - آج لکھنؤ کے علمائے سنت و جماعت نے نماز بقرعید پڑھی لیکن شیعہ مذہب والوں نے نہیں۔ اور اضلاع میں بھی آج بقرعید ہوئی۔ سندیلہ میں نہیں ہوئی۔ اگر رویت ہلال کی قبل سے تحقیقات کر لی جاتی تو یہ اختلاف ہرگز نہ ہوتا۔

میر جدید کا مرثیہ: ۶؍مارچ ۱۹۰۵ء - آج شب کو میر جلیس پوتے میر انیس لکھنؤ نے چودھری محمد جان صاحب تعلقدار کے امام باڑہ میں مرثیہ تصنیف خود پڑھا جن کا یومیہ ایک رات ٹھہرنے کا پچاس روپے قرار پائے تھے۔ باوصف طلب میں شریک مجلس نہیں ہوا کہ اب مجھے خوشی دنیاوی کا کوئی لطف باقی نہیں رہا اور بحالت افسردگی ایام زندگی بسر کیے جا رہا ہوں۔ برخورداران مصطفےٰ علی و مجتبیٰ علی شریک ہوئے تھے سنا گیا کہ کچھ اچھا نہیں پڑھا۔

وفات حاجی وارث علی: ۱۰؍اپریل ۱۹۰۵ء - آج خط برخوردار سید مجتبیٰ علی مورخہ ۸؍اپریل ۱۹۰۵ء قصبہ دیوا سے واضح ہوا کہ جناب حاجی وارث علی شاہ نے بتاریخ ۷؍اپریل سن الیہ یوم جمعہ کو علی الصباح بمقام 'دیوا'

رحلت فرمائی اور بوقت ۴ بجے شام کے اپنے سہ درہ نشست گاہ میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور بعد سیوم سید ابراہیم شاہ صاحب نواسہ حاجی صاحب مرحوم سجادہ نشین قرار دیے گئے اور تہ بند معروف شاہ صاحب مرید حاجی صاحب نے سید صاحب کو پہنایا۔ سید صاحب کے سامنے نذریں برسم جانشینی گزریں اور اکثر لوگ مرید ہوئے اور بعض ہنود مسلمان ہو کر مرید ہوئے۔ جناب مرحوم کے لاکھوں مرد و زن دُور دُور کے مرید تھے اور سِن شریف ۹۲ سال تھا۔ آپ کی ذات اس زمانہ میں ایسا غنیمت تھی۔

<u>میڈیکل کالج لکھنؤ</u>: ۲۱ نومبر ۱۹۰۵ء۔ آج ۹ ½ بجے صبح کی ریل میں واسطے شرکت کمیٹی چندہ ڈاکٹری کالج لکھنؤ کے ہردوئی گیا۔ وقت ۲ بجے دن کے بصدارت مسٹر ٹرنر صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی کمیٹی منعقد ہوئی۔ چونکہ میرا نام اعزاز کے ساتھ لیا گیا لہٰذا میں نے بہ نظر مناسب ۲۵ روپے چندہ دینا منظور کیا اور منشی قبول احمد نے ایک سو۔ غرضکہ اسی طور پر ہر ایک شخص کی مقدار چندہ بڑھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس وقت تقریباً ۲۲ ہزار کا چندہ ہوا۔ بعض تعلقداران تحصیل سندیلہ کی مقدار ذیل میں درج کرتا ہوں۔

راجہ درگا پرشاد صاحب، ایک ہزار، چودھری محمد جان صاحب، ایک ہزار، رانی چندر کنور صاحبہ زوجہ راجہ وزیر چند صاحب، ایک ہزار، سید التفات رسول صاحب، ایک ہزار، اہلیہ کنور نرندر بہادر صاحب مرحوم۔ ۵ سو، مادھو سنگھ صاحب بھرواں، ایک ہزار، ٹھاکر مہاراج سنگھ صاحب ہتورہ، دو ہزار، ٹھاکر سرب جیت سنگھ صاحب پوایاں، ٹھاکر سرب جیت سنگھ صاحب پوایاں بعد فراغت میں ۱۰ بجے شام کی ریل میں سندیلہ واپس آیا۔

۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ نو لاکھ تینتیس ہزار پانچ سو ستر کا چندہ واسطے تیاری ڈاکٹری کالج لکھنؤ ہو چکا ہے اور ابھی اور ہوگا اور شاخ تعلیم نسواں کے لیے ۶۲ ہزار ۵۲۳ روپیہ چندہ ہوا ہے۔ ان دونوں کی مجموعی تعداد ۹ لاکھ ۹۷ ہزار ایک سو تین روپے ہے۔

۲۲ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ آج ۹ ½ بجے صبح کی ریل میں شہزادہ و شہزادی ہیگم ویلز داخل لکھنؤ ہوئے اور وقت ۳ ½ بجے دن کے موصوف الیہ نے سنگ بنیادی ڈاکٹری کالج میدان شاہ مینا میں رکھا اور ۱۰ بجے شب کو بارہ دری قیصر باغ میں تشریف لائے۔ روشنی و آتش بازی کو ملاحظہ کیا اور سنا گیا کہ حضرت گنج میں بہت عمدہ روشنی تھی علی الخصوص بابو پراگ نرائن مالک اودھ اخبار نے بہت اعلیٰ درجہ کی روشنی کرائی تھی جس کی تعریف عموماً ہو رہی ہے۔

<u>طاعون اور چوہے</u>: ۱۶ جنوری ۱۹۰۶ء۔ حکم ٹرنر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ہردوئی مشعر بدیں خلاصہ موصول ہوا کہ بنام ممبران میونسپل یادداشت بھیجی جاوے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں باشندگان کو ترغیب دیں کہ جو

مُردہ چوہے وہ پیش کریں گے ان کو فی چوہا ایک پیسہ اور جو زندہ لاویں گے ان کو فی چوہا دو پیسہ انعام دیا جاوے گا۔
چنانچہ بموجب اس حکم کے اسی وقت بنام ممبران یادداشتیں جاری کی گئیں اور اس کی اطلاع صاحب ضلع کو کر دی گئی اور یہ بھی اطلاع دی گئی کہ ۱۵ر جنوری ۱۹۰۶ء تک حسب ذیل چوہے ہلاک کیے گئے۔

"من ابتداء ۱۲ر نومبر ۱۹۰۵ء لغایتہ ۱۵ر جنوری ۱۹۰۶ء بذریعہ چوہے دان میونسپل ۱۰۵۱ من ابتداء ۱۲ر جنوری سن الیہ لغایتہ ۱۵ ماہ مذکور بہ ادائے انعام ۲۳۶۶" (یہ سلسلہ تقریباً پورے سال تک چلتا رہا جس کا اندراج وقتاً فوقتاً روزنامچہ میں ہوتا رہا۔ ہاشمی)

کنبھ کا میلہ: ۲۶ر جنوری ۱۹۰۶ء۔ میلہ کنبھ الٰہ آباد میں جو ابھی ختم ہوا ہے بیس لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ ۲۴ر جنوری ۱۹۰۶ء کو کثرت ازدحام سے دس آدمی ہلاک ہوئے اور اٹھارہ سخت مجروح ہوئے۔

عقد ثانی بیوہ: ۱۰ر مارچ ۱۹۰۶ء۔ چونکہ نور دیدہ انجمن (نواسی) دختر برخوردار سعید الدین کم عمری یعنی ۱۹ سال میں بیوہ ہو گئی لہٰذا برخلاف رسم قدیمہ یہ تجویز کیا ہے کہ اس کا عقد ثانی کرایا جاوے۔

شیعہ سُنّی جھگڑا: ۱۸ر مارچ ۱۹۰۶ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ لکھنؤ کے شیعوں نے سنیوں اور ہندوؤں سے یہ کہا کہ وہ برہنہ سر و پا بغیر پان کھائے کربلا 'تال کٹورہ' میں آئیں اور اپنے اپنے تعزیے دفن کریں لیکن یہ بات دونوں فرقوں نے منظور نہیں کی اور اپنے تعزیے 'جھنوں کی مسجد' کے قریب ایک میدان میں دفن کیے جہاں اہل تعزیہ و تماشائیوں کا ہجوم تھا اور دوکانداروں وغیرہ کو بھی کوئی ممانعت نہیں تھی اور جابجا شربت کی سبیلیں رکھی ہوئی تھیں۔ لنگر جاری تھے اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی تھی کہ جو مولوی مقبول احمد شیعہ پر بعلت کہنے تبرا کے ایک ہزار روپیہ جرمانہ اور تین ہزار روپیہ کی ضمانت نیک چلنی حبیب اللہ سُنّی کے استغاثہ پر عدالت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع فیض آباد کے اجلاس سے حال میں ہوئی ہے اسی وجہ سے لکھنؤ کے شیعوں نے سُنیوں کی نسبت شرائط قائم کیے۔ جہاں تک خیال جاتا ہے تو سُنّیوں کی جدید کربلا کو بہت جلد نمایاں ترقی اس وجہ سے ہو جائیگی کہ ان کی اس میں کسی قسم کی قید یا شرط وقت داخلہ کربلا کے نہیں ہے جس کا آغاز عمدہ نظر آ رہا ہے۔

مدرسہ نسواں: ۱۲ر مارچ ۱۹۰۶ء۔ آج میں نے کمیٹی خاص میونسپل سے مدرسہ نسواں اشراف ٹولہ کا نفاذ کرایا اور مولوی عبد الرزاق صاحب مہتوانہ کا تقرر بمشاہرہ پندرہ روپے ماہوار منظور ہوا جو کل ماہ مارچ سن الیہ سے مکان صدر اعلا میں جاری ہوگا۔

حافظ انور علی قلندر: ۱۷ر مارچ ۱۹۰۶ء۔ آج معلوم ہوا کہ شام کو حافظ علی انور صاحب سجادہ نشین

تکیہ شاہ تراب علی صاحب کاکوری نے قضا کی۔ عمر تقریباً ساٹھ سال تھی۔ مرحوم نہایت ذی علم باوضع ومقدس بزرگ تھے اور بہت سے مرد وزن علی الخصوص مستورات کاکوری مرید تھیں اور آپ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہر ایک اپنے مرید کے گھر جاتے تھے اور وہیں کھانا کھاتے تھے۔

۱۹ر مارچ ۱۹۰۶ء۔ آج حافظ علی انور صاحب مرحوم کاکوری کا سیوم تھا اور ان کے بیٹے حبیب حیدر بعد تقریب سیوم اپنے باپ کے سجادہ نشین منتخب ہوئے۔

شیعہ سُنّی تعزیہ داری: ۱۷ر اپریل ۱۹۰۶ء۔ لکھنؤ کے چہلم کی خبر جو ۱۵ر اپریل ۱۹۰۶ء کو تھا یہ معلوم ہوئی کہ سُنّیوں اور ہندوؤں کے تعزیے زیادہ دھوم دھام سے اٹھے اور گشت کیا۔ منشی احتشام علی ولد منشی امتیاز علی مرحوم کی آراضی میں دفن ہوئے جو اب 'پھول کٹورہ' کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔ راستہ میں شربت وپانی کی سبیلیں قائم تھیں۔ مجمع ہمراہ تعزیوں کے اس قدر تھا کہ ایسا 'تال کٹورہ' میں شاید کبھی نہ ہوا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ سے سوا لاکھ تک آدمیوں کا مجمع تھا۔ اثنائے راہ کربلا میں جان محمد نے ایک ہوٹل قائم کیا تھا جہاں ہر شخص کو کھانا مفت تقسیم ہوتا تھا۔ گھوسیوں نے چھ سو من دودھ کا بندوبست کیا جو شربت میں ملایا گیا تھا۔ منشی احتشام علی نے کربلا پھول کٹورہ میں تقسیم طعام کا بندوبست کیا تھا جو ہر ایک کو دیا جاتا تھا۔ گول دروازہ لکھنؤ سے پھول کٹورہ کربلا تک تین کوس کا فاصلہ ہے اثنائے راہ میں بائیس سبیلیں ہر قسم کی تھیں جس میں برف پڑا ہوا تھا۔ کربلا میں ہر قسم کے فرقے وطبقے کے لوگ از روئے تفریح کناں تھے۔ برخلاف اس کے 'تال کٹورہ' شیعوں کی کربلا میں سناٹا تھا حتی کہ غلام حسین عرف چُتّن صاحب کا تعزیہ جو بارہ بجے نہایت مجمع کے ساتھ اٹھتا تھا وہ چار بجے شام تک بوجہ نہ ملنے مزدوروں کے نہیں اٹھ سکا۔ لکھنؤ اہل تشیع سے یہ بڑی غلطی ہوئی جو انھوں نے قید لگائی تھی کہ سُنّی وہندو جو اپنے تعزیے تال کٹورہ کی کربلا میں لے جائیں وہ ننگے سر برہنہ پیر ہوں۔ ایسی حماقت پر انکو شکست فاش ملی کہ سُنّی وہندو متفق ہو گئے اور انھوں نے بالاتفاق یہ کارروائی کی۔

کنکوا بازی: ۱۵ر اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ آج اجودھیا ولد گوردیا کلوار ساکن 'گدڑی' و محمود علی خاں خلف اکبر واجد علی خاں بلوچ میں صبح سے کنکوا بازی شروع ہوئی اور نماز مغرب تک برابر ہوتی رہی۔ اجودھیا چھت اصطبل سید النفات رسول تعلقہ دار پر تھا اور محمود علی خاں قلعہ پر۔ ۲۶ پیچ لڑے۔ محمود علی خاں پانچ بڑھے رہے اور بالا ان کے ہاتھ رہا اور پانچ روپیہ اجودھیا کلوار سے جیتے کہ ایک روپیہ بازی تھی۔ محمود علی خاں نے اپنی دلی خوشی اس نہج سے منائی کہ موجود لوگوں کو بتاشے تقسیم کیے اور گاتے بجاتے چلے اور اجودھیا کی دوکان

کی طرف ہو کر چادر درگاہ مخدوم صاحب میں لے جا کر چڑھائی۔ راستہ میں آتش بازی چھوٹتی جاتی تھی۔ کنکڑے ویبھکے (کذا) ساتھ تھے۔ محمود علی خاں کی طرف قلعہ پر کرسیوں اور فرش پر نشست تھی۔ پانی پان اور حقہ کا پورا بندوبست تھا۔

نینی تال میں محفل میلاد: ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ ۴؍ اکتوبر ۱۹۰۶ء وقت شب کو ہز آنر سر لاٹوش صاحب لفٹیننٹ گورنر اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ کی جانب سے بمقام نینی تال ان کی کوٹھی کے سامنے محفل میلاد شریف منعقد ہوئی اور اس جلسہ کا اہتمام صاحب بہادر کے حکم اور ان کے اہتمام سے ہوا تھا۔ محفل کی آراستگی و شیشہ آلات کی روشنی اور آدمیوں کا ہجوم قابل دید تھا۔ مولانا حاجی حافظ ولایت حسین صاحب جو الہ آباد سے بلوائے گئے تھے جب آپ جلسہ میں تشریف لائے تو لاٹ صاحب نے اٹھ کر ہاتھ ملایا اور تخت پر بیٹھنے کی اجازت دی اور سب اہل مجلس کو تاکید فرمائی کہ کوئی ہماری تعظیم کو نہ اٹھے۔ مولوی صاحب نے تین گھنٹے کے قریب مولود پڑھا۔ لاٹ صاحب نے ایک گھنٹے سے کچھ زائد بہت دلچسپی سے بیان سنا۔ اس کے بعد اٹھ کر مولوی صاحب سے ہاتھ ملایا اور یہ کلمات فرمائے کہ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس جلسہ میں شریک کیا۔

لفٹیننٹ گورنر: یکم جنوری ۱۹۰۷ء۔ آج گیارہ بجے دن کو ہز آنر سر ڈگس لاٹوش صاحب بہادر نے اپنا چارج گورنری اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ جے پی ہیوٹ صاحب جدید لفٹیننٹ گورنر کو دے کر روانہ ولایت لندن ہوئے۔ جو نہایت نیک مزاج حاکم تھے۔ اب دیکھنا ہے کہ ہز آنر ہیوٹ صاحب بہادر کیسا کام کرتے ہیں۔

قیصر باغ: ۹؍ مارچ ۱۹۰۷ء۔ قیصر باغ (لکھنؤ) کی تعمیر ۱۸۴۸ء میں شروع ہوئی اور ۱۸۵۰ء میں ختم ہو گئی۔ اس کی تیاری میں اسی لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ کم سے کم چار میل کے دور میں تھا۔ بادشاہ منزل روشن الدولہ کی کوٹھی، مقبرہ سعادت علی خاں، گھسیاری منڈی، اردلی بازار، چولکھی، حضرت گنج یہ سب مقامات اس باغ میں داخل تھے۔ اس کے اندر قلعہ در قلعہ تھا۔

نواب منجھو صاحب: ۱۹؍ مارچ ۱۹۰۷ء۔ آج نواب منجھو صاحب لکھنؤ سے ملاقات ہوئی جو بوجہ شدت طاعون لکھنؤ چھوڑ کر سندیلہ کو تشریف لائے ہیں اور راجہ درگا پرشاد کے گوشہ محل سرا بالائے پھاٹک میں مقیم ہیں۔ عمر نواب صاحب ۴۵ سال ہو گی۔ ان کی کیفیت اس طور پر ہے کہ جب والش صاحب لندن سے آئے تو ان کے ہمراہ ایک فرزند (پدر نواب صاحب) اور ان کی ایک بیٹی بھی موصوف الیہ کے ساتھ آئیں۔ مس صاحبہ منظور نظر نصیر الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ ہوئیں اور ان کا عقد مسلمان ہونے پر بادشاہ کے

ساتھ ہوگیا اور ولایتی بیگم کے نام سے موسوم ہوئیں۔ اس وقت ان کا پورا خاندان مسلمان ہوگیا۔ نواب صاحب کے باپ بڑے امیر کبیر تھے۔ اب منجھو صاحب بھی خوش حال ہیں اور ان کا گزر وثیقہ وغیرہ سے ہوتا ہے۔

طاعون: ۲۰ مارچ ۱۹۰۷ء۔ آج دو آدمی محلہ اشراف ٹولہ کے طاعون میں فوت ہوئے۔ لکھنؤ میں طاعون کی بہت زیادہ شکایت ہے۔ حضرت گنج جو اپنی صفائی میں بوجہ سول لائن ہونے کے مشہور ہے وہ بھی اس شکایت سے بری نہیں۔ دو قسم کا طاعون سخت مہلک ہے اوّل جن کے بخار یا گلٹی نکل آنے کے ساتھ دست آنے لگتے ہیں دوسرے نمونیہ کی نوعیت کا طاعون یعنی جب پسلی میں درد بحالت طاعون ہوتا ہے۔ ان دونوں میں مریض جاں بر نہیں ہوتا۔

محمد ابراہیم شاہ: ۹ جون ۱۹۰۷ء۔ آج ۶ بجے شام کو محمد ابراہیم شاہ صاحب نواسہ و جانشین جناب حاجی وارث علی شاہ صاحب مرحوم قصبہ دیوا جو آج صبح کی ریل میں وارد سندیلہ ہوئے تھے حسب خواہش اہل خانہ برخوردار مصطفےٰ علی میرے مکان پر تشریف لائے اور مجھ سے مصافحہ و معانقہ فرمایا اور بکمال عنایت و اخلاق سے پیش آ کر چند مرتبہ مزاج پرسی فرمائی اور بعد نماز مغرب اندر تشریف لے گئے اور نور دیدہ منتظم حسین پر جو شکایت دق میں مبتلا ہیں پھونک ڈالی اور دعا حصول صحت فرمائی۔ چونکہ ان کی والدہ جناب حاجی صاحب مرحوم کی مرید تھیں لہٰذا وہ اور ان کی دونوں ہمشیر منجھلی و چھوٹی شاہ صاحب کے سامنے آئیں جس کی اجازت مجھ سے حاصل کر لی تھی۔ مبلغ بیس روپے میرے گھر میں عورتوں نے بطور نذر پیش کیے۔

۱۰ جون ۱۹۰۷ء۔ آج ۷ بجے صبح کی ڈاک گاڑی میں محمد ابراہیم شاہ صاحب روانہ قصبہ دیوا ہوئے اسٹیشن پر بہت بڑا مجمع تھا۔ چودھری محمد جان صاحب راجہ درگا پرشاد صاحب بنا بر رخصتی تشریف لے گئے تھے۔ اور بہت سے اہل قصبہ اور ان کے مریدین کا اسٹیشن پر مجمع تھا۔

نرخ غلہ: ۹ ستمبر ۱۹۰۷ء۔ نرخ غلہ آج کی تاریخ میں حسب ذیل ہے۔

گندم قسم اوّل ۹ سیر، گندم قسم دوم ۹½ سیر، آرد گندم ۸ سیر، نخود ۱۲ سیر، دانہ نخود ۱۱½ سیر، ماش ۱۰ سیر، دال ماش ۹ سیر، مونگ ۱۰ سیر، دال مونگ ۹ سیر، ارہر ۱۱½ سیر، دال ارہر ۱۰ سیر، چاول باریک ۶ سیر، چاول موٹے ۷ سیر، دھان ۱۰ سیر، شکر چینی ۲¾ سیر، شکر قسم اوّل ۲½ سیر، شکر قسم دوم ۴ سیر، نمک سانبھر ۲ سیر، روغن زرد ۱۵ چھٹانک، روغن ریڑی ۲½ سیر، لکڑی ۴ من، روئی ۲¾ سیر، قند سیاہ ۷ سیر، سرسوں ۶½ سیر، روغن سرسوں ۲½ سیر، چوکر ۶ سیر۔

رفاہ عام: ۱۲ نومبر ۱۹۰۷ء۔ آج میرے مکان پر کمیٹی خاص میونسپل بورڈ منعقد ہوئی جس میں پنڈت گرجا دت تحصیلدار و راجہ درگا پرشاد صاحب و ممبران شریک تھے اور بکثرت رائے مبلغ ڈھائی ہزار روپے میونسپل

کھدائی تالاب بیرونی، وغیرہ کام رفاہ عام میں تجویز ہوئے اور کمیٹی مقامی قحط سے یہ بھی طے ہوا کہ آبادی سندیلہ ۳ حلقہ میں تقسیم کی جائے اور ذی اثر اشخاص کے نام نوٹس دیا جائے کہ وے اپنے حلقوں میں ان اشخاص کو امداد ملنے کی سفارش کریں جو شرم و عزت و ضعیفی و علالت و پردہ نشینی اور اسی قسم کی وجہ سے کوئی کام کرنے کے قابل نہ ہوں اور ان کو کسی اپنے عزیز وغیرہ سے امداد نہ ملتی ہو۔

گوشت ۲ پیسے سیر: ۲۱ر نومبر ۱۹۰۷ء۔ چونکہ زمانہ قحط سالی ہے جس سے ہر ایک شے گراں کمیاب ہے اور سب سے بڑی کمیابی گھاس کی ہے جو بالکل میسر نہیں آتی اور مویشی مرے جاتے ہیں لہٰذا ہندو و مسلمان دونوں اپنے مویشی قصائیوں کے ہاتھ فروخت کر رہے ہیں اور گوشت کا نرخ آج کل سستا یعنی دو پیسے سیر فروخت ہوتا ہے اور ان کا چرسہ معمول سے زیادہ قیمت پر بکتا ہے۔ آج کل قصائیوں کی اس قدر تعداد بڑھ گئی ہے کہ ہر ایک ادنیٰ قسم کے مسلمان نے یہ پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ آج کل مویشیوں کی وبا ہے۔

تالاب بیرونی: ۱۸ر دسمبر ۱۹۰۷ء۔ آج ۳ بجے دن کو میں نے تالاب بیرونی کو دیکھا میرے ساتھ سید حسن احمد مخدوم زادہ اور قاضی نقی حسن ممبر میونسپل ساکن شاہ آباد تھے۔ تالاب میں ۲۰۰ نفر یومیہ کام کرتے ہیں جن کو فی کس ۲ یومیہ ملتا ہے اور عبدالرحیم ٹائم کیپر کو دس روپے ماہوار اور مزدوران وغیرہ کو حسب تفصیل ذیل اجرت دی جاتی ہے جس کی بابت حکم تحریری ڈپٹی کمشنر بہادر میں نے حاصل کر لیا ہے۔

بیل دار جو پھاوڑہ چلاتے ہیں ۲ آنہ یومیہ، مزدور ڈلیا ڈھونے والے ۱½ آنہ یومیہ، عورت مٹی ڈھونے والی ۱¼ آنہ یومیہ، لڑکی دس سال کی عمر سے زائد ایک آنہ یومیہ: افسوس ہے کہ یہ کام عنقریب بند ہونے والا ہے اور ۴۵۰ آدمی جو میرے ذریعے سے رازقہ پا رہے ہیں وہ عنقریب بند ہو جائے گا۔

نرخ غلہ بازار سندیلہ: ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۷ء۔ آج نرخ غلہ بازار سندیلہ میں حسب ذیل ہے:
گندم ۷ سیر، دانہ نخود ۸½ سیر، مونگ ۷¼ سیر، دال ارہر ۶½ سیر، آرد باجرہ ۷½ سیر، آرد گندم ۶¾ سیر، ماش ۵ سیر، دال مونگ ۶½ سیر، جوار ۹ سیر، چاول ۶ سیر، نخود ۸ سیر، دال ماش ۴½ سیر، ارہر ۹ سیر، باجرہ ۸½ سیر، جو ۹ سیر، آرد جو ۸ سیر، مکائی ۱۰ سیر، دھان ۱۱ سیر، نمک ۹ سیر، قند سیاہ ۶ سیر، گھی ۱ سیر ۲ چھٹانک، ارسوں ۵½ سیر، روئی ۲¼ سیر، روغن سیاہ ۲ سیر ۲ چھٹانک۔

محتاج خانہ: ۸ر جنوری ۱۹۰۸ء۔ آج کل محتاج خانہ میں معہ مرد و عورت و لڑکوں کے ۹۶ نفر ہیں۔ یہ کمی و بیشی روزانہ ہوا کرتی ہے۔ آج کمی نفر بحکم ڈپٹی کمشنر صاحب سندیلہ میونسپل کو بھیجے گئے کہ وہ قصبہ سے نکالا جاوے

کے ساتھ خیرات پایا کریں اور ان کا نام درج بموجب محتاجان سندیلہ کیا جائے۔ بظاہر صاحب بہادر کا یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ محتاج خانہ کے لوگ شامل محتاج سندیلہ کیے جاویں کہ ان کی تقسیم خیرات کے روپے سے ہوئی۔ (بوجہ قحط امداد دینے کا کام سال بھر چلتا رہا۔ تالاب و کنوئیں بھی بغرض رفاہ عام کھدوائے گئے تھے۔ ہاشمی۔)

۲۶ فروری ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ تمامی ہندوستان میں منجانب سرکار نو لاکھ دو ہزار آٹھ سو پچیس آدمیوں کی رفع تکلیف ہوتی ہے۔ واقعی گورنمنٹ رعایا کی ایسے زمانۂ قحط میں بہت مدد کر رہی ہے۔

<u>مدح صحابہ و تبرا:</u> ۱۳ فروری ۱۹۰۸ء۔ سنا گیا کہ چوک لکھنؤ میں شیعہ و سنی میں سخت مقابلہ ہو گیا۔ سنت جماعت لوگ حسب الحکم ڈپٹی کمشنر لکھنؤ چار یاری مرثیہ پڑھتے جاتے تھے اور خلاف اجازت شیعہ لوگوں نے تبرا کہنا شروع کر دیا۔ پولس نے مزاحمت کی۔ باہم پولس اور شیعوں کے لڑائی شروع ہو گئی۔ سنت جماعت نے موقع پا کر شیعوں کو خوب مارا حتیٰ کہ ان کا ایک آدمی مر گیا اور پولس کے لوگ شیعوں کے حملے سے مجروح ہوئے۔ حکام وقت فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ ایک سو سے زائد شیعہ گرفتار ہو کر زیر حراست پولس ہوئے۔ اب تحقیقات ہو رہی ہے۔ دیکھا چاہیے کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

<u>شبیہ ملکہ:</u> ۹ اپریل ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ شبیہ ملکہ وکٹوریہ ۲ اپریل ۱۹۰۸ء کو لکھنؤ میں متصل مقبرہ سعادت علی خاں بادشاہ بوقت ۵ بجے شام کو قائم ہوئی ہے اس کو سر جان ہیوٹ صاحب لفٹیننٹ گورنر نے کھولا جس کی تیاری میں حسب ذیل روپیہ خرچ ہوا۔

تیاری چھتری۔ ۸۸ ہزار سات سو پچیس روپے ۱۳ آنہ ۶ پائی، تیاری شبیہ۔ ۴۱ ہزار پانچ سو روپے ۸ آنہ ۶ پائی = میزان کل ایک لاکھ ۳۰ ہزار ۲۲۸ روپے ۶ آنہ۔

<u>مسٹر ٹرنر صاحب:</u> ۶ ستمبر ۱۹۰۸ء۔ آج صبح کی ڈاک گاڑی میں مسٹر ٹرنر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ہردوئی سے تشریف لائے اور مدرسہ اردو سندیلہ میں کمیٹی کر کے جناب لفٹیننٹ گورنر بہادر کی اسپیچ پڑھانے کی تجویز کی جو صاحب محتشم الیہ نے لکھنؤ میں فرمائی تھی جس کا ترجمہ راجہ درگا پرشاد صاحب نے اہالی کمیٹی کو پڑھ کر سنایا جو اخبار میں شائع ہوا تھا اس کا مضمون یہ تھا کہ اضلاع متحدہ آگرہ اودھ کے لوگ بنگالیوں کے مفسدہ پردازی نہ کریں جس کا کوئی فائدہ بجز نقصان کے نہیں ہے۔

.... ازاں بعد ڈاک بنگلہ میں یکے بعد دیگرے روسائے قصبہ ہذا کی ملاقات کی اور سید التفات رسول صاحب سے وقت ملاقات فرمایا کہ تم مولوی مظہر علی سے کہہ دینا کہ ہم ان کے کام میونسپل سکریٹری سندیلہ سے

بہت خوش ہیں جو انھوں نے ایک مدت دراز تک اپنے متعلقہ کام کو نیک نیتی سے انجام دیا۔ چونکہ اب وہ ضعیف ہو گئے ہیں اس وجہ سے ہم نے پیڈ سکریٹری مقرر ہونا تجویز کیا اور مولوی صاحب ہمیشہ منجانب گورنمنٹ ممبر میونسپل مقرر ہوتے رہیں گے۔ جب میں نے صاحب بہادر کی ملاقات کی تو مجھ سے فرمایا کہ آپ کتنی مدت سے سکریٹری میونسپل کے ہیں۔ میں نے کہا کہ قریباً ۲۶ سال تک میں سکریٹری میونسپل کا رہا ہوں۔ فرمایا کہ ہم تمہارے واسطے بنابر حصول اعزاز گورنمنٹ کو لکھیں گے۔ آپ ضرور اس کے مستحق ہیں اور اس کے متعلق ایک یادداشت لکھ لی۔

تپ ولرزہ: ۲؍اکتوبر ۱۹۰۸ء۔ آج کل سندیلہ کا کوئی گھر خالی نہیں جس میں دو چار آدمی شکایت تپ ولرزہ میں مبتلا نہ ہوں۔ میرے تجربے میں یہ سال مطابق ۱۸۷۹ء کے ہے جس سال شکایت سخت تپ ولرزہ کی تھی اور ہزارہا آدمی اس میں ضائع ہوا تھا۔

تراویح: ۲۴؍اکتوبر ۱۹۰۸ء۔ کل رات کو مسجد چوراہا ٹاؤن پولس میں شبینہ ہوا اور ایک قرآن شریف حافظ محمود (تاج الدین) جولاہے نے پڑھا تھا۔ ایک رکعت میں ۱۸ اسی پارے حافظ نے پڑھے۔ صرف فیضو (مقیم چاہ بچہ) کھڑے رہے باقی کل مقتدی بیٹھ اور لیٹ گئے۔

لرزہ کا بخار: یکم نومبر ۱۹۰۸ء۔ روزنامچہ میونسپل سے واضح ہوا کہ مہینہ اکتوبر ۱۹۰۸ء میں ۱۹۸ نفر تپ ولرزہ وغیرہ سے قصبہ ہذا میں ضائع ہوئے۔ یہ تعداد بہت زیادہ ہے اور دیہات میں بہ لحاظ مردم شماری اس سے زیادہ تعداد میں لوگ مر رہے تھے۔ سندیلہ کی مردم شماری ۹۴۸۸؍ آدمیوں کی ہے۔

دیوان حافظ: ۱۱؍نومبر ۱۹۰۸ء۔۔۔۔ راجہ صاحب (راجہ درگا پرشاد سندیلوی۔ ہاشمی) نے مجھے ایک کتاب دیوان حافظ مطلا مع تصویر بادشاہان سابق دکھلائی جو ایک سو برس کی لکھی ہوئی ہے۔ نواب بنگش فرخ آباد کے کتب خانہ کی ہے جس کو موصوف الیہ نے بہ قیمت ایک سو تیس روپے خرید کیا ہے۔

مالیخولیا: ۱۱؍نومبر ۱۹۰۸ء۔ آج ساڑھے چھ بجے صبح کو مسماۃ محمودن اہلیہ بابو معز الدین اشرف ٹولہ نے بعوارض چند بعمر ۵۰ سال قضا کی۔ متوفیہ کے مزاج میں جھنک اور مالیخولیا پیدا تھی۔ ایک روز متوفیہ مجھ سے کہنے لگیں کہ دنیا میں ڈیڑھ عقل ہے۔ ایک مجھ میں ہے اور نصف تم میں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ذی ہوش عورت تھیں اور معاملہ کی بہت صاف۔

وائسرائے لارڈ منٹو: ۱۷؍نومبر ۱۹۰۸ء۔ آج صبح کو لارڈ منٹو وائسرائے ہند بذریعہ اسپیشل ٹرین لکھنؤ جاتے ہوئے اسٹیشن سندیلہ سے گزرے۔ پولس کی ایسی سخت نگرانی تھی کہ کوئی شخص ڈاک خانہ تک (جو اسٹیشن سے تھوڑی دور ہے۔ ہاشمی) نہیں جانے پاتا تھا۔ اسٹیشن پر جانا تو ہرگز ممکن نہ تھا۔ چونکہ بنگالیوں نے بم گولہ

کو لفٹیننٹ گورنر بنگال پر تپنچہ سر کرنا چاہا تھا اور مہاراجہ بردوان درمیان قاتل اور لفٹیننٹ گورنر آگئے تھے اور قاتل کو ہٹا بھی دیا تھا اس وجہ سے اب سخت دیکھ بھال اور نگرانی ہو رہی ہے۔

۲۳ر نومبر ۱۹۰۸ء۔ آج لارڈ منٹو صاحب وائسرائے کشور ہند ایک نہایت عمدہ رام گج ہاتھی بلرام پور سوار ہو کر لکھنؤ مچھی بھون کی راہ سے گزرے۔ ہاتھی مذکور کو ہر ایک قسم کا طلائی و نقرئی زیور پہنایا گیا حتیٰ کہ اس کے پیروں میں چاندی کی پازیب بھی تھی اور اس کے عقب میں۔ ۱۶ تعلقہ دار ہاتھیوں پر سوار تھے۔ ہر ایک ہاتھی خوب سجا ہوا تھا۔ یہ اسی قسم کا جلسہ تھا جب کہ یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو وائسرائے لارڈ کرزن صاحب سابق گورنر جنرل کے عہد میں بمقام دہلی ہوا تھا اور بہت بڑے بڑے والیان ملک بموجب درجہ و مرتبہ کے وائسرائے کے ہاتھی کے عقب میں تھے۔ اگرچہ اُس جلوس میں بڑے بڑے نامی گرامی والیان ملک شریک تھے لیکن یہ ۲۳ر نومبر ۱۹۰۸ء کا جلوس بھی قابل دید ضرور تھا۔

راجہ درگا پرشاد: ۱۳ر جنوری ۱۹۰۹ء۔ آج سہ پہر کو راجہ درگا پرشاد صاحب نے بہ اظہار خوشی جیتنے مقدمہ استقرار حق کے درگاہ مخدوم صاحب میں چادر چڑھائی۔ ہاتھی پر چودھری مقبول حسن صاحب وکیل سوار تھے جس کا ہودج گنگا جمنی اور عمدہ پوشش سے آراستہ تھا اور اس کے پیچھے بگھیوں کا سلسلہ تھا جس پر راجہ صاحب کے صاحبزادگان و منشی عبدالودود صاحب و جمیل الدین کارندہ چودھری علی جان صاحب سوار تھے۔ وکیل صاحب کو ایک جُبہ جامہ وار قیمتی دو سو روپے عطا ہوا اور محمد حسین مختار عام کو بھی ایک دوشالہ ملا۔ لیکن افسوس پانی برسنے کی وجہ سے کچھ زیادہ لطف تماشائیوں کو حاصل نہیں ہوا۔

شبیہ مہاراجہ بلرام پور: ۲۵ر جنوری ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سر ہیوٹ صاحب لفٹیننٹ گورنر اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ نے سر دگبجے سنگھ صاحب مہاراجہ بلرام پور پریسیڈنٹ انجمن تعلقہ داران کی شبیہ کا افتتاح فرمایا جو بارہ دری قیصر باغ میں رکھی گئی ہے۔ اس شبیہ کی تیاری میں چوبیس ہزار روپیہ خرچ ہوا جس کو مسٹر کاسکوب جان نے بنایا اور اس کی بیٹھک کی تیاری میں چار ہزار روپے صرف ہوئے جس کو بابو درگا پرشاد سنگ تراش لکھنؤ نے تیار کی۔

مدح صحابہ: ۳۰ر جنوری ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ گورنمنٹ نے مخالفت کی ہے کہ چار یاری مرثیہ سُنّی لوگ راستہ وغیرہ میں نہ پڑھیں اور اگر پڑھیں گے تو قابل تدارک ہوں گے۔

مقامی مسلم لیگ: ۳ر فروری ۱۹۰۹ء۔ آج چار بجے دن کو ایک کمیٹی مسلم لیگ مکان منشی قبول احمد

پر منعقد ہوئی جو کمیٹی آل انڈیا علی گڑھ کی امداد میں تھی کہ مسلمانوں کے حقوق کا گورنمنٹ خیال رکھے۔ اس کمیٹی کے پریسیڈنٹ منشی التفات رسول اور وائس پریسیڈنٹ چودھری علی جان اور سکریٹری مقبول احمد اور جوائنٹ سکریٹری عبدالودود تجویز ہوئے۔ قصبہ ہذا کے بہت سے لوگ شریک تھے۔ منجملہ ان کے ایک میں بھی تھا۔

مدح صحابہ: ۱۳ر مارچ ۱۹۰۹ء۔ آج لکھنؤ میں تعزیہ چہلم عیش باغ سے اٹھا جس کے آگے مرثیہ چار یاری پڑھا جاتا تھا جس کی گورنمنٹ نے قبل آغاز مہینہ محرم ممانعت کر دی تھی کہ تعزیہ کے سامنے چار یاری مرثیہ نہ پڑھا جاوے مگر برخلاف اس کے جب سُنی لوگ چار یاری مرثیہ پڑھتے ہوئے چوک لکھنؤ سے گزرے تو پولس کے لوگوں نے گول دروازہ کے پاس سب کو گرفتار کر کے کوتوالی میں کر دیا اور جس شخص نے دس روپے کی ضمانت پیش کی اسے چھوڑ دیا گیا۔ باقی لوگ حوالات بھیج دیے گئے۔ پولس کے ساتھ سٹی مجسٹریٹ و ڈپٹی کمشنر لکھنؤ اور بابو سری رام آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس کارروائی میں کسی بڑے شخص کی تحریک ہے ورنہ ادنیٰ کم بضاعت لوگوں کو ایسی جرأت نہ ہوتی جو حکم گورنمنٹ کے خلاف کارروائی کرتے۔ مجمع کی تعداد سات آٹھ سو سُنی جاتی ہے۔ میرے خیال میں یہ فعل سُنیوں کا بالکل جاہلانہ ہے۔ ان کو خلاف ورزی و سرتابی گورنمنٹ کے حکم سے ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

یکم اپریل ۱۹۰۹ء۔ جو سُنیان لکھنؤ نے حکم گورنمنٹ کی خلاف ورزی کی اور چہلم کے روز تعزیہ کے ساتھ چار یاری مرثیہ پڑھتے ہوئے چوک سے گزرے ان کو مسٹر جاپلنگ صاحب سٹی مجسٹریٹ لکھنؤ نے تین تین مہینہ قید سخت کی سزا دی۔ ۲۹ر مارچ سن الیہ کو ان لوگوں کے خلاف حکم سنایا گیا۔

۸ر اپریل ۱۹۰۹ء۔ آج کے اودھ اخبار سے معلوم ہوا کہ ۵ر اپریل کو مسٹر وارٹن صاحب سیشن جج لکھنؤ نے اپیل سُنیوں کا جنھوں نے چار یاری مرثیہ پڑھا تھا خارج کر دیا اور تین ماہ کی سزا مجوزہ سٹی مجسٹریٹ صاحب لکھنؤ بحال رکھی۔

کیننگ کالج لکھنؤ[1]: ۴ر اپریل ۱۹۰۹ء۔ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۹ء وقت ۵ بجے شام کے سر ہیوٹ لفٹیننٹ گورنر اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ نے کیننگ کالج واقع بادشاہ باغ لکھنؤ کا بنیادی پتھر نصب کیا۔ اس تعمیر کے لیے سر بھگوتی پرشاد والی بلرامپور نے تین لاکھ روپیہ عنایت کیے اور اگر حاجتاً اس میں کچھ کمی پڑے گی تو غالباً کچھ اور بھی امداد کریں۔

مقامی مسلم لیگ: ۱۴ر اپریل ۱۹۰۹ء۔ آج ۴ بجے دن کو جلسہ مسلم لیگ کوٹھی امرہرہ سید التفات رسول صاحب پر منعقد ہوا۔ سندیلہ، ہردوئی، شاہ آباد اور بلگرام کے معززین شریک تھے اور بہ کثرت آرا سید التفات رسول

[1] پہلے یہ کیننگ کالج قیصر باغ لکھنؤ کی ایک عمارت میں قائم تھا جہاں اب محکمۂ آثار قدیمہ قائم کر دیا گیا ہے۔ ہاشمی۔

صاحب پریسیڈنٹ کمیٹی منتخب ہوئے۔ انھوں نے ایسی تقریر کی جو الجھی ہوئی تھی اور بہت آہستہ آہستہ کہ سامعین ان کے مطالب سے فیض یاب نہ ہو سکے۔ اشخاص ذیل نے رزولیوشن تجویز کیے: نواب عبدالکریم خاں صاحب تعلقہ دار شاہ آباد۔ سید امجد علی بلگرامی وکیل ہردوئی۔ محمد علی خاں طبیب ہردوئی۔ منشی حامد حسین صاحب بلگرامی ڈپٹی انسپکٹر مدارس پنشن یافتہ۔ حکیم خادم حسین صاحب شاہ آباد۔ منشی مقبول احمد صاحب سندیلہ۔ منشی نورالحسن صاحب کاکوروی وکیل ہردوئی۔ آخرالذکر کی تقریر نہایت شستہ تھی۔ دورانِ جلسہ میں آندھی کے ساتھ بارش ہوئی اور دیر تک مثل برسات پانی برستا رہا۔

<u>ایک چودھری</u>: ۱۱ر جولائی ۱۹۰۹ء۔ معتبر ذریعہ سے دریافت ہوا کہ چودھری ... خلف ... صاحب مرحوم نے اپنے مکان بیرونی کے بر دکھے میں کتھا، ڈلی، ہلدی، مرچ وغیرہ کی دوکان رکھی ہے۔ چونکہ خود نابینا ہیں اس وجہ سے بڑا بیٹا تول ناپ اشیا کرتا ہے اور خریداروں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے .... چودھری ... مرحوم سندیلہ کے چکلہ دار تھے اور ان کی سخت حکومت زمینداروں پر تھی اور ایک بہت بڑا لشکر سوار و پیادوں کا ان کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ آج ایک وہ دن ہے کہ چودھری صاحب مرحوم کے بیٹے اپنے بر دکھے میں نمک مرچ فروخت کر رہے ہیں۔

<u>آبادی شیعہ</u>: ۸ر نومبر ۱۹۰۹ء۔ اڈیٹر روزگار آگرہ نے اضلاع متحدہ آگرہ اودھ کا دورہ کر کے کل شیعہ آبادی کی مردم شماری کی۔ اسکا قیاس ہے کہ کل شیعہ آبادی تین لاکھ بانوے ہزار ہے جس میں شہر لکھنؤ میں انتیس ہزار دو سو ہیں۔ اسکی تصدیق آج کے اودھ اخبار سے ہوئی۔

<u>ایک تقریب ختنہ</u>: ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۹ء۔ آج اعزاز رسول و افضال رسول (پسران برادر اشفاق رسول تعلقہ دار) کا مانجا پہننے کا بلاوا تھا۔ ۱۱ بجے لڑکوں نے مانجا پہنا۔ انتظامی حالت مجلس کی ٹھیک نہیں تھی ... ۲ بجے دن کو دونوں لڑکے مخدوم (علاؤالدین) صاحب کی درگاہ میں واسطے سلام کے گئے۔ انگریزی و ہندوستانی باجہ آگے آگے بجتا تھا۔ جھنڈیاں بھی تھیں۔ علی محمد خاں تعلقہ دار محمود آباد بھی لکھنؤ سے آکر شریک جلسہ ہوگئے۔ ختنہ افضال رسول و اعزاز رسول کا بوقت ۳ بجے شام کو ہوا۔ مبلغ پانچ روپے میں نے نیوتہ دیا۔

۲۰ر دسمبر ۱۹۰۹ء ... دریافت ہوا کہ ایک کشمیری (طائفہ) لکھنؤ کے علاوہ حسب ذیل طوائف زنانہ کا ناچ ہوا۔ مساۃ زہرہ طوائف پٹنہ۔ جانکی بائی عرف چھپن چھری طوائف کلکتہ۔ مساۃ مہدی طوائف لکھنؤ۔ منجملہ ان کے زہرہ طوائف کا گانا بہت تعریف کے ساتھ سنا گیا۔ سندیلہ کے بھی چند ڈیرے تھے .... واقعی یہ ہے کہ یہ تقریب بہت بڑے پیمانہ پر کی گئی۔ بہت زیادہ مہمانان شریک تقریب ہوگئے جیسی قبل اسکے کوئی نہیں ہوئی تھی۔ طلبیدہ تعلقہ داران کے اسما ذیل میں درج ہیں۔

"علی محمد خاں تعلقہ دار محمود آباد۔ راجہ شعبان علی خاں تعلقہ دار بارہ بنکی۔ شیخ شاہد حسین تعلقہ دار اگدیا، ٹھاکر شنکر بخش سنگھ تعلقہ دار کھجوا، ضلع ہردوئی۔ محمد (؟) تعلقہ دار بلگرام"۔ علاوہ ان کے بہت سے وکلا بیرسٹر تشریف لائے تھے لیکن انتظامی حالت اچھی نہیں تھی (بد انتظامی کی تفصیل حذف کی گئی۔ ہاشمی)

۲۱ر دسمبر ۱۹۰۹ء۔۔۔۔ چونکہ منتظم نوجوان لوگ زہرہ طوائف پٹنہ کے گانے میں معروف رہے لہٰذا کسی اہل محفل کی حقہ پان و پانی کی خبرداری نہیں کی گئی۔ سنا ہے کئی لوگوں کو کھانا نہ ملنے کی شکایت رہی۔

۲۲ر دسمبر ۱۹۰۹ء۔۔۔۔ مسماۃ زہرہ طوائف پٹنہ جو بہت اچھا گاتی ہے اس کا یومیہ تین سو روپے تھا۔ وہ کل دو ہزار بائیس روپیہ انعام پاکر رخصت ہوئی۔

محمد نسیم صاحب وکیل: ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۹ء۔ آج خط مولوی عبدالقادر پنشنر ڈپٹی کلکٹر و حال سکریٹری میونسپل سیتاپور موصول ہوا۔ لکھتے ہیں کہ انتخاب پراونشل کونسل ہز آنر لفٹیننٹ گورنر میں حسب ذیل ممبر زمینداران انتخاب کے آئے: محمد نسیم صاحب وکیل لکھنؤ ۱۳۸، مسٹر نبی اللہ بیرسٹر ۸۹، منشی احتشام علی کاکوروی ۸۱، راجہ نوشاد علی ۴۲، محمد یوسف بیرسٹر ۱۲۔ چونکہ کثرت ملے ممبروں کی محمد نسیم کی نسبت آئی لہٰذا وہ ممبر کونسل منتخب ہوئے۔ میں نے انھیں کی نسبت رائے دی تھی۔

راجہ درگا پرشاد: ۷ جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج صبح میں نے راجہ درگا پرشاد صاحب سے ملاقات کی بہت اخلاق سے پیش آئے اور اپنے کچھ اشعار سنائے۔ جہاں تک میں غور کرتا ہوں راجہ صاحب موصوف تمام تر خدائے پاک کی ذات پر بھروسا رکھتے ہیں اور اسی کی درگاہ میں اپنے حوائج رفع کرنے میں دست بدعا رہتے ہیں اور اسی کی شان میں مناجات وغیرہ بالمرہ تصنیف کرکے پڑھا کرتے ہیں۔ میں نے اہل ہنود کو کم تر ایسا عقیدت مند پایا۔

چیرمینی میونسپلٹی: ۱۴ر جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج دو بجے دن کو منشی علی ضامن صاحب تحصیلدار سندیلہ بغرض مشورت بعض امور ضروری میرے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا کہ بروئے اسکیم جدید گورنمنٹ کا منشا ہے کہ میونسپل کے پریذیڈنٹ و وائس پریسیڈنٹ گورنمنٹ کے حکام نہ رہیں بلکہ غیر ملازم سرکار کام میونسپل انجام دیں۔ چنانچہ میری نسبت صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کا آج حکم صادر ہوا ہے کہ میں وائس پریسیڈنٹی میونسپل سندیلے سے استعفا دیدوں۔ لہٰذا میں کل سے استعفا کمیٹی میں پیش کردوں گا اور صاحب ڈپٹی کمشنر بھی چیرمین نہیں رہیں گے اور انھوں نے مجھ پر اپنا منشا ظاہر کیا کہ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار چیرمین تجویز ہوں اور سید التفات رسول وائس چیرمین۔ لہٰذا آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ میں نے جواب میں کہا کہ اگر ایسا انتظام ہوا تو کام میونسپل ابتر حالت میں ہو جاوے گا۔ ایسے کام کے واسطے نہایت محنتی و مستعد اشخاص ہونے کی ضرورت ہے۔ لیکن خیر، بالفعل یہی بہتر ہے کہ حکم کے مطابق عملدرآمد کیا جاوے۔ چنانچہ تحصیلدار صاحب اولاً التفات رسول کے پاس گئے اور ان سے تذکرہ کیا۔ انھوں نے صاف الفاظ میں فرمایا کہ میں وائس پریسیڈنٹ ہونا ایسی حالت میں نہیں چاہتا ہوں جب کہ راجہ صاحب چیرمین ہوں گے۔ پھر تحصیلدار صاحب مجھے اپنے ہمراہ راجہ درگا پرشاد صاحب کے یہاں لے گئے اور ان سے چیرمین ہونے کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میرے

نام بھی ایک چٹھی صاحب ضلع کی آئی ہے جس میں بھی چیرمین ہونے کی بابت لکھا ہے جس کا جواب میں نے شکریہ کے ساتھ آج ہی بھیج دیا کہ مجھے چیرمین ہونا تحصیل کا منظور ہے اور تحصیلدار صاحب کے سوال پر انھوں نے کہا کہ اگر ڈپٹی کمشنر چیرمین رہیں گے تو میں وائس چیرمین بننا منظور کر لوں گا۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ اس نفسانفسی کا انجام کیا ہوگا جب کہ ابھی سے مخاصمت پیدا ہے۔ سچ یہ ہے کہ بدون اعانت کسی سرکاری افسر کے کام میونسپل کا ہرگز نہیں چل سکتا ہے جس کا نتیجہ بدنامی ہوگا۔

۱۳ر جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج کمیٹی خاص سے عہدہ چیرمین میونسپل بورڈ سے استعفا مسٹر ڈے صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی و چیرمین میونسپل سندیلہ کا منظور ہوا اور بجائے ان کے راجہ درگا پرشاد صاحب چیرمین میونسپل مقرر ہوئے۔ اس کے بعد راجہ صاحب میرے مکان پر تشریف لائے اور مجھے اپنے ساتھ بگھی پر لے جا کر چوکی اکرائی عید گاہ کا معائنہ کیا اس کے بعد میں اور وہ ایک ساتھ تالاب دمین گئے۔

عطیات: ۱۷ر فروری ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ منشی التفات رسول تعلقدار جلالپور و رئیس سندیلہ نے بہ تقریب خوشی ختنہ اپنے فرزند اعزاز رسول و بھتیجے افضال رسول میں جو ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۹ء کو منعقد ہوئی تھی عطیات ذیل مدرسہ علی گڑھ وغیرہ کو دیے۔

علی گڑھ۔ پانچ سو روپیہ۔ انجمن حمایت اسلام لاہور۔ یک صد روپیہ۔ ندوہ لکھنؤ۔ یک صد روپیہ۔ انجمن اسلامیہ سندیلہ۔ یک صد روپیہ۔ مدرسہ اسلامیہ اٹاوہ۔ دو صد روپیہ = جملہ ایک ہزار روپیہ۔

سوگ ایڈورڈ ہفتم: ۱۱ر مئی ۱۹۱۰ء۔ آج ۸ بجے صبح کو مدرسہ اردو سندیلہ میں بصدارت راجہ درگا پرشاد صاحب جلسہ اظہار غم والم وفات ملک معظم بادشاہ ایڈورڈ ہفتم قرار پایا۔ بعض لوگوں نے تاریخ ہائے وفات تصنیف کردہ پڑھیں لیکن جو مضمون اندوہگین قصیدہ راجہ درگا پرشاد نے پڑھا وہ نہایت اعلیٰ درجے کا تھا اور جو فقرے پنڈت گیا پرشاد نے سنسکرت کے پڑھے وہ مقبول ہوئے۔ ایک تار منٹو وائسرائے ہند دوسرا لفٹیننٹ گورنر اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ کو بھیجا گیا۔ تیسرا اخبار پانیر انگریزی کو بنا بر اطلاع۔ وقت نو بجے جلسہ برخاست ہوا۔ ۲۰ر مئی چونکہ آج ایڈورڈ ہفتم شہنشاہ ہندوستان دفن ہوں گے لہذا آج عام تعطیل ہو گئی۔ قصبہ ہذا کی بھی دوکانیں بند کرا دی گئیں۔ گانا بجانا رقص و رنگ وغیرہ موقوف کرا دیا گیا جو آج کل قصبہ ہذا میں بہت سے ہو رہے ہیں۔ ان میں صرف ضروری مراسم ادا ہوئے۔ باجن وغیرہ نہیں بجے۔

عقد ثالث: ۲۴ر جولائی ۱۹۱۰ء۔ بعد نماز مغرب عقد مسماۃ وراثت فاطمہ عزیزی سید حافظ علی سے

بہ قرارداد مہر ۵۴ ہزار روپے بمقام لکھیم پور ہوا۔ لڑکی محمد عسکری وسیم یعنی ریاض احمد ریاض شاعر خیرآبادی کے بھائی کی ہے (اس کے شوہر اول نے طلاق دیدی تھی۔ باوجودیکہ عزیز موصوف بہت ضعیف اور گراں گوش ہیں۔ بصارت میں بھی کمی ہے۔ بال بالکل سفید ہو گئے ہیں۔ عمر ۶۲ سال ہے لیکن ان کا مقدر عورت کی نسبت اتنا زبردست ہے کہ تیسرا عقد ان کا آسانی کے ساتھ ہو گیا۔

سلیمان قدر: ۵ر اگست ۱۹۱۰ء۔ یکم اگست کو صاحب عالم پرنس مرزا سلیمان قدر خلف الصدق واجد علی شاہ اودھ نے انتقال کیا۔

۹ر اگست ۱۹۱۰ء۔ آج کے اودھ اخبار سے واضح ہوا کہ ۲۶ر صفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء واجد علی شاہ تخت نشین ہوئے اور ۷ر فروری ۱۸۵۶ء کو سلطنت اودھ کا انتزاع عمل میں آیا۔ پرنس سلیمان قدر ۱۱ر دسمبر ۱۸۳۹ء کو پیدا ہوئے تھے اور یکم اگست ۱۹۱۰ء کو فوت ہوئے۔ اس حساب سے ان کی عمر ۷۱ سال ۷ مہینے کی ہوئی۔

ایک کاریگر: ۳ر اکتوبر ۱۹۱۰ء۔ آج ۷ بجے شام کو میکو جولاہا نواسہ حافظ حجن اشراف ٹولہ نے بعارضہ بخار وغیرہ قضا کی۔ عمر ۵۰ سال تھی۔ متوفی اپنے پیشہ میں بہت ہوشیار تھا اور پلنگ پوش اور فرش بنائے اس کے دور دور جاتے تھے اور اس نے اپنے پلنگ پوشوں کی بدولت نمائش گاہوں سے اکثر انعامات پائے تھے بلکہ میں نے اس کے بنائے ہوئے پلنگ پوش بکثرت عجائب خانہ لکھنؤ کو بھیجے تھے۔

کمیٹی چندہ: ۱۷ر اکتوبر ۱۹۱۰ء۔ آج کمیٹی چندہ یادگار بادشاہ ایڈورڈ ہفتم بصدارت منشی علی ضامن صاحب تحصیلدار مدرسہ اردو میں منعقد ہوئی کہ ان کی تصویر دہلی میں قائم ہوگی اور ایک شفاخانہ عارضہ دق کا الموڑہ پہاڑ پر قائم ہوگا۔ میں نے پندرہ روپیہ چندہ دینا منظور کیا۔

طاعون: ۶ر نومبر ۱۹۱۰ء۔ چونکہ بیماری طاعون ترقی پر ہے اس وجہ سے ہمارے بھائی بند اشراف ٹولہ سے باہر دیہات کو بہ خوف طاعون چلے جا رہے ہیں میں صرف اس وقت تک ثابت قدم ہوں۔ خدا میرے استقلال کو قائم رکھے اور اس کا انجام بخیر ہو (اس کے بعد کئی صفحات پر طاعونی ہلاکتوں کا ذکر ہے۔ ہاشمی)

۳ر دسمبر ۱۹۱۰ء۔ آج میں نے مدرسہ انگریزی سندیلہ ایک ہفتہ کے واسطے بند کر دیا کہ کل ۲ر دسمبر ۱۹۱۰ء کو ۱۳ آدمی طاعون سے ضائع ہوئے تھے۔ چونکہ سردی ترقی کرتی جاتی ہے اس وجہ سے طاعون کو بھی ترقی ہے۔ اب تو محلہ منڈی میں بھی بیماری کی ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس وجہ سے لوگ مقامات بیرون کو جا رہے ہیں۔ صرف میں مع اپنے خاندان کے حق تعالیٰ شانہ پر بھروسا کیے پڑا ہوں۔

۳۱ر دسمبر ۱۹۱۰ء - آج کل کثرت اموات طاعون ہے اور گورکن نہیں ملتے ہیں لہٰذا اشخاص ذیل نے کام گورکنی کا اختیار کر رکھا ہے جن کو بمقابلہ ان کے اپنے پیشہ کے زیادہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ دیانتی جو پیشہ کہاری یعنی ڈولی ڈھونے کا کرتا تھا۔ جان علی و بدھو جُلاہے بکا بھشتی۔ یہ چاروں آدمی اشراف ٹولہ میں رہتے ہیں۔

۱۵ر جنوری ۱۹۱۱ء - جدید لوگ برابر بیمار ہو رہے ہیں جب تک یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ بیماری طاعون تا قصبہ ہٰذا سے دفع نہیں ہو سکتی۔ دیکھنا چاہیے کہ کب تک وہ قصبہ کو چھوڑتی ہے۔ مستقل مزاج والے اس کی طوالت سے بحالت پریشانی میں ہیں۔ سچ ہے کہ یہ مرض لادوا ہے۔ اگر مریض کی زندگی ہے تو وہ اچھا ہو جاتا ہے ورنہ کوئی بیمار ہو کر اچھا نہیں ہوتا۔ گزٹ مورخہ ۲۴ر جنوری سے واضح ہوا کہ ہفتہ مختتمہ ۷ر جنوری میں ضلع ہردوئی میں بیماری طاعون سے ۳۵۵ مبتلا ہوئے اور ۳۰۴ مرے اور اضلاع متحدہ کی سب سے بڑی تعداد ضلع اعظم گڑھ کی ہے جس میں ۶۴۹ مبتلا ہوئے اور ۵۰۴ فوت ہوئے۔ سندیلہ میں آج صرف دو آدمی ملکانہ و اشراف ٹولہ میں طاعون سے فوت ہوئے (اموات کا یہ سلسلہ بعد کی کئی تاریخوں میں مندرج ہے۔ ہاشمی)

۲۴ر فروری ۱۹۱۱ء - ہمارے موضع گھوگیرہ میں چوہے بکثرت مر رہے ہیں لہٰذا گاؤں والوں نے اپنے مکانات خالی کر کے اسکے باہر بازمیں ٹٹیاں لگا کر سکونت پذیر ہیں اور گاؤں کے اندر کوئی نہیں جاتا۔ اب کے سال اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ میں بیماری طاعون کا اس قدر زور ہے کہ بظاہر کوئی گاؤں قریہ باقی نہیں بچا جس میں اس نے خروج نہ کیا ہو۔

<u>جوالا پرشاد برق</u>: ۲۱ر مارچ ۱۹۱۱ء - ۲۶ر مارچ ۱۹۱۱ء یوم یکشنبہ کو منشی جوالا پرشاد جج عدالت خفیفہ لکھنؤ جن کا تخلص برقؔ تھا عارضہ طاعون میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے۔ ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ انھوں نے دو لڑکے یادگار چھوڑے۔ ایک امتحان بی اے پاس کر چکا اور دوسرا ابھی نیچے کے درجوں میں پڑھتا ہے۔

<u>برائے یونیورسٹی علی گڑھ</u>: ۳ر اپریل ۱۹۱۱ء - کل ایک جلسہ بنا بر قیام محمڈن یونیورسٹی علی گڑھ بمکان چودھری سرفراز علی ہوا۔ اگرچہ مجمع کم تھا تاہم سنا گیا کہ ایک ہزار ایک روپیہ کے چندہ کا وعدہ ہوا۔

<u>خاتمہ طاعون</u>: ۲۸ر مئی ۱۹۱۱ء - معائنہ گزٹ دی روزہ سے واضح ہوا کہ تعداد اموات اضلاع متحدہ کی بہت گھٹ رہی ہے۔ میں نے ضرورت نہیں سمجھی کہ اس کی تفصیل درج روزنامچہ ہٰذا کروں۔

<u>جشن تاج پوشی</u>: ۲۲ر جون ۱۹۱۱ء - آج جارج پنجم ملک معظم انگلستان و ہندوستان کا جشن تاج پوشی بمقام لندن ہوا اس وجہ سے ہندوستان کے ہر ایک شہر اور قصبہ میں جشن خوشی منایا گیا۔ چنانچہ ہمارے قصبہ سندیلہ

میں عیسائیوں نے بمقام شفاخانہ سرکاری نمازیں بوقت ۷ بجے صبح طول عمری ملک معظم کی پڑھیں اور منشی سید التفات رسول صاحب نے اپنی مسجد اُمرہرہ 'و راجہ درگا پرشاد صاحب نے اپنے شوالہ میں دعاے خیر بہ درگاہ لم یزل واسطے درازی عمر ملک معظم کی بوقت ۹ بجے دن کے مانگی اور من جانب ممبران میونسپل بورڈ رؤسا قصبہ ذا میونسپل ہال جدید میں امورات ذیل بہ آسانی تمام ذریعہ رقم چندہ طے ہوئے یعنی چار بجے سے پانچ بجے تک محتاجوں کو خیرات تقسیم ہوئی اور آتش بازی چھوٹی اور نوبت بجی اور ایک منادی کے ذریعہ سے جو میونسپلٹی کی طرف سے ہوئی کہا گیا کہ ہر شخص شام سے اپنے اپنے مکان پر بارہ بجے رات تک چراغ جلائے۔ اس کی بھی تعمیل کی گئی۔ آج جو اودھ اخبار آیا وہ بھی مطلا و سرخ کاغذ پر تحریر تھا جس میں ملک معظم کی تاج پوشی لندن کے حالات درج تھے۔

مشاعرہ مسند میلہ: ۱۹ جولائی ۱۹۱۱ء۔ آج صحبت مشاعرہ مقبرہ منشی سید فضل رسول صاحب پر بوقت گیارہ بجے دن منعقد ہوئی اور رات تک شعرا اپنا کلام پڑھتے رہے۔ لکھنؤ، سیتاپور، ہردوئی، شاہجہانپور وغیرہ سے شاعر لوگ آئے ہوئے ہیں اور اپنا کلام آبدار سنا رہے ہیں۔ چونکہ بعض شاعروں نے سید التفات رسول تعلقہ دار کو اپنے ڈھنگ پر لگا لیا ہے اس وجہ سے یہ مشاعرہ ایام عرس میں بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے اور بعض شاعروں کو خرچ آمد و شد بھی دیا جاتا ہے۔ ایک شاعر لکھنوئی مستقل طور پر ملازم تعلقہ جلال پور ہیں جو پندرہ روپیہ ماہوار علاوہ کھانے کے تنخواہ پاتے ہیں۔ وہ تعلقہ دار صاحب کی جانب سے غزلیں تصنیف کر دیا کرتے ہیں اور وہ غزلیں مشاعرہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ ... جہاں تک مجھے علم ہوا ہے جو شعرا بیرونجات سے آئے ہوئے ہیں وہ قصبہ ہذا میں مختلف مکانات میں ٹھہرے ہیں اور باورچی خانہ باغ اُمرہرہ سے تو وہاں سے اوقات مقررہ پر کھانے کا پہنچانا خالی از دشواری نہیں اور عجب نہیں کہ ان کو موقع شکایات کا ملے۔

۲۲ رجب کی رسم: ۱۹ جولائی ۱۹۱۱ء۔ آج مجھے ایک نئی رسم دریافت ہوئی جو میرے اور دوسرے گھروں میں رائج ہوئی جو پہلے میری سماعت میں نہیں آئی تھی۔ وہ یہ ہے کہ ۲۱ رجب کو بوقت شب میدہ شکر گھی اور دودھ ملا کر ٹکیاں پکائی جاتی ہیں اور اس پر حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا فاتحہ ہوتا ہے اور ۲۲ رجب کی صبح کو وہ عزیز و اقارب کو بلا کر کھلائی جاتی ہیں اس طرح سے ہر ایک گھر میں بلا کر کھلائی جاتی ہیں ٹکیاں باہر نکلنے نہیں پاتی ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہوا ہے اس کا عام رواج ہر ایک مقام پر ہے۔ میری یاد میں کبھی اس کا تذکرہ بھی سماعت میں نہیں آیا اور یہ فاتحہ ہر ایک گھر میں نہایت عقیدت کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور یہ رسم برابر بڑھتی جاتی ہے۔

شه ۲ ارزد لکھنوی (حاشیہ)

<u>الیکشن میونسپلٹی</u>: ۲۲ر اگست ۱۹۱۱ء۔ آج کل قصبہ ہذا کے ہندو مسلمانوں میں سخت تعصب پھیلا ہوا ہے۔ مسلمان لوگ چاہتے ہیں کہ چودھری محمد جان بجائے منا لال مستعفی کے ممبر میونسپل بورڈ سندیلہ منتخب ہوں اور راجہ درگا پرشاد صاحب کی یہ خواہش ہے کہ شیو شنکر لال کھتری ممبر ہو جس کا شمار ہماری جماعت میں ہے۔ لہذا باہم بڑی کوشش ہو رہی ہے اور کمیٹیاں ہو ہو کر رائے دہندوں کو فہمائش ہوتی ہے کہ وہ ہماری خواہش کے مطابق رائے دیں جس کے واسطے ۶ر ستمبر مقرر ہے۔ میرے خیال میں ہندو مسلمان کے درمیان اب تعصب بڑھتا جاتا ہے جس کا انجام بخیر نظر نہیں آتا۔ چونکہ میرے راجہ درگا پرشاد صاحب دوست ہیں میں نے بوجوہ مصلحت وقت ان کو آج یہ شعر ملا نظامی کا لکھ بھیجا تاکہ ان کے دل میں میری طرف سے گنجائش رہے۔

ع سرے کز تو گردد بلندی گرائے بیفگند نیفتد زجائے

یہ شعر پڑھ کر راجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور اس کے جواب میں ایک شعر اسی وقت تصنیف کر کے مجھے لکھ بھیجا اور آزردہ خط سے کہلا بھیجا کہ میرا جی آپ کی ملاقات کو بہت چاہتا ہے لیکن اس زمانہ کی شورش میں مناسب نہیں کہ میں آپ کے پاس آؤں۔

<u>برقی پنکھا</u>: ۲۳ر اگست ۱۹۱۱ء۔ شب گزشتہ کو برقی پنکھا سید التفات حسین صاحب تعلقہ دار کا ۷ بجے شب سے آج ۶ بجے صبح تک میری کوٹھی میں متصل میرے پلنگ کے چلتا رہا۔ ہوا کافی ملتی ہے۔ شب میں اسی کی ہوا میں سویا اور نہایت غرق نیند آئی اور ڈیڑھ آنے کا تمام رات میں روغن مٹی کا جلا۔ یہ جدید برقی پنکھا بہت عمدہ ہے جس کی قیمت چھیانوے روپے ہے۔ میرا قصد تھا کہ میں بھی ایک پنکھا لکھنؤ سے منگاؤں لیکن چونکہ اب سردی پڑنیکے آثار ظاہر ہوچلے ہیں لہذا امسال اسکا منگانا ملتوی رکھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ سال آئندہ بشرط حیات منگاؤں گا۔

<u>ایک واقعہ</u>: ۲۵ر اگست ۱۹۱۱ء۔ منڈی اور مہتوانہ میں ابھی تک شکایت ہیضہ وبائی پیدا ہے۔ چنانچہ دو تین روز کا عرصہ ہوا کہ ضامن علی خلف میر محمد حسن منڈی ہردوئی سے ہیضہ میں بیمار ہو کر سندیلہ آئے تھے۔ کل شب کو ان کو سرسام ہو گیا اور چارپائی سے اٹھ کر بھاگتے تھے۔ ایک مرتبہ جب وہ چارپائی سے اٹھ کر بھاگے تو ان کی مادر مہربان 'ہائے ہائے میرے لڑکے' کہہ کر ضامن علی کے پیچھے دوڑی اور وفور محبت سے دوڑنے کی حالت میں زمین پر گر پڑی اور دم نکل گیا۔ ایسا واقعہ بھی کمتر ظہور میں آیا ہوگا۔ آج صبح کو اس کی تجہیز و تکفین ہوئی اور ضامن علی کی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ شاید وہ جانبر نہ ہو سکے۔

<u>الیکشن میونسپلٹی</u>: ۶ر ستمبر ۱۹۱۱ء۔ آج ۷ بجے صبح کو کارروائی انتخاب بجائے منا لال مستعفی ممبر میونسپل صدر چوکی میں شروع ہوئی۔ سید ضامن علی تحصیلدار اور بابو شیام لال مہتمم سب انسپکٹر سندیلہ موقع پر

موجود تھے اور تجویز قرار پائی تھی کہ چھ چھ آدمی اندر ہال کے جاکر پرچہ انتخاب کا لکھ کر گولک میں ڈالیں اور کل معززین قصبہ ہذا و رؤسائے عظام صدر چوکی کے گرد و پیش جمع تھے اور ۹½ بجے تک اسی نہج سے پرچے پڑتے رہے اور بہت سے مسلمان اور ہندوؤں نے چودھری محمد جان کے حق میں پرچے ڈالے اور شیو شنکر کے نام کم پرچے پڑے۔ جب راجہ درگا پرشاد صاحب نے یہ دیکھا کہ چودھری صاحب کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں اور شیو شنکر کے نام کم پرچے پڑتے ہیں تو انھوں نے مہتمان کے پاس صدر ہال میں جاکر اطلاع دی کہ کارروائی بے ضابطہ ہو رہی ہے لہذا انتخاب ملتوی کیا جاوے۔ یہ کہہ کر باہر نکلے اور ریلوے اسٹیشن پر جاکر صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی کو تار دیا کہ میں نے کارروائی انتخاب اس وجہ سے بند کر دی کہ بے ضابطگی ہو رہی تھی اور جب التغات رسوں کو یہ معلوم ہوا وہ فوراً اسٹیشن ریلوے پر گئے اور علاوہ چودھری محمد جان اور جو لوگ نامزد ہوئے تھے ان کی طرف سے ایک ایک تار صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی کو بھیجے اور ایک تار کمشنر صاحب لکھنؤ کو روانہ کیا اور ایک لفٹیننٹ گورنر کو بھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ بلا وجہ راجہ درگا پرشاد چیرمین میونسپل نے کارروائی انتخاب روک دی۔ اس کا تدارک ہونا چاہیے اور جس قدر پرچے گولک میں پڑے وہ گولک سر بہ مُہر کرا کے اور مہتمان انتخاب چودھری عبد الباسط، منشی عبد الودود، لالتا پرشاد کے دستخط کرانے کے بعد محفوظ کر دیے گئے۔ عجب بات ہے کہ اکثر ہندوؤں نے چودھری محمد جان کے حق میں پرچے ڈالے اور راجہ صاحب کی کوئی فہمائش کارگر نہیں ہوئی اور مسلمان اور ہندو دونوں راجہ صاحب کو برے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ۔۔۔ اور کیفیت مزاجی یہ ہے کہ کسی معزز شخص قصبہ ہذا کو نگاہ وقعت سے نہیں دیکھتے ہیں بلکہ انھوں نے اہل درگاہ مخدوم صاحب کو کہلا بھیجا کہ اگر تم میری رائے کے مطابق شیو شنکر کھتری کے نام پرچہ نہ ڈالو گے تو میں مخدوم صاحب کے مزار پر چادریں چڑھانا بند کر دوں گا۔ یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ مخدوم صاحب کی نسبت ایسا جملہ استعمال کیا جائے جو بدرجہ اتم ثقیل و نا فرجام ہو۔

ار دسمبر ۱۹۱۱ء کل محمد جان تعلقہ دار نے بذریعہ محمد عربی بیرسٹر ڈپٹی کمشنر ہردوئی کو درخواست پیش کی ہے کہ انتخاب ممبری میونسپل میں بہت بڑی بے ضابطگی ہوئی کہ راجہ درگا پرشاد صاحب چیرمین نے کارروائی پرچہ اندازی رائے دہندگان قبل از وقت ۶ر ستمبر ۱۹۱۱ء کو روک دی۔ اس کی تاریخ پیشی صاحب ڈپٹی کمشنر نے ۱۱ر ستمبر یوم شنبہ مقرر فرمائی ہے جس کی پیروی تاریخ مقررہ پر ہوگی۔ یہ مقدمہ بہ اجلاس چودھری مہاراج سنگھ رائے بہادر ڈپٹی کمشنر ہردوئی دائر ہوا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

۱۳ر ستمبر ۱۹۱۱ء۔ جو درخواست من جانب چودھری محمد جان صاحب محمد عربی بیرسٹر نے باجلاس چودھری

مہاراج سنگھ صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی پیش کی تھی اس کی کارروائی کل ہوئی۔ صاحب بہادر نے یہ حکم صادر فرمایا کہ از سر نو جلسہ انتخاب ممبر کا کیا جاوے لیکن جو قواعد حال میں جاری ہوئے ہیں اس کے مطابق کارروائی ہونا چاہیے۔

حکیم عبدالعزیز لکھنوی ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۱ء۔ ۱۲ اکتوبر یوم پنجشنبہ کو حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنؤ کے مشہور طبیب نے انتقال کیا۔ عمر ۶۵ سال تھی۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ وہ حج کر کے واپس آئے تھے۔

ایک قوال: ۹ نومبر ۱۹۱۱ء شب گزشتہ کو اور آج عرس برادر عزیز سید اظہر علی مرحوم بہت اچھی طرح پر ہوا۔ قدرن قوال کو اس کے گانے پر نقدی و کپڑا بہت کچھ ملا۔ قدرت اللہ عرف قدرن قوال خیرآباد جو کاکوری میں بوجہ سسرال خود رہا کرتا ہے اور جس نے جناب حافظ کرم احمد صاحب مرحوم کی مسہری مزار شریف بصرف مبلغ تین سو چودہ روپے دو سال ہوئے تعمیر کرائی ہے اس کا گانا قوالی نہایت عمدہ قابل تعریف ہے اور محض تنہا گاتا ہے۔ چونکہ میں بوجہ علالت خود شریک فاتحہ سالانہ نہ ہو سکا لہذا آج میں نے ۷ بجے رات کو قدرت اللہ کو اپنے مکان پر بلوا کر اس کا گانا سنا تھا۔ مولوی حیدر حسین صاحب و دیگر اعزا شریک جلسہ تھے۔ واقعی اس کا گانا نہایت عمدہ اور صاف اور بخوبی ہر ایک جملہ اس کا سمجھ میں آتا ہے اور ہندی کی چیزیں بھی بہت عمدہ گاتا ہے اس کے گانے سے حاضرین جلسہ سب خوش ہوئے اور میں نے مبلغ دو روپیہ اس کو انعام دیے۔

ویدک اور طب: ۱۳ نومبر ۱۹۱۱ء حکیم عبدالولی لکھنوی اور حکیم محمد اجمل دہلوی یہ چاہتے ہیں کہ ویدک اور طب یونانی کی شرکت ہو اور حافظ عبدالرشید خلف حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنوی کا یہ منشا ہے کہ دونوں کی شرکت نہ ہو۔ اسی وجہ سے جلسے بارہ دری قیصر باغ لکھنؤ میں ہو رہے ہیں شرکت کے متعلق بہت کچھ اصرار ہے۔ اب دیکھنا چاہیے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

جشن تاج پوشی: ۱۱ نومبر ۱۹۱۱ء۔ ۱۱ نومبر ۱۹۱۱ء کو اعلیٰ حضرت جارج پنجم معہ ملکہ میری جہاز مدینہ پر لندن سے روانہ ہندوستان ہوئے تاکہ ۱۲ دسمبر کو بمقام دہلی رسم تاج پوشی ادا کریں جس کا سامان سال گزشتہ سے برابر دہلی میں ہو رہا ہے اور ۲۵ میل کے رقبہ میں ہر قسم کے کاروبار ہو رہے ہیں۔ امید ہے کہ اکثروں کو خطابات عطا ہوں گے جو قابلیت اس کی رکھتے ہیں۔

۲ دسمبر ۱۹۱۱ء ..... ہمارے قصبہ کے سید التفات رسول صاحب تعلقہ دار بطور سیر و تفریح آج چھ بجے شام کی ریل میں مع اپنے عزیزوں کے روانہ دہلی ہوئے۔ سنا ہے کہ شہر میں کوئی مکان کرایہ پر لیا ہے اور ۵۹۰ روپے پر ایک گاڑی فٹن کرایہ پر لی ہے جو تاقیام دہلی ہر وقت ان کے دروازہ پر حاضر رہے گی۔

۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ آج سندیلہ و دیگر مقامات قصبہ و دیہات میں رسم تاج پوشی ملک معظم روشنی ہوئی اور طلبا مدرسہ کو انعام و تحفہ جات وکتب وغیرہ تقسیم ہوئیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بوجہ علالت نہ تو صدر ہردوئی میں تقریب مراسم تاج پوشی میں شریک ہو سکا اور نہ میونسپل ہال جدید سندیلہ کی کسی رسم مسرت و خوشی میں جا سکا اور طبیعت میری آج بوجہ کھانسی کے ایسی بے لطف ہے کہ ایک حالت نہ تو بیٹھا

جاتا ہے اور نہ لیٹا جاتا ہے۔ لہٰذا بحالت مجبوری اپنا دل بہلانے کیلئے گراموفون باجا سنا کرتا ہوں یا دو ایک اخبار پڑھ کر اس سے دلچسپی حاصل کرتا ہوں۔

۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو کل ۱۲ دسمبر کو دربار حضور اقدس جارج پنجم قیصر ہند دہلی میں منعقد ہوا۔ اکثر روسائے قصبہ سندیلہ حسب الطلب شریک ہوئے۔ انمیں ذیل کو خطاب سارٹیفکٹ بجلدوئے ان کی کارروائیوں کے عطا ہوئے۔

منشی قبول احمد اشرف ٹولہ کو بہ سفارش فری مینٹل صاحب رجسٹرار کہ انھوں نے دیہی بینک سندیلہ کو بہت ترقی دی "خان صاحب" کا خطاب عطا ہوا لیکن یہ خطاب ان کو پسند نہ آیا کہ وہ خان بہادر کا خطاب چاہتے تھے اور یہ ان کی ناپسندیدگی حق بجانب ہے کہ اس زمانہ میں کل پٹھان اور ان کے چیلے چاپڑ اور عوام پٹھان بھی خان صاحب کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ قوال لوگ بھی گدی اکثر بلقب بخاں صاحب ہیں) ایک سارٹیفکٹ سید التفات رسول صاحب تعلقہ دار کو اور ایک سارٹیفکٹ مہاراجہ ... پھولوں کو ملا کہ انھوں نے ایک شاخ ارین بینک سندیلہ ہجامئو میں قائم کی اور ایک سارٹیفکٹ بچے شنکر وکیل چیرمین میونسپل بورڈ کو عطا ہوا۔

۱۷ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ آج صبح کو برخوردار مولوی خلیل الدین سے ملاقات ہوئی جو شب گذشتہ کو دربار دہلی سے واپس آئے ہیں۔ جہاں تک دریافت سے معلوم ہوا کہ ان سے بڑھ کر کسی تعلقہ دار و رئیس نے بھی سیر و تفریح نہ کی ہوگی۔ ان کا بیان ہے کہ میں ایک نیچی فلالین پہنتا تھا اس کے اوپر ایک موٹا کرتا فلالین کا اس کے اوپر ایک کمل کی اچکن اور سر پر ایک دوپٹہ اور کمر میں ایک رضائی دبا کر چھ بجے صبح سے آٹھ بجے رات تک دربار وغیرہ کی اور ہر مقام دلچسپ کی سیاحت کرتا تھا۔ میری آٹھ دس گھنٹہ یومیہ پیادہ پائی سے کم نہ ہوتی تھی۔ جس وقت احتیاج پاخانہ کی ہوتی تھی تو کسی بم پولس میں جاکر ایک پیسہ دیتا اور فراغت کر لیتا اور جب خواہش غذا کی ہوتی تو ہر مقام پر باورچیوں کی دوکانیں قائم تھیں۔ وہاں ہر مقام پر قورمہ قلیہ پلاؤ و زردہ فروخت ہوا کرتا تھا اور جس چیز کی مجھے رغبت ہوتی تو فوراً کھا لیتا تھا۔ اگرچہ ظاہری طور پر میرا قیام سید التفات رسول کے مکان پر تھا لیکن کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ میں نے ان کے یہاں کھانا کھایا ہو اور جب آٹھ بجے رات کو بعد سیر و تفریح واپس آتا تھا تو چارپائی پر اوڑھ کر سو رہتا تھا اور صبح کو اسی نہج سے پھر سیر و تفریح کرتا جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں اور خوب میں نے دربار کی کیفیت دیکھی جیسا کہ ایک بڑا آدمی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر رات کو ایسا اتفاق ہوا کہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں پہنچ گیا تو وہیں سو رہا۔ غرض کہ میں جہاں تک غور کرتا ہوں تو متوسط الحال امرا نے بھی باوجود مصارف کثیر کے ایسا لطف مراسم تاج پوشی حاصل نہ کیا ہوگا جیسا میں نے اپنی پیادہ پائی کی روش سے حاصل کیا۔ یہ حالات ان سے دریافت کرکے بہت جی خوش ہوا۔

باب پنجم

ذاتی حالات و واقعات

ٹوپی کی قطع : ۱۹ر نومبر ۱۸۶۷ء۔ آج میں نے ٹوپی گول مخملی اودی خدا بخش خیاط سے تیار کرائی جو نہایت خوشنما اور قابل محفل ہے۔

الطاف برادرانہ : ۲۳ر ستمبر ۱۸۶۸ء۔ زبانی اکبر علی معلوم ہوا کہ کرامت حسین آج کل مجھ سے ناخوش ہیں۔ بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، شاید الطاف برادرانہ ہو۔

احساس کمتری : ۷ر نومبر ۱۸۶۸ء۔ مجھے آج کمال افسوس رہا کہ باوصف اس قدر سن آنے کے میں نے اب تک کوئی لیاقت حاصل نہیں کی لہذا کمال عاجزی سے درگاہ خدا میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے لیاقت عطا فرمائے تاکہ میں اپنے ہم چشموں سے شرمسار نہ ہوں۔

طمانچہ : ۷ر فروری ۱۸۶۹ء۔ غلام علی کاشتکار موضع مخدوم پورہ نے بلاوجہ مجھ سے گستاخی کی لہذا ایک طمانچہ اس کے مارا لیکن تھوڑی دیر کے بعد اپنے اس فعل سے نادم ہوا کہ خلاف تہذیب میں نے ایسا کیا۔

صفات حمیدہ : ۲۵ر دسمبر ۱۸۶۹ء۔ آج میں حسب تحریک منشی فضل رسول صاحب بوقت شام لکھنؤ پہنچا۔ وقت ملاقات کے منشی صاحب نے فرمایا کہ میں تم کو بمقابلہ عنایت حسین کرامت حسین و فضل حسین و حامد حسین کے چند وجہوں سے اچھا جانتا ہوں۔ اول تم جھوٹ نہیں بولتے ہو۔ دوسرے مزاج میں جہالت نہیں، تیسرے مغلوب الغیظ نہیں ہو، چوتھے معاملہ فہم ہو۔ اس وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ اپنے علاقہ کا جو کورٹ ہونے والا ہے تم کو سربراہ کار مقرر کراؤں اور اس میری خواہش کو ضرور حکام منظور کریں گے۔

محکمہ ریل میں ملازمت : ۶ر مئی ۱۸۷۰ء۔ آج کل محکمہ ریل میں کام کی کثرت ہے اس وجہ سے آٹھ بجے رات کو مجھے مہلت ملتی ہے۔ ۱۰ بجے سے رات تک کام کرتے کرتے طبیعت مضمحل ہو جاتی ہے۔

تقریب میں اسراف : یکم جولائی ۱۸۷۰ء تقریب ختنہ میں مدن میں نے عمدہ ہندوستانی کھانا پکوا کر دونوں وقت مارٹن صاحب کو بھیجا جس کو تناول فرما کر بہت خوش ہوئے، مجھ سے کہا کہ اس تقریب میں کتنا

روپیہ صرف ہوا میں نے ایک ہزار روپیہ از روئے حساب بتلایا۔ بہت تاسف کیا کہ تم نے ایک سال کی تنخواہ ایک چھوٹی سی تقریب میں خرچ کر ڈالی یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے۔

نجوم: ۳۰ ستمبر ۱۸۷۰ء آج میں نے پنڈت گوردیال کو پانچ روپے دیے کہ جو نحس زائچہ میں بیٹھا ہے اس کی نحوست کے انسداد کے لیے کچھ جپ کریں۔

ہر دل عزیزی: ۱۱ دسمبر ۱۸۷۰ء آدمی ہر دل عزیز اسی حالت میں ہو سکتا ہے جب خود غرضی اس کی ظاہر نہ ہو اور ہر ایک کے ساتھ بخلق پیش آئے اور ان کے اغراض کے پورا ہونے میں ساعی رہے۔

فال: ۱۱ جون ۱۸۷۲ء۔ خبر برخاستگی دفتر ریل دریافت کر کے مجھے کمال تشویش لاحق ہوئی۔ نہیں معلوم کہ اب آب و دانہ کہاں لے جائے گا اور اس حالت پریشانی میں خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ کے دیوان میں فال دیکھی۔ اشعار ذیل برآمد ہوئے۔ جس سے ہر گونہ آئندہ امید کامیابی کی پائی جاتی ہے۔

گرچہ از جائے بروں است ولیکن بخدا — کہ شب و روز درونِ دل ما جا دارد
عاقبت چہرۂ دلدار عیاں خواہد بود — ہر کہ آئینۂ زنگار مصفا دارد
حسن آں ماہ چو خورشید پدید است معیںؔ — محرم آں است کہ او دیدۂ بینا دارد

ہردوئی تک ریل: ۱۵ جولائی ۱۸۷۲ء۔ آج سندیلہ سے ہردوئی تک ریل جاری ہوئی۔ پانچ آنہ تین پائی محصول مقرر ہوا۔ اس ریل پر برخوردار مصطفیٰ علی میرے پاس چونسہ آئے۔

ٹکیٹ رائے کی مسجد: ۲۶ جولائی ۱۸۷۲ء آج بمعیت احباب منڈولی مسجد ٹکیٹ رائے واقع کاکوری سے سیر کو گیا۔ یہ مقام پُرفضا ہے۔

رشوت: ۲۳ جون ۱۸۷۳ء۔ آج جان صاحب ٹھیکیدار ایجنٹ نے شہر کانپور میں دو ہزار روپے دیے۔ بعد لینے روپے کے صاحب موصوف نے کمرے کے کواڑ بند کر لیے۔ جہاں سوائے میرے اور ان کے دوسرا شخص نہ تھا۔ مبلغ دس روپے بطور نذر کے پیش کیے اور اس کے قبول کرنے میں از حد اصرار کیا۔ میں نے کہا یہ امر میری عادت کے خلاف ہے اور میں ایسے نذرانے کسی حالت میں جائز نہیں رکھتا، لیکن اس نے نہ مانا جبریہ زر مذکور دیگر بہت شائستگی کے ساتھ رخصت کیا۔ میں صرف اس خیال سے کہ بحالت سخت انکار ناراض ہو کر کوئی شکایت حاکم سے کر دے تو اس کا کوئی ثبوت میرے پاس نہیں ہے۔ چار و ناچار قبول کر کے ایک ربع اس کا محتاجوں کو تقسیم کر دیا۔

حکم حاکم: ۱۳ اگست ۱۸۷۳ء۔ بول صاحب نے ایک یہ حکم جاری کیا ہے کہ ملازمان کچہری تک گھوڑے

اپنے پھاٹک کے ہر دو جانب پانچ پانچ جریب گھاس چھیلا کریں۔ چونکہ ان نوکروں میں اکثر شریف لوگ بھی ملازم ہیں بعضوں نے نوکری چھوڑ دی اور جو لوگ کام کر رہے ہیں اگر وہ پورا کام ختم نہیں کرتے تو ان کو تنخواہ نہیں دیتے ہیں۔

حکم برخاستگی: یکم ستمبر ۱۸۷۳ء۔ آج منڈولی آیا۔ مرجن چپراسی دفتر ریل سے معلوم ہوا کہ لوک صاحب نے چپراسیان محافظ خزانہ متعلقہ راقم کو حکم برخاستگی کا دیا ہے۔ بدریافت اس حال کے ایک طرح کا ملال ہوا کہ یہ بچارے کہاں تلاش معاش میں سرگرداں پھریں گے۔

علی حسین خان: ۹ر ستمبر ۱۸۷۳ء۔ آج ریل پر سیف الدولہ علی حسین خاں صاحب بہادر نائب مدار المہام ریاست بھوپال رئیس 'سانڈی' سے ملاقات ہوئی۔ یہ بہ حصول رخصت وطن کو جاتے ہیں آدمی خلیق ہیں روزہ نماز کے پابند معلوم ہوتے ہیں۔ پانچ سو روپے کی تنخواہ ہے۔

سر نارتھ بروک: ۲ر دسمبر ۱۸۷۳ء۔ دریافت ہوا کہ سر نارتھ بروک صاحب نواب گورنر جنرل بہادر کشور ہند لکھنؤ میں تشریف لانے والے ہیں اس وجہ سے ہر مقام پر صفائی ہو رہی ہے۔ جلسہ قابل دید ہوگا۔

۷ر دسمبر ۱۸۷۳ء۔ پانچویں دسمبر کو نارتھ بروک صاحب گورنر جنرل ہندوستان نے لکھنؤ میں بڑے کر و فر کے ساتھ دربار کیا۔

۸ر دسمبر ۱۸۷۳ء۔ جو خاص گاڑی گورنر جنرل صاحب کو کانپور پہنچا کر لوٹی آتی تھی جب قریب شام کے اسٹیشن ہردوئی کو پہنچی تو اس کے ۲۰ منٹ قبل سواری گاڑی 'ہردوئی' سے لکھنؤ کو روانہ ہوئی تھی۔ چونکہ خاص گاڑی میں حکام ریل سوار تھے اسٹیشن ماسٹر 'ہردوئی' نے پاس روانگی خاص گاڑی کا دے دیا۔ جب خاص گاڑی متصل اسٹیشن لکھنؤ پہنچی تو سواری گاڑی سے لڑ گئی جس سے پانچ چھ گاڑیاں سواری کی ٹوٹ گئیں اور بہت سے مسافر مجروح ہوئے۔ ایک فوت ہوا۔ یہ واقعہ ساڑھے سات بجے شام کو ہوا۔ تحقیقات غفلت پیش ہے۔ دیکھیے کون کون سزایاب ہوتا ہے۔

زنجیر طلائی: ۱۴ر دسمبر ۱۸۷۳ء۔ آج ایک زنجیر طلائی اپنی گھڑی کی سیتارام سونار (سنار) سے تیار کرائی جس میں ۶۵ روپے ۱۲ آنے حسب ذیل خرچ ہوئے۔

طلا: ۳ تولہ ۴ رتی۔ فی تولہ ۱۷ روپے آٹھ آنے۔ اجرت ۱۲ روپے۔ اور زنجیر مذکور کو بتاریخ امروز زیب گلو کیا۔ یہ زنجیر نہایت خوشنما بنی ہوئی ہے۔ انگریز بھی اس کو پسند کرتے ہیں اور جب سندیلہ کی ساخت سنتے ہیں تب ان کو نہایت تعجب ہوتا ہے۔

شب دیگ: ۲۸ر دسمبر ۱۸۷۳ء - آج منشی فہیم الزماں صاحب نے سرفراز علی رکابدار لکھنوی سے شب دیگ تیار کرا کے بعض مشاہیر اشراف ٹولہ و مہتوانہ کو طلب کر کے دعوت کی۔ واقعی شب دیگ نہایت نفیس تیار ہوئی تھی اور یہ امر منشی صاحب کی عالی حوصلگی پر دال ہے کہ بلا کسی خاص وجہ کے ایسا صرف گوارا کر کے ہم لوگوں کو طعام لذیذ سے متلذذ فرماتے ہیں۔

ریل: ۵ر جنوری ۱۸۷۴ء - کل بنارس سے شاہ گنج تک ریل جاری ہوئی۔ میں والی صاحب کے ساتھ ٹالی (ٹرالی) میں سندیلہ سے کاکوری کو آیا۔

الف لیلہ: ۱۸ر جون ۱۸۷۴ء - چونکہ قیام دفتر منڈولی میں محض بے شغلی رہتی ہے اور یہاں جنگل میں کوئی ایسا آدمی نہیں کہ جس سے گھڑی دو گھڑی دل بہلے لہٰذا بالفعل واسطے رفع پریشانی کتاب الف لیلہ انگریزی اور اردو کی مطالعہ کیا کرتا ہوں۔

حدائق الانظار: ۲۴ر اگست ۱۸۷۴ء - آج کل میرے مطالعہ میں کتاب 'حدائق الانظار' مؤلفہ خواجہ بدر الدین دہلوی رہتی ہے۔ اس سے دلچسپی ہے۔

بدر الآثار: ۹ر نومبر ۱۸۷۴ء - مکان قیصر باغ (لکھنؤ) میں مطالعہ کتاب 'بدر الآثار' کا اتفاق رہتا ہے۔ قصہ دلچسپ ہے اس سے طبیعت بہلی رہتی ہے۔

بنیاد مکان ذاتی: ۱۹ر نومبر ۱۸۷۴ء - آج منشی فضل رسول صاحب و قاضی وجیہ الدین صاحب نے بموجودگی جملہ احباب برادری یکے بادیگرے بنیاد میرے مکان کی رکھی۔ پنڈت بشمبر ناتھ تحصیلدار سندیلہ اس وقت شریک تھے۔ مجمع کثیر ہونے سے ۱۲ر روپے آٹھ آنے کی مٹھائی تقسیم ہوئی — خداوند کریم اس کا تکملہ بخیر و خوبی کرائے۔ آج گیارہ معمار و ۲۳ مزدور کام کرتے ہیں۔ زائچہ مکان جس ساعت پر بنیاد قائم ہوئی تھی حسب ذیل ہے (زائچہ نقل نہیں کیا جا رہا ہے۔ ہاشمی)

۳۰ر نومبر ۱۸۷۴ء ہر ایک معمار سے ایک گز مکسر کام لیا جاتا ہے (کام لکھوری اینٹ سے لیا جاتا تھا۔ ہاشمی) اور میں خود نگراں تعمیر کا ہوں۔ لالہ مہانند کو واسطے تحریر حساب مد مکان بمشاہرہ دو روپیہ و مرزا حسین بیگ کو بکار نگرانی مکان تین روپیہ ماہواری کا نوکر رکھا۔

۲۶ر نومبر ۱۸۷۴ء - آج کل اکیس معمار و تیس نفر مزدور میرے مکان میں کام کرتے ہیں شرح حسب ذیل ہے۔

رام دین معمار، سوا تین آنے یومیہ۔ رام پرشاد مستری تین آنے، ہدایت معمار، تین آنے، درگا معمار،

تین آنے باقی اور معمار ایک اور دو آنے یومیہ پاتے ہیں۔ اور جوان مزدور کو ڈیڑھ آنہ یومیہ سے زاید نہیں دیا جاتا ہے اور لڑکے کو تین پیسے ساڑھے بارہ دام یومیہ ملتے ہیں۔

۲۷ر نومبر —— اینٹ کا نرخ بالفصل ستائیس روپے لاکھ کا ہے (لکھوری اینٹ۔ ہاشمی) اور اسی حساب سے کئی لاکھ میں نے خریدیں اور جو اینٹ موٹی ولانبی ہے اس کا نرخ بتیس روپے لاکھ کا ہے۔ کڑیاں مہوا دجامن پانچ گزی ایک روپے کی دو خریدکیں اور رانجہ کی کڑیاں پانچ گزی ایک روپے کی ڈھائی ملتی ہیں۔

فسانہ معقول: ۱۶ر جنوری ۱۸۷۵ء۔ آج اتفاق قیام مکان قیصر باغ (لکھنؤ) کا ہوا۔ کتاب فسانہ معقول" من تصنیف غلام حیدر خاں صاحب میرے مطالعہ میں ہے۔ واقعی یہ کتاب خوب ڈپٹی صاحب نے لکھی ہے۔

فال: ۸ر مارچ ۱۸۷۵ء۔ آج بہ حالت کمال پریشانی میں نے دیوان حافظ میں فال دیکھا۔ اشعار ذیل برآمد ہوئے جن سے امید کامیابی متصور ہے۔

کلکِ تبارک اللہ برملک دل کشادہ　　صد چشمہ آب حیواں از قطرۂ سیاہے
غافل مکن شکایت گر وصل دوست خواہی　　زیں بیشتر نیاید بر ہجرت احتمالے

ستی: ۷ر اپریل ۱۸۷۵ء۔ کل ایک برہمنی موضع رسول پور میں اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ ستی ہوگئی۔ بدریافت اس حال کے اہل کار فوجداری وتحصیلدار سندیلہ موقع پر پہنچے اور بعد تحقیقات ۳۰ر آدمیوں کو گرفتار کرکے لائے

اجازت حقہ نوشی: ۸ر اپریل ۱۸۷۵ء۔ آج شب کو منشی فضل رسول صاحب نے مجھے و سید کرامت حسین وابوالقاسم وسید فضل حسین کو اپنے سامنے اجازت حقہ پینے کی دی پہلے مجھے پلایا بعدہٗ دوسروں کو۔

بدر الآثار: ۱۱ر مئی ۱۸۷۵ء۔ آج صبح کی ریل میں لکھنؤ گیا۔ کتاب "بدر الآثار" میرے مطالعہ میں رہتی ہے۔ واقعی یہ کتاب بہت دل بہلاؤ ہے۔

مکان ذاتی: ۱۰ر جولائی ۱۸۷۵ء۔ چونکہ میرا مکان زنانہ بہمہ وجوہ مرتب ہوگیا ہے لہٰذا اکثر باشندگان ورؤسائے سندیلہ واسطے معائنہ کے آتے ہیں۔ اور دیکھ کر کمال اظہار مسرت کا کرتے ہیں کہ ایسا خوش قطع مکان اب تک سندیلہ میں تعمیر نہیں ہوا ہے۔ اس مکان میں چند باتیں نئی ہیں۔ اول چھت بلند دوسرے غسل خانہ بنایا گیا تیسرے باورچی خانہ کو اٹھ دار ہے۔

چند مشاہدات: ۱۴ر جولائی ۱۸۷۵ء۔ یہ مجھے بخوبی تجربہ ہے کہ قبل از وقت معینہ کوئی کام نہیں ہوتا اور تمامی کوششیں فضول ہوتی ہیں پس انسان کو لازم ہے کہ اس وقت کے انتظار کے لیے صبر کرے

در وقت مقررہ کے لیے انتظار۔

آج کل مداخل سے مخارج زیادہ ہیں اور یہ علامت خوش نہیں ہے۔ انسان جب تک بقید حیات رہے کچھ نہ تدبیرات از دیاد بہبودی و فلاحیت کی سوچتا رہے۔

شمس الانوار: ۲۸ جولائی ۱۸۷۵ء۔ آج کل شیخ سلامت علی صاحب و شیخ فیضو وغیرہ میرے مکان پر دونوں وقت آتے ہیں کتاب شمس الانوار پڑھی جاتی ہے اس کو بکمال اشتیاق سنتے ہیں۔ واقعی یہ کتاب بس لغو رنج آلام ہے۔

تعمیر کوٹھی ذاتی: ۱۸ اگست ۱۸۷۵ء۔ منشی مظفر علی صاحب اسیر لکھنوی و آفتاب الدولہ رئیس لکھنؤ نے محل سرا نو تعمیر کا ملاحظہ کیا اور ہر ایک چیز کو بغور دیکھا اور پسند فرمایا یہ دونوں صاحب منشی فضل حق صاحب کے ان دنوں مہمان ہیں۔

ایک مذاق: ۲۲ ستمبر ۱۸۷۵ء۔ آج سید فضل حسین نے میرے مکان پر مسہل لیا۔ چونکہ یہ مکان ہوادار ہے اس وجہ سے تفریح زیادہ ہوئی۔ اتفاقاً براہ ہنسی سید فضل حسین و قاضی واجد علی نے سید عبدالرحمن کی داڑھی میں ایک جانب وسمہ لگا دیا اور دوسری جانب داڑھی کو اسی حالت پر رکھا جس کی وجہ سے سید صاحب مجھ سے زیادہ ناخوش ہوئے اور کہا کہ اس مکان میں آنے سے میری یہ گت ہوئی۔ اب کبھی اس مکان میں نہ آؤں گا۔

اہل خانہ کا ورود: ۲۵ نومبر ۱۸۷۵ء۔ آج والدہ مصطفی علی حویلی نو تعمیر میں آئیں۔ لیکن قبل آنے کے اولاً مسجد قدیم بھی گئیں اور درگاہ بندگی شیخ حسن میاں صاحب میں واسطے حصول برکت کے دعا مانگی۔ اس کے بعد مکان میں آئیں۔ زائچہ آنے مکان کا درج ہے۔ (زائچہ نہیں دیا جا رہا ہے۔ ہاشمی)

ایک رسوائی: ۲۰ فروری ۱۸۷۶ء۔ میر معصوم علی تھانہ دار سندیلہ نے حسب الحکم رائے شیو سہائے صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع ہردوئی کے مسماۃ علیما زوجہ محمد اجمل دربارہ تکلیف دہی شوہر و خرچ کے دریافت کیا۔ مسماۃ مجیب ہوئی کہ میں اصالتاً ڈپٹی صاحب کے اجلاس میں مقدمہ متدائرہ کی پیروی و جواب دہی کروں گی۔ اس حال سے تمام شرفائے سندیلہ کو تاسف ہوا کہ عورت پردہ نشین کو ایسی جرأت ہے کہ جس سے بدنامی و ناموسی متصور ہے۔ خدا غارت کرے۔

۲۷ فروری ۱۸۷۶ء۔ آج کل ہر گلی و کوچہ میں تذکرہ مقدمہ مسماۃ علیماً النساء و محمد اجمل کا ہوتا ہے اور کمال درجہ فضیحتی ہو رہی ہے یہ مقام کمال عبرت کا ہے کہ جس شخص کا باپ عہدہ صدر اعلیٰ پر بہ مشاہرہ ۶۰۰ روپیہ ماہواری ممتاز ہو اس کی لڑکی بمقابلہ اپنے شوہر کے عدالت میں روبکاری کرتی پھرے۔

۶ر مارچ ۱۸۷۶ء۔ آج مسماۃ علیماً النسا کا مقدمہ ہردوئی میں پیش ہوا۔ بیانات قاضی وجیہ الدین صاحب، قاضی عابد علی و مولوی کریم الزماں تحریر ہوئے۔ حکم تاریخ آئندہ سنایا جائے گا۔

۹ر مارچ ۱۸۷۶ء۔ بمسماۃ علیم النسا کے مقدمہ میں اجلاس رائے شیو سہائے صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ ضلع ہردوئی سے حکم مچلکہ یعنے پانچ سو روپے کا بہ میعاد ایک سال محمد اجمل شوہر مدعیہ سے نافذ ہوا۔ اگر مابین سال کے محمد اجمل پھر اپنی زوجہ کو تکلیف دیں گے تو پانچ سو روپیہ تاوان کا ان کو دینا پڑے گا۔

رہس: ۲۴ر اپریل ۱۸۷۶ء۔ آج شب کو رہس جواہر طوائف کا چندہ سے ہوا۔ جس میں اشخاص ذیل شریک تھے اور یہ جلسہ تقی میاں صاحب کے مکان پر قرار پایا۔ چودھری اعظم علی، محمد تقی صاحب، سید فضل حسین، شیخ حامد حسن، سید ابوالقاسم، حافظ سراج الدین، منشی رضی الدین اسیونی، حسن علی خاں کاکوڑی۔

حاجی وارث علی: ۲۲ر ستمبر ۱۸۷۶ء۔ آج والدہ مصطفیٰ علی (اہل خانہ مولوی مظہر علی راقم روزنامچہ ہاشمی) نے بیعت حاجی وارث علی شاہ صاحب حاصل کی۔

ریل گاڑی لڑی: ۳۰ر ستمبر ۱۸۷۶ء۔ آج شب کو عجیب اتفاق ہوا کہ غفلت رام دین کلید بردار اسٹیشن سندیلہ سے سڑک آہنی قینچ مال گاڑی کی کھلی رہ گئی اور مسافر گاڑی بباعث کھلی ہونے قفل قینچ کے اسی سڑک آہنی پر جس پر مال گاڑی کھڑی تھی چلی آئی اور ایک ضرب شدید مال گاڑی کو دی کہ کل گاڑیاں اس کی اسٹیشن کے چبوترہ پر چڑھ آئیں اور چند گاڑیاں پٹری سڑک کے نیچے اتر گئیں۔ اس صدمہ سے اکثر مسافر مجروح ہوئے۔ کلید بردار مفرور ہو گیا صبح کو بہ مشکل تمام مسافر گاڑی لکھنؤ کی شاہ جہاں پور کو روانہ ہوئی۔ دیکھا چاہیے کہ اس جرم میں کتنے آدمی سزایاب ہوں۔

چیچک گھر میں: ۲۲ر فروری ۱۸۷۷ء۔ سندیلہ میں آج کل چیچک کی شدت ہے۔ اکثر لڑکے اس عارضہ میں فوت ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں۔

۲۸ر فروری۔ برخوردار معتدی علی (بیٹا) کے تین دن سے چیچک نکلی ہے۔ ہر وقت رویا کرتا ہے۔ حالت اچھی نہیں معلوم ہوتی ہے۔

۴ر مارچ۔ برخوردار معتدی علی کو چیچک سے از حد تکلیف ہے۔ شب و روز گریہ وزاری سے بسر کرتا ہے۔

۹ر مارچ۔ برخوردار معتدی علی کی طبیعت روز بروز مضمحل ہوتی جاتی ہے اور رونا کسی وقت بند نہیں ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دانے بیٹھ گئے۔

۱۳ر مارچ۔ برخوردار معتدی علی کا اطبائے یونانی و ڈاکٹر کا بہت علاج ہوا لیکن کوئی نفع نہیں ہوا۔ ام جولائی

۱۸۷۵ء یوم چہارشنبہ کو پیدا ہوا تھا اور آج دم صبح عارضہ چیچک میں ۱۷ دن کی علالت کے بعد فوت ہوا۔ چونکہ یہ لڑکا باوجود صغر سنی اپنے بھائیوں سے ذی ہوش معلوم ہوتا تھا اس وجہ سے اس کی مفارقت کا کمال صدمہ ہوا۔

۱۵ مارچ برخورداران ارتضیٰ علی و مرتضیٰ علی و اصغر علی کو ڈاکٹر سندیلہ سے ٹیکہ لگوا دیا۔

۱۷ مارچ برخوردار مقتدیٰ علی کی قبر پختہ بنوا دی۔ بیماری چیچک کی سندیلہ میں بہت شدت سے ہے اور صدہا اطفال اس عارضہ میں فوت ہوئے۔

۱۹ مارچ۔ برخوردار مرتضیٰ علی کے بھی چیچک برآمد ہوئی۔ چونکہ مقتدیٰ علی کا انتقال ہو گیا ہے اس وجہ مرتضیٰ علی کی علالت سے زیادہ تشویش ہے۔ اس محلہ میں چیچک کی شدت ہے کہ کوئی گھر اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

۵ اپریل عارضہ چیچک میں اب کمی ہو چلی ہے مگر اس مرتبہ صدہا لڑکے سندیلہ کے اس عارضہ میں ضائع ہوئے۔

<u>دو بیٹے</u>: ۲۴ اکتوبر ۱۸۷۷ء۔ برخوردار مصطفےٰ علی کو شوق تحصیل علم انگریزی زیادہ معلوم ہوتا ہے اور محنت بھی خوب کرتے ہیں غالباً اس علم میں لیاقت مناسب حاصل کریں۔ برخوردار مجتبیٰ علی اگرچہ ہنوز خورد سال ہیں لیکن مزاج میں صلاحیت معلوم ہوتی ہے۔ خود رائی بالکل نہیں ہے اور مزاج میں محبت لوگوں سے بدرجہ غایت ہے اور ہر ایک کی تعمیل حکم میں ان کو دریغ نہیں ہوتا اس وجہ سے ہر ایک کا میلان طبیعت براہ محبت ان کی جانب ہے

<u>امتحان وکالت</u>: ۱۳ نومبر ۱۸۷۷ء۔ جو درخواست میں نے شرکت امتحان وکالت کی عدالت ہائے کورٹ الہ آباد میں بھیجی تھی اسکینی صاحب رجسٹرار الہ آباد نے منظور کر کے مجھے مطلع کیا کہ شریک امتحان ہو۔

۱۶ جنوری ۱۸۷۸ء۔ پانچ بجے صبح کو میں بغرض دینے امتحان وکالت ریل سندیلہ پر سوار ہوا۔ لکھنؤ پہنچ کر تمام دن وہاں قیام کیا اور شام کی ریل میں الہ آباد روانہ ہوا۔ صبح کو الہ آباد پہنچ کر سرائے گڑھی میں قیام کیا۔ علی محمد خاں ضلع دار میرے ہمراہ تھے۔

۱۷ جنوری ۱۸۷۸ء۔ منشی حسن رضا منصرم محکمہ بندوبست نے براہ عنایت مولوی وہاج الدین صاحب کا ایک مکان خالی کرا دیا جس میں میں نے قیام اختیار کیا اور میرے ساتھ میر تفضل حسین فیض آبادی بھی مقیم ہوئے۔ مولوی وہاج الدین حیدر صاحب عزیزی قاضی ابوالحسن کے خسر ہیں اور محلہ شاہ گنج میں رہتے ہیں۔ مولوی وہاج الدین صاحب نے فرش مکان کے واسطے بھیج دیا۔ یہ مکان مختصر میری گزر کے موافق کافی ہے۔

۱۸ جنوری۔ آج چودھری محمد عظیم صاحب و چودھری نصرت علی صاحب و سید ابوالقاسم و شیخ نیاز علی و شیخ محفوظ علی و شیخ حافظ علی خلف مولوی باقر علی و میر محمود علی سوداگر ملکانہ بھی واسطے دینے امتحان کے

(سندیلہ سے) وارد الہ آباد ہوئے اور شاہ گنج کی ایک سرائے میں مقیم ہوئے۔

۲۶ر جنوری۔ اس پنج روزہ امتحان وکالت میں سوائے دو تین وقتوں کے اکثر اوقات میرے اور عبدالقادر صاحب کی یکجائی رہی اور مدد مناسب ملی مگر افسوس ہے کہ میر تفضل حسین فیض آبادی کا ساتھ میری معیت میں نہ ہو سکا کیونکہ اوّل روز جب امتحان دیوانی کا ہوتا تھا اسی روز ایک محافظ نے میرے پاس سے ان کو اٹھا دیا اور میں ضابطہ دیوانی میں ان کو مدد نہ دے سکا جس سے وہ ناراض ہو گئے۔ محمود علی سوداگر بڑے چالاک نکلے کہ اوّل روز جب کہ ضابطہ دیوانی میں امتحان ہوتا تھا میرے اکثر پرچہ سوالات کے اٹھا کر نقلیں کر لیں جس سے اس وقت نہایت خوف طاری تھا کہ مبادا کوئی نگراں یہ حالت دیکھ کر مجھے اور انھیں بد دنہ کر دے۔

۲۷ر جنوری۔ کل میں بارش کی وجہ سے نیز بخیال اس کے کہ میں قلعہ الہ آباد کی سیر کروں عازم وطن نہ ہوا۔ آج صبح کو الہ آباد سے روانہ ہو کر صبح ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچا اور قیصر باغ میں قیام کیا۔ لکھنؤ تک کا کرایہ ریل گاڑی فی کس دو روپے چھ آنہ ہے۔

<u>ایک سرود نواز</u>: ۸ر مارچ ۱۸۷۸ء۔ الہ آباد۔ میرا قصد آج واپسی وطن کا تھا لیکن غلام علی خاں سرودیا جو گوالیار میں بمشاہرہ تین سو روپے ماہوار نوکر ہیں اور میرے مکان کے قریب سرائے گڑھی میں اترے ہیں بوقت ملاقات مجھے سرود سنانے کا وعدہ کیا اور روکا اور شب کو سرود بجایا کہ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی اور ان کا بیٹا ننھے خاں کہ جس کی عمر ۱۲ سال ہے سرود نوازی میں اچھی مہارت رکھتا ہے۔

<u>نتیجہ امتحان وکالت</u>: ۲۳ر جولائی ۱۸۷۸ء۔ تحریر مولوی عبدالقادر صاحب سر رشتہ دار ہردوئی سے معلوم ہوا کہ گزٹ مطبوعہ ۲۰ر جولائی ۱۸۷۸ء میں درج ہے کہ اشخاص ذیل امتحان وکالت منصفی میں پاس ہوئے۔

"مظفر کریم سکنہ دریاباد، مولوی عبدالقادر سکنہ دریاباد، سید مظہر علی ساکن سندیلہ، شیخ نثار علی (سندیلہ) چودھری محمد عظیم (سندیلہ) منشی نظیر حسن ساکن کاکوری، چودھری نصرت علی مختاری میں پاس ہوئے اور مولوی عبدالقادر صاحب علاوہ امتحان وکالت درجہ دویم اسی میں بھی پاس ہوئے۔"

۲۴ر جولائی۔ بمعائنہ اودھ اخبار امروزہ تصدیق میری کامیابی امتحان وکالت کی ہوئی اور منجملہ ایک ہزار پانچ سو امیدواران امتحان کے حسب تعداد ذیل لوگ کامیاب ہوئے۔

عدالتی ججی ۔ ۵۴، منصفی ۔ ۱۰۲، مختاری ۔ ۴۹، ریونیو ایجنٹ ۔ ۵، جملہ ۲۰۹

مجھے اپنی کامیابی امتحان کے باعث نہایت درجہ خوشی حاصل ہوئی اور منشی فضل رسول صاحب نے خوش ہو کر

بہم اظہار اپنی خوشنودی کا کیا۔ سید ابوالقاسم کو امتحان میں کامیابی نہیں ہوئی۔

شکایت پسینہ: ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۸ء۔ بعد نماز صبح بالمرہ بطور تفریح اپنی پھلواڑی واقع بچکانی جاتا ہوں اور ۷ بجے واپس آکر بعد حصول ملازمت منشی فضل رسول صاحب اپنے مکان پر آتا ہوں لیکن چونکہ میرے اعضائے چپ میں پسینہ نکلنے کی شکایت زیادہ ہے اس وجہ سے نہایت درجہ مضمحل ہوتا جاتا ہوں اور جو شخص اس وقت میری صورت دیکھتا ہے مجھے چھ مہینے کا بیمار بتاتا ہے۔

مولوی ضامن علی: ۱۹ نومبر ۱۸۷۸ء۔ مولوی ضامن حسین صاحب کی مجسٹریٹ ریاست حیدرآباد وارد سندیلہ ہوئے۔ مولوی صاحب کی تنخواہ چار سو روپے ہے۔ چونکہ میرے استاد ہیں اور شرح جامی میں ان سے پڑھتا تھا ان کی ملاقات کو گیا۔ کمال عنایت سے پیش آئے۔

علی گڑھ سے واپسی: ۶ جولائی ۱۸۷۹ء۔ چونکہ امیر حسن کو منشی فضل رسول صاحب نے علی گڑھ جانے سے روکا ہے اور صرف تنہا برخوردار مصطفےٰ علی وہاں رہ نہیں سکتے اور نہ ان کی تنہائی طبیعت کو گوارا ہے لہٰذا ان کو لکھا گیا کہ اپنا نام مدرستہ العلوم سے خارج کرا کے سندیلہ چلے آؤ۔ چنانچہ برخوردار مسطور معہ قاضی صمصام علی علی گڑھ سے آج وارد سندیلہ ہوئے۔

وفات فضل رسول: ۱۴ جولائی ۱۸۷۹ء۔ آج شب کو بوقت ایک بجے جناب منشی سید فضل رسول صاحب نے عارضہ بخار و سرسام میں انتقال فرمایا جس سے نہایت درجہ ملال و رنج ہوا۔ ایسا شخص عالی مرتبہ مخدوم زادوں میں کوئی نہیں ہوا تھا۔ اپنی لیاقت ذاتی سے جناب مرحوم نے بہت کچھ پیدا کیا کہ تعلقدار ہو گئے اور بہت بڑا اعزاز گورنمنٹ انگریزی میں حاصل کیا۔ ان کے ہمسر خاندانی تعلقدار حسد کرتے تھے۔ جناب مرحوم نے جنگل 'جونسہ' کی آبادی سرانجام دیگر اہم امور میں ایسی ناموری حاصل کی کہ چند پشتوں تک ایسا شخص پیدا ہوتا نظر نہیں آتا۔ جناب مرحوم اعزہ واکابر سے بوقت ضرورت مسلوک ہوتے اور ان کی احتیاجوں کو پورا کرتے تھے اور اپنے اخلاق وسیع سے ہر ایک کو مطیع کر لیا تھا۔ اختیارات فوجداری درجہ دویم و اختیارات دیوانی وہاں قصبہ سندیلہ اور اپنے علاقہ کے ان کو حاصل تھے اور امورات پولٹیکل میں اچھی لیاقت رکھتے تھے اور جس امر کو کرنا چاہتے تھے اس کو پیشتر سے غور کر لیتے تھے۔ علوم فارسی، عربی، نجوم و حکمت میں بہت اچھی لیاقت حاصل تھی۔ فن شاعری میں صاحب دیوان تھے اور منشی مظفر علی اسیر لکھنوی کے شاگرد رشید تھے۔ انکی تعریف خارج از امکان ہے اور اس کے واسطے ایک کتاب مطول چاہیے۔ عمر شریف ۶۷ سال دو ماہ پانچ دن کی ہوئی۔

۱۹ر جمادی اوّل ۱۲۲۸ھ روز جمعہ پیدا ہوئے تھے اور آج ۲۳ر رجب ۱۲۹۶ھ میں انتقال کیا۔ خدا غریق رحمت کرے۔

۱۷ر جولائی ۱۸۷۹ء۔ شام کو قبر منشی فضل رسول پر گانا ہوا۔ قوالوں نے مرحوم کی غزلیں گائیں جس سے ہر ایک کو کمال رقت ہوئی۔ منشی مظفر علی صاحب اسیر لکھنوی استاد مرحوم بھی شریک جلسہ تھے۔ بعد گانے کے شیرینی تقسیم ہوئی۔

ایک نصیحت: ۱۴ر ستمبر ۱۸۷۹ء آج یہ نصیحت "سوچ سمجھ کر بات کرو کہ پشیماں نہ ہو" مصطفیٰ حسین سے لکھا کر شیشہ کے چوکھٹے میں رکھ کر اپنے کمرہ نشست گاہ میں آویزاں کی تاکہ ہر وقت کے دیکھنے سے مجھے اور دوسروں کو نصیحت نیک حاصل ہو۔

تعین تاریخ شادی: ۱۲ر جنوری ۱۸۸۰ء۔ عزیزی سید اظہر علی و قاضی صمصام علی کو خدمت میں منشی فہیم الزماں واسطے تعین تاریخ عقد نور چشم سید مصطفیٰ علی کے بھیجا۔ بعد معائنہ جنتری کے منشی صاحب نے تاریخ شادی ۲۵ر ربیع الاول ۱۲۹۷ھ ہجری مطابق ۸ر مارچ ۱۸۸۰ء روز دوشنبہ قرار دی ہے (بعد کو یہ تاریخ بڑھا کر ۱۷ر مارچ کر دی گئی تھی۔ ہاشمی)

شادی پسر: ۱۷ر مارچ ۱۸۸۰ء روبرو حافظ کرم احمد صاحب و مولوی عبدالقادری صاحب اور دیگر ارباب برادری پارچہ شادی اور اپنے نوکروں و چوکیداران و سرداران دیہات کو بہ تعداد ۳۵ جوڑے کی تقسیم کی اور ۴۰ جوڑے گھر میں مستورات کو جملہ ۷۵ جوڑے شادی میں صرف ہوئے۔ تیسرے پہر کو دو ہزار آدمی تقریباً مانجھہ میں اہل برادری وغیرہ سے شریک تھے۔ تقسیم بتاشوں کی خوب اچھی ہوئی۔ کوئی متنفس باقی نہیں رہا۔ جس سے عوام میں بہت تعریف ہوئی۔ مسماۃ بوٹا و منا جان طوائف 'چونسہ' و حسین باندی طوائف سندیلہ کا رقص ہوا۔ انگریزی باجہ بھی لکھنؤ سے منگوایا تھا۔ برات کے جانے کے وقت تک بہت بڑا مجمع رہا اور کل ارباب برادری اعلیٰ و ادنیٰ شریک ہوئے۔ تین بجے بہ جمعیت کثیر بارات در دروازہ منشی فہیم الزماں صاحب کے گئی۔ برخوردار مصطفیٰ علی تامجان پر سوار تھے۔ گھوڑے کی شوخی سے اس پر سوار نہ ہو سکے۔ چھ بجے صبح کو بہ مہر ۸۵ ہزار کے قاضی عابد علی صاحب نے نکاح برخوردار موصوف کا مسماۃ نسیما دختر منشی فہیم الزماں صاحب کے پڑھا۔ مولوی عبدالقادر صاحب و دیگر ارباب سندیلہ نے میرے انتظام و وسعت ہمت کی تعریف کی۔ بہ تقریب سلامی ایک سو اکیس روپیہ حاصل ہوا۔

تقرری منیجری: ۱۲ر اپریل ۱۸۸۰ء۔ آج پھر برادرم سید فضل حسین نے مجھے بلایا اور باصرار اسی گفتگو کا اعادہ کیا جو انھوں نے کل کی تھی۔ جواب میں میں نے کہا کہ آپ کو مدد دینے میں مجھے کوئی محل عذر کا نہیں ہے لیکن باعث توقف کا یہ ہے کہ میری خیرخواہانہ کارروائی سے عموماً لوگ ناراض ہوں گے اور آپ سے وقتاً فوقتاً شکایت کریں گے جس سے میرے اور آپ کے درمیان میں ناحق سبب ملال و رنجش کا ہوگا۔ چنانچہ انکے جواب میں کہا کہ میں کل تعلقہ کا انتظام تمہارے تفویض کرتا ہوں اور جو تم نیک و بد کروگے اس میں کبھی کسی کی شکایت نہ سنوں گا اور

اس قول کی تائید میں اقرار نامہ تحریری اسٹام پر لکھے دیتا ہوں کہ کسی حالت میں اس سے منحرف نہ ہوں گا۔ چنانچہ اسی وقت کاغذ اسٹام قیمتی پانچ روپے کا منگا کر کل اختیارات مثل ذات خاص خود اس پر تحریر کر دیے اور ایک روبکار کل اپنے کارندگان و ضلع داران و مختاران اضلاع ہردوئی و لکھنؤ و اناؤ و لکھیم پور و سیتا پور کے نام جاری کیا کہ میں نے اپنا نائب سید مظہر علی کو مقرر کیا ہے۔ کل تحریرات ان کے نام بھیجی جائیں اور جو وہ جواب لکھیں اس کی تعمیل پوری پوری کی جائے۔ اگرچہ اس کام کو میں نے اپنے ذمہ لیا ہے لیکن مجھ کو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے کہ کیونکر میں اس کو انجام دے سکوں گا۔ خدا سے دعا ہے کہ جب تک اس تعلقہ میں رہوں نیک نامی اور سرخ روئی حاصل ہو۔

<u>برکھ پھل</u>: ۱۰ ستمبر ۱۸۸۰ء۔ آج برکھ سن ۱۲۸۷ فصلی ختم ہوا۔ کیفیت مختصر اس کی درج کی جاتی ہے:

اول جو فرزند گھر میں پیدا ہوا تھا وہ ایک ہفتہ کے اندر فوت ہوا۔ مقدمہ (جامو (ایک گاؤں کا نام ہے) ہاشمی) میں کامیابی حاصل ہوئی۔ کل زر رہن وصول ہو گیا۔ اکثر مقدمات میں کامیابی حاصل ہوئی جس سے قصبہ ہذا میں میری شہرت ہوئی۔ برخوردار مصطفےٰ علی کی شادی خوشی سے کی جس سے ناموری ہوئی۔ یکم اپریل سے تعلقہ جلال پور میں نوکر ہوا۔ اکثر بڑے بڑے لوگ میری ملاقات کے واسطے مکان پر آئے اور میرے ہاتھ سے ان کی بہبودی ہوئی۔ تعلقہ جلال پور میں اکثر مقدمات پیچیدہ بہ آسانی طے ہوئے۔ اب دیکھیے برکھ پھل ۱۲۸۹ فصلی کا کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے جو آج سے شروع ہوا۔

<u>بیٹی کی شادی</u>: ۱۶ ستمبر ۱۸۸۱ء۔ بارات برخوردار سعید الدین خلف حافظ نذیر الدین ایک بجے رات کو میرے دروازے آئی۔ آتش بازی و آرائش اچھی تھی۔ ۳ بجے رات کو عقد سعید الدین مسماۃ افضلاً میری لڑکی کلاں سے بعوض ۵۸ ہزار مہر کے ہوا۔ منشی فہیم الزماں صاحب مولوی عبد القادر صاحب تحصیلدار تمام رات میرے مکان پر رہے اور ہر ایک امر میں مجھے صلاح مناسب دیتے رہے۔ کھلونا و فضل کشمیریوں کا ناچ ہوتا تھا۔ حافظ نذیر الدین صاحب کشمیریوں کو ہر ایک ان کی نقل اور گانے پر دو دو روپیہ انعام دیتے رہے۔ میرے خیال میں ساٹھ روپیہ سے زائد میرے مکان پر انعام دیا گیا۔ اس وجہ سے کشمیری لوگ نقل بہت اچھی کر گئے تھے اور خوب جی توڑ کر گاتا گاتے تھے جس سے اہل جلسہ بہت محظوظ و خوش تھے۔

۱۷ ستمبر ۱۸۸۱ء گیارہ بجے صبح کے بارات سعید الدین کی رخصت ہوئی۔ میں نے حسب ذیل جہیز دیا:

زیور طلائی مرصع کار۔ ۳۳ عدد، زیور نقرئی۔ ۳۸ عدد، پارچہ جوڑہ۔ ۴۱ عدد، ظروف مسی و آہنی۔ ۴۵ عدد، جنس و صنادیق رنگین وغیرہ۔ ۵ عدد، جملہ۔ ۱۵۸ تفصیل زر نقد یہ ہے:

منگنی۔ ۲۰۰ روپے سلامی۔ ۵۱ روپے چوتھی۔ ۲۵ روپے، رونمائی۔ ۱۵ روپے

۲۸ دسمبر ۱۸۸۱ء۔ شادی نور چشمی افضل اگیں مبلغ دو ہزار سرسٹھ روپے ایک آنہ نو پائی صرف ہوا اور جن جن لوگوں کا یافتنی تھا دے دیا گیا۔ اب کسی کا مجھ سے یافتنی نہیں ہے۔

ماء الجبن: یکم نومبر ۱۸۸۱ء۔ استعمال ماء الجبن سے اگرچہ عارضہ پسینہ (جسم کے بائیں جانب پسینہ کثیر نکلنے کی شکایت ہو گئی تھی۔ ہاشمی) میں ابھی فائدہ نہیں ہے لیکن قوت جسمانی بڑھتی جاتی ہے اور طبیعت کو اضمحلال کم ہے اور طبیعت بہت خوش رہتی ہے۔ اس لیے یقین ہے کہ چند روز میں اصل عارضہ کو بھی فائدہ ہوگا۔

۲ نومبر۔ ماء الجبن کے استعمال سے ایک یہ فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ صاف ہوتا جاتا ہے۔ جو شخص آج کل مجھے دیکھتا ہے وہ بلا تکلف کہہ اٹھتا ہے کہ تمہارے چہرے کی پژمردگی بالکل جاتی رہی اور ایک نوع کی رونق آتی جاتی ہے۔

ملازمت تعلقہ جلال پور: ۸ مارچ ۱۸۸۲ء۔ چونکہ میں تعلقہ جلال پور سے سوائے تنخواہ کے نذر تک نہیں لیتا ہوں اور کوئی چیز فصلی باغات و دیہات کی اپنے مکان پر آنے نہیں دیتا ہوں اس وجہ سے میری طبیعت کو کسی وقت کسی قسم کی پژمردگی و تردد لاحق نہیں رہتا اور نہایت بے خوفی اور مستقل مزاجی سے کام تعلقہ جلال پور انجام دیتا ہوں۔

مجسٹریٹی: ۱۱ جولائی ۱۸۸۲ء۔ بموجب ڈاکٹ نمبری ۱۷۱۱ مورخہ ۳ جولائی ۱۸۸۲ء مرسلہ صاحب لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و اودھ مجھے اختیارات مجسٹریٹی درجہ سوئم اندر حدود میونسپل قصبہ سندیلہ حاصل ہوئے اور میرے ساتھ میں کنور وزیر حسین صاحب و کنور درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سرائی بڑا گاؤں کو بھی اختیارات مثل میرے گورنمنٹ سے حاصل ہوئے ہیں بلکہ ایک ہی ڈاکٹ میں ہم تینوں آدمیوں کے نام درج ہیں بالفعل لائل صاحب لفٹیننٹ گورنر ہیں۔

نظام اوقات خود: ۷ فروری ۱۸۸۴ء۔ میری کارروائی روزمرہ حسب ذیل ہے:

علی الصباح بیدار ہو کر نماز صبح و انفراغ حوائج ضروری ماء الجبن استعمال کرتا ہوں اور پندرہ سو قدم چہل قدمی کے بعد خدمت جناب خالہ صاحبہ (والدۂ فضل حسین) بوقت ۷½ بجے حاضر ہو کر تسلیم بجا لاتا ہوں اور پھر منشی فضل حسین صاحب کے پاس جا کر ایک گھنٹہ تک امور ضروریہ متعلق علاقہ جلال پور کے تذکرہ و استفسار کرتا ہوں اور پھر وہاں سے قریب ۸½ بجے بنچ میں جا کر مقدمات فوجداری دس بجے تک فیصل کرتا ہوں اور پھر مکان پر آ کر بعد تناول طعام کچہری علاقہ جلال پور میں جا کر کار متعلقہ اپنا پانچ بجے تک انجام دیتا ہوں۔ بعدہٗ مکان پر آ کر اکثر احباب وغیرہ سے ملاقات رہتی ہے اور بعد نماز مغرب محل سرا میں جا کر کھانا کھاتا ہوں

اور بعد پینے و کھانے حقہ پانی کے نماز عشا کی پڑھ کے جاڑوں میں ۹ ½ بجے اور گرمیوں میں ۱۰ بجے سو رہتا ہوں اور اگر احیاناً کسی روز کوئی اہم مقدمہ تعلقہ کا پیش ہو گیا تو گیارہ دبارہ بجے تک اس کے سوچنے اور غور کرنے میں نیند نہیں آتی ہے اور اس وقت تک طبیعت کو بے چینی رہتی ہے جب تک کوئی رائے مناسب نسبت مقدمہ پیش پا کی تجویز نہیں کر لیتا ہوں۔

منشی فضل حسین: ۲۹ مارچ ۱۸۸۴ء منشی فضل حسین کی نافہمی سے ہر وقت طبیعت کو ملال رہتا ہے کام کرنے کو جی نہیں چاہتا اور دل بھی کام میں کم لگتا ہے کیونکہ صحبت ان کی روز بہ روز ناقص ہوتی جاتی ہے اور مزاج میں ایسی ضد آچلی ہے کہ جو بات خیال میں آئے چاہے اس کا انجام بد ہو لیکن اس کے کرنے سے باز نہیں رہتے اور کوئی فہمائش کارگر نہیں ہوتی۔ پس میرا خیال اور ارادہ ہے کہ اس تعلقہ سے علیحدگی اختیار کروں کیونکہ ایک روز نتیجہ اس کا بدنامی ہوگا۔

رقص: ۲۵ اپریل ۱۸۸۴ء۔ شب کو جلسہ فضل حسین کشمیری (لکھنؤ) کا منشی فضل حسین کے مکان پر ہوا یہ اچھا ناچتا ہے۔ میں بھی ۱۲ بجے تک شریک جلسہ رہا۔

راجہ درگا پرشاد: ۱۸ نومبر ۱۸۸۴ء۔ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سروان بڑا گاؤں میرے مکان پر آج پہلی مرتبہ تشریف لائے اور ان کی مدارات ضروری کی گئی۔

متفرق ذمہ داریاں: ۲۳ اپریل ۱۸۸۵ء۔ آج کل تین قسم کے کام میں انجام دیتا ہوں۔ کار مجسٹریٹی متعلقہ سندیلہ، خاص انتظام تعلقداری جلال پور کا، کارروائی میونسپل سندیلہ۔ اس وجہ سے مجھے بہت کم فرصت رہتی ہے تاہم کام سے میں گھبراتا نہیں ہوں اور کمال مستقل مزاجی سے ان کو انجام دیتا ہوں۔

فوٹو: ۱۵ اگست ۱۸۸۵ء۔ آج راجہ وزیر چند کے مکان پر امیر علی فوٹو گرافر لکھنؤ سے تصویر کھنچائی۔ میں اور راجہ وزیر چند صاحب اور راجہ گنگا پرشاد صاحب اور میر عاشق حسین محرر پنچ و لالہ امبکا پرشاد محرر میونسپل و میر دچپراسی اور ایک ایک خدمت گار ہم لوگوں کا اس مجمع میں شریک تھا۔ تصویریں بہت عمدہ منعکس ہوئی ہیں۔

خواب خوش: ۵ اکتوبر ۱۸۸۵ء۔ آج کل خواب خوش میرے معائنہ میں آتے ہیں۔ خدا ظہور نیک فرمائے کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ جب میں اچھے خواب دیکھتا ہوں تو اس کا ظہور اچھا ہوتا ہے اور جب برے دیکھتا ہوں تو برا۔

ممبری ڈسٹرکٹ بورڈ: ۲۷ جنوری ۱۸۸۶ء۔ ڈپٹی عنایت اللہ خاں صاحب واسطے انتخاب ممبران ڈسٹرکٹ بورڈ ہردوئی سندیلہ تشریف اور کثرت رائے سے میرا اور منشی فضل حسین کا انتخاب ہوا۔ اکیس رائے

میری جانب چھتیس اور دس بجانب منشی فضل حسین اور باقی لوگوں کی نسبت اس سے کم چھتیس بیس لے منشی فضل حسین کے انتخاب کی نسبت بڑی کوشش کی ورنہ کسی رائے دہندہ کو ان کی نسبت منظور نہ تھا کہ منتخب ہوں۔

زمانہ تعمیرات: ۱۴ مئی ۱۸۸۶ء۔ مجھے اس بات کا تجربہ حاصل ہوگیا ہے کہ فصل ربیع میں کوئی تعمیر شروع نہ کراوے۔ اوّل تو زمانہ بارش قریب ہوتا ہے دوسرے کاریگر وغیرہ کم دستیاب ہوتے ہیں کیونکہ اس فصل میں بباعث تیار ہونے فصل ربیع و قریب بارش کے ہر متنفس کو ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اوّل تو کاریگر و مزدور بمشکل ملتے ہیں دوسرے مزدوری زیادہ دینا ہوتی ہے۔ ہر صاحب عمارت کو چاہیے کہ بعد ختم بارش مہینہ کنوار میں کام تعمیر کا شروع کراوے۔

اپنی کوٹھی: ۱۴ مارچ ۱۸۸۷ء۔ جب سے میری کوٹھی تیار ہوئی ہے جو شخص اجنبی ادھر سے گزرتا ہے تو اسکے ارتفاع اور نمائش ظاہر کو کہ بنظر تحیر دیکھتا ہے اور بعد دریافت نام مالک کے آگے بڑھتا ہے۔ واقعی حز تعمیر اسکی اسی قابل ہے۔

منشی فضل حسین اور ان کی ملازمت: ۲۵ مئی ۱۸۸۷ء۔ بمعائنہ روبکار مسٹر مارس فورڈ صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی محررہ ۱۹ مئی ۱۸۸۷ء سے واضح ہوا کہ صاحب ضلع نے تھانہ سندیلہ، بگھولی، میں حکم بھیج دیا ہے کہ کسی مقدمہ کا چالان منشی فضل حسین کے اجلاس میں ہرگز نہ بھیجا جائے۔ کل چالان ہردوئی جاویں وہاں سے صاحب ممدوح جیسا مناسب سمجھیں گے وہ منشی فضل حسین کے اجلاس میں بھیج دیں گے۔ اس حال کے دریافت کرنے سے تردد ہوا کہ یہ امر باعث توہین کا ہم چشموں میں متصور ہے جس کی منسوخی کے واسطے شاید بہت کوشش کرنا پڑے۔

۲۷ مئی ۱۸۸۷ء۔ آج صبح کو مارٹن فورڈ صاحب ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کی اور منشی فضل حسین کی نسبت استصواب دریافت کیا۔ صاحب نے فرمایا کہ سررشتہ دار فضل حسین کا رشوت لیتا ہے اور فضل حسین بباعث اپنی کم فہمی کے اس کا تدارک نہیں کرتا ہے اور جو کچھ وہ لکھ دیتا ہے اس پر فضل حسین دستخط کر دیتا ہے۔ اس سے انصاف میں بڑا خلل آتا ہے اور فضل حسین نے ہم کو لکھا کہ انور خاں اور حسین خاں ہمارا نوکر نہیں ہے۔ یہ اس کی غلط بیانی ہے۔ ہر دو وہ لوگ اس کے نوکر ہیں۔ ہم اس کے اس جھوٹ بولنے پر نہایت ناخوش ہیں۔

۳ جون ۱۸۸۷ء۔ آج کل حسین خاں و انور خاں اور ملک مصطفےٰ حسین کی مصاحبت منشی فضل حسین میں گرم بازاری ہے۔ حضور حضور کر کے جو بات یہ لوگ کہتے ہیں وہ پذیرا ہوتی ہے۔ اس وجہ سے میں بحالت سکوت ہوں اور کوئی امر مفید یا مضر کسی کی نسبت نہیں کہتا ہوں۔ بظاہر حالات خوش معلوم نہیں ہوتے ہیں۔

۲۷ جون ۱۸۸۷ء۔ آج استعفا لکھ کر بوقت صبح میں منشی فضل حسین کے پاس گیا لیکن وہ پاخانہ جانے

کے حیلے سے اٹھ کر والدۂ الطاف رسول کے پاس دوسرے کمرے میں چلے گئے اور میں دیر تک بیٹھا رہا لیکن نہ آئے۔ تب مجبور ہو کر اپنے مکان پر آ گیا اور بعد تناول طعام وقت معمول پر کچہری جلال پور میں گیا اور دن بھر کام متعلقہ انجام دیا لیکن نہایت ملال و تکدر کے ساتھ کہ جس کا تحریر کرنا اس موقع پر ممکن نہیں اور جب شام کو بعد فراغت کار میں مکان پر آیا تو اس وقت ملک مصطفےٰ حسین کے مسودے کے مطابق منشی فضل حسین نے یادداشت میری موقوفی کی صاف کی جو میرے پاس ۵ بجے آئی جس کا مفہوم یہ تھا کہ تعلقہ جلال پور کی آمدنی قلیل اور مصارف کثیر ہیں اور وہ ہرگز متحمل سو روپیہ ماہواری نائب کی تنخواہ کا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا عہدۂ نائب تخفیف کیا جاتا ہے اور میں اپنی ذات خاص سے کام تعلقہ کا انجام دوں گا جس وقت یہ یادداشت میرے پاس آئی تو میں نہایت خوش ہوا اور بالکل مجھ کو ملال نہیں ہوا اور تین مہینہ کی پریشانی و کشاکش سے نجات ہوئی کہ شخص ناقدرداں کی صحبت سے ہر آئینہ علاحدگی اولیٰ ہے کیوں کہ دوست ناداں سے ہمیشہ احتمالات ضرر متصور ہیں۔

۲۸ جون ۱۸۸۷ء۔ سات برس دو مہینے ۲۷ یوم میں نے کام تعلقہ جلال پور کا کمال عزت و حرمت کے ساتھ انجام دیا اور جملہ ملازمین تعلقہ کو اپنی حکمت عملی سے راضی و خوش رکھا اور اپنی مستعدی و خیر خواہی سے بہت جلد یہ علاقہ پیدا کر دیا کیوں کہ جب میں نے اپریل ۱۸۸۰ء میں تعلقہ جلال پور کا انتظام شروع کیا تھا تو اس کی سال کی نکاسی خام اڑتالیس ہزار کی تھی اور بابت ۱۲۹۴ فصلی (۱۸۸۷ء) اس کی نکاسی اٹھتر ہزار کی ہے تو اپنی سات برس کی کارکردگی سے تیس ہزار سالانہ کا منافع بڑھا۔ (اس کے بعد تفصیل کارکردگی دی گئی ہے جو یہاں حذف کی گئی۔ ہاشمی)

آج صبح میں منشی فضل حسین کے پاس بموجودگی منشی ظہور الحسن وغیرہ کے گیا۔ مجھے دیکھ کر متعجب ہوئے۔ میں نے کہا کہ کوئی محل استعجاب نہیں ہے۔ میں صرف اس غرض سے آیا ہوں کہ چند باتیں مصلحت وقت کہوں۔ اول میں اپنی برخاستگی سے ناراض نہیں ہوں بلکہ شکر گزار ہوں کہ آپ نے عہد ملازمت میں دیسا میرا اعزاز اور وقار قائم رکھا جس کا حق مجھ کو آپ سے حاصل تھا۔ دوسرے میری علیحدگی کے بعد اکثر آپ کے ملازم میرے اور آپ کے درمیان میں پیچیدگیاں پیدا کریں گے تو اس سے ناحق موجب ملال کا پیدا ہوگا۔ اس وجہ سے میرے نزدیک یہ مناسب ہے کہ جب کوئی نئی بات آپ میری جانب سے سنیں تو اولاً آپ مجھے بلا کر اس کی کیفیت دریافت کر لیں اور اگر جواب شافی دیا جائے تو اس پر اطمینان حاصل کیا جائے ورنہ جو تدارک مناسب وقت ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ تیسرے اگر کوئی مقدمہ نازک تعلقہ میں پیش ہو اور اس کی صلاح و مشورت کی بابت کوئی ضرورت داعی ہو اور میرے امکان میں اس کا سلجھانا ممکن ہو تو مجھے آپ فوراً طلب کر کے کیفیت واقعی

بیان کریں تو میں حتی الامکان اس پیچیدگی کو سلجھانے میں اسی طور سے کوشش کروں گا جیسا کہ بحالت ملازمت کرتا تھا۔ بہرحال مجھ کو اپنا خیر طلب مثل سابق کے تصور کرنا چاہیے۔ میں کوئی دقیقہ آپ کی بہبودی کا حتی الامکان کسی حالت میں فروگذاشت نہ کروں گا۔

اہل خانہ منشی فضل حسین: ۹ر اگست ۱۸۸۷ء۔ والدۂ الطاف رسول (اہل خانہ منشی فضل حسین) کو بباعث ضعف و افراط اٹھنا بیٹھنا محال ہے اور بدون امداد دوسرے کے چوکی پر بھی نہیں بیٹھ سکتی ہیں۔ شاید زمانہ ان کی مفارقت دائمی کا قریب ہے۔ مجھے کمال افسوس ہے ..... مریضہ نے جب میری علاحدگی کا حال کئی دن کے بعد سنا تو افسوس کے بعد کہا کہ جہاں اور کچھ برائی کے پیدا ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور اگر احیاناً میں کوئی دن واسطے عیادت کے نہیں جاتا ہوں تو بطور شکایت معمول کے یہ کہتی ہیں کہ تم کو میں اپنے بھائی حقیقی سے کم نہیں جانتی ہوں اور جب تک تم نہیں آتے ہو تو میں منتظر رہتی ہوں اور جس وقت جاتا ہوں تو کل سرگزشت اپنی شب و روز کی مجھ سے بیان کر دیتی ہیں اور کسی تیماردار سے بات بھی نہیں کرتیں۔

۲۰ر اگست ۱۸۸۷ء۔ آج ایک بجے دن کو مساۃ بجھیا اہل خانہ منشی فضل حسین نے عارضہ دق میں بعمر ۵۴ سال انتقال کیا۔ بوقت انتقال شدت سے بارش ہوئی تھی اور بمشکل لاش مکان بیرونی سے گھر میں آئی بشام کو تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی۔ مرحومہ نے تین لڑکے یادگار چھوڑے۔ ان میں سے الطاف رسول کی شادی ہو گئی ہے۔ میں نے طعام تقریب بھیجنا چاہا۔ ملک مصطفےٰ حسن ہارج ہوئے۔ لیکن منشی فضل حسین و منشی شمس الدین صاحب نے منظور کیا۔ رات کو بھی کھیچی جس میں پندرہ روپے صرف ہوئے۔ مرحومہ کے مزاج میں متانت زیادہ تھی اور اپنے شوہر کی متحمل مزاج تھیں۔

۲۱ر اگست ۱۸۸۷ء۔ اس وجہ سے اہل قصبہ ہذا کو از حد شکایت ہے کہ جب اہل خانہ منشی فضل حسین کی لاش واسطے دفن قبرستان عمرہ کو جاتی تھی سب لوگ تو پیادہ پا گئے لیکن منشی صاحب بگھی پر سوار ہو کر واسطے دفن کے تشریف لے گئے جس سے سب لوگ خندہ زنی کرتے تھے۔ دوسرے آج جب لوگ بہ تقریب سیوم مرحومہ کے آئے تو حضرت شریک سیوم نہ تھے۔ دوسرے کمرہ میں حلقہ طوائفان میں بیٹھے تھے۔ جو اشخاص معزز واسطے ادائے تعزیت اعلیٰ حضرت کے پاس گئے تو ایسے جلسہ کی شرکت سے ان کو کمال ندامت و تاسف ہوا۔

والدۂ فضل حسین: ۱۸ر ستمبر ۱۸۸۷ء۔ جس تاریخ سے اہل خانہ منشی فضل حسین نے انتقال کیا میں جناب خالہ صاحبہ (والدۂ فضل حسین) کے پاس واسطے سلام کے نہیں گیا۔ آج ایک مہینہ کے بعد باصرار انھوں نے طلب فرمایا اور بکمال لطف سے پیش آئیں۔ وہ مثل اپنے فرزند کے مجھ سے محبت رکھتی ہیں۔ جس وقت میں گیا۔

بہت رو ئیں اور فرمایا کہ میری حیات میں اپنی آمد و شد ترک نہ کرو جس کو بخوشی میں نے منظور کیا۔

ایک افیونی: ۱۸ر دسمبر ۱۸۸۷ء۔ محمد حسین عرف چھوٹن ساکن درگاہ بعمر ۷۰ سال فوت ہوئے اور کل جائداد منقولہ و غیر منقولہ اپنی معہ خانہ سکونت بیچ کھائی۔ افیون کا استعمال زیادہ تھا۔ ایک مرتبہ عطاری کی کُل کی تھی اور کل اشیائے تیرہ بجائے بیچنے کے خود ہی چکھ گئے تھے۔

کچھ اپنا حال: ۳۱ر دسمبر ۱۸۸۷ء۔ ابتداءً میری جائداد آبائی و موروثی کچھ نہ تھی حتیٰ کہ مکان سکونت بھی مشترک تھا جس میں چند اعزا کے گھروں سے کھڑکیاں تھیں۔ اس سے مکان غیر محفوظ اور موجب تکلیف کا متصور تھا۔ ابتداءً میری ملازمت مدرسہ سندیلہ میں ہوئی اور اسی وقت سے مجھے شوق حصول ریاست کا پیدا ہوا اور میں نے معاملات رہن و بیع کرنا شروع کیے۔ اولاً ۱۲ر مارچ ۱۸۶۷ء کو ایک قطعہ اراضی زرعی موسومہ بکسہا تعدادی ۵ بیگھہ واقع موضع مخدوم پورہ مملوکہ میر احمد بخش صاحب مرحوم مخدوم زادہ درگاہ مبلغ ۵۰ روپے پر رہن رکھا جس کا حاصلات مبلغ چار روپیہ سالانہ تھا۔ اس کے بعد جوں جوں میری تنخواہ میں ترقی ہوتی گئی میں ریاست پیدا کرتا گیا اور اس کے حصول میں بباعث کمی زر کے اپنے اوپر بہت تکلیف گوارا کی لیکن شوق کو کسی نہج سے کم نہیں کیا اور اس بات کا ہمیشہ خیال ملحوظ خاطر رکھا کہ اس قدر جائداد غیر منقولہ پیدا کر لینا چاہیے کہ بوقت بیکاری میں اپنے مصارف روزینہ کی ہو سکے اور قیام سندیلہ بحالت بیکاری مجبوراً ترک نہ کرنا پڑے۔ ہزار ہزار شکر پروردگار عالم کا کہ اس نے اپنے فضل سے میرے ان خیالات کو پورا کیا اور بقدر میرے صرف کے جائداد غیر منقولہ مجھے حاصل ہوئی جس سے ایام بیکاری بہ آسانی بسر ہو رہے ہیں۔ میں نہایت مناسب تصور کرتا ہوں کہ جس قدر جائداد غیر منقولہ علاوہ زر نقد اور زیور جو اس وقت میرے قبضہ میں ہے حوالہ رقم کروں اور جس قدر تمتع منافع زر تمسکی سے حاصل ہوتا ہے اس کو بھی لکھوں تاکہ میرے جانشینان کو معلوم ہو کہ ہمارے مورث نے اکیس سال کی مدت میں کس قدر ترقی کی جس سے اکثر رؤسائے قصبہ ہذا و غیرہ خوش روزگار کو باعث حسد متصور ہے۔ دس پندرہ برس قبل جائداد غیر منقولہ کی اتنی قدر نہ تھی جیسی کہ اس وقت ہے اسی وجہ سے اُس زمانہ میں بہت کم قیمت پر حاصل ہوئی۔ اگر وہ زمانہ حال بہ نرخ بازار فروخت کی جائے تو محل شک کا نہیں ہو سکتا کہ دو چند قیمت اس کی ملے۔ میزان جملہ جائداد منقولہ و غیر منقولہ۔ چوالیس ہزار پانچ سو ستر سٹھ روپے سات آنہ چار پائی۔ (اس کے بعد اس آمدنی کی تشریح دو صفحوں میں لکھی ہے۔ ہاشمی)

نولکشور کو خط: ۲۵ر جنوری ۱۸۸۸ء۔ میں نے جو خط مبارک باد حصول خطاب منشی نولکشور مالک مطبع

اودھ اخبار محررہ ۱۳ر جنوری ۱۸۸۸ء کو بھیجا تھا وہ اودھ اخبار ۲۴ر جنوری ۱۸۸۸ء نمبر ۱۳۹ میں طبع ہوا ہے۔

متعلق چاہات و باغ: ۲ر فروری ۱۸۸۸ء۔ کو کل یکم فروری کے اودھ اخبار میں بعنوان 'ہمدردی' میرے کنویں بنانے اور باغ لگانے موضع 'پرکاپور' کا نہایت عمدہ مضمون جو مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب مدرس سندیلہ نے شائع کرایا ہے وہ قابل تعریف ہے۔

۱۲ر فروری ۱۸۸۸ء۔ اخبار خیر خواہ عالم دہلی محررہ ۸ر فروری ۱۸۸۸ء اور اخبار دبدبہ سکندری، رام پور محررہ ۶ر فروری ۱۸۸۸ء میں میرے باغ و کنواں واقع موضع پرکاپور کی بہت تعریف لکھی ہے میں نے یہ دونوں چیزیں محض واسطے رفاہ عام کے بنوائی ہیں۔

فال: ۱۷ر فروری ۱۸۸۸ء۔ آج میں نے فال اپنی بیہودی کی کتاب سکندر نامہ میں دیکھی جس کا جواب نکلا۔ شعر مبارک بود فال بر رخ زدن نہ بر رخ زدن بلکہ شہ رخ زدن

خواب خوش: ۱۵ر مارچ ۱۸۸۸ء۔ صبح کے وقت خواب دیکھا کہ نازنین اہل فرنگ نازک اندام کرہ نفیس میں بہ التفات مجھ سے پیش آئیں اور اپنے دونوں رخساروں پر بجوشی بوسے دیے۔ یہ خواب ایسا ہے کہ کبھی مجھے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن حصول کامرانی اور دولت اس کی تعبیر ہے۔

شبرات کی آتش بازی: ۲۷ر اپریل ۱۸۸۸ء۔ چونکہ برخورداران ارتضیٰ علی و مرتضیٰ علی اس مرتبہ ہردوئی سے نہیں آئے (جہاں وہ زیر تعلیم تھے۔ ہاشمی) لہٰذا میرے یہاں تقریب شبرات میں سناٹا رہا۔ تھوڑی آتش بازی میں نے نور دیدہ منتظم حسین (پوتا) کو منگا دی تھی جو محل سرا میں چھوڑی گئی ورنہ چند روپیوں کی آتش بازی چھوڑی جاتی تھی۔

شادی جنگ بہادر: یکم مئی ۱۸۸۸ء۔ آج شب کو جلسہ شادی کنور جنگ بہادر خلف راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سرون بڑا گاؤں میں شریک ہوا۔ افضل حسین کٹیری لکھنؤ کے ناچ میں جو بیالیس روپیہ یومیہ علاوہ خرچ خوراک و کرایہ ریل آمد و شد کے لکھنؤ سے آیا تھا میں چند گھنٹے تک بوفور عنایت راجہ صاحب شریک رہا اور مبلغ دو روپے نیوتہ دے کر نصف شب کو مکان پر واپس آیا۔ راجہ صاحب نہایت عالی حوصلہ ہیں اگرچہ علاقہ کورٹ ہونے سے حسب خواہش خود اس تقریب میں صرف نہ کر سکے لیکن تاہم قرض و دام سے بہت کچھ عالی ہمتی کو دخل دیا۔

'مونس غم گسار': ۲۷ر مئی ۱۸۸۸ء۔ کل سے میں کتاب "مونس غم گسار" مرسلہ برخوردار سید حافظ علی معائنہ کرتا ہوں۔ واقعی انھوں نے اس کا ترجمہ انگریزی سے اردو میں اچھا کیا ہے قصہ دلچسپ ہے جسکو شاید برخوردار

موصوف عنقریب طبع کرا دیں گے۔ (یہ کتاب ۱۸۸۹ء میں لکھنؤ میں طبع ہوئی۔ میرے پاس موجود ہے۔ ہاشمی)

دوانبہ: ۷؍ جولائی ۱۸۸۸ء۔ مسماۃ .... منکوحہ چودھری محمد رؤف نے ایک دوانبہ براہ مذاق مجھے بھیجا جس کے معاوضے میں میں نے ۳۰۰ انبہ تخمی اور ۳ عدد قلمی بھیجے جسکو شارؔ الیہا نے بکمال مسرت قبول کیے اور شکریہ کہلا بھیجا۔

شیخ رعایت حسین: ۷؍ جولائی ۱۸۸۸ء۔ اس حالت انقلاب میں جبکہ زمانہ میرے موافق نہیں ہے شیخ رعایت حسین وکیل ہردوئی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے برخورداران ارتضی علی و مرتضی علی اور ان کے ہمراہیوں کو بباعث نہ ملنے مکان کے ۲؍ جولائی سے آج تک اپنے مکان پر رکھا اور ان کے خورد و نوش کا بار اپنے ذمہ لیا اور ہر طرح سے تلاش مکان میں مدد کافی دی۔ واقعی میں وکیل صاحب اس زمانہ میں بے نظیر ہیں اور میرے ساتھ ان کا برتاو ۲۲ سال سے بحالت مساوی چلا آتا ہے۔

۸؍ جولائی ۱۸۸۸ء مکان پختہ رام سرن مستری ہردوئی بغرض قیام برخورداران ارتضی علی و مرتضی علی تین روپیہ کرایہ ماہواری پر لیا گیا اور اس پر چھپر وغیرہ ڈلوا کر آج وزیر علی داروغہ شام کی ریل میں ہردوئی سے واپس آیا قیام لڑکوں کا آج سے اس میں ہوا۔ دو مہینہ کا کرایہ پیشگی ادا کیا گیا اور چھ سات روپے جو تیاری چھپر میں صرف ہوئے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ مگر شکر ہے کہ لڑکوں کو بغرض قیام مکان تو مل گیا۔[1]

توقیر ذاتی: ۱۹؍ جولائی ۱۸۸۸ء۔ آج کل چودھری محمد عظیم صاحب و چودھری نصرت علی صاحب میرا اعزاز کمال کرتے ہیں اور بہت محبت و تپاک سے آتے ہیں اور جو تحریر میرے نام بھیجتے ہیں وہ ایسی عزت و وقعت کی ہوتی ہے جس سے دوسروں کو تحیر ہوتا ہے۔ میں بہر حال شکر پروردگار ادا کرتا ہوں کہ خداوند کریم تا زیست میری عزت اور آبرو ایسی ہی قائم رکھے اور ترقی مدارج فرمائے۔

ایک تجربہ: ۲۴؍ اگست ۱۸۸۸ء۔ تجربہ سے ظاہر ہوا کہ دھبہ ہائے ذیل اشیاے مندرجہ تحت سے اگر دھوئے جائیں تو معدوم ہو جاتے ہیں۔ اگر گھی کا دھبہ پڑ جائے تو سجی سے جاتا رہتا ہے۔ تیل کا دودھ سے، روشنائی کا دہی سے اور پان کی پیک کا شکر سے۔

خالہ خود: ۲۵؍ ستمبر ۱۸۸۸ء۔ اگرچہ ماں کو اپنے فرزند سے جس قدر محبت ہوتی ہے اس قدر دوسرے سے چاہے جیسا کہ وہ عزیز قریب ہو ممکن نہیں ہے لیکن جناب خالہ صاحبہ والدۂ سید فضل حسین کی ہمدردی کا میں

---

[1] مولوی صاحب کے یہ دونوں بیٹے ہردوئی میں پڑھتے تھے۔ پہلے فضل حسین تعلقہ دار کے ایک مکان میں رہتے تھے لیکن مظہر علی سے ناچاقی کے باعث اب انھوں نے اپنا مکان لڑکوں سے خالی کرا لیا تھا۔ ہاشمی

شکریہ ادا نہیں کر سکتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے فرزند سے کسی حال میں کم نہیں چاہتیں اور یہ اُلفت ان کی انتہا درجہ کی ہے کہ جب سید فضل حسین نے بلاوجہ مجھ پر ضلع 'کھیری' میں دعوا دائر کیا تو جناب مقدسہ کو اس سے ازبس رنج و ملال ہوا اور اسی حالت میں انھوں نے درگاہ ایزدی میں دعا مانگی کہ جس وقت مقدمہ میں منظہری علی کو کامیابی ہوگی تو مسجد میں نیاز کروں گی۔ چنانچہ جب خبر میری کامیابی کی جناب مقدسہ نے سنی تو مسجد میں طاق بھرا اور حافظ کرم احمد صاحب کے تعزیہ پر شربت وغیرہ ۹ر محرم کی رات کو چڑھایا۔ یہ نظیر ایسی صاف ہے کہ اس سے ان کی محبت اور جوشِ مادری کا ثبوت کامل ہوتا ہے اور چونکہ جناب مقدسہ ہمیشہ میری نیک روشی چال چلن اور اطاعت سے خوش تھیں اور ہیں اس وجہ سے وہ تمام تر اپنے فرزند کو میرے مقابلہ میں ملزم اور خطاوار جانتی ہیں اور کسی قسم کا کوئی شک میری نسبت ان کو نہیں ہے۔ بحمد اللہ کہ ایسی پاک طینت اور منصف مزاج عورتیں بھی دنیا میں ہیں۔ ایسی حالت میں جس قدر شکریہ جناب مقدسہ کا ادا کیا جائے کم ہے جن کو اپنے فرزند اکلوتے کے مقابلہ میں مجھ سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ یہ محض تائید ایزدی ہے ورنہ اس قسم کی محبت اور ہمدردی اس زمانہ میں ناپید ہے۔

<u>بیٹوں کی تعلیم</u>: ۳۰ر ستمبر ۱۸۸۸ء۔ آج برخورداران مجتبیٰ علی و مرتضیٰ علی و مرتضی علی کو گیارہ بجے دن کی ریل میں لکھنؤ بھیجا کہ مدرسہ جوبلی میں انگریزی پڑھیں اور مکان مشک گنج مملوکہ مشیر الزماں میں جو مدرسہ سے قریب ہے قیام رکھیں اور علاوہ مصارف پارچہ دھوتا و خرید کتب وغیرہ مبلغ ۳۵ روپے ماہواری ان کے صرفہ خورد و نوش کے واسطے بشمول صرفہ برخوردار <u>مصطفےٰ علی</u> (جو کیننگ کالج میں لا لیکچر سنتے ہیں) مقرر کر دیے۔ چونکہ چاروں بھائی ایک ہی مقام پر رہیں گے غالباً خرچ میں کفایت ہو۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ حصول علم سے ان کو فیض یاب کرے۔ اگرچہ میں ایک سال زائد سے بیکار ہوں لیکن تعلیم اطفال کے واسطے مجھے صرف کرنے میں ہر گز کوئی دریغ نہیں۔ آئندہ ان کا مقدم برخوردار <u>مصطفےٰ علی</u> کی ترک ملازمت اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹی ضلع ہردوئی سے مجھے اب تک تاسف ہے کیونکہ جو شخص ان کی جگہ مقرر ہوا ہے وہ اس نوکری پر مستقل ہو گیا اور چالیس روپے ماہواری پاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ اب ان کا مقدر کب یاوری کرتا ہے۔ تجربہ ہے کہ از خود روزگار چھوڑنے سے بمشکل روزی ملتی ہے۔

<u>کھنکھجورا</u>: ۲۷ر اکتوبر ۱۸۸۸ء۔ دو بجے رات میں سو رہا تھا ایک کھنکھجورے نے میری بائیں پنڈلی میں ایسا کاٹا کہ خواب مفقود اور سوزش سے پریشان ہو گیا۔ وہ موذی اسی وقت مارا گیا جو رضائی میں لپٹا تھا۔ یہ پہلا مرتبہ ہے کہ مجھے اس سے ضرر پہنچا۔ اس کی سوزش مساوی نیش بھڑ کی ہوتی ہے۔ مقام ماؤف پر استعمال عرق پیاز سے افاقہ ہوا جو اس کا مجرب علاج ہے۔

ہر دل عزیزی: ۱۰/اکتوبر ۱۸۸۸ء۔ آج کل منشی فضل حسین کسی کو نوکر رکھتے ہیں تو اولاً اس سے اقرار لیتے ہیں کہ مظہر علی (یعنی راقم) کے مکان پر نہ جانا اور نہ اس سے کوئی تعلق رکھنا یا ملاقات کرنا۔ ان کا یہ ظنِ غالب ہے کہ ان کے ملازمین موقوف شدہ اعلانیہ اور اکثر خفیہ مجھ سے رسم رکھتے ہیں اور میرے خیر خواہ ہیں اور عموماً کل باشندگان سندیلہ کی نسبت انھیں خیال میری ہمدردی کا ہے اور تعجب کرتے ہیں کہ یہ مرتبہ باوصف تعلقہ دار ہونے کے مجھے کیوں حاصل نہیں ہے۔ یہ خیالات منشی صاحب بجائے خود درست نہیں ہیں۔ یہ بات صرف تعلقہ دار یا صاحبِ دولت ہونے سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ یہ رنگ ہی دوسرا ہے جو ہر شخص کو سرسری طور سے نصیب نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اپنے نفس پر اس قدر قابو نہ ہو کہ لوگوں سے بہ لحاظ ان کی منزلت و مرتبہ حال کے پیش آنا۔ ان کے مقاصد متوجہ ہو کر سننا اور انجاح مرام میں دریغ نہ کرنا۔ اس کے حق میں بوقت موقع کلمۂ خیر بولنا۔ بوقت استفسار ان کو صلاح نیک دینا۔ کسی حاجت مند کو بہ ترش روئی جواب نہ دینا اور خاص خاص حالتوں میں ان کی دردمندی کرنا۔ اکثر موقع پر ضبط و تحمل کو روا رکھنا۔ دشمن کے ساتھ حتی الامکان دوستی کا برتاؤ کرنا اور جب عاجز و معذور ہو تو انتقام نہ لینا۔ بعض محل پر مصلحتاً اپنا نقصان جائز رکھنا۔ ہر ایک سے بلا کسی قید کے بہ اخلاق و محبت پیش آنا۔ نیک نیتی و خوش چلنی اختیار کرنا۔ ایفائے وعدہ میں کوشش کرنا۔ غلط بیانی سے احتراز کرنا۔ امور معاملاتی میں لغویت کو راہ نہ دینا۔ سوچ سمجھ کر بات کہنا۔ بلاوجہ کسی کی غیبت یا ہجو نہ کرنا۔ دشمنوں کے گھٹانے میں توجہ بلیغ رکھنا۔ اپنے اختیار و اقتدار پر مغرور نہ ہونا۔ مسلک صلح کل اختیار کرنا۔ جب یہ باتیں اختیار کی جائیں تو اس وقت مرتبۂ ہر دل عزیزی حاصل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ان سب پر میں ہنوز قادر نہیں ہوں لیکن کوشش کرتا ہوں کہ اپنے نفس کو اس جانب راغب کر سکوں۔

مفید العدالت: یکم نومبر ۱۸۸۸ء۔ آج ایک کتاب قانون فوجداری موسومہ 'مفید العدالت' مولفہ منشی غلام حیدر خاں صاحب جائسی، سب جج ضلع سلطان پور جس میں علاوہ نظائر مجموعہ تعزیرات ہند و ضابطہ فوجداری وغیرہ بھی شامل ہیں اور کارروائی عدالتی کو اس سے بہت مدد مل سکتی ہے مطبع نولکشور لکھنؤ سے منگائی (قیمت دو روپے خرچہ آٹھ آنے)۔ جہاں تک بادی النظر میں دیکھا گیا یہ کتاب کارروائی عدالت کے لیے بہت مفید ہے جس کی روزمرہ احتیاج رہتی ہے۔ علاوہ حوض کے ضروری قانون حاشیہ پر درج ہیں۔

مجتبیٰ علی: ۲۸/نومبر ۱۸۸۸ء طبیعت برخوردار مجتبیٰ علی کو ہنوز عارضہ لاحقہ بول فی الفراش سے افاقہ نہیں ہے۔ ہر چند معالجہ میں زر کثیر صرف کیا گیا اور ہو رہا ہے لیکن ہنوز روز اوّل ہے۔ اب حکیم حیدر علی

صاحب لکھنؤ نے تجویز کیا ہے کہ اگر پندرہ روپے نقد دیے جائیں تو ایک چہارم نسخہ کماد و ضماد کا تیار کرا دیا جاوے تو اس کے استعمال سے بالضرور فائدہ ہوگا اور یہ نسخہ مجرب ہے جس کے استعمال سے ایک شاہزادے کو نفع معتد بہ حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے برخوردار موصوف کو پندرہ روپے دیے اور ہدایت کی کہ لکھنؤ جا کر نسخہ تیار کرا دیں اور استعمال کریں شافی مطلق اس نسخہ سے شفا کامل عطا کرے۔ چونکہ لڑکا نہایت سعید نیک بخت مطیع و ہردل عزیز ہے اس وجہ سے میری طبیعت کو اس سے زیادہ اُنس ہے اور عموماً کل اہلِ محلہ اس سے از بس محبت رکھتے ہیں۔

<u>ایک رمال</u>: ۲۱ر دسمبر ۱۸۸۸ء۔ آج گلاب شاہ رمال ساکن پاک پٹن وجاروب کش درگاہ حضرت شیخ فرید شکر گنج قدس اللہ سرہٗ ملک پنجاب میری ملاقات کو آئے اور بعد بنانے زائچہ کے مجھ سے کہا کہ تمہارا مقصد یاور ہے۔ تا بہ زیست خوش حالی سے بسر کرو گے اور مدت دو مہینہ میں تمہاری بہبودی حسب خواہش ہوگی اور تمہارا چھوٹا لڑکا مرتضیٰ علی بہت بڑا خوش نصیب ہوگا اور تمہارے اعزاز و ثروت سے اس کا مرتبہ بلند ہوگا[۱]۔ لہٰذا یہ مضمون بطور آزمائش حوالہ قلم کرتا ہوں کہ ان احکام کا کہاں تک ظہور ہوتا ہے لیکن جو حالات گزشتہ رمال صاحب نے میری اور دوسروں کی نسبت بیان کیے وہ سب صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

<u>خواب خوش</u>: ۳۰ر جنوری ۱۸۸۹ء۔ آج کئی روز سے بہ شب خواب ہائے خوش نظر آتے ہیں۔ دو روز سے تو اپنے کو بمقام بلند اور گھوڑے پر سوار دیکھا اور آج صبح ہاتھی عماری دار پر سوار اور ہمراہی میں بہت سا مجمع اور جلوس نظر آیا۔ دیکھیے کہ اس کا ظہور کب ہوتا ہے۔ میں اپنی عقیدت سے لکھتا ہوں کہ میرے خوابوں کا ظہور کبھی دیر کبھی جلد ضرور ہوتا ہے جس کے امتحانات اور تجربے متواتر ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں لیکن ابھی تک یہ امر امتحان طلب ہے کہ کس موسم و تاریخ و دن کا خواب سریع الظہور اور بطی الظہور ہوتا ہے۔

<u>اشوآہ</u>: ۱۸ر مارچ ۱۸۸۹ء۔ جو عرضی بندگان خدا کی طرف سے بہ شکایت منشی مقبول احمد تحصیلدار سندیلہ بذریعہ صاحب کمشنر بحضور صاحب ضلع ہردوئی پیش ہوئی اس کی نسبت صاحب ضلع کو فضل حسین اور ان کے مختار محمد یحییٰ پر شک ہوا۔ لہٰذا صاحب بہادر نے بعد اظہار ناراضگی محمد یحییٰ کو عرائض نویسی تحصیل سندیلہ سے برخاست کر دیا۔ یہ عجیب کارروائی ہوئی کہ بندہ خدا کی عرضی اور معزولی محمد یحییٰ۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں تو یہ نتیجہ محمد یحییٰ کے اس ظلم کا ہے جو انہوں نے حافظ باسط علی واجب الرحم کو ۱۰ر مارچ سن الیہ کو صدمہ پہنچایا اور اس ظلم و ستم رسیدہ نے آہ سرد کھینچ کر اور سنگ شکیبائی اپنے سینہ بے کینہ پر خواہاں دادرسی اپنے منتقم

---

[۱] یہ بات بعد میں صحیح ثابت ہوئی۔ مرتضیٰ علی صاحب ریاست بھوپال میں جج ہائی کورٹ ہو گئے تھے۔ ہاشمی

حقیقی سے ہوا جو استدعا فوراً مستجاب ہوئی جس کی تصدیق اس شعر سے ہوتی ہے ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

وصیت نامہ: ۵ مئی ۱۸۸۹ء۔ آج میں نے ایک وصیت نامہ بنام اپنے جانشین کے تحریر کیا کہ بعد میرے اسی کے بموجب عمل درآمد ہونا چاہیے اور جو وصیت نامہ میں نے ۱۷ جولائی ۱۸۷۹ء کو تحریر کیا وہ قابل نفاذ نہیں رہا۔ وصیت نامہ بنام میری اہل خانہ مسماۃ شمس النساء ہے جو بعد میرے مالک جائداد ہوں گی۔

شجرۂ خود: ۱۴ مئی ۱۸۸۹ء۔ شجرہ مندرجہ ذیل سے راقم کی سولھویں پشت مخدوم سید علاء الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز سے ہے۔ آپ ہی کے صرف ذاتی کے لیے موضع مخدوم پورہ معاف ہوا تھا جب سے اسی حالت میں چلا آتا ہے۔ پشت نامہ:

"سید مظہر علی بن سید مظفر علی بن مولوی سید الٰہی بخش (عرف میر جیون) بن سید محمد بخش بن سید محمد اکرم بن سید محبوب عالم بن مولوی سید موسیٰ بن سید ابو المعالی بن سید عبد الحی بن سید بندگی شیخ حسن بن سید احمد بن سید لاڈ بن سید مصطفیٰ بن سید بجن بن سید مجیر الدین بن مولوی سید علاء الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز"

مجتبیٰ علی پسر خود: ۲۹ مئی ۱۸۸۹ء۔ آج برخوردار مجتبیٰ علی نے اپنے ہم سنوں کو روزہ کھلوایا۔ افطاری بہت تیار ہوئی تھی۔ اس لڑکے کے مزاج میں صلاحیت اخلاق عامہ ہے۔ کل ہمسن اس سے محبت رکھتے ہیں اور سلسلہ آمد و شد جاری رہتا ہے اور ان کے وسعت اخلاق سے کوئی ناخوش نہیں جاتا۔ علاوہ بریں اہل محلہ کے تمام مرد و زن ان کی روش و چلن کا اعتبار کرتے ہیں اور بدرجہ غایت رضامند ہیں۔ خدا نصیب ورکرے۔ یہ مرتبہ ہردل عزیزی کا برخوردار مصطفےٰ علی کو حاصل نہیں ہے۔

مجسٹریٹی درجہ دوم: ۱۴ جون ۱۸۸۹ء۔ آج چٹھی اکٹنگ سکریٹری گورنمنٹ محکومہ ۸ جون ۱۸۸۹ء نمبری ۱۲۶۱ بدیں مضمون موصول ہوا کہ راقم اور راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار کو اختیارات مجسٹریٹی درجہ دوم اندر حدود میونسپل سندیلہ عطا ہوئے۔ بدریافت اس حال کے شکر خدا بجالایا کہ اس نے اپنے حبیب کے طفیل سے مجھ ناقابل کو ایسے اختیارات جس کی بڑے بڑے لوگ تمنا رکھتے ہیں عطا فرمائے اور میرے ہم چشموں میں مجھے افتخار بخشا۔ یہ نتیجہ کرنیل بیچر صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی کی عنایت کا ہے۔ آج حاسدوں کو میرے اس حصول اعزاز سے نہایت درجہ قلق اور ملال ہوا۔

چند کتب: ۳ جولائی ۱۸۸۹ء۔ آج کتاب "مطالع العلوم و مجمع الفنون" و سر کلرات صاحب جوڈیشیل

من ابتدائے ۱۸۶۳ء لغایت ۱۸۷۱ء و نظائر قانون فوجداری بابت ۱۸۷۸ء مطبع نولکشور لکھنؤ و نظائر ہند الہ آباد سے جن کی قیمت حسب ذیل ادا کی گئی منگائے۔ مطلع العلوم و مجمع الفنون ایک جلد ڈھائی روپے سرکلرات سوا روپے۔ نظائر سوا روپے محصول وغیرہ۔ بارہ آنے۔ جملہ پانچ روپے بارہ آنے۔

عید الضحیٰ: ۸ اگست مطابق ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ۔ آج بہ تقریب عید الضحیٰ میرے مکان پر باشندگان سندیلہ کا مجمع کثیر رہا اور مجھے اپنے عنایات و اشفاق سے مشکور کیا۔ مبلغ گیارہ روپے سوا تیرہ آنے انعام وغیرہ میں صرف ہوئے اور میں اس بات کا نہایت شکر گزار ہوں کہ باوجودیکہ میں نہایت ناچیز و کم سرمایہ آدمی ہوں لیکن روسائے قصبہ ہذا مجھے نہایت نگاہ وقعت سے دیکھتے ہیں اور میرا اعزاز کرتے ہیں۔ پروردگار عالم تاحیات میری عزت اور وقعت برقرار و قائم رکھے!

اودھ اخبار: ۱۰ اگست ۱۸۸۹ء۔ اودھ اخبار منشی نولکشور کی خریداری کے لیے بعوض مبلغ بیس روپے سالانہ میونسپل کمیٹی سے منظور ہوئے۔ لہٰذا آج زر مذکورہ بذریعہ منی آرڈر بخدمت صاحب مطبع لکھنؤ بھیجا گیا کہ ۱۲ اگست سن الیہ سے روزانہ پرچہ بھیجا کریں جو میرے نام سے آیا کرے گا۔

گھڑیاں: ۱۳ اگست ۱۸۸۹ء — آج چھ گھڑیاں دوکان فیوررلوبا کمپنی بمبئی سے اپنے اور اپنے احباب کے واسطے بہ قیمت ترانوے روپے منگائیں جس پر خرچہ حسب ذیل واجب ہوا۔ قیمت گھڑی ۹۰ روپے۔ محصول ڈاک و فیس منی آرڈر۔ دو روپے۔ محصول اکڑائی۔ ایک روپیہ دو آنہ آٹھ پائی۔ تفصیل خریداران گھڑی۔ راقم، راجہ درگا پرشاد کنور نرندر بہادر صاحب تعلقہ دار (دو گھڑیاں) چودھری جاوید علی صاحب، مولوی عبدالقادر صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نواب گنج۔

۱۰ محرم ۱۳۰۷ھ: ۷ ستمبر ۱۸۸۹ء بخلاف معمول آج میں واسطے زیارت و دفن تعزیوں کے کربلا نہیں گیا۔ اول تو گرمی تھی دوسرے طبیعت بالکل متوجہ نہ ہوئی مگر خدمتگار قاضی عابد علی صاحب سے معلوم ہوا کہ امسال قصبہ ہذا میں ۶۹ تعزیے رکھے گئے۔

تلفظ زبان انگریزی: ۸ اکتوبر ۱۸۸۹ء۔ میں کثرت کام میونسپل سے بہت عدیم الفرصت ہوں۔ حتیٰ کہ اگر تھوڑا سا وقت ضائع ہوتا ہے تو کمال افسوس معلوم ہوتا ہے۔ اور جس وقت کام سے فرصت ملی تو فوراً نوشت و خواند انگریزی میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ شب کو میر حسن علی ماسٹر انگریزی واسطے تعلیم انگریزی زبان کے بالمرہ آتے ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ تلفظ انگریزی میں ایک مہینے کی محنت سے بہت کچھ ترقی حاصل ہوئی۔ اگر چندے یہی شغل رہا تو مجھے انگریزوں سے زبان انگریزی میں گفتگو کرنا

دشوار نہ ہوگا۔ خدا میری خواہش کی تکمیل کرے۔

قاضی ابوالحسن: ۶ نومبر ۱۸۸۹ء۔ آج قاضی ابوالحسن ولد قاضی اقتدار علی (جو میرے حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں اور میں ان کا ہر حالت میں ان کا دوست اور بہی خواہ رہا) میری عیادت کو آئے اور برسم ظاہری خیریت دریافت کی۔ جب کہ مفسدوں نے میرے اور منشی فضل حسین کے درمیان میں ملال پیدا کرا دیا اور میں تعلقہ جلال پور سے علیحدہ ہوا تو قاضی صاحب نے بھی میرے یہاں کی آمد و رفت و شرکت شادی و غمی ترک کر دی تھی۔ آج نہیں معلوم کہ کیا دنیا گزرتے دیکھی جو انھوں نے ایسا ارادہ کیا۔

نقشہ ہندوستان: ۴ جنوری ۱۸۹۰ء۔ آج ایک نقشہ جس میں انگریزی فارسی ہندی میں نام شہر و قصبہ وغیرہ درج ہیں بہ قیمت ڈھائی روپے و بہ صرف تین آنہ تین پائی خرچہ محصول وغیرہ مطبع الہ آباد سے منگایا۔ یہ نقشہ عمدہ ہے، رنگ و روغن سے آراستہ و مرتب اور جس قدر ریلیں اس وقت تک جاری ہوئی ہیں ان سب کا سلسلہ اس میں موجود ہے اور اسی قسم کا ایک نقشہ راجہ کنور نرندر بہادر صاحب اور ایک منشی فہیم الزماں صاحب کو منگا دیا۔

گھوڑا کمیت: ۱۰ جنوری ۱۸۹۰ء۔ آج راقم اپنے گھوڑے کمیت پر اول مرتبہ سوار ہوا اگرچہ چال درست نہیں ہے لیکن بہت شائستہ چالاک، مادہ قدم بازی اس میں موجود ہے۔ شاہ گام بہت تیزی سے چلتا ہے۔ سائیس وغیرہ دوڑے بغیر اسکے ساتھ نہیں پہنچ سکتے۔ اگر چندے کوئی چابک سوار اسے درست کریگا تو بہت خوش رفتار ہوگا۔

رشتہ پسر خود: ۳۱ جنوری ۱۸۹۰ء۔ آج خط مولوی نصیر الدین تعلقہ دار میرپور ضلع بارہ بنکی بجواب تحریر راقم مورخہ ۲ جنوری سن الیہ مقام لکھنؤ محلہ دینا گاؤں سے بدیں مضمون موصول ہوا کہ بوجہ قرابت قدیم نسبت برخوردار سید مجتبیٰ علی اپنی لڑکی سے بدل منظور ہے اور بمقابلہ رشتہ داری جدید کے رشتہ قدیم کو ترجیح ہے۔ چونکہ میرا قیام لکھنؤ میں رہتا ہے اس وجہ سے آپ ایک روز آ کر مجھ سے ملاقات کریں جس کی اطلاع بیشتر سے دیں۔ چنانچہ بوصول تحریر ہذا کماہی اطمینان ہوا اور آج شام کی ریل میں منشی وزیر علی اپنے داروغہ خاص کو معہ تھوڑی شیرینی کے بغرض استدراک خیریت تعلقہ دار صاحب لکھنؤ روانہ کیا۔

توصیفی سند: ۲۰ اپریل ۱۸۹۰ء۔ سید علی بہادر صاحب تحصیلدار سندیلہ و پریسیڈنٹ میونسپل سندیلہ نے وقت تحریر رپورٹ سال تمام میونسپل کے میری نسبت یہ لکھا کہ سید مظہر علی سکرٹری میونسپل کام سکرٹری کا تنخواہ دار ملازم سے زیادہ مستعدی سے کرتا ہے۔ ایسا ایمان دار و معتبر شخص ممالک متحدہ میں کوئی نہ ہوگا۔ حکام ضلع کو ان کی کارروائیوں کی قدر کرنا چاہیے۔

<u>حاجی وارث علی شاہ</u>: ۵ مئی ۱۸۸۹ء۔ آج صبح کو حاجی وارث علی شاہ صاحب رئیس دیواں نے بطیب خاطر خود مجھے یاد کیا۔ میں فوراً مکان عبد العلی موسیٰ پور میں جا کر قدم بوس ہوا۔ شاہ صاحب نے خلاف عادت خود سر و قد میری تعظیم کی اور نہایت تپاک سے اپنے قریب مجھے بٹھلایا اور بعد دریافت خیریت و امور معمولی کے رخصت کیا۔ وجہ طلب میری سمجھ میں نہیں آئی۔ شاہ صاحب نہایت مکرم و محترم بزرگ ہیں۔ ہزارہا مرد و زن دیہہ بدیہہ شہر بہ شہر آپ کے مرید ہیں۔ آپ سوائے مریدوں کے اور کسی سے ملاقات کم کرتے ہیں۔ یہ محض آپ کی توجہ و عنایت خاص ہے جو اس صورت سے راقم کو اعزاز بخشا۔

<u>ٹھاکر کھڑگ سنگھ</u>: ۷ مئی ۱۸۹۰ء۔ آج صبح کو ٹھاکر کھڑگ سنگھ ولد بھوپ سنگھ زمیندار موضع ہیا بعارضہ پچش شفاخانہ سندیلہ میں فوت ہوئے۔ عمر ۵۲ سال تھی۔ ابھی بہت تندرست و توانا تھے۔ راقم سے ازبس ربط تھا۔ جب کبھی سندیلہ آتے تو بدون میری ملاقات کے واپس نہیں جاتے تھے اور ان کو بھی مجھ سے ازبس تقویت تھی۔ جب کل گاؤں سے سندیلہ آئے تھے تو میں نے ٹٹی خس و دیگر سامان ضروری ان کی آسائش کے واسطے بھیج دیا تھا۔ افسوس کہ دنیا کو مطلق ثبات نہیں۔ دم زدن میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔

<u>تعلقہ دار بھراون</u>: ۲۰ مئی ۱۸۹۰ء۔ آج صبح کو راجہ مادھو سنگھ تعلقہ دار بھراون (تحصیل سندیلہ) میری ملاقات کو تشریف لائے اور قریباً دو گھنٹہ نشست رکھ کر ہر ایک امر متعلقہ ریاست مجھ سے مشورت کرتے رہے ..... راجہ صاحب میری ملاقات سے بہت اظہار مسرت کرتے رہے اور بوقت ضرورت نیک صلاح دینے کا اقرار لیا۔ شب کو میں نے بھی باغ پڑاؤ ملاقات باز دید کی۔

<u>ایک حادثہ</u>: ۲۷ مئی ۱۸۹۰ء۔ آج بوقت شام راقم واسطے معائنہ نہر جدید کے گیا۔ جب وقت نہر مذکور کو موقوعہ باغ نثار علی وکیل عقب مسجد کھڑ آ کر معائنہ کر رہا تھا دفعتاً میرا گھوڑا پچھلے پیروں سے نہر میں پھسل پڑا اور اس کے ساتھ میں نہر میں گرا جو سطح زمین سے پانچ چھ فٹ گہری تھی لیکن شکر ہے کہ میں بالکل ضرر جسمانی سے محفوظ رہا اور گھوڑے کو بھی کوئی آسیب نہیں پہنچا اور پھر اسی وقت سوار ہو کر اور ہر ایک کام متعلقہ کو دیکھتا ہوا قریب آٹھ بجے مکان پر آیا۔ جب تک یہ غلغلہ تمام قصبہ میں پھیل گیا اور ہر ایک احباب و اعزہ کی جانب سے پیغام استدراک خیریت گیارہ بجے رات تک آئے۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

<u>انگریزی الف لیلہ</u>: ۳۰ مئی ۱۸۹۰ء۔ آج کل دو ہفتہ سے انگریزی الف لیلہ میرے مطالعہ میں ہے۔ بعد تناول طعام دوپہر کو اس کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ منظور یہ ہے کہ ایسی کتب کی مزاولت سے اس قدر استعداد ہم

پہنچاؤں کہ بلاتوقف حکام وقت سے ذکر کلام و خط و کتابت کرسکوں۔ ہر زمانہ کی لیاقت اسی پر موقوف ہے کہ حکام وقت کی زبان سے وقوف رکھے۔

تیاری نہر و پُل: ۲۰ جون ۱۸۹۰ء۔ آج کل مجھے کام تیاری نہر و پلوں سے سخت تکلیف ہے۔ باوصف شدت گرمی ایک دو میل واسطے معائنہ کام کے جاتا ہوں اور بہ مستعدی کمال حساب و کتاب اس کا جانچتا ہوں۔ خدا تکملہ ان کا بخیر کرے۔ میری ذات کو اس مشقت سے بجز اس کے اور کوئی فائدہ نہیں کہ بندہ میں شریف زادے بہ زمرۂ میٹان کام میں متعلق رہتے ہیں اور مجھے دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں۔

ملازمت میونسپلٹی: ۱۴ جون ۱۸۹۰ء۔ اگرچہ سلسلہ ملازمت میونسپل سندیلہ مجھے حاصل نہیں ہے لیکن اس کام کو اس قدر مشقت و دیانت سے سرانجام کرتا ہوں کہ شاید کوئی ملازم بھی نہ کرتا اور کام کی کثرت بوجہ تیاری نہر کربلا و برونی کے اس قدر رہے کہ کوئی وقت فرصت نہیں ملتی۔ اکثر میرے اعزہ و باشندگان قصبہ معترض ہیں کہ یہ مفت زحمت اپنے سر کرلی گئی جس کا بظاہر کوئی نفع نہیں۔ لیکن میرے خیالات ان کے بالکل مخالف ہیں۔ اگرچہ یہ مسلم ہے کہ اس کام کو کرلے سے میرا سردست کوئی ذاتی فائدہ نہیں لیکن یہ بہت بڑا نفع خیال کرنے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسی کام کی بدولت رؤسا قصبہ ہٰذا خصوصاً و تمامی باشندگان سندیلہ عموماً مجھے نگاہ عزت سے دیکھتے ہیں اور اکثر ان کے مقاصد میری توجہ سے طے ہوتے ہیں۔ بہت سے اشخاص میرے ذریعے سے متفرق کاموں پر مقرر ہیں جن کا تمام خاندان میرے حق میں دعائے خیر کرتا ہے اور میری ان پر حکومت کامل ہے۔ قصبہ ہٰذا میں عام طور پر و نیز ملازمان میونسپل و پولس پر میری حکومت ہے جو رتبہ کسی رئیس اعظم کو بھی حاصل نہیں۔ یہ کام بہت بڑا ذریعہ ملاقات حکام وقت ہے جس سے توسط کی کوئی ضرورت نہیں اور جب کام بلا مُزد کیا جاتا ہے تو ہر خواہش کا تکملہ بمقابلہ دیگر رؤسائے قصبہ بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ جو ضرورتیں بہ زمانہ قریب میں پیش آمدنی ہیں اگر میری رائے غلطی پر نہ ہو تو ایسے کار سرکاری کا انصرام بوجوہ مفصلہ صدر میں اپنے ذمہ فرض تصور کرتا ہوں۔

وزن: ۲۰ جولائی ۱۸۹۰ء۔ آج اسٹیشن سندیلہ پر تفریحاً ہم لوگوں نے اپنے اجسام کو تنگ (کذا) میں وزن کرایا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

چودھری محمد رؤف صاحب ولد چودھری حشمت علی تعلقہ دار۔ دو من ۳۶ سیر۔ شیخ اعظم علی ولد کرم کریم صاحب مرحوم۔ دو من ۲۷ سیر۔ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سردن بڑا گاؤں۔ دو من ۳ سیر۔ منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار جلال پور۔ دو من۔ شیخ رعایت حسین صاحب وکیل ہردوئی۔ ایک من ۲۴ سیر۔ کنور جوالا پرشاد صاحب ولد راجہ دھنپت رائے صاحب تعلقہ دار حال پیشکار سندیلہ ایک من ۱۸ سیر۔ راقم روزنامچہ ہٰذا۔ ایک من ۱۲ سیر۔

<u>متعلقین خود</u>: ۵ر اگست ۱۸۹۰ء۔ بالفعل ۲۵ مرد و عورت کا دو وقتہ صرف کھانے و پینے کا میرے متعلق ہے اور ملازمین جو خشک تنخواہ پاتے ہیں ان سے کوئی علاقہ نہیں۔ اس قدر صرف میرے عہد ملازمت میں بھی نہیں تھا۔ گھٹانے کی کوئی فکر نہیں ہو سکتی۔ اگر کی جائے تو بدنامی ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ ایسا صرف جس کے آئندہ گھٹانے میں نتیجہ برا پیدا ہونے والا ہو اس کا انسداد اوّل ہی سے ملحوظ رکھے ورنہ سخت دشواری ہوگی۔ بقول سعدی ؎ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست۔

<u>راجہ درگاہ پرشاد</u>: ۹ر ستمبر ۱۸۹۰ء۔ آج صبح کو راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سروان بڑا گاؤں کی میں نے ملاقات کی۔ بڑی محبت سے پیش آئے۔ راجہ صاحب کے مزاج میں از بس تہذیب ہے اور اپنے وقار موروثی کا بدرجہ غایت لحاظ جب میں ملاقات کو جاتا ہوں تو بہ وقت رخصتی اپنے دیوان خانہ سے تا لب چبوترہ بیرونی میری مشایعت کرتے ہیں۔

<u>شکایت ضعف معدہ</u>: ۳۱ر اکتوبر ۱۸۹۰ء۔ علاوہ شکایت ضعف معدہ اب دو روز سے مجھے حرارت بھی محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ علاج ڈاکٹری کرتے کرتے تنگ آگیا لہٰذا رائے جمہور خاندان راقم یہ قرار پائی کہ کچھ علاج بغرض استعانت طبع کرنا ضروری ہے لہٰذا حکیم ظہور الحسن طبیب میونسپل کا آج علاج یونانی شروع کیا۔ بوجہ پیدا ہونے گرمی کے معدہ میں خواہش بھوک بالکل مفقود ہوگئی۔ کسی چیز کی رغبت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی لقمہ منہ میں رکھا گیا تو اس کا حلق سے اترنا دشوار ہو جاتا ہے۔

۳ر نومبر ۱۸۹۰ء۔ آج سید علی بہادر تحصیلدار سندیلہ و کنور جوالا پرشاد پیشکار و جملہ اہلکاران تحصیل و مہاجنان وغیرہ و راجہ درگا پرشاد و چودھری محمد رؤف صاحب میری عیادت کو تشریف لائے اور ممنون کیا۔

۷ر نومبر ۱۸۹۰ء۔ آج ۱۱ بجے دن کے منشی سید فضل حسین صاحب تعلقہ دار میری عیادت کو آئے اور قریب دو گھنٹے کے نشست کی اور نہایت تپاک و محبت سے پیش آئے گویا کبھی کوئی ملال ہی نہ تھا۔ یہ رسم مکرر منشی صاحب سے بعد تین سال چار ماہ دس دن کے قائم ہوئی۔ بحال رہنے کہ قائم رہ سکے کیونکہ ملک مصطفےٰ حسین ملکانہ و امیر حسن پسر خوش رنگ کو (جو بالفعل مصاحب خاص ہیں) سخت ناگوار ہوگا اور بہ تدبیرے کوشش کریں گے کہ بار دیگر ملال کرا دیں اور حسین علی قلقبان مصاحب خاص داروغہ کا قریباً یہی حال ہوگا۔ دیکھا چاہیے کہ اس میل کا کیا نتیجہ نکلے۔ چونکہ منشی فضل حسین کو اپنی طبیعت پر قابو نہیں ہے اور دوسروں کی رائے کے محتاج ہیں اس وجہ سے ان کے خیالات پر بھروسا نہیں ہو سکتا۔

۱۳ر نومبر ۱۸۹۰ء۔ میرا مزاج صفراوی ہے اور گرمی مزاج میں رہتی ہے اور علاج ڈاکٹری عموماً گرم ہوتا ہے اسی وجہ سے باوصف توجہ خاص بابو سالگ رام اسسٹنٹ سرجن سندیلہ مجھے افاقہ نہیں ہوا اور مادہ ناقص معدہ وغیرہ میں محتبس ہوکر باعث لحوق اشتہا ہوا جس سے حرارت و ہیجان پیدا ہوگئی۔ اب بالآخر علاج یونانی بمجوزہ حکیم ظہور الحسن طبیب میونسپل سندیلہ سے افاقہ ہوا اور رب العنایت و بفضل یزداں شکایت ضعف معدہ بھی دور ہوتی جاتی ہے۔

مصاحبین فضل حسین: ۲۶ر نومبر ۱۸۹۰ء۔ جب سے منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار نے مجھ سے میل کیا ہے ان کے مصاحبین کو از حد ملال ہے۔ علی الخصوص ملک مصطفےٰ حسین ملکانہ و امیر حسن پسر خوش رنگ کنیز و حسین خان قلتبان کے دلوں میں ہول پیدا ہوگیا ہے۔ کوئی وقت چین نہیں آتا۔ مصطفےٰ حسین تو ہر وقت دعا تعویذ کراتا پھرتا ہے اور عاملوں کی تلاش میں سرگرداں ہے کہ کوئی ایسا عمل کرادے کہ مجھے ضرر پہنچے اور منشی صاحب کا رجحان میری جانب نہ ہو۔ مجھے تو پورا بھروسا اپنے خالق پر ہے کہ بدون اس حکم کے کوئی ذرہ حرکت نہیں کرسکتا۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہے گا وہ ہوگا۔

خالۂ خود: ۲ر دسمبر ۱۸۹۰ء۔ آج جناب خالہ صاحبہ والدۂ منشی سید فضل حسین صاحب تعلقہ دار نے مجھے معتبر ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ شادی الطاف رسول خلف منشی صاحب کی بارات میں جو ۱۰ر جمادی الاوّل ۱۳۰۸ھ (مطابق ۱۱ر دسمبر ۱۸۹۰ء) کو خیرآباد جائے گی تو اس میں ضرور شرکت کرنا۔ سب سامان تمہارے آرام کا مہیا کردیا جائے گا۔ میری زندگی کی اب امید قلیل ہے میری تمنا ہے کہ تمہاری اور برخوردار فضل حسین کی مصالحت کامل ہوجائے تاکہ وہ ملال جو تمہارے اور ان کے درمیان بدکرداروں نے ڈال رکھا ہے اپنے ساتھ قبر میں نہ لے جاؤں۔ سچ یہ ہے کہ جناب ممدوحہ کو میرا خیال از حد اور بدرجہ غایت مجھ سے الفت ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں۔

توصیف سرکاری: ۱۰ر دسمبر ۱۸۹۰ء۔ ایک قطعہ ڈاکٹ محکمہ جات سرکاری اضلاع مغربی و شمالی و اودھ نمبری ۱۱۷۱ محکومہ ۱۱ر نومبر سنہ الیہ مقام الہٰ آباد بدیں مضمون بنام راقم موصول ہوا کہ منشی سید مظہر علی نے بصرف مبلغ ۳ ہزار روپیہ باغ و کنواں بغرض رفاہ عام تعمیر کرایا اس وجہ سے حسب ہدایت جناب لفٹیننٹ گورنر بہادر ان کا نام دفتر سرکاری میں درج کیا گیا۔ یہ وہ باغات و کنویں ہیں جو میں نے ٭بہر کاپور٭ و طرف اتر لوکر و موضع ٭بیگم گنج٭ میں تعمیر کیے ہیں۔ یہ ڈاکٹ آج موصول ہوا۔

علالت: ۱۴ر دسمبر ۱۸۹۰ء۔ آج مجھے چھ دست آئے جس سے جس قدر طاقت ہفتہ گزشتہ میں آئی تھی سب زائل ہوگئی ضعف بے حد ہوگیا۔ یہ عارضہ ضعف معدہ کا مجھے ایسا لاحق ہوگیا ہے کہ غذا قلیل بھی ہضم

نہیں ہوتی۔ اب بظاہر اس عارضہ کا دفع ہونا دشوار معلوم ہے۔ ایسی طویل بیماری ابتدائے ہوش سے مجھے کم لاحق ہوئی۔ بہر حال رضی خدا پر راضی ہوں۔ جو منظور ہوگا وہی پیش آئے گا۔ اس بارہ میں کوئی محل تردد و کاوش کا نہیں ہے۔

بنچ مجسٹریٹی: ۳۰ر دسمبر ۱۸۹۰ء۔ میں بہ باعث علالت وضعف مزاج خود عدالت بنچ فوجداری سندیلہ میں شرکت نہیں کرتا اس وجہ سے میرے ساتھی ممبران بنچ انفصال مقدمات میں بباعث عدم واقفیت قانون کے نہایت تامل کرتے ہیں اور اگر احیاناً ایسا ہوا بھی تو بدون میرے استصواب کے کوئی حکم نہیں دیتے اور بالفعل شرکائے بنچ مجسٹریٹی راجہ درگا پرشاد صاحب و راجہ کنور رندر بہادر صاحب تعلقہ داران سرون بڑا گاؤں، و چودھری محمد رؤف صاحب خلف چودھری حشمت علی صاحب مرحوم ہیں۔

بہ تقریب شادی: ۱۰ر جنوری ۱۸۹۱ء۔ میں بہ تقریب شادی نور چشم سید مجتبیٰ علی اپنے کل لڑکوں عزیزی سید اظہر علی (برادر خورد) و نور چشم اصغر علی (بھتیجا) و برخوردار سعید الدین (داماد) کے انگرکھا ہائے گرنٹ پھول دار ریشمی کے تیار کرائے جس کی قیمت فی درعہ ایک روپیہ ہے اور ہر ایک انگرکھے میں سات سات درعہ صرف ہوا اور ٹوپی گول مخمل اودی کامدار قیمتی چار چار روپیہ خریدکیں۔ علیٰ ہذا پائجامہ مشروع چار روپیہ تھان والے کا نصف۔ اور کل اپنے ملازمین کے انگرکھے چکن پائجامہ مشروع حسب ان کی حیثیت کے بنوائے۔

۱۴ر جنوری ۱۸۹۱ء۔ آج حسب تحریر حکیم عبد العزیز صاحب ولد مولوی نور کریم صاحب مرحوم دریابادی حال مدرس کیننگ کالج لکھنؤ کو لکھا گیا کہ آپ سواری ذیل کا بمقام نواب گنج (اسٹیشن بارہ بنکی) ۹ر فروری سن الیہ کو بروقت پہنچنے بارات کے بندوبست کر رکھیں جس کا کرایہ و انعام دیا جائے گا۔

تکرم ۴ عدد، اکہ ۳ عدد، بہل ۴ عدد، اونٹ گاڑی ۳، ہاتھی ۳، گھوڑے ۴، اونٹ ۴، چھکڑہ ایک

علالت خود: ۲۵ر جنوری ۱۸۹۱ء۔ چونکہ غذا کے دیکھنے سے بھوک بھاگتی ہے اور جو بہ مقدار قلیل ہوتی ہے وہ بھی ہضم نہیں ہوتی اور حرقت البول سے سخت تکلیف ہے لہٰذا حسب تجویز حکیم ظہور الحسن صاحب آج عمل لیا اور بباعث ابر و باد، ہوا کا انسداد لٹکانے پردوں وغیرہ سے کیا گیا اور تین چار انگیٹھیاں روشن ہوئیں تاکہ سردی سے کوئی ضرر نہ پہنچے۔ دو بجے تیسرے عمل کے بعد بوجہ اشتداد گرمی و حبس ہوا کے غشی طاری ہوئی اور دو گھنٹے تک کسی طرح سے آنکھ نہیں کھولی۔ ہذیان بکنے کا اتفاق ہوا۔ تمام اہل محلہ براہ ہمدردی جمع ہو گئے۔ جب پردے کھولے گئے اور آگ فرو کی گئی اور شافیں لگائی گئیں تو حواس درست ہوئے۔ میری اس کیفیت سے ایک تلاطم پیدا ہو گیا تھا۔ نو بار اجابت ہوئی جس سے بہت سا مواد خارج ہوا اور بہ استثنائے حرقت البول اور سب

شکایتیں اسی روز دفع ہوگئیں۔ ایسی صورت میں خیال ہو سکتا ہے کہ اگر مسہل لیے جاویں تو ضرور فائدہ متعدبہ حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۶ جنوری ۱۸۹۱ء۔ میری طبیعت کو آج افاقہ ہے۔ بظاہر کوئی شکایت معلوم نہیں ہوتی۔ اگر اسی طور سے افاقہ قائم رہا تو خدا سے امید ہے کہ ۶ فروری کو میں قابل جانے بارات نور چشم مجتبیٰ علی کے ہو جاؤں گا۔ اگرچہ فی الجملہ ضعف مسہل سے پیدا ہوا لیکن فائدہ کی امید زیادہ پائی گئی۔

تقریب شادی: ۳ فروری ۱۸۹۱ء۔ آج تقریب بسیر (کذا) نور چشم مجتبیٰ علی بہ فراہمی اعزا کے خاص محلہ قرار پائی۔ صرف رنگ قلیل نوشاہ پر بطور شگون ڈالا گیا اور رنگ کھیلنے کی رسم بباعث موسم سرد کے جائز نہیں رکھی گئی۔ آج نوید شرکت تقریب حسب معمول قدیم اور پہنانے جوڑا ہائے مکلف کے بذریعہ نائن و بھاٹن اہل برادری کو بھیجی گئی۔

۵ فروری ۱۸۹۱ء۔ آج شام کو اول بہ تقریب مکتب نور دیدہ منتظم حسین (پوتا) ولد برخوردار مصطفےٰ علی قرار پائی اور مولوی مہدی حسن صاحب ولد مولوی فضل حسین صاحب مرحوم نے مسجد قدیم میں بسم اللہ پڑھائی۔ بعدہٗ برخوردار مجتبیٰ علی کو کوٹھی راقم نو تعمیر میں مانجھے بٹھایا گیا جس تقریب کو منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار نے ادا کیا۔ تقسیم بتاشا بہت عنوان بائستہ سے ہوئی و باوصف مجمع کثیر کوئی متنفس حصہ پانے سے محروم نہیں گیا۔ صبح کو حسب ذیل جوڑے تقسیم ہوئے تھے (۷ اعداد، تفصیل حذف کی گئی۔ ہاشمی) شب کو جلسہ رقص احاطہ راقم میں ہوا جس میں دو شامیانہ کلاں استادہ تھے اور تمامی روسائے قصبہ مسلمان و ہنود کا مجمع کثیر تھا۔ اکثر زمیندار وغیرہ دیہات سے بھی آئے تھے۔ طائفہ ذیل کا ناچ ہوا۔

فضل حسین کشمیری لکھنؤ بیس روپیہ یومیہ۔ مسماۃ مقصود طوائف سندیلہ۔ سات روپیہ یومیہ مسماۃ احمدی جان طوائف سندیلہ۔ سات روپے یومیہ۔ جلسہ بہت اچھا ہوا جس سے حاضرین مسرور ہوئے اور اہل برادری کو طعام اعلیٰ درجے کا کھلایا گیا۔

۶ فروری ۱۸۹۱ء۔ یوم ہوم علی الصباح عمدہ قسم کا کھانا بطور ناشتہ اصحاب ہمراہی بارات کو تقسیم کیا۔ گیارہ بجے دن کو بذریعہ ریل بہ جمعیت ڈھائی سو ہمراہیوں کے بارات روانہ ہوئی اور تین بجے شام کو اسٹیشن نواب گنج (بارہ بنکی) پہنچی۔ براتیوں میں منشی سید فضل حسین صاحب تعلقہ دار و دیگر اشخاص معزز قصبہ و بیرونجات کے تھے جس سے ایک نوع کا وقار راقم منظور تھا۔ نواب گنج سے بذریعہ شکرم ایکہ و اونٹ گاڑی و چہار زنجیر فیل و اسپ ہائے متعدد بہ جمعیت تین سو آدمیوں کے بوقت شام بارات قصبہ 'دیوا' پہنچی۔ بعد پہنچے بارات کے بطور ناشتہ اصحاب بارات کو میں نے کھانا کھلوایا جس کا انتظام قبل سے کر رکھا تھا۔ اس کارروائی

سے میری بہت ناموری ہوئی۔ ڈھائی بجے شب کو بارات بہ دروازۂ دولھن برمکان مولوی نصیر الدین احمد صاحب تعلقہ دار پہنچی۔ آتش بازی و آرائش عمدہ تھی۔ ۳ بجے رات کو نورچشم سید مجتبیٰ علی کا مسماۃ ظہیر اختر دختر مولوی صاحب موصوف سے بعوض ایک لاکھ زرِ مہر عقد ہوا اور قاضی صاحب زیدپوا کو مبلغ دس روپے نکاحانہ دیا گیا جن کا نام محمد بشیر ہے۔

۲۷ فروری ۱۸۹۱ء۔ بوقت صبح مولوی نصیر الدین صاحب نے طعام کندوری براتیوں کو دیا جس کی تقسیم بہت عنوان بالبستہ سے ہمارے منتظم سید محمد زکی صاحب نے کی۔ طعام اچھا و بھاری تھا۔ شب گزشتہ کو و نیز صبح کو فضل حسین کشمیری و مسماۃ بیگن طوائف لکھنؤ اور ایک طائفہ نواب گنج نے رقص کیا۔ فضل حسین و بیگن کا ۔۔ یومیہ اور نواب گنج والی کو چودہ روپے دیے گئے۔ انگریزی باجا لکھنؤ سے اور تاشہ نواز و روشن چوکی والے نواب گنج سے شریک ہوئے تھے۔ جہیز حسب تفصیل ذیل ملا:

"زیور طلا خورد و کلاں۔ ۱۲ عدد، زیور نقرہ۔ ۱۰۰ عدد، ظروف نقرہ خورد و کلاں۔ ۳۶ عدد، ظروف مسی خورد و کلاں ۲۴ عدد، ظروف آہنی۔ ۶ عدد، تمام معاسپ و ساز۔ ایک عدد، قرآن مجید۔ ایک عدد، جوڑا زنانہ و مردانہ ۴۴ عدد، صندوق و پٹارہ و پینس۔ ۵ عدد۔ دری و قالین و چاندنی۔ ۳ عدد، رخصتی ۱۵ روپے"۔

۳ بجے شام کو بارات زیدپوا سے رخصت ہوئی۔ تعداد مردمان تین سو تھی۔ دو گھنٹہ میں نواب گنج پہنچے اور ۸ بجے رات کی ریل میں وہاں سے روانہ ہو کر ۱۲ بجے رات کو داخل سندیلہ ہوئے۔ انتظام بارات قابل تحسین تھا۔ منتظموں نے بہت دل سوزی ظاہر کی مگر میں اپنی علالت سے بہت پریشان رہا۔ غذا کا بہت ہی قلیل اتفاق ہوا۔۔۔۔ اس تقریب میں میرا صرف زائد ہوا جو شادی نورچشم مصطفےٰ علی اور دختر کلاں میں نہیں ہوا تھا جس کی صراحت کسی تاریخ آئندہ میں درج ہوگی۔

علالت خود: ۲۵ فروری ۱۸۹۱ء۔ (بمقام لکھنؤ) آج بہ عطائے فیس دو روپیہ حکیم سید عابد علی صاحب خلف حکیم حیدر علی صاحب چوک جدید لکھنؤ کو بذریعہ مولوی نصیر الدین احمد صاحب وکیل طلب کر کے کل کیفیت علالت کی بیان کی اور نسخہ مجوزہ ان کا استعمال کیا۔ ان کی یہ رائے ہے کہ مادہ یرقانیت سے حرارت جگر میں پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے شکایت ضعف ہضم و کمی اشتہا و سوزش بول وغیرہ کی ہے۔ سنا گیا کہ حکیم صاحب سمجھ دار آدمی ہیں اور علاج اچھا کرتے ہیں۔

۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء۔ (بمقام لکھنؤ) آج رات کو جلسہ اطبا مکان حافظ عبد العلی صاحب بہ نسبت تشخیص مرض راقم فراہم ہوا جس میں حافظ صاحب و حکیم عبد العزیز صاحب جھوائی ٹولہ و مولوی عبد العزیز صاحب دریابادی

شریک تھے۔ باہم بحث ہوئی اور کیفیت مزاج بست سالہ مرتبہ راقم پیش ہوئی جس کو نور چشم سید مصطفےٰ علی نے بہ توضیح تمام پڑھا۔ اور اس پر غور کامل ہوا۔ آخرش بالاتفاق یہ طے ہوا کہ راقم کو تپ نہیں ہے۔ عارضہ لاحقہ ہیں شرکت گرمی و سردی کی ہے اور اس وجہ سے علاج اجزائے معتدل سے ہونا چاہیے۔ حکیم عبدالعزیز صاحب دریابادی نے اپنی رائے میری نسبت یہ ظاہر کی کہ حافظ عبدالعلی صاحب پرانے حکیم ہیں اور ان کا تجربہ بمقابلہ حکیم عبدالعزیز صاحب جھوائی ٹولہ بڑھا ہوا ہے اور اس شہر لکھنؤ میں بہت نامور ہیں ان کا علاج شروع کیا جاوے۔ لہٰذا قصد ہے کہ کل بعد معائنہ نبض و قارورہ ان کا علاج شروع کروں۔ بعد کو بہ حالت عدم حصول صحت حکیم عبدالعزیز صاحب کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۲۲ مارچ ۱۸۹۱ء۔ آج لالہ لالتا پرشاد ولد مول رام (محلہ بردنی) و جگن ناتھ پرشاد ولد گیا پرشاد (سرائے کالیستھ) و کیدار ناتھ ولد مہاراج شیو سہائے (مہتوانہ) واسطے عیادت راقم کے سندیلہ سے آئے اور اپنی تکلیف دہی سے مجھے ممنون کیا۔ میں نہایت خوش نصیبی کے ساتھ شکریہ اس خدائے عالم یزل کا ادا کرتا ہوں کہ ہندو و مسلمان ہر دو فریق میری ہمدردی کرتے ہیں۔

۲۳ مارچ ۱۸۹۱ء۔ میں نے بمقام لکھنؤ (بوجہ علالت خود) محلہ پنجابی ٹولہ مکان برکت علی صاحب میں قیام جائز رکھا اس لیے کہ اس مکان میں برخورداران ارتضیٰ علی و مرتضیٰ علی بباعث تعلیم انگریزی مقیم ہیں اور ڈھائی روپیہ کرایہ مکان دیا جاتا ہے۔ اگرچہ پہلے سندیلہ سے ایک روز کی علیحدگی طبیعت کے خلاف معلوم ہوئی تھی لیکن یہاں آج ۸ روز سے مقیم ہوں اور علاج حکیم عبدالعلی صاحب جھوائی ٹولہ کر رہا ہوں لیکن طبیعت کو دلچسپی ہے اور کوئی گھبراہٹ نہیں معلوم ہوتی اور آج آٹھ روز سے طبیعت کو بھی افاقہ نظر آتا ہے اگر دورہ مرض بار دیگر اعادہ نہ کرے۔

مولوی شیخ نصیرالدین وکیل درجہ اوّل و کارندہ شیخ نہیم الزماں صاحب سندیلہ میرے متعلقہ امور ضروریہ دیکھ بھال ادویہ تیاری نسخہ جات وغیرہ میں بہت مدد دیتے ہیں اور بار بار تشریف لاتے ہیں جس کا میں ممنون ہو رہا ہوں۔

سید مرتضیٰ علی: ۲۴ مارچ ۱۸۹۱ء۔ بباعث علالت بہ حالت قیام لکھنؤ مجھے برخوردار سید مرتضیٰ علی فرزند اصغر سے برابر یکجائی رہی اور میں نے ان کے عادات و خصائل کو جو بہ نظر غور دیکھا تو فہم و فراست، ذہن و عقل و ہوش اُس کے نہایت درجہ اعلیٰ کے ہیں اور طبیعت لکھنے پڑھنے و مادہ انتظامی خانہ داری میں ایسی مناسبت ہے کہ جس کا حصہ ان کے برادران اعظم میں نظر نہیں آتا۔ مزاج میں سہولت کے

ساتھ تیزی اور ہر ایک کام میں دلچسپی و مادہ ہر دل عزیزی حاصل ہے۔ میں جہاں تک غور کرتا ہوں تو میرے حواس اس عمر میں ایسے صحیح نہ تھے۔ یہ لڑکا ضرور ہونہار ہے اور ترقی کامل کرے گا اور بعد میرے یہ میرے خاندان اور اولاد میں جو ناموری و افتخار پیدا کرے گا وہ دوسرے سے امید نہیں ہو سکتی اور اپنے ہم چشموں میں میں جو گوئے سبقت لے جائے گا وہ یہی لڑکا ہو گا اور زائچہ ولادت بقاعدۂ نجوم بھی اس کا اس کے ذی اقبال ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خدا میرے خیالات راست لاوے اور اس کی عمر میں برکت دے۔ میں اس سے از بس خوش ہوں۔

کتبۂ قبر: ۱۰ اپریل ۱۸۹۱ء۔ آج شیخ عبدالوہاب مہر کن لکھنؤ حسب خواہش میری سنگ مرمر پر قطعۂ ذیل باخذ اجرت دو روپے کندہ کر کے لایا جو بعد انتقال راقم میری قبر پر نصب ہو گا۔ قطعہ

چو کردۂ بہ سر تربتم قدم رنجہ — عنایت از من بے دست و پا دریغ مدار

ولے کہ کار نہ باید بجز دعائے خیر — دعائے خیر برائے خدا دریغ مدار

متعلق علالت خود: ۳۰ اپریل ۱۸۹۱ء۔ آج منشی سید فضل حسین صاحب تعلقہ دار سندیلہ میرے خالہ زاد بھائی نے براہ کمال محبت اپنی تحریر ڈاک محررہ ۱۹ اپریل میں مجھے لکھا کہ آپ کو مکان پنجابی ٹولہ میں بباعث گرمی تکلیف ہوتی ہو گی۔ میرے مکان قیصر باغ میں آپ اٹھ آویں۔ وہاں سامان ٹٹی خس و پنکھا موجود ہے اور میں واسطے تفریح طبع کے اپنا گھوڑا گاڑی لکھنؤ بھیج دوں گا۔ اس کام و نیز متعلق رہے گا۔ آپ اس پر سوار ہو کر بالمرہ تفریح کیا کریں جس سے طبیعت کو نہایت فرحت حاصل ہوتی رہے گی۔ اس میں کوئی تکلف نہ ہونا چاہیے۔

آج تین دن ہوئے مجھے شب کو اتفاق غذا کا نہیں ہوتا۔ شام کو نہ اجابت ہوتی ہے نہ اشتہا۔ تھوک کی زیادتی ہوتی ہے اور جب کھانے پر بیٹھتا ہوں تو ابکائی شروع ہو جاتی ہے۔ عجب حالت میں مبتلا ہوں۔ نہیں معلوم منظور خدا کیا ہے۔۔۔۔ لہذا آج سے حسب اتفاق رائے حکیم عبدالعزیز صاحب دریابادی حافظ حکیم عبدالولی صاحب جھوائی ٹولہ کا معالجہ موقوف کر دیا۔۔۔۔ اب قصد ہے کہ ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب اسسٹنٹ سرجن وکٹوریہ اسپتال لکھنؤ خواہ حکیم عبدالعزیز صاحب جھوائی ٹولہ کا علاج کروں۔

۳۱ اپریل ۱۸۹۱ء۔ آج سے معالجہ عبدالعزیز صاحب ولد حکیم اسمٰعیل صاحب جھوائی ٹولہ چوک لکھنؤ شروع کیا جنہوں نے کمال توجہ کے ساتھ سب حال سنا اور نسخہ لکھا جس کا استعمال شروع کیا۔

آج راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سندیلہ بار دیگر میری عیادت کو تشریف لائے جو میرے لیے باعث فخر کا متصور ہے۔ چودھری محمد امیر و عزیزی حافظ علی و عوض علی سب سندیلہ سے میری عیادت کو آئے

جو باعث کمال خوشی کا ہوا اور میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ لوگ مجھے بنظرِ وقار دیکھتے ہیں اور عزت کرتے ہیں۔

۲ مئی ۱۸۹۱ء۔ میں خدا کی عنایتوں کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنے حبیب کے صدقے میری تکلیفات بیماری ضعف معدہ و جگر میں تخفیف عطا کی کہ آج سات یوم گذشتہ سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی اور اجابت بستہ ہوتی ہے اور فی الجملہ قوت آچلی ہے۔ اگر ایک ہفتہ تک ایسی ہی طبیعت رہی تو مجھے اس کے دار الشفا سے امید ہے کہ توانائی قابل امتیاز آجاوے۔

۷ مئی ۱۸۹۱ء۔ حکیم عبد العزیز جھوائی ٹولہ نے میرے واسطے ایک پھنکی ادویہ کی تیار کروادی تھی وہ مجھ کو اول دن ہی سے مضر پڑی اور اجابت ملین ہوئی جس کی شکایت کی گئی لیکن سماعت نہ ہوئی اور بعد غذا پھر نوش کرنے کی تاکید ہوئی۔ دوسرے دن پھر نوش کی اس سے زیادہ ضرر ہوا مگر عذر سودمند نہ ہوا اور پھر تیسرے دن بصراحت حکیم صاحب سے عذر کیا گیا لیکن کچھ موثر نہ ہوا اور کل بوقت شب پھر وہ پھنکی نوش کرنے کو مجبور ہوا جس سے اس قدر گرمی مزاج میں پیدا ہو گئی کہ کل رات سے آج نو بجے صبح تک نو دست آئے اور ضعف سخت پیدا ہو گیا۔ نشست و برخاست و تکلم دشوار ہو گیا۔ تمام اعضا سے آنچیں نکلتی تھیں تلووں میں بے چینی کے ساتھ سوزش بول و براز میں حرقت، ہتھیک کی شدت، متلی کی شکایت پیدا ہو گئی اور جب یہ کیفیت حکیم صاحب کو مفصلاً تحریر کی تو جواب ملا کہ طبیب کی رائے پر علاج ہونا چاہیے مریض کو محل مداخلت نہیں اور جب مریض طبیب کی مخالفت کرے تو اس کا علاج نہ کرے۔ جب یہ فقرات حکیم صاحب کے دست و قلم سے لکھے ہوئے میں نے دیکھے تو ان کے علاج سے مجھے سخت تنفر پیدا ہوا۔ یہ حکیم سخت طامع ہیں حالانکہ ان کی فیس معمولی جب میں ان کے مکان پر جاتا تھا تب بھی دیتا تھا لیکن ان کی طبع غلیظ مانع اس امر کی نہ ہوئی کہ حصول صحت کاملہ تک اپنی حرص کو مریض کی ایذا رسانی سے روکیں۔ پس میں نے ایسی حالت میں بصلاح اپنے احباب یہ ہی مناسب سمجھا کہ معالجہ ان کا ترک کیا جائے ورنہ اگر ایک روز اور بھی اجزائے مرکبہ ادویہ پھنکی استعمال کیا جائے گا تو جاں بری دشوار ہوگی۔ پس بنظر مناسب یہ خیال میں آیا کہ اب گرمی لکھنؤ سے تکلیف ہے اور اب یہاں کسی کا علاج کرنا منظور نہیں پس قیام لکھنؤ بھی فضول و بیکار ہے۔ لہٰذا دس بجے رات کی گاڑی میں اپنی صحت سے بے نیل مرام سندیلہ کو واپس آیا۔ دو مہینے بارہ دن مجھے اتفاق قیام لکھنؤ کا ہوا۔ مصارف بہت پڑے۔ احباب وغیرہ کی گرم جوشی ظاہر ہوئی لیکن مجھ علیل کو کچھ نفع نہ حاصل ہوا اور جس حسرت کے ساتھ اپنی تمناؤں کو مشت بند کیے ہوئے میں وطن کو

لوٹتا ہوں خدا کسی آرزومند کو وہ حالت نصیب نہ کرے۔

۹ مئی ۱۸۹۱ء۔ آج سید علی بہادر صاحب تحصیلدار و جوالا پرشاد صاحب پیشکار و راجہ درگا پرشاد صاحب و راجہ کنور نرندر بہادر صاحب تعلقہ داران اور بہت سے معزز اشخاص قصبہ ہذا میری عیادت کو آئے اور میری حالت دیکھ کر بہت افسوس ظاہر کیا اور تہِ دل سے میرے حصول تندرستی کی خدائے لم یزل سے دعا مانگی۔ میں اپنے احباب و اکابر و اعزا وغیرہ کا نہایت شکر گزار ہوں کہ مجھے نگاہ وقعت سے دیکھتے ہیں اور میری تندرستی کے خواہاں ہیں۔ آج سے میں نے علاج ظہور الحسن طبیب میونسپل کا شروع کیا۔ نسخہ بظاہر اچھا نظر آتا ہے۔ شاید تلیین اجابت کو کچھ اس سے نفع ہو۔

۱۰ مئی ۱۸۹۱ء۔ جس تاریخ سے میں سندیلہ آیا ہوں جملہ اہلِ قصبہ مجھ سے ایسا برتاؤ ہمدردی کو رہے ہیں کہ ہر وقت ایک کثیر مجمع میری چارپائی کے گرد بیٹھا رہتا ہے جس میں اعلیٰ و ادنیٰ سب قسم کے لوگ شامل ہیں اور میں از دیاد ضعف سے آنکھیں بند کیے پڑا رہتا ہوں اور کسی طرح سے ان کی ہمدردی کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ یہ مجھے اپنی طویل علالت سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اہل قصبہ مجھے نگاہ محبت سے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ بہ بفضلِ یزداں مجھے گرمی موسمی وغیرہ سے ظاہری کوئی تکلیف نہیں ہے۔ پردے ٹٹی و پنکھا آراستہ شدہ کوٹھی میں مہیا ہونے سے تمام دن راحت سے گزرتا ہے اور شب کو بھی چھت کے وسیع صحن سے راحت ملتی ہے مگر اندرونی جسمانی تکلیف نے مجھے ایسا پریشان کر رکھا ہے کہ ان نعمت ہائے موجودہ کا کوئی لطف و حظ حاصل نہیں ہے۔

۱۵ مئی ۱۸۹۱ء۔ ۱۲ مئی سے میری طبیعت کو سکون ہے۔ اجابت البتہ اوقات معمولی پر ہوتی ہے دونوں وقت کسی قدر غذا بھی ہونے لگی ہے جس کی مقدار شاید آدھ پاؤ سے زائد نہ ہو۔ اگر اسی طور سے طبیعت سنبھل رہی تو یقیناً کچھ ضعف گھٹے اور قوت اعادہ کرے۔ حکیم ظہور الحسن صاحب جوارش آنولہ جس میں بہت سے اجزا مقوی داخل ہیں چار رتی مروارید محلول کے ساتھ استعمال کرواتے ہیں جس سے ایک نوع کی شکل فائدہ متصور ہے۔

۱۰ جون ۱۸۹۱ء۔ آج کل میرے مصارف بباعث بیماری بہت بڑھے ہوئے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں..... خیر خدا فضل فرمائے تو یہ صرف بھی بیجا نہیں ہے۔ اپنی صحت جسمانی کے لیے آدمی کیا کچھ نہیں خرچ کر ڈالتا ہے۔ مگر میں ایک ایسا مریض ہوں کہ جس کا زمانۂ مرض کسی نہج سے ختم نہیں ہوتا۔ دسواں مہینہ میری بیماری کو ہے۔ اگر اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو یوماً فیوماً بہتر نظر آتی ہے۔ قوت جسمانی ایسی گھٹ گئی ہے کہ نشست و برخاست تکلیف سے ہوتا ہے اور جو تکلیف کہ مرض سے میں برداشت کر رہا ہوں اس کا تحمل

اب نہیں ہوسکتا۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو شاید ایسی تکلیف سے میں اسے گوارا کرتا اور بہ آرام اپنی قبر میں سوتا لیکن افسوس ہے کہ یہ فعل میرا بعد میرے حمق پر دلالت کرے گا اور شرعاً ایسا کرنا حرام مطلق ہے بہ خیال اس کے میں اپنی نیت وارادہ سے باز رہتا ہوں اور اپنے خدا سے دست بدعا ہوں کہ وہ جملہ مصیبت پر لحاظ فرماکر یا تو مرض سے مجھے نجات بخشے یا میرا انجام بخیر فرمائے۔

۱۴ر جون ۱۸۹۱ء۔ سنیچر پیوستہ سے کل تک مستورات پردہ نشین ومردمان خاندان شریف کو جو دست سوال کسی کے آگے پھیلانا مکروہ سمجھتے ہیں مختلف قسم کے کھانے بہ تعداد ۲۵ بخش بالمرہ تقسیم کیے.... شاید خدا انھیں کی دعا سے میری مشکلات کو حل فرمائے۔ یہ مسئلہ مسلم ہے کہ خیرات باعث ردِ بلا ہوتی ہے۔

۱۹ر جون ۱۸۹۱ء۔ آج ۳ بجے رات سے ۹ بجے صبح تک چھ گھنٹہ کامل میرے پیٹ میں بائیں طرف اس قدر شدت سے درد ہوا کہ روح کو سخت صدمہ تھا.... بالآخر جب ماش کی روٹی پیٹ پر باندھی گئی تو اس سے معاً افاقہ ہوا۔ میری کوٹھی تمامی اہل محلہ سے بھری ہوئی تھی جو براہ ہمدردی عیادت کو تشریف لائے تھے اور میرے حال پر متاسف تھے۔ مسماۃ امت النسا درگاہ گنج مرادآباد سے واپس آئیں۔ مولوی فضل رحمان صاحب نے (جو آج کل بزرگی وفضیلت ومقبول بارگاہ لم یزل ہونے میں مشہور آفاق ہیں اور تمامی ہندوستان کے لوگ ان کے حصول بیعت کو دور دور سے آتے ہیں) مجھے الائچیاں ولوبان پڑھ کر بھیجا اور ایک گنڈہ گلے میں پہننے کے واسطے بنادیا اور فرمایا کہ جلد صحت ہوجائے گی۔ دو آدمی ان کی مخالفت میں کچھ بڑھتے ہیں لیکن ان کا عمل کچھ موثر نہ ہوگا اور میں پنجگانہ نماز میں ان کی صحت کی دعا مانگتا رہوں گا۔

۲۶ر جون ۱۸۹۱ء..... سچ تو یہ ہے کہ حکیم ظہور الحسن میرے معالج ۲۵ سال کے آدمی ہیں مگر خدا نے ایسی فہم رسا اور ذکاوت ان کو عطا کی ہے کہ میرے مرض صعب ضعف وحرارت جگر وتولید ریاح کا علاج بہت سوچ سمجھ کر کر رہے ہیں جس سے مجھے افاقہ معتدبہ پیدا ہے اور میں اپنے خیال میں کہہ سکتا ہوں کہ لکھنؤ کے نامور اطبا کے برابر ان کی تشخیص ہے بلکہ میں اپنے علاج کی نسبت یہ کہہ سکتا ہوں کہ حکیم عبد العلی وحکیم عبد العزیز مشہور ومعروف اطبا چوک جھوائی ٹولہ سے بڑھ کر میرا علاج حکیم ظہور الحسن کر رہے ہیں۔ مجھے خدا کے افضال سے امید پڑتی ہے کہ عجب نہیں کہ حکیم صاحب کے علاج سے نفع کامل حاصل ہو....

۱۱ر جولائی ۱۸۹۱ء۔ چونکہ معالجہ حکیم ظہور الحسن ولد افضل حسین سے جن کی ملازمت میں نے میونسپل سندیلہ سے مستقل کرادی ہے میرے عارضہ ضعف وحرارت جگر میں ایسا فائدہ حاصل ہوا اور استعمال

ار اللحم وبیضہ مرغ سے اس قدر توانائی حاصل ہوئی کہ میں آج علی الصباح واسطے سیر باغات ملکانہ کے گیا۔ پھر مکان منشی فہیم الزماں صاحب مرحوم پر عزیزی بشیر الزماں سے ملاقی ہوا اور نصف گھنٹہ نشست کے بعد اپنے مکان کو لوٹ آیا۔ یہ تمامی مسافت دو گھنٹہ میں بہ سواری تامجان طے ہوئی اور خدا کے فضل وکرم سے کوئی تھکاوٹ یا اکان محسوس نہیں ہوئی بلکہ اس سیر سے طبیعت کو فرحت حاصل ہوئی۔

<u>برکھ پھل</u>: ۲۹ جولائی ۱۸۹۱ء۔ جو مضمون واقعہ ۱۵ فروری و ۲۹ جولائی ۱۸۹۱ء کو متعلق برکھ پھل جو ۱۱ ستمبر سن الیہ کو شروع ہوگا بموجب رائے پنڈت گوری شنکر ولد گور دیال (سندیلہ) حوالہ قلم کیا ہے اس کو جہاں تک میں نے غور کیا تو میری رائے ان کی رائے کے محض خلاف ہے جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) سورج میرے جنم لگن کا صاحب طالع ہے اور وہ اپنے گھر میں بخانہ ہشتم برکھ پھل ۱۱ ستمبر میں بیٹھا ہے اور سنیچر لگن برکھ پھل کا صاحب طالع ہو کر تحت الشعاع آفتاب میں آگیا ہے اور اس کی قوت زائل ہو گئی تو یہ زوال قوت بحق صاحب طالع چنداں مضر نہیں ہو سکتا کیوں کہ بلحاظ قواعد نجوم اصل مالک طالع کا آفتاب ہے تو کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے ضرر پہنچاوے۔ (۲) دوسرے یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر ستارہ ناقص برج ناقص میں اپنے گھر کا مالک ہو کر یا اپنے شرف میں ہو کر پڑے تو اس سے کوئی امید ضرر کی نہ رکھنا چاہیے اور وہ ہرگز مضرت رساں نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر وہ کسی دوسرے برج میں پڑتا۔ (۳) تیسرے اگرچہ سال مذکور الصدر کا صاحب طالع سنیچر ہے اور بخانہ ہشتم بیٹھا ہے لیکن اس سال کا برکھیس یعنی سال کا مالک آفتاب ہے جو کسی طرح اپنی ذات کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (۴) چوتھے جہاں تک غور کیا گیا تو ۱۱ ستمبر کے برکھ پھل میں اقبال جوگ پڑا ہے اور بقاعدہ نجوم اقبال جوگ سولہ جوگوں میں نمبر اول ہے جس برکھ میں پڑ جاوے اس کے صاحب طالع کو اس سال کے اندر پورے طور سے حصول مقاصد میں کامیاب کرے تو ایسی حالت میں جو تقاضات سنیچر و منگل و زہرہ کے بخانہ ہشتم بیٹھنے سے تاریخ ۲۹ جولائی کو درج ہوئے ہیں ان کا کوئی اثر بمقابلہ اقبال جوگ موثر نہیں ہو سکتا آئندہ جو کچھ منظور خدا ہو جس کا نتیجہ شروع ہونے سال کے ایک مہینہ بعد معلوم ہوگا اور درج کتاب ہذا کیا جائے گا۔

<u>محرم میں ایک رسم</u>: ۱۰ اگست ۱۸۹۱ء۔ آج ۵۴ عدد بتاشے جن میں گوکھرو و گوٹہ و بعض میں لچکہ دبیٹھا لگا تھا شیخ رفیع الدین ولد مولوی نصیر الدین رئیس دیوا نے من جانب ہمشیرہ خود یعنی اہلیہ برخوردار سید مجتبیٰ علی مع قدرے مسالہ بمقدار چار سیر بدست کلو حجام کے بھیجے۔ ایسے مراسم جب کہ پہلا محرم بعد شادی کے

پڑتا ہے تو فریقین کی جانب سے ادا ہوا کرتے ہیں۔ گھنڈیاں نقرئی کسی بٹوہ میں نہیں تھیں۔

۱۲ اگست ۱۸۹۱ء۔ آج پچاس عدد بٹوے جو کمخواب زربفت اطلس وغیرہ سے مرتب ہوئے تھے اور ان میں گوٹہ لچکا پٹھا لگا ہوا تھا بدست کلّو حجام مولوی نصیر الدین صاحب واسطے اہلیہ برخوردار قصبہ دیوا کو بھیجے۔ بٹوہ کمخواب وغیرہ ۷ عدد جن میں لچھے دار گھنڈیاں نقرئی لگی تھیں۔ بٹوہ گوٹہ دلچکہ جن میں گھنڈیاں نقرہ تھیں۔ دیگر بٹوے اطلس وغیرہ کے جن میں گوکھرو دلچکہ وغیرہ لگا تھا جملہ ۵۰ عدد۔ مسالہ پنج رنگا مع لونگ الائچی کلاں دس سیر نمبری۔

انڈوں کا استعمال: ۲۲ اگست ۱۸۹۱ء۔ مجھے اس وقت کا زمانہ کبھی فراموش نہ ہوگا کہ میرے مزاج میں ایسی برودت آگئی ہے کہ اندک سرد چیز کا استعمال میرے حق میں مضر ہے اور اس سے اس قدر ریاحوں کی تولید ہوتی ہے کہ خارج ہونا دشوار ہو جاتا ہے اور زردی بیضہ مرغ نیم برشت سے جو دس گیارہ سے کم استعمال نہیں ہوتے کسی نوع کی گرمی محسوس نہیں ہوتی اور چونکہ یہ غذا لطیف اور زود ہضم ہے اس وجہ سے اس کا استعمال میں اپنے حق میں بہت مفید اور ضروری تصور کرتا ہوں۔

وفات خالہ خود: ۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء۔ آج ۶½ بجے صبح کو مسماۃ شرفاً والدہ منشی فضل حسین تعلقدار نے بعارضہ تخمہ جو منجر بہ ہیضہ ہو گیا تھا اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ دس بجے تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی اور منشی سید فضل رسول صاحب مرحوم اپنے شوہر کے پہلو میں پچھم جانب مدفون ہوئیں۔ عمر چھیاسی سال تھی۔ یہ بی بی نہایت نیک سیرت کنبہ پرور سخی المزاج تھیں۔ اکثر اپنے اعزا کی پرورش و پرداخت ملحوظ رکھتیں عزیزوں کی پوشیدہ اعانت کرتی تھیں اور ایسی خوش نصیب تھیں کہ جب سے ان کا بیاہ ہوا اس گھر میں دولت برسنے لگی۔ آخر عمر میں ان کو اپنے اکلوتے بیٹے کی بے اعتنائی و بے اعتدالیوں کا البتہ ملال رہا کرتا تھا۔ میرے ساتھ ان کو ایک محبت خاص تھی اور مثل اپنے بیٹے کے بلکہ بعض موقعوں پر ان سے زیادہ مجھے عزیز رکھتی تھیں ....
مجھے انکی مفارقت دائمی کا افسوس سخت ہے لیکن بجز مجبوری کہ مشیت ایزدی میں کوئی چارہ نہیں خدا غریق رحمت کرے۔ آمین۔

۵ اکتوبر ۱۸۹۱ء۔ آج صبح کو سیوم والدہ منشی سید فضل حسین صاحب تعلقدار کا ہوا۔ مجمع عوام زائد تھا۔ بارہ سو بخش طعام واسطے تقسیم برادری و محتاجین کے پخت ہوا جس میں قلیہ و قورمہ پلاؤ تھا۔ بباعث بدانتظامی تقسیم اچھی نہیں ہوئی۔ اکثر فقرا دعا دیتے ہوئے محروم گئے۔ پہلے روز پانچ سو بخش کھانا برادرم سید کرامت حسین بھانجے مرحومہ کے دوسرے دن چار سو بخش منشی شمس الدین صاحب دیوراور دو سو بخش سید محمود رضا ولد محسن رضا بھانجے اور پانچ بخش من جانب مولوی علی احمد صاحب وکیل حال جبل پور کدھی

مرحومہ کے بھیجے گئے تھے۔ منشی شمس الدین صاحب کے یہاں کا پلاؤ ناکافی تھا۔ محمود رضا کے یہاں پلاؤ نہ تھا۔ مولوی صاحب کے گھر کھانا اچھا تھا۔ مرحومہ کی نواسی سید نبی احمد خلف مولوی صاحب کو بیاہی ہے۔ دوسرے منشی فضل حسین مولوی صاحب کے دیہات کے منتظم و مختار عام ہیں۔

انڈوں کی قیمت: ۲۸؍ اکتوبر ۱۸۹۱ء۔ دو روز علاوہ غذا معمولی بارہ عدد زردی بیضہ مرغ نیم برشت کا استعمال کرتا ہوں جو بہ عنایت الٰہی بخوبی ہضم ہو جاتے ہیں اور چار پیسے کے پانچ انڈے بالفعل خرید ہو کر آتے ہیں۔

درد شانہ: ۱۱؍ جنوری ۱۸۹۲ء۔ میں اپنی بد قسمتی کا کیا ذکر کروں کہ مجھے ایک درد (درد شکم) سے افاقہ کامل نہیں ہوا تھا کہ درد شانہ و گلو نے مجھے گھیر لیا اور فوراً ورم آگیا اور اعضائے متصلہ پر ایسا اثر پہنچا کہ عروق گردن وغیرہ ماؤف ہو گئیں۔ غرض کہ اس درد نے مجھے ایسی تکلیف دی اور دے رہا ہے کہ ایک کروٹ سے دوسری کروٹ لینا دشوار ہے۔ باوجود اس قدر تکلیف کے میں اس صعوبت کو نہایت صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جب زمانہ رفع تکلیف کا آوے گا تو یہ شکایت دفع ہو جاوے گی۔ گریہ و زاری بیکار محض ہے۔

۱۴؍ جنوری ۱۸۹۲ء۔ درد شانہ کی تکلیف بدستور ہے۔ ہنسلی کی ہڈی قریباً ایک انچ ابھر آئی ہے۔ تکلیف کا یہ حال ہے کہ ایک انچ سرکنے میں دس منٹ صرف ہوتے ہیں اور قوت حاصلہ دو ثلث زائل ہو گئی۔

۳۱؍ جنوری ۱۸۹۲ء۔ آج میں نے ایک روغن مجربہ برادرم سید حافظ علی ولد رحم رحمان خاں صاحب اپنے درد شانہ میں مَلا۔ اس سے اس قدر تخفیف ہوئی کہ میں اپنا دست چپ بلا تکلف سر تک بلند کر سکتا ہوں لہٰذا نقل نسخہ واسطے استفادہ ناظرین کتاب ہذا درج ذیل کیا جاتا ہے۔

نسخہ روغن دافع درد ریاحی: لہسن، ایک تولہ، فرفیون۔ ۳ ماشہ، برگ سداب تازہ۔ ایک تولہ، عقرقرحا۔ ۴ ماشہ، پیپل۔ ۳ ماشہ، روغن کنجد یا زیتون۔ پاؤ بھر کل چیزوں کو کوٹ چھان کر روغن تلی میں پکائے اور جب ایک ثلث رہ جائے اس کو چھان کر مقام ماؤف پر مالش کرے۔

پچیسی: ۲۴؍ فروری ۱۸۹۲ء۔ میرا تجربہ ہے کہ پچیسی ایک منحوس کھیل ہے۔ علاوہ تضیع اوقات اس کے کھیلنے سے نحوست بڑھتی ہے۔ آج کل یہ کھیل ... مشغلہ منشی فضل حسین صاحب تعلقدار ہے جو بالمداوم کم سے کم پانچ چھ گھنٹے اس میں صرف کرتے ہیں اور اس حالت میں انھیں کسی معاملہ کی بات سننا سخت ناگوار ہوتی ہے۔ اس کھیل کا انجام بخیر نظر نہیں آتا۔ میں اس کھیل کا کبھی عادی نہ تھا بلکہ ستائیس سال ہو گئے میں نے گنجفہ و شطرنج

مطلقاً ترک کر دیا جس میں مجھے دستگاہ کامل تھی۔

نسخہ ضعف معدہ: ۲۱ مارچ ۱۸۹۲ء۔ ضعف معدہ کے واسطے اجزائے ذیل بہت مفید ہیں۔ راقم کو بھی ان کے استعمال سے فائدہ ہوا:

"کنوچہ، الائچی خورد، زیرہ سفید، زیرہ سیاہ۔ ان چاروں اجزا کو ہم وزن لے کر کوٹ چھان کر تین تین ماشہ کی پڑیاں بنالے اور بعد غذا ایک پڑیا نوش کرے۔ امید کہ شافی مطلق شفائے عاجل عطا کرے۔

وجوہ مالیخولیا وغیرہ: ۲۳ مارچ ۱۸۹۲ء۔ مالیخولیا، خبط و بے خوابی وغیرہ کے کئی سبب ہیں ان میں خاص خاص وجہ یہ ہیں: طبیعت پر زیادہ زور دینا، دوسرے ورزش نہ کرنا اور جسم سے کم کام لینا، تیسرے مزاج میں استقلال و عزم کا نہ ہونا، چوتھے خطرناک طریقوں سے کام کرنا، پانچویں دن رات خیال کرنے اور سوچنے کی بیہودہ عادت پر چلنا۔

نسخہ ہضم آم: ۲۴ جون ۱۸۹۲ء۔ تجربہ سے لکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص سونٹھ صاف چھنی ہوئی بقدر ایک ماشہ و نمک سیاہ ایک ماشہ باہم مخلوط کرکے بعد کھانے آم کے استعمال کرے تو ان کی تحلیل میں کوئی توقف نہ ہوگا۔ کسی ضرر کے بغیر ہضم ہو جائیں گے۔

تحصیلدار نوروز علی: ۲ جولائی ۱۸۹۲ء۔ آج چودھری محمد عظیم صاحب و چودھری نصرت علی صاحب سکریٹری انجمن ہند لکھنؤ و چودھری محمد رؤف صاحب روسائے قصبہ مہتوانہ عید ملنے کی تقریب میں میرے مکان پر تشریف لائے۔ چودھری محمد عظیم صاحب نے بحالت تخلیہ مجھ سے بیان کیا کہ نوروز علی تحصیلدار سندیلہ نے تمہاری کچھ شکایت کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی سے کی ہے جس کی نسبت صاحب بہادر چودھری صاحب سے دریافت کرتے تھے کہ مظہر علی کچھ کام میونسپل میں غفلت کرتا تھا جس کی وجہ سے تحصیلدار سندیلہ نے کار میونسپل اپنے تعلق کر لیا ہے اور کوشش تحصیلدار سے آمدنی میں اضافہ ہوا۔ بجواب اس کے چودھری صاحب نے میری لیاقت و تدین کی بہت تعریف کی کہ مظہر علی نے جیسا کام میونسپل کا کیا ہے ویسی لیاقت و مستعدی سے شاید دوسرا نہ کر سکے۔ جواب الجواب میں صاحب بہادر نے فرمایا کہ ہم ضرور مظہر علی کو اچھا جانتے ہیں وہ کام سکرٹری سے علیحدہ نہیں ہوا ہے ——— افسوس کہ میری لیاقت و کارگزاری تحصیلدار کے ناگوار طبع ہے۔ ؎ اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی

ہدایت نفس خود: ۱۴ اگست ۱۸۹۲ء۔ بغرض تعلیم و ہدایت خود میں نے نصیحت ذیل چودھری

عبدالباقی صاحب نمبردار سے بہ خط جلی لکھوا کر اور دو آہد ٹین ساز سے شیشہ و ٹین سے مرتب و آراستہ کرا کے اپنی نشست گاہ کی دیوار کے محاذ میں آویزاں کی تاکہ وہ مجھے ناصح رہے کہ کوئی بات غیر مہذب زبان سے نہ نکالوں۔

"سوچ سمجھ کر بات کرو کہ پشیماں نہ ہو"

پوتے کا نام: ۲۸ر اگست ۱۸۹۲ء۔ آج زائچہ مولود نور چشم سید مجتبیٰ علی بقاعدۂ نجوم میں نے مرتب کیا۔ نشست ستاروں کی بہت اچھی ہے۔ دو شرف میں ایک اپنے گھر کا اور ایک خانہ مسرت میں ہے۔ خدا اس کو زندہ رکھے۔ وہ ایک ہونہار لڑکا ہوگا۔ بعد غور کامل اس کا نام میں نے مرتضیٰ حسین رکھا۔ اس نام کا کوئی آدمی قصبہ ہذا میں نہیں ہے۔

ایک طبی مشورہ: ۱۴ر ستمبر ۱۸۹۲ء۔ اگر انسان اپنی صحت چاہے تو نصف مہینہ بھادوں سے شروع کاتک تک بلا بھوک ہرگز غذا نہ کرے ورنہ بالضرور کوئی نہ کوئی تغیر پیدا ہوگا۔ یوں تو ہمیشہ احتیاط لازمی ہے۔ یہ نصیحت بڑے تجربہ کے بعد درج ہوئی۔

شناخت ہیرا: ۲۲ر ستمبر ۱۸۹۲ء۔ ۱۔ کارڈ یا اس قسم کا کوئی دبیز کاغذ کا ٹکڑا لے کر سوئی سے اس میں ایک سوراخ کرو اور ہیرے کو آنکھوں کے سامنے لا کر اسی کی راہ سے سوراخ کو دیکھو۔ اگر ہیرا جھوٹا ہے تو دو سوراخ اور اگر سچا ہے تو ایک سوراخ دکھائی دے گا ۲۔ انگلی پر ہیرا رکھ کر اس کے ذریعے انگلی کے مسامات پر نگاہ کرو۔ اگر ہیرا سچا ہے تو جلد کے مسامات کچھ کچھ ممیز ہوں گے۔ صاف نہیں دکھلائی دیں گے اور اگر ہیرا نقلی ہوگا تو بہت صاف اور شفاف دکھلائی دیں گے ۳۔ ہیرے کا نگ انگوٹھی پر جڑا ہو تو اس طرح پر شناخت ہو سکتی ہے کہ اگر نگینہ اصلی ہیرے کا ہے تو ڈانک کبھی نہیں یا دکھلائی دے گی اور اگر نقلی ہیرا ہے تو صاف دکھلائی دے گی۔

تجربہ کاری: ۹ر نومبر ۱۸۹۲ء۔ تجربہ کار کا لفظ اسی شخص کی نسبت استعمال ہونا چاہیے جس نے اولاً ہر چیز کو بہ نظر غور دیکھا ہو اور بطور خود اس کی نسبت پوری فکر کی ہو، دوئم کتابوں کی سیر بہ نظر تعمق کر چکا ہو، سوئم ہم عصر لوگوں کی تحریرات کو جو کسی امر خاص کی بابت ہوں غور کیا ہو۔ تجربہ کاری کچھ اس بات سے متعلق نہیں ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہو گئی ہو اور وہ ان فضائل سے بے بہرہ ہو۔ اگر جوان آدمی میں ایسے خصائل حاصل ہوں تو وہ بھی تجربہ کار کے شمار میں آ سکتا ہے۔ جو شخص بلا واقف کاری بلا اطلاع و مشورت کے کوئی کام کرے گا وہ ہمیشہ غلطی میں پڑے گا۔

سوانح عمری خود: ۱۲ر نومبر ۱۸۹۲ء۔ آج میں نے اپنی سوانح عمری لکھنا شروع کی جس کو چودہ فصلوں میں منقسم کیا ہے اور ایک فصل میں اپنے حالات مفصل لکھنا چاہتا ہوں۔ خدا سے امید ہے کہ اس کی

تکمیل بوجہ احسن فرمائے (یہ سوانح عمری ۱۸۹۴ء میں کوئن پریس سندیلہ سے شائع ہوئی تھی۔ ہاشمی)

یکم دسمبر ۱۸۹۲ء۔ آج صبح کو کنور درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار میری ملاقات کو تشریف لائے اور مجھے اپنی سوانح عمری لکھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ آپ ایک نہایت عمدہ و قابل یادگار کام کر رہے ہیں جو اب اور آئندہ بدرجہ غایت کار آمد ہوگا کیوں کہ تصنیفات سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ درجہ کی یادگار دنیا میں نہیں ہو سکتی اور جب اس کام کو انجام دے چکیں تو نہایت بہتر ہوگا اس کو طبع کرا دیں جو باعث آپ کی کمال یادگار کے ہوگی اور چونکہ میں اپنا ذاتی مطبع سندیلہ میں جاری کرنے والا ہوں۔ پس اس میں یہ کتاب بہت آسانی سے طبع ہو جائیگی۔ میں نے راجہ صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے مجھے نہایت نیک صلاح دی۔

معاشی تردد: ۲۰ دسمبر ۱۸۹۲ء۔ میرے مصارف کو روز بروز ترقی ہے حتی کہ سال گزشتہ میں تین سو سینتالیس روپے کا صرف کپڑا خریدا ہوا۔ اور دیگر مصارف لابدی علاوہ برآں۔ اگرچہ میں فکر مند رہتا ہوں لیکن اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے جب تک کہ فضل ایزدی شامل حال نہ ہو۔ پس اس کی درگاہ میں دست بدعا ہوں کہ جیسی میری حیثیت و عزت بڑھائی ہے اپنے حبیب کے صدقہ سے تا حیات میری ویسی ہی آبرو و منزلت برقرار و قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

ڈالیاں: ۲۱ دسمبر ۱۸۹۲ء۔ چونکہ کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی بڑا دن بمقام 'جھرویہ' مزرعہ بینی گنج علاقہ چودھری محمد عظیم صاحب میں منائیں گے اور اسی روز عموماً کل رؤسا وغیرہ ڈالیاں حسب حیثیت خود ہا پیش کریں گے۔ لہذا مجھے بھی واجب ہوا کہ جس طور سے ممکن ہو ڈالی لے کر ۲۵ دسمبر کو جھرویہ پہنچوں۔ پس برادرم منشی سید فضل حسین صاحب سے یہ طے ہوا کہ ہم دونوں ۲۴ دسمبر کی شام کو سندیلہ سے بذریعہ ریل چونسہ پہنچیں اور بعد قیام شب صبح کو بہ سواری پالکی جا کر بعد ملاقات صاحب ضلع ڈالیاں پیش کریں جس کا سامان لکھنؤ سے میں نے منگایا ہے۔

سال نو: یکم جنوری ۱۸۹۳ء۔ آج سے ۱۸۹۳ء کا آغاز ہوا۔ ۱۸۹۲ء عموماً بہت سخت گزرا۔ سو میں شاید پانچ ہی شخص خوش حال و بے فکر رہے ہوں۔ انواع اقسام کے حادثات پیش آئے۔ نامور انگلستان و ہندوستان وغیرہ کے اس جہاں سے گزر گئے۔ میں بھی علالت جان فرسا، درد قولنج وغیرہ میں سخت مبتلا رہا اور ترددات انواع و اقسام کے علاوہ برآں تھے۔ دیکھا جائے کہ یہ ۱۸۹۳ء کیسا گزرتا ہے۔

محلہ کے کل لڑکوں میں بلکہ شاید سندیلہ میں کرامت علی خلف شیخ سلامت علی صاحب مرحوم کا سب سے

بڑا ہے اور آدمی بھی خوش فہم تیز طبع و سعید ہیں۔ عجب نہیں کہ یہ صفات ایک روز ان کو مرتبہ اعلیٰ پر پہنچا دیں اور مثل بھی ہندی مشہور ہے کہ سر بڑا سردار کا۔

موروثی خاصہ: ۱۳؍ مارچ ۱۸۹۳ء۔ میرے خاندان کا یہ موروثی خاصہ ہے کہ ابتداءً تعلیم و تعلم کا ضرور شغل رہتا ہے۔ بعدہٗ وہ چاہے جیسا معزز عہدہ حاصل کرے۔ چنانچہ میں اپنے چشم دید تین پشتوں کا ذکر کرتا ہوں کہ میرے جد امجد مولوی سید الٰہی بخش صاحب مرحوم نے مدت تک پیشۂ معلمی کا کیا اور میرے والد ماجد مولوی سید مظفر علی صاحب مرحوم ایک عرصہ تک مدرس اول مدرسہ ریاست جودھ پور رہے۔ بعدہٗ سندیلہ میں بھی بلا عذر اس شغل کو جائز رکھا۔ ابتداءً راقم بھی مدرس مدرسہ سندیلہ مقرر ہوا جس کو ساڑھے چار سال تک انجام دیا۔ اس کے بعد نوکری ریلوے وغیرہ کی حاصل کی۔ برخوردار مصطفیٰ علی آج کل مدرس اول مدرسہ انگریزی میں جس خدمت کو اپریل ۱۸۹۱ء سے انجام دے رہے ہیں۔ دیکھا چاہیے کہ ان کا مقدر کب یاوری کرتا ہے کہ کوئی بڑا عہدہ مستقل طور پر حاصل کریں۔

کھٹمل و مچھر: ۶؍ اپریل ۱۸۹۳ء۔ آج میں چار بجے شام کی ریل میں ہردوئی گیا۔۔۔۔ شیخ رعایت حسین صاحب وکیل کے مکان پر ٹھہرا لیکن جو چارپائی نواڑ کی میرے واسطے بچھائی گئی تھی اس میں اس قدر کھٹمل تھے کہ تمام رات مجھے ان کے چننے اور گھنٹے شمار کرنے میں گزری اور کوئی وقت پلک خواب راحت سے آشنا نہیں ہوئی اور اس پر طرہ یہ تھا کہ مچھروں کی فوج نے ایسے پیہم دھاوے کرنا شروع کیے کہ اگر کوئی منٹ کھٹمل کی نیش زنی سے نجات بھی ملتی تو ان کی سوزش سے چین نہیں ملتا تھا حتیٰ کہ تمام بدن میں ددورے پڑ گئے۔ غرض خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور میں نماز کو اٹھا۔ یہ رات میرے حق میں سخت تکلیف کی تھی جو شاید کبھی فراموش نہ ہو۔

کل شیٔ ۔۔۔۔ اصلہ: ۱۰؍ اپریل ۱۸۹۳ء۔ کل شیٔ یرجع الی اصلہ۔ اس مسئلہ کا جہاں تک تجربہ و امتحان ہوا تو بہت درست و صحیح قرار پایا۔ ہر شے کو ضرور اصل کی طرف رجحان ہوتا ہے۔۔۔۔ اگر انسان پر قیاس کیا جاوے تو اس کی بھی بلا کم و کاست وہی حالت دیکھی گئی جس سے اس کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے۔ اگر کوئی شخص قوم رذیل سے تعلیم دیا جاوے تو گو تحصیل علوم سے اس کی عقل و دماغ میں روشن ضمیری ضرور پیدا ہو جائے گی لیکن اس کی عادات میں کچھ شمہ اس کی اصلیت کا بلا توقف ضرور پایا جائے گا۔ اسی طرح سے اگر کسی خادم کے فرزند کو تعلیم دے کر لیاقت حاصل کرائی جاوے اور اگرچہ وہ کسی شریف کے نطفہ سے بھی

ہو تو بھی اس کی خو بو میں کچھ نہ کچھ اس کی ماں کا اثر پیدا ہوگا اور بوے وفاداری مفقود ہو گی ۔ یہ شعر استاد فردوسی کا ایسے محل پر نہایت درجہ صادق آتا ہے ع اگرچہ بود زادہ شہر یار پرستار زادہ نہ آید بکار

پس اسی طور سے میں جہاں تک خیال کرتا ہوں تو ....

اشعار حافظ : ۱۴ر اپریل ۱۸۹۲ء .... جب تحصیلدار نے دیکھا کہ میں کارروائی میونسپل میں نہایت صاف و پاک ہوں اور جو کام میرے عہد میں ہوئے وہ نہایت نیک نیتی کے ساتھ ہوئے اور کسی قسم کا تغلب کوئی شخص نہ کرنے پایا اور ملازمین میونسپل پر میرا کامل دباؤ تھا لہٰذا اس نہج سے انھوں نے کنجی ہائے گودلک (الکٹرائی) بموجب تحریر ۱۸ر مارچ ۱۸۹۲ء کے مجھ سے منگالی تھیں ۔ اسی طور سے آج مجھے بھیج دیں کہ میں کام متعلقہ سابقہ کو بحیثیت سکریٹری میونسپل کے انجام دوں ۔ اس مقام پر مجھے بعض اشعار حافظ شیراز علیہ الرحمہ کی کامل تصدیق ہوتی ہے جو سال گزشتہ میں بحالت تردد بوقت معائنہ فال کے برآمد ہوئے تھے ۔ شعر

بداں مثل کہ شب آبستن آمدہ است بہ روز ستارہ می شمرم تا کہ شب چہ زاید باز

زلوح بادیہ دل بدمکن بہ بند احرام کہ مرد راہ نیاندیشد از نشیب و فراز

بیا کہ بلبل مطبوع خاطرم حافظ بہ بوے گلشن وصل تو می سراید باز

دانتوں کی حفاظت : ۱۵ر اپریل ۱۸۹۲ء ۔ جس شخص کو اپنے دانت مدت تک قائم رکھنا مقصود ہو اسے پان خوری کا استعمال کم اور خلال کی عادت نہ کرے ورنہ میرا تجربہ ہے کہ چونا مسوڑھوں کو کاٹ دیتا ہے اور خلال کرتے کرتے دانتوں کے درمیان فرق پیدا ہو جاتا ہے جس سے چند روز میں انھیں جنبش ہونے لگتی ہے اور بالآخر گر جاتے ہیں اور انسان روٹی و دیگر لذائذ دنیوی سے محروم ہو جاتا ہے ۔

قسم کھانا : ۱۶ر جون ۱۸۹۳ء ۔ جب میں کم سن تھا مجھے خوب یاد ہے کہ ۱۸۵۶ء سے قسم کھانا جیسا اس کا آج کل ضرورت بلاضرورت عام رواج ہے مطلقاً ترک کر دیا تھا اور کبھی سہواً اس کا اتفاق نہیں ہوتا ہے اور میں بہت برا جانتا ہوں کہ لوگ معمولی بات چیت میں بلاضرورت اس کے عادی ہیں جس سے ان کی بے اعتباری متصور ہے اور جب کبھی کسی عدالت میں اتفاق اداے شہادت کا ہوتا ہے تو وہاں بھی انھیں الفاظ کا استعمال کرتا ہوں کہ اپنے علم و یقین سے سچ کہوں گا جھوٹ نہ کہوں گا ۔

دعوت احبہ : ۴ر جولائی ۱۸۹۳ء ۔ آج میں نے اپنے اعزا خاص کو طلب کر کے عموماً قلمی و تخمی آم نوش کرائے جن کے نام ذیل میں ہیں ۔

"... برادر عزیز سید اظہر علی، عزیزی سید حافظ علی ولد ماجد علی صاحب، مولوی خلیل الدین ولد منگا میاں، اصغر علی ولد اظہر علی، قاضی ابوالحسن ولد قاضی اقتدار علی، عوض علی خلف سید حسین علی مرحوم، برخورداران سید مصطفےٰ علی وغیرہ برخوردار منتظم حسین، محمد زبیر و محمد شعیب و محمد ضمیر و محمد صعیب فرزندان برادرم سید نذر علی۔

حاجی وارث علی: ۲۵ جولائی ۱۸۹۳ء۔ آج بہ تقریب آمد ایڈمنسٹن صاحب کمشنر لکھنؤ میں بوقت ۸ بجے کے اسٹیشن ریلوے پر گیا۔ صاحب تو تشریف نہیں لائے لیکن حاجی وارث علی شاہ صاحب ساکن دیوا سے ریل گاڑی میں ملازمت حاصل ہوئی۔ بعد مصافحہ بہت مہربانی سے پیش آئے۔ کہا کہ ان کی ذات سندیلہ میں بہت غنیمت ہے۔ اپنے اور شیخ فہیم الزماں کے خاندان میں یہ بہت عمدہ آدمی ہیں اور ہم سے ان کا خون ملا ہوا ہے۔ یہ کہہ کر میری پیٹھ پر دست شفقت پھیرا اور بخوشی رخصت کیا۔ مجھے یہ شگون نیک حاصل ہونے سے بہت خوشی ہوئی اور اپنے خدائے پاک سے امید کرتا ہوں کہ میرا اطلال بعنوان نیک مبدل بہ راحت ہو۔ آمین۔

ایک باغ و کنواں: ۱۱ ستمبر ۱۸۹۳ء۔ جو باغ و کنواں میں نے لب سڑک ہتیاہرن کی سرحد شمالی موضع پر کالپور کے بنوایا ہے اس راستہ سے ہزاروں جاتری کی ہر چہار جانب آمد و شد رہتی ہے۔ چونکہ کل اتوار کھالیس میں نے بذریعہ چھتا سنگھ نمبردار موضع مذکور کے کنوئیں پر ایک برہمن مقرر کرا دیا اور اس کو ایک لوٹا ڈول دلوا دیا تاکہ راہ گیروں کو پانی پلاوے۔ چنانچہ اس کارروائی سے کل کنوئیں پر بڑا مجمع رہا اور برہمن نے بڑی مستعدی کے ساتھ سب کو پانی پلایا۔ اس وجہ سے میری نیک نامی کی بڑی شہرت ہوئی ... چونکہ ایک تختی بہ زبان اردو و ہندی کنوئیں پر لگی ہے کہ "یہاں تشریف لائیے آب شیریں و عمدہ موجود ہے" یہ تحریر بھی مسافروں کو بہت کشش کرتی ہے۔ اگر چند سال تک ایسی ہی کوشش رہی تو میں امید کرتا ہوں کہ شاید میلہ بھی وہاں ٹھہرنے لگے کیوں کہ وہاں سے دو کوس کے فاصلہ تک کہیں عمدہ پانی نہیں ملتا ہے۔ برہمن کی اجرت فی اتوار تین آنہ قرار پائی۔

عرق کیلہ: ۳ اکتوبر ۱۸۹۳ء۔ آج میں صبح کے آٹھ بجے دفعتاً عارضہ پتی میں مبتلا ہو گیا۔ تمام بدن میں خارش ہو گئی جس کی تکلیف سے بخار آ گیا اور غذا نہار نہ کر سکا۔ عرق کیلہ کے استعمال سے افاقہ ہوا جو اس عارضہ کے واسطے نہایت مفید ثابت ہوا۔

ملاقات کمشنر وغیرہ: ۲ نومبر ۱۸۹۳ء۔ آج آٹھ بجے صبح کو مسٹر جے ایڈمس صاحب کمشنر لکھنؤ سے ملاقات کی۔ حالات خاندانی استفسار فرمائے۔ میں نے کہا کہ مخدوم سید علاء الدین قدس اللہ سرہٗ

کی اولاد میں ہوں جو سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں شہر واسط سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اور جن کے نام کا مخدوم پورہ ہنوز بہ حیثیت معافی دوامی عہد شاہی کے ہم لوگوں کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔

کرنل کوئن صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی سے آج بار دیگر ملاقات کی اور جو باتیں کمشنر صاحب سے ہوئی تھیں ان کا اعادہ کیا میں نے یہ بھی کہا کہ مجھے کام میونسپل و آنریری مجسٹریٹی سے فرصت قلیل رہتی ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ عدالت سیشن کی حاضری سے بحیثیت اسیسر کے معاف کیا جاؤں۔ فرمایا کہ درخواست دو ہم حسب خواہش کارروائی کر دیں گے۔ مجھ سے فرمائش کی کہ ایک جوڑا گولڈ فنچ جس کو اردو میں سہرا کہتے ہیں اور ایک مادہ گوبرلا وا لکھنؤ وغیرہ سے تلاش کر کے منگوا دو کہ سرد موسم میں یہ چڑیاں ملتی ہیں اور مجھ کو پرندوں کا شوق بہت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں ضرور کوشش کر کے ان کو منگواؤں گا۔

خریداری کتب: ۱۰ نومبر ۱۸۹۳ء۔ آج میں نے مطبع منشی نولکشور لکھنؤ سے حسب ذیل کتابیں منگائیں۔

اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت دو روپے چار آنہ، دیوان حافظ محشی بارہ آنہ، محصول ڈاک فیس منی آرڈر دس آنہ = جملہ ۳ روپے دس آنے۔

گھر بھر بیمار: ۱۳ نومبر ۱۸۹۳ء۔ آج کل علاوہ خلجان مقدمات متدائرہ کے میں تشویشات بیماری میں بھی سخت غلطاں و پیچاں رہتا ہوں۔ کوئی وقت ان سے جدائی نہیں ہوتی۔ اول تو مجھے تیرہ روز گزشتہ سے برابر دورہ اجابت بلغمی کا ہوتا ہے جس سے بحدے ضعیف ہو گیا ہوں اور ہنوز کوئی افاقہ نہیں۔ دوسرے نور چشم مصطفےٰ علی خلف اکبر پھوڑہ ہائے زیر بغل میں مبتلا ہیں جس سے حرارت لاحق رہتی ہے اور استعمال منضج کا ہو رہا ہے۔ تیسرے نور چشم مجتبیٰ علی خلف دوئم کی تحریر ۱۱ نومبر سن الیہ مقام کانپور سے واضح ہوا کہ وہ خارشت سخت میں مبتلا ہیں اور چند پھوڑے ایسے برآمد ہوئے کہ مدرسہ تک جانا دشوار ہے۔ چوتھے نور چشم اتقیٰ علی زکام و بخار میں بمقام لکھنؤ مبتلا ہیں کہ کالج تک نہیں جا سکتے۔ پانچواں برخوردار مرتضیٰ علی حرارت و دردِ سر میں بمقام لکھنؤ اور چھٹا نور چشم النقا تا بعد وفات فرزند کے بخار شدید میں مبتلا ہیں بلکہ اس وقت کیفیت بے ہوشی کی پیدا ہے۔ ساتواں اہلخانہ برخوردار مصطفےٰ علی ضیق النفس میں ہیں۔ نور دیدہ منتظم حسین حرارت و اسہال میں نور العین مزمل حسین عارضہ خارشت و استفراغ میں ہیں۔ غرض ان دنوں میں سخت پریشانی میں مبتلا ہوں۔ خدا رحم کرے۔ آمین

استعمال چائے: ۱۸ دسمبر ۱۸۹۳ء۔ چونکہ استعمال چائے کا تحلیل ریاح کے واسطے مفید معلوم

ہوتا ہے لہٰذا زمانہ بارش سے میں بالمرۃ علی الصباح اس کا استعمال کرتا ہوں جس میں تین عدد بادام گھسے ہوئے اور ایک تولہ بالائی اور ایک ماشہ بادیان خطائی پڑتا ہے۔

منشی شمس الدین: یکم جنوری ۱۸۹۴ء۔ آج منشی عبدالصمد صاحب واصل باقی نویس تحصیل سندیلہ سے جو نہایت درجہ معتمد و مشیر بابو نوروز علی تحصیلدار کے ہیں معلوم ہوا بلکہ انھوں نے حلفیہ بیان کیا کہ تحصیلدار سے آپ کی رنجش کے باعث جناب منشی شمس الدین احمد صاحب مرحوم تھے کہ جنھوں نے بحالت تخلیہ تحصیلدار سے بیان کیا تھا کہ "مظہر علی اچھے آدمی نہیں ہیں۔ ان سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے اور ان کو اختیارات میونسپل میں خودسری کے نہ دینا چاہیے بلکہ ہمیشہ اپنے زیر حکومت رکھنا چاہیے ورنہ تم کو ضرر پہنچے گا"۔ اسی وجہ سے تحصیلدار مجھ سے بہت کشیدہ رہا کرتے تھے اور میرے ہر فعل کو نگاہ حقارت سے دیکھتے تھے بلکہ اسی زمانے میں میرے خلاف رپورٹ اخفاے لگان کی صدر کو بھیجی تھی جس کی وجہ سے آج تک پریشانی میں مبتلا ہوں۔ چونکہ ہمارے بزرگوار (شمس الدین صاحب) اور تحصیلدار سے ضلع کھیری کے روابط تھے اور تحصیلدار ان کو بہت نیک صفات اور مقدس سمجھتے تھے اس وجہ سے ان کی شکایت کا پورا اثر میری نسبت ہوا حالانکہ بعد تجربہ کامل اب تحصیلدار کے دل سے ویسے خیالات میری نسبت باقی نہیں رہے تھے اور مجھے اچھا سمجھنے لگے تھے۔ افسوس کہ ایک مقدس بزرگ سے بعوض بھلائی و بہبودی کے یہ ثمرہ حاصل ہوا۔

حاجی وارث علی شاہ: ۲۴ فروری ۱۸۹۴ء۔ آج ۷ بجے صبح میں نے شرف ملازمت جناب حاجی وارث علی شاہ صاحب کی حاصل کی۔ بہت مہربانی سے پیش آئے اور سر دقد تعظیم دے کر مجھ سے معانقہ کیا اور دیر دری بات چیت فرمائی۔ کل چونکہ لبودریافت خیریت مجھے سلام کہلا بھیجا تھا اس وجہ سے مجھے فرض ہوا کہ حصول زیارت سے شرف ہوں۔

عید الفطر: ۹ اپریل ۱۸۹۴ء۔ ۳۰ شوال ۱۳۱۱ھ۔ آج چودھری حسن جمال خلف چودھری محمد اعظم صاحب تعلقہ دار و فتح علی ولد چودھری نصرت علی خاں بہادر و چودھری محمد عظیم صاحب و میر محمد عوض صاحب رؤسائے مہتوانہ و واجد علی خاں بلوچ اشراف ٹولہ مجھ سے عید ملنے آئے۔ چودھری صاحب آخر الذکر مجھ سے دیر تک ہر قسم کی بات چیت کرتے رہے اور چونکہ میں نے ان کی بہ عہد بابو نوروز علی تحصیلدار سندیلہ ہر قسم کی مدد کی تھی اس وجہ سے اکثر باتوں میں ان کی رضامندی میری نسبت ظاہر ہوئی۔

قانونی کتب: ۷ اپریل ۱۸۹۴ء۔ چونکہ اس زمانے میں بدون واقفیت قانون کوئی شخص لائق تصور نہیں کیا جاتا ہے اس وجہ سے میں نے ایک سو برس کے قوانین غیر منسوخہ اپنے کتب خانہ میں فراہم کر لیے

ہیں اور ہر سال ایک جلد خلاصہ نظائر فوجداری ہائی کورٹ الہ آباد، مدراس، کلکتہ، بمبئی کے سرکاری چھاپہ خانوں سے منگاتا رہتا ہوں کہ بروقت ضرورت مجھے کہیں سے مستعار منگانے کی حاجت نہ پڑے اور لوگ اپنی رفع ضرورت کے مجھ سے خواہش مند ہوں۔ مجھے اپنی اولاد نیک اطوار سے امید ہے کہ اس رسالہ کو بحفاظت رکھیں گے اور وقتاً فوقتاً قوانین جدید اپنے کتب خانہ میں اکٹھا کرتے رہیں گے۔

راجہ درگا پرشاد: ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء۔ آج راجہ درگا پرشاد صاحب رئیس سندیلہ میری ملاقات کو تشریف لائے اور میری کتاب سوانح عمری کو دیکھ کر فرمایا کہ آپ نے عبارت بہت لطیف سلیس و رواں لکھی ہے جو چودھری حافظ شوکت علی صاحب کی عبارت سوانح عمری سے بہت عمدہ ہے۔

قول سعدی: ۲۱ مئی ۱۸۹۴ء۔ کس نیا موخت علم تیر از من ٭ کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

یہ قول حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا بہت صحیح و درست ہے اور جہاں تک میں نے تجربہ کیا یہ مثل میرے حق میں بہت صادق آتی ہے۔ میں اپنے تجربہ سے لکھتا ہوں کہ جس شخص کے ساتھ میں نے سلوکات کیے اور اس کی بہبودی کا باعث ہوا بالآخر اس سے ضرور میری ذات و مال کو ضرر پہنچا جس کی چند مثالیں حوالہ قلم کرتا ہوں....

تحسین: ۲۴ مئی ۱۸۹۴ء۔ آج مرزا یعقوب حسین صاحب تحصیلدار کے مکان پر منشی سید یوسف زماں صاحب حاکم بندوبست تحصیل سندیلہ سے ملاقات ہوئی۔ تحصیلدار صاحب نے میرا ڈپٹی صاحب سے تعارف کرایا کہ یہ صاحب رئیس سندیلہ نہایت لائق اور وقت کے فلاسفر ہیں۔ کوئی وقت ان کا فضول و رائیگاں صرف نہیں ہوتا، سرکاری کاموں کی طرف بہت دلچسپی ہے۔ آنریری مجسٹریٹی کا کام مثل تنخواہ دار مجسٹریٹ کے بہت مستعدی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

مصطفیٰ علی: ۱۰ ستمبر ۱۸۹۴ء۔ آج ایک پوسٹ کارڈ محررہ ۸ ستمبر سن الیہ مرسلہ عبدالاحد صاحب فرنگی محلی لکھنؤ مہتمم مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور بجواب خط راقم مشعر بدیں مضمون موصول ہوا کہ برخوردارم سید مصطفیٰ علی مدرسہ مذکورہ میں علم عربی حاصل کر رہے ہیں۔ دو کتابیں ختم کر چکے ہیں۔ ان کا قصد ہے کہ بذریعہ اس کے علم طب کا تکملہ کریں اور ایک عہدہ ماسٹری بھی ان کو مل گیا ہے۔ جو کفیل ان کے مصارف کا ہے بالفعل وہ مولوی حافظ محمد علی صاحب وکیل کے مکان پر رہتے ہیں۔ یہ خبر معلوم کر کے بدرجہ غایت خوشی ہوئی جو ان کی مفقودی سے ایک مہینہ بیس یوم کے بعد سماعت میں آئی۔ میں نے اپنے اعزہ و احباب کو فوراً خطوط روانہ کیے جو اس کے منتظر تھے اور میں نے مولوی صاحب کو شکریہ لکھ بھیجا۔ برخوردار مصطفیٰ علی کو لکھا کہ تمہاری

خیریت معلوم کر کے جی خوش ہوا۔ تم کو حسب خواہش خود تحصیل علم کا اختیار ہے میں مانع نہیں ہوں۔ اگر ضرورت خرچ کی ہو تو میں بھیج دوں۔ تم اپنی خیریت سے مطلع کرو کہ مجھے اور دوسروں کو طمانیت حاصل ہو۔

۲۱؍ اکتوبر ۱۸۹۴ء۔ جو خطوط برخوردار مصطفٰے محررہ ۱۳؍ و ۱۵؍ اکتوبر کو بھجوائے گئے تھے ان کا یہ خوش نتیجہ نکلا کہ شب گزشتہ کو برخوردار موصوف بعد مفقود الخبری بخیریت تمام بازپس سندیلہ آئے اور ان کی والدہ نے بالطہا سرت آج برادری جمع کی اور مولود شریف پڑھوایا۔ اس چھوٹی سی تقریب میں ۱۵؍ روپے صرف ہوئے۔

دغابازی و چالاکی: ۱۶؍ دسمبر ۱۸۹۴ء۔ آج کل گردش زمانہ کچھ چالاک کاذب و دغاباز آدمیوں کے موافق ہو رہی ہے۔ میں بتجربہ دیکھتا ہوں کہ لوگ جھوٹ و دغابازی سے براہ چالاکی کوئی فعل کرتے ہیں تو ان کو ہر طرح سے کامیابی ہوتی ہے۔ بالفعل یہ امر میرے مشاہدہ میں آیا ہے کہ ایک شخص اپنے آقا کی حضوری میں اس قدر تعریف کرتا ہے گویا بادشاہ وقت وہی ہیں لیکن جب علیحدگی ہوتی ہے تو کوئی دقیقہ مذمت حضرت آقا کا اٹھا نہیں رکھتا۔ وہ بہ خوش حالی کر رہا ہے اور جو لوگ نہایت راست بازی ایمانداری اور نیک نیتی سے چل رہے ہیں وہ تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہیں۔ یہ محض زمانہ کی خوبی ہے ورنہ میں ہمیشہ نیک روشی کا انجام خوش دیکھتا رہا ہوں اور میں یہ کہنے کو تیار ہوں کہ ایمانداری و نیک نیتی ضرور اپنا ثمرہ نیک دکھا دے گی اور بد روشی ہمیشہ ذلت و خواری میں مبتلا رہیں گے۔

سوانح عمری خود: ۱۴؍ مارچ ۱۸۹۵ء۔ چونکہ کتاب سوانح عمری راقم بشمول تقریظ و شجرہ وغیرہ چوبیس جزوں میں چھپی لہٰذا کل اجرت مطبع کوئن پریس سندیلہ ایک سو بہتر روپے چودہ آنہ نو پائی قرار پائی اور بعد مجرائی وصول سابقہ میں نے رقم بقیہ اڑتیس روپے بارہ آنہ نو پائی مطبع کوئن کو آج بھیج دی۔ اب کچھ باقی نہیں رہا۔

انبہ: ۱۲؍ جون ۱۸۹۵ء۔ تجربہ سے مجھے استعمال انبہ بہت مفید ثابت ہوا اور اس کے ہضم کے واسطے ایک ماشہ سونٹھ اور اسی قدر نمک سیاہ بہت فائدہ بخش ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ انبہ کے استعمال سے میری توانائی کو ترقی ہوتی جاتی ہے علی الخصوص پتلے رس کا تخمی شیریں آم زیادہ تر مفید ہے۔

آم کی شاخیں: ۱۰؍ جولائی ۱۸۹۵ء۔ اگر تم چاہو تو تمہارے انبہ کے درخت ہر سال بارآور ہوں تو ہر سال بور آنے کے پہلے کم زور شاخوں کے پتے توڑ کر پھینک دو کہ بجائے بور آنے کے ان میں نئے نئے کلے نکلیں۔ نئی شاخیں دوسرے برس پھولتی اور پھل لاتی ہیں۔

متعلق سوانح عمری: ۲۷؍ اگست ۱۸۹۵ء۔ آج پوسٹ کارڈ مورخہ ۲۶؍ اگست مرسلہ حکیم محمد علی خاں طبیب

میونسپل ہردوئی مشعر بدیں مضمون موصول ہوا کہ شیخ ولایت علی ولد لائق علی اشراف ٹولہ سندیلہ ایک مضمون متعلقہ تردید بعض صفحات سوانح عمری آپ کی میرے مطبع میں طبع کرانا چاہتے ہیں چونکہ میں آپ کا نیاز مند ہوں اس لیے میرا فرض ہے کہ میں آپ سے اس کے چھاپنے کی اجازت حاصل کروں۔ بجواب اس کے میں نے لکھ بھیجا کہ اپنی کتاب سوانح عمری میں کل واقعات میں نے سچے لکھے ہیں۔ اگر شیخ ولایت علی کوئی ایسی تردید چھپوائیں گے جس کا مضمون میرے خلاف ہوگا یا اس سے کسی قسم کی اہانت متصور ہوئی تو شاید میں اس کی طوالت میں ہرگز دریغ نہ کروں گا اور بلا ارجاع نالش باز نہ رہوں گا۔ اگر آپ ایک نقل اس کی قبل طبع مجھے لطف فرما دیں تو باعث مشکوری ہوگا۔ یہ بھی شان خدا ہے کہ جس کو میں نے اپنا موضع 'موئی' دے کر صاحب ریاست کر دیا اور عزت پیدا کرانے کا باعث ہوا اور کل مطالبہ اپنا اس وقت تک وصول نہیں کیا وہ اپنی اصلاح کو چھوڑ کر مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ سچ یہ ہے کہ کم ظرفوں کے ساتھ چاہے جس قدر سلوک کیا جائے لیکن وہ اپنی اصلیت کی جانب بدون رجوع کیے باز نہیں رہتے۔ مثل مشہور ہے کل شیئ یرجع الیٰ اصلہٖ

صبح کی ورزش: ۲۷ستمبر ۱۸۹۵ء۔ صبح کی ورزش و پاپیادہ تفریح سے میری تندرستی کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے طبیعت بشاش چست و چاق رہتی ہے۔ غذا نہار بخواہش ہوتی ہے اور کسی کام سے جی نہیں گھبراتا۔ یہ تفریح بیرون قصبہ کم از کم ایک گھنٹہ ہوتی ہے۔

محنت: ۲۸ستمبر ۱۸۹۵ء۔۔۔۔ میں خود ہی اپنی ذات سے تمام اوقات مصروف رہتا ہوں۔ حتیٰ کہ سوائے رات کے نصف تک چارپائی پر نہیں لیٹتا اور زیادتی محنت سے بوقت شب دماغ چیکنے لگتا ہے لیکن باوصف ان سب باتوں کے میں بکملہ کام اپنے آرام پر مقدم تصور کرتا ہوں۔ خدا میری اولاد کو بھی یہی ہدایت کرے۔

۶نومبر ۱۸۹۵ء۔ ملک ہسپانیہ میں ایک مثل ہے کہ خدا سے دعا مانگو اور ہتوڑے کو بھی لوہے پر مارتے رہو ورنہ صرف دعا مانگنے سے لوہا کبھی نرم نہیں ہو سکتا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ مطابق اس مثل کے میرا ہمیشہ طریق عمل رہا جس سے کسی کام میں مجھے بہت کم ناکامی ہوئی اور میرے اس بیان کی تصدیق میری کتاب سوانح عمری سے بطرز احسن ہو سکتی ہے۔ بہرحال انسان کو اپنی کوشش و پیروی سے ہرگز باز نہ رہنا چاہیے جس کی بدولت کل کام بن سکتے ہیں۔

اُلجھن: ۲۸نومبر ۱۸۹۵ء۔ کل سے میں بعض امور مستقبل کا خیال کر کے ازبس پریشان تھا کہ اب میرا صرف برخورداران ارتضیٰ علی و مرتضیٰ علی کی شادیوں سے اور بڑھے گا اور سلسلہ آمدنی دیہات بوجہ تقسیم سالی

چار سال گزشتہ بہت گھٹ گیا اور اب تجویز جمع بندوبست ثانی سے اور بھی گھٹے گا جو نومبر ۱۸۹۶ء سے کی جاوے گی تو میں کیونکر باعزت و آبرو اپنے مصارف خانہ داری کو چلا سکوں گا پس میں نے اسی حالت انتشار میں بہ نظر استدراک حالات پیش کتاب دیوان حافظ اور سکندر نامہ نظامی میں بوقت ۳ بجے شام کے فال دیکھی اور استدعا کی کہ میں صاف طور سے مطلع کیا جاؤں کہ میرے حق میں کیا شدنی ہے۔ اتفاق سے دونوں کتابوں میں صفحہ نمبر ۱۶۲ فال نکلی جن کے اشعار حسب ذیل درج کیے جاتے ہیں۔ کتاب دیوان حافظ کتاب خانہ راقم صفحہ ۱۶۲ کا شعر یہ ہے:

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد   من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

کتاب سکندر نامہ مصطفائی۔ صفحہ ۱۶۲

شنیدم رسن بستی سوئے دار   بروتازگی وقت خون بہار (کذا)

بمعائنہ اشعار مفصلہ صدر کے صاف مترشح ہوتا ہے کہ میرا رنج و غم ضرور برطرف ہو جائے گا اور میں آئندہ بہ کامیابی تمام بسر کروں گا جس سے مجھے نہایت درجہ طمانیت حاصل ہوئی اور اسی وقت سے میرے افکار لاحقہ میں خفت ہوئی۔ بہرحال ایسی ہی امید بہبودی و کامیابی کی زمان آئندہ میں رکھتا ہوں اور بہرحال اسکے فضل و کرم کا امیدوار ہوں۔

اعتدال: ۸ فروری ۱۸۹۶ء۔ انسان کو لازم ہے کہ وہ انحطاط عمر و قویٰ میں اپنی طبیعت کو کھانے پینے و سونے و جاگنے و رفع ضروریات میں بہت سنبھل کر بحالت اعتدال رکھے اور بہ پابندی اوقات ہر ایک کام انجام دیتا رہے ورنہ اسکی تندرستی کبھی قائم نہیں رہ سکتی اور بقیہ ایام زندگانی بلطف بسر نہیں لے جا سکتا۔

پابندی نماز و وظائف: ۴ مئی ۱۸۹۶ء۔ ۴۲ سال کا زمانہ ہوا جب میں نے نماز کی پابندی کی۔ اسی وقت سے درود شریف ہر نماز کے بعد ایک صد بار و سبحان اللہ و بحمدہ ۲۵ بار سورہ مزمل ایک بار برابر پڑھتا رہا ہوں۔۔۔۔ اور ۳۶ سال سے یا مظہر العجائب بالخیر بعد نماز عشا کے ۳۰۰ بار ورد میں ہے جس کے اول آخر سات سات مرتبہ درود شریف پڑھتا ہوں اور ۳۰ سال گزشتہ سے چہل کاف بعد نماز صبح و مغرب ایک بار پڑھا کرتا ہوں۔ ان اوراد کی برکت و ورد سے مجھے بہت بڑا نفع دنیاوی حاصل ہوا اور ہو رہا ہے۔

چند آم: ۲۶ جون ۱۸۹۶ء۔ راجہ درگا پرشاد تعلقہ دار نے چند انبہ حیدرآباد دکن کے آج بھیجے جو ان کو راجہ مرلی منوہر صاحب جاگیردار دس لاکھ ریاست موصوف نے بھیجے تھے۔ آم بڑے تھے اور خوشبو امرود کی تھی۔

ایک شاہ صاحب: ۲۳ اگست ۱۸۹۶ء۔ کل شام کو ایک بزرگ دارا شاہ ساکن مہاراج گنج ضلع جون پور کا میرے مکان پر گزر ہوا۔ ان کے پاس چند اسناد تحریری تھے جن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ

آدمی بے طمع و متوکل ہیں۔ شب کو میرے مکان پر ٹھہرے۔ بہت آسودگی کے ساتھ کھانا نوش کیا اور حقہ پانی ہر قسم کی ان کی خاطرداری ہوئی جس سے بہت رضامند ہوئے۔ اور آج صبح کو بوقت رخصت مجھ سے کہا کہ جو حاجت ہو بیان کرو کہ اس کے پورا کرنے کی کوشش کروں۔ بجواب اس کے میں نے کہا کہ دعائے خیر۔ کہا کچھ اور مانگو۔ میں نے کہا کہ جو کچھ مانگنا ہوتا ہے وہ میں اپنے رب العالمین سے مانگا کرتا ہوں اور میں اس کی ذات پر پورا بھروسہ رکھتا ہوں اور شاکر ہوں۔ شاہ صاحب میری اس گفتگو سے بہت متعجب ہوئے۔

معلومات عامہ: ۲۹ ستمبر ۱۸۹۶ء (۱) ۱۸۵۴ء کے نصف آخر میں ہندوستان میں ریل جاری ہوئی (۲) صبح کو ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر ٹہلنا واسطے رفع قبض کے بہت مفید ہے (۳) بالائی اور مرچ سیاہ درد شقیقہ پر ملنا بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

خواب خوش: ۱۲ نومبر ۱۸۹۶ء۔ علی الصبح بوقت نماز میں نے خواب دیکھا کہ ایک دولت مند کی محل سرا میں داخل ہوا اور مالک مکان نے (جو ابھی زندہ ہیں) میرے داخلہ محل سرا کو بہ نظر مسرت و عزت دیکھا اور ایک معشوقہ دل نواز کو جو مجھ سے پردہ کرتی ہے اجازت دی کہ بالاخانہ پر چلی جائے جس کی اوٹ اس نے خود کی لیکن بوجہ غیر کافی ہونے پردہ کے اس کا نصف جسم اسفل صاف نظر آتا تھا جو اطلس کا کلی دار پاجامہ جس کی ہر کلی میں گوٹا و پائنچوں میں لچکا لگا تھا پہنے تھی اور اس کے کڑوں اور چھڑوں نقرئی کی آواز میرے کانوں تک آتی تھی۔ بعدہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں حیرت میں ہوں کہ یہ کس قسم کی خوابیں ہیں جن کو میں چار سال سے برابر دیکھ رہا ہوں اور جس کا قبل از خواب کوئی وہم و گمان نہیں ہوتا۔ دیکھا چاہیے کہ اس کا کیا ظہور ہوتا ہے۔

قحط زدہ لوگ: ۱۵ نومبر ۱۸۹۶ء۔ آج پھر میں نے انتظام تقسیم طعام محتاجوں کا کیا۔ محتاج خانہ موقوعہ پشت مقبرہ منشی فضل رسول صاحب مرحوم میں حسب ذیل آدمی ہیں:

مرد ۶۰، عورتیں ۲۰، لڑکے ۱۶، کل = ۹۶۔ فی روٹی گیہوں کی ۱/۲ سیر تھی۔ تین تین مردوں کو، دو دو عورتوں کو اور ایک ایک لڑکوں کو تقسیم ہوئیں اور ایک ایک سفید کمبل مردوں کو اور پتلی مارکین کی چادریں عورتوں کو دی گئیں۔ کل صرفہ منجانب گورنمنٹ ہو رہا ہے۔

سال کا آخری دن: ۳۱ دسمبر ۱۸۹۶ء۔ آج سال ۱۸۹۶ء ختم ہوا۔ بوجہ کمی بارش از حد گرانی و قحط سالی سے خلق اللہ کو بہت تکلیف پہنچی۔ ہزارہا آدمی فاقہ کشی سے مر گئے اور اپنی اولاد آٹھ آٹھ آنے پر فروخت کر دی۔ مجھے بھی اس سال تفکرات زائد ہے۔ کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور نہ میری اولاد کو۔ دیکھا چاہیے کہ

۱۸۹۷ء کیسا گزرتا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ با عزت و آبرو رکھے اور ہر طرح سے کامیابی عطا فرماوے۔

گُرتا ٹوپی: ۸ر جنوری ۱۸۹۷ء۔ آج غسل آخر ولادت دختر اہل خانہ الطاف رسول نے کیا۔ اگرچہ گُرتہ ٹوپی بھیجنے کی ہر ایک عزیز نے رسم ادا کی۔ میں نے بھی بھیجا۔ اور لگانے صندل پر ایک روپیہ زوجہ صفی حجام کو دیا لیکن جس دھوم دھام سے مسماۃ حسنا بنت الٰہی جان و مسماۃ شیریں بنت کوکا طوائفیں کے یا دیگر طوائفات کثیر اپنی ہم قوم کے گُرتہ ٹوپی لے گئیں وہ کیفیت قابل دید تھی۔ آگے ڈفلی اس کے پیچھے تاشا و شہنائی بجتی تھی اور اس کے بعد رنڈیوں کا غول گاتا بجاتا جاتا تھا جس کے ساتھ صدہا تماشائی تھے۔ چونکہ اس گھر میں ان لوگوں کا بہت مان دان ہے لہٰذا ایسی کارروائیوں سے خوب حاصلات کر رہے ہیں اور انتظام ریاست میں بھی مشیر ہیں۔

فضل حسین: ۴ر مارچ ۱۸۹۷ء۔۔۔۔ بوقت شب بذریعہ رقعہ منشی سید فضل حسین نے مجھے طلب کر کے باصرار کہا کہ میں فی الجملہ علیل ہوں اور بجز آپ کے دوسرے شخص پر مجھے اعتبار نہیں ہے کہ اس قدر روپیہ اس کی معرفت منگایا جاوے لہٰذا آپ لکھنؤ جا کر بیس ہزار روپیہ بنک بنگال سے مجھے لا دیں اور اس میں سے مبلغ چار ہزار بابت فک رہن حصہ موضع سرپرہی آپ لے لیجیے جو آپ کو یافتنی ہے۔ لہٰذا حسب اصرار ان کے میں نے شب کو کل انتظام اپنے لکھنؤ جانے کا کر لیا۔ آج کل منشی صاحب میری جانب بہت متوجہ ہیں بلکہ منولال ان کے خزانچی مجھ سے کہتے تھے کہ بجز آپ کے ان کی نگاہ دوسری طرف نہیں پڑتی ہے اور ان کا ارادہ ہے کہ انتظام تعلقہ جلال پور پھر آپ کے سپرد کریں اور جملہ دوسرے سے نجات پاویں۔ سچ یہ ہے کہ بدون آپ کی مداخلت کے اب یہ علاقہ ہرگز چل نہیں سکتا ہے

انجام قحط: ۹ر جون ۱۸۹۷ء۔ آج مجھے دریافت سے معلوم ہوا کہ میرے یہاں گیارہ لڑکیاں واسطے پرورش خدمت کے اس قحط سالی میں حاصل کی گئیں جن کی تفصیل بقید اسم درج ذیل ہے (نام حذف کیے گئے۔ ہاشمی) اور ان سب کی پرورش میری ذات خاص سے متعلق ہے اور ہر ایک واسطے خدمت گزاری کے میری اولاد میں تقسیم ہے۔ چونکہ میں گھر میں چھ چھ مہینہ تک نہیں جاتا ہوں اس وجہ سے ان کے حالات سے محض غیر مطلع تھا۔

دوبارہ منیجری علاقہ: ۲۲ر جون ۱۸۹۷ء۔ (مقام ہردوئی)۔ آج صبح کو منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار شیخ رعایت حسین صاحب وکیل کے مکان پر تشریف لائے جہاں میر امجد علی صاحب وکیل بھی موجود تھے اور ان دونوں صاحبوں کو مجبور کیا کہ مجھے واسطے انتظام علاقہ جلال پور کے رضامند کریں چنانچہ انھوں نے بہت زور دے کر مجھے مجبور کیا کہ میں تعلقہ مذکور کا کام اپنے ہاتھ میں لوں اور ان دونوں صاحبوں اور اجودھیا پرشاد

صاحب (جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ ہاشمی) اس بات کا اقرار کیا کہ اگر آئندہ کوئی امر خلاف مزاج آپ کے منجانب منشی صاحب وقوع پذیر ہوگا جو باعث آپ کے ملال کا ہو تو ہم لوگ اسے رفع کرا دیں گے۔ چنانچہ بتائید اس بیان کے ایک یادداشت میر امجد علی صاحب وکیل نے مرتب کی جس میں کلی اختیارات نظم و نسق علاقہ مجھے تفویض ہوئے اور ایک سو روپیہ ماہوار تنخواہ بدستور سابق اس میں درج ہوئی اور تینوں صاحبوں کا اس میں حوالہ درج یادداشت مذکور کیا گیا اور منشی صاحب موصوف نے بعد ثبت دستخط خود یادداشت مذکور میرے حوالہ کی اور اپنے ساتھ آج دوپہر کی ریل میں سندیلہ مجھے لائے۔۔۔۔ آج یہ بہت بڑا بار میرے سر پر رکھا گیا جس کے واسطے میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم انجام اس کا بخیر فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

<u>شادی پسران خود</u>: ۲۳ ستمبر ۱۸۹۷ء۔ میں نے ریل کی دو گاڑیاں لکھنؤ سے منگائیں۔ فی درجہ آٹھ آدمیوں کی نشست تھی۔ چونکہ ہر گاڑی میں چھ درجے ہوتے ہیں لہٰذا چھیانوے آدمی اس میں بیٹھے۔ مابا قی براتیوں کے ٹکٹ خرید ہوئے۔ کل براتیوں کی تعداد قریباً دو سو کے تھی جو سنڈیلہ سے روانہ ہوئے تھے لیکن لکھنؤ میں پہنچ کر بشمول باجوں والے اور طائفہ زنانہ و مردانہ کے ۴۲۲ تک تعداد بڑھ گئی۔ جب بارات اسٹیشن لکھنؤ پر پہنچی تو منشی لطف حسن ساکن سندیلہ مرظہٰی حال تحصیلدار لکھنؤ مع ۲۳ عدد فٹن اور مع انگریزی و ہندوستانی باجوں کے مستعد تھے۔ سب براتی گاڑیوں پر سوار ہوئے اور باجا بجتی ہوئی بارات روانہ ہوئی۔ وقت مغرب دروازہ دولھن کے محلہ مشک گنج میں بارات پہنچی جو مکان میر مونس مرثیہ خواں پر ٹھہری۔ نو بجے رات کے شیخ یوسف الزماں صاحب نے براتیوں کو کھانا دیا جس میں نان، خیر برنج، قلیہ، قورمہ، پلاؤ، زردہ و شیرمال تھی۔ بعد تناول طعام اوّل مسماۃ خورشید طوائف سندیلہ کا رقص ہوا۔ زاں بعد مسماۃ جدّن ایک نامور طوائف لکھنؤ کا رقص ہوا جس سے حاضرین کو ایک نوع کا حظ حاصل ہوا۔ بعدہٗ بسنتی طوائف لکھنؤ کا رقص ہوا۔ جس وقت یہ ناچ ہو رہا تھا اور وقت ۴ بجے رات کا تھا کہ دفعتاً کسی شقی القلب نے ایک ایسی اینٹ جلسہ میں پھینکی جو نور چشم مرتضیٰ علی کی داہنی بھوں پر لگی اور خون جاری ہو گیا۔ جلسہ میں بے لطفی پیدا ہو گئی۔ بڑی خیریت ہوئی کہ آنکھ بچ گئی۔ انتظام جلسہ متعلق منشی لطف حسن صاحب تحصیلدار کے تھا۔۔۔۔ انتظام بارات کا برخوردار مجتبیٰ علی و شیخ مقبول احمد (خلف دویم منشی عزیز الدین احمد صاحب مرحوم) و چودھری عبدالباسط صاحب (خلف دویم چودھری عبدالباقی صاحب) کے متعلق تھا جنھوں نے بہت مستعدی کے ساتھ اپنے کار متعلقہ کو انجام دیا۔ افسوس کہ برخوردار مصطفےٰ علی بوجہ علالت خود شریک بارات نہ ہو سکے۔

چار طائفہ جو رقص کناں تھے ان کو اجرت علاوہ انعام کے حسب ذیل دی گئی۔ خورشید طوائف ۱۵ روپے۔ جدّن طوائف ۱۰۰ روپے۔ بسنتی طوائف ۱۴ روپے

۲۴ دسمبر ۱۸۹۷ء۔ چھ بجے صبح کو برخوردار ارتضیٰ علی کا مسماۃ شاکرہ دختر شیخ یوسف الزماں صاحب سے بعوض مہر ۸۵ ہزار عقد ہوا۔ بعدہٗ برخوردار مرتضیٰ علی کا مسماۃ انیس دختر مولوی محمد کریم صاحب دریابادی سے عقد قرار پایا مہر وہی ۸۵ ہزار تھا۔ مولوی محمد نعیم صاحب فرنگی محلی نے نکاح پڑھا۔ سہ پہر کو من جانب مولوی محمد کریم صاحب براتیوں کو کھانا دیا گیا۔ قریب ۶ بجے شام کے رخصتی بارات کی ہوئی۔ صندل دونوں عروس کی مانگوں میں میں نے بھرا۔ شیخ یوسف الزماں صاحب ایک سو ایک روپیہ اور مولوی محمد کریم صاحب نے اکیاون روپیہ سلامی دیا۔ جہیز حسب ذیل دیا گیا۔ (حذف کیا گیا۔ ہاشمی) سات بجے بارات اسٹیشن لکھنؤ پہنچی اور پونے دس بجے وہاں سے رات کی ریل میں روانہ ہو کر ۱۱ بجے داخل سندیلہ ہوئے۔۔۔۔ میں نے برسم ٹولا لڑکائی اپنی لڑکیوں کو ایک باغ دیا۔۔۔۔ میں نے اس تقریب میں ۳،۴ روز تک قریباً ایک ربع غذا کی اور جہاں تک میں حساب لگاتا ہوں تو قریباً تین ہزار روپے میرا ان دونوں تقریبوں میں صرف ہوا۔ ہاں اس قدر لکھنا بھول گیا کہ اس تقریب میں آرائش و آتش بازی بھی تھی۔ چونکہ آج چو ہتیار نہیں آئے اس وجہ سے رخصتی حروسان نہیں ہوئی۔ قریباً تین سو روپیہ نیوتہ اندر و باہر میرے یہاں آیا۔

محاسبہ سالانہ: ۳۱ دسمبر آج سال ۱۸۹۷ء ختم ہوا میں مختصراً اپنے حالات ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱۔ مہینہ جولائی میں انتظام تعلقہ جلال پور اپنے ہاتھ میں لیا مبلغ سو روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔

۲۔ برخورداران ارتضیٰ علی و مرتضیٰ علی کی شادی میں تقریباً تین ہزار روپے خرچ ہوا ہے۔ قحط سالی سے اکثر مہاجنوں کا دیوالہ نکل گیا اور مقروض ہو گئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں وہ ایام عزت و آبرو سے بسر لے گیا۔ اس قحط سالی میں بہت سے لوگ ضائع ہوئے اگرچہ گورنمنٹ نے ان کی جان بچانے میں بہت کچھ روپیہ صرف کیا۔ میں نے انجام دہی کار قحط میں بہت مستعدی حکام وقت کے ساتھ ظاہر کی اگر مجھے تکالیف سخت کا سامنا رہا ہے۔ جائداد قلیل میں نے اس سال حاصل کی اگرچہ معاملات پیچیدہ چند سال گزشتہ کے بہت کچھ صاف ہوئے ۵۔ برخوردار مصطفیٰ علی دو ہفتہ تک مفقود الخبر ہو گئے۔ آخر ش پٹنہ عظیم آباد سے خط خیریت کا بھیجا اور واپس آئے۔ ۶۔ شکر ہے کہ میں قصبہ ہذا میں بہ نگاہ وقعت دیکھا گیا اور عموماً اہل قصبہ مجھ سے راضی و خوش رہے ۷۔ مبلغ چار ہزار روپیہ بابت ذر رہن حقیت سہ موضع سرہری، منشی فضل حسین صاحب سے مجھے وصول ہوا۔

جس سے بہت سے معاملات تصفیہ طلب طے ہوگئے اور اسی روپیہ سے میں نے لڑکوں کی شادی بھی کی۔

علالت فضل حسین: ۶ مارچ ۱۸۹۸ء۔ آج الٰہی بخش جراح محلہ وکٹوریہ گنج لکھنؤ سے آیا اور اس نے علاج دنبل منشی فضل حسین صاحب تعلقہ دار کا شروع کیا اور کہتا ہے کہ ایک ہفتہ میں بلا چاک کیے اچھا کردوں گا۔ الٰہی بخش قوم کا حجام ہے جس کی عمر پچاس کی ہوگی۔

۲۴ مارچ ۱۸۹۸ء۔ آج ریڑھ کی دوسری جانب کا پھوڑا منشی فضل حسین صاحب الٰہی بخش جراح لکھنؤ نے چاک کیا لیکن وہ ناکافی ہوا۔ اگر تھوڑا نشتر در بڑھ جاتا تو یقین تھا کہ اس کا کل ریم نکل جاتا۔ تاہم بہت سا خون و ریم نکلا۔

۳ اپریل ۱۸۹۸ء۔ شام کو منشی فضل صاحب سے ملاقات ہوئی ان کا ارادہ غسل صحت کا ۱۴ ذی الحجہ (۶ مئی) کو ہے۔ جوڑے وغیرہ بہت سے لوگوں کو تقسیم ہوں گے اور رقص و رنگ کی مجالس گرم ہوں گی۔

۶ مئی ۱۸۹۸ء۔ آج ۸ بجے صبح کو منشی فضل حسین صاحب نے غسل صحت کا کیا اور جو جوڑا کاکوری (ان کی سسرال) سے بجتا ہوا مع ان کی سالیوں کے لایا گیا تھا اس کو زیب بدن کیا۔ جوڑا سرخ رنگ کا تھا جب نہا کر بیٹھے ہیں تو طوائفان سندیلہ و قوالان وغیرہ نے مبارک باد گایا اور نذریں دیں چھاور پیش ہونے لگے اور مبلغ ایک سو گیارہ روپے ان دونوں مدوں میں آیا۔ منشی صاحب نے کچھ جوڑے اپنے نوکروں کو تقسیم کیے اور شب کو طوائفان سندیلہ کا رقص ہوا اور صبح و شام بارہ سو بخش پخت ہو کر جس میں قلیہ قورمہ پلاؤ شامل تھا تقسیم ہوئے۔

۲۳ مئی ۱۸۹۸ء۔ آج الٰہی بخش جراح کو منشی فضل حسین صاحب نے رخصت کیا جس نے ان کا پھوڑا اچھا کیا ہے۔ نام بردہ لکھنؤ محلہ وکٹوریہ گنج میں رہتا ہے اور وہاں اپنے فن جراحی میں ایک مشہور آدمی ہے۔ اس کو منشی صاحب اور ان کی اہلیہ نے ایک سو روپیہ نقد اور ایک دوشالہ قیمتی پندرہ روپے انعام میں دیا اور پانچ روپے بیں نے دیے اور رقعہ منشی صاحب نے دستخطی خود ۶ رہ امروزہ بدیں مضمون لکھ دیا کہ پانچ روپے ماہوار میں اس کو تاحیات اس کی دینار ہوں گا اور دو مرتبہ ضرورت یا بلا ضرورت ہر مہینہ سندیلہ آیا کرے جس کا کرایہ آمد و شد دیا جائے گا۔

انگلیوں میں تکلیف: ۱۰ جون ۱۸۹۸ء۔ ہنوز میری انگلیوں میں ایسی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی کہ میں ایک حالت سے لکھ سکوں اور بعض وقت تو حروف بہت اچھے بنتے ہیں اور وقت بالکل خراب جس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی خیال میں نہیں آتی کہ اس کا باعث شاید کم ربطی ہو اور یہ ہی کیفیت میری انگریزی اور اردو دونوں قسم کی تحریر میں ہے۔

وفات وصی علی شاہ: ۲۳ جون ۱۸۹۸ء۔ آج بارہ بجے دن کو وصی علی شاہ صاحب ولد چھیدا میاں

سجادہ نشین درگاہ مخدوم سید علاء الدین نے بعمر ۸۱ سال قضا کی۔ چند ماہ گزشتہ سے بخار وغیرہ میں علیل تھے۔ بوقت ۵ بجے شام کے بعد غسل و تکفین لاش شاہ صاحب کی گاتے بجاتے بڑے اژدہام کے ساتھ درگاہ سے اٹھی جس کے اوپر دوشالہ پڑا ہوا تھا اور شمسی سبز بذریعہ چار چوبوں کے مریدین لوگ لاش پر تانے ہوئے تھے۔ کچہری پانچ مشعلیں روشن ہوئیں۔ آگے آگے چودھری محمد عظیم صاحب وغیرہ روسائے قصبہ آہستہ آہستہ رواں تھے۔ اس کے پیچھے چند اشخاص از مریدین وغیرہ گریاں کناں جا رہے تھے۔ ازاں بعد گھوسے وغیرہ مجرائی غزلیں گاتے تھے۔ اس کے پیچھے ایک گروہ از اعزا کلمۂ طیبہ پڑھتا تھا۔ اول لاش چوراہے مخدوم صاحب سے سڑک پختہ پر آئی۔ اور میونسپل ہال کے سامنے ہوکر نعیباً طوائف کے پھاٹک سے مڑ کر مدرسہ قدیم کی جانب سے سڑک پختہ پر آئی اور زیر مسجد چودھری صاحب سے ہوکر لڈو شہید کے پاس سے درگاہ کی جانب پھری۔ ایک نماز پہلے وقت اٹھنے لاش کے ہوئی تھی اور دوسری اس وقت ہوئی جب جنازہ گشت کرکے ۱۱½ بجے رات کو درگاہ میں پہنچا۔ ٹھیک بارہ بجے رات کو روضہ مخدوم صاحب کے دکھن جانب قبر میں لاش دفن ہوئی۔ شاہ صاحب بدرجہ نہایت خلیق تھے جو شخص آپ کے پاس جاتا تھا خوش ہوکر آتا تھا۔ آپ محمدی شاہ صاحب الہ آبادی کے مرید تھے اور صدہا مرد و زن قصبہ و بیرونجات خصوصاً مولوی علی احمد صاحب وکیل جبل پور و دیگر معزز لوگ مرید تھے۔ درگاہ میں آپ کی وجہ سے بہت رونق تھی۔ میرے ساتھ آپ کو ایک خاص لطف تھا اور کبھی کبھی میرے مکان پر تشریف لاتے تھے حالانکہ وہ کسی اور رئیس کے یہاں شاید شاذ و نادر تشریف لے گئے ہوں اور میرا دستور تھا کہ بوقت ان کی تشریف آوری کے میں ایک روپیہ ان کو نذر دیتا تھا۔ تھوڑا زمانہ ہوا میں نے حسب خواہش آپ کے ایک وصیت نامہ مرتب کر دیا تھا جس کی رو سے آپ نے اپنی کل جائداد اپنی بیبی کے نام لکھ دی تھی جن کے بعد آپ کی دونوں لڑکیاں مالک ہوں گی۔ حسب وصیت آپ قبر لغلی میں مدفون ہوئے۔

سراقصہ روزنامچہ کو اندیشہ: ۲۲ ستمبر ۱۸۹۸ء۔ آج کل ایک گروہ جس میں شیرین طوائف و بندہ علی قوال بدایونی اور امیر حسن پسر خوش رنگ شامل ہیں منشی فضل حسین صاحب کی مصاحبت میں ہر وقت رہتا ہے جو وقتاً فوقتاً قوت حاصل کرتا جاتا ہے اور شب و روز ہم جلیس رہتے ہیں۔ منشی صاحب کو ایسا اپنے قابو میں کر لیا ہے کہ جس طرف چاہتے ہیں ان کے خیالات بدل دیتے ہیں۔ بظاہر اس کا نتیجہ خوش نظر نہیں آتا۔ شاید عنقریب کوئی اس کا گل کھلے۔ لہٰذا خدا سے دعا ہے کہ اس صحبت کا انجام بخیر ہو۔

فال دیوان حافظ: ۸ اکتوبر ۱۸۹۸ء۔ میں نے اپنے ایک حصول مرام کے لیے مراتب چند اوقات

مختلف اپنے منتخب دیوان حافظ میں فال دیکھی جو حسب ذیل برآمد ہوئی جس سے امید ہوتی ہے کہ میں ضرور اپنی مراد میں کامیابی حاصل کروں گا۔

شعر ص ۴۶ — ساقی بیا کہ یار ز رخ پردہ برگرفت — کار چراغ خلوتیاں باز درگرفت
ص ۶۴ — اے دل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت — ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود
ص ۱۲۴ — عید است و موسم گل یاراں در انتظار — ساقی بہ روئے شاہ ببیں ماہ و مے بیار
ص ۱۳۶ — یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور — کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور
ص ۱۵۰ — فراق و ہجر کہ آورد در جہاں یارب — کہ روز ہجر سیہ باد و خانمان فراق
ص ۱۵۲ — ہزار دشمنم ار می کنند قصد ہلاک — گرم تو دوستی از دشمناں ندارم باک
ص ۱۵۴ — خوش خبر باش اے نسیم شمال — کہ بہ ما می رسد زمان وصال
ص ۱۶۴ — اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد — من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم
ص ۱۷۱ — سایہ بر دل ریشم فگن اے گنج مراد — کہ من ایں خانہ بہ سودائے تو ویراں کردم
ص ۱۹۰ — خالی مباد کاخ جلالت ز سروراں — وز ساقیان سرو قد و گل عذار ہم
ص ۱۹۶ — ز در درآ و شبستان ما منور کن — دماغ مجلس روحانیاں معطر کن
ص ۲۰۴ — اے قبائے پادشاہی راست بر بالائے تو — زینت تاج و نگین از گوہر والائے تو
ص ۲۱۴ — سر خالیست از بیگانہ شو نوش — کہ نبود جز تو اے مرد یگانہ

اشعار مفصلہ صدر سے ضرور امید کامیابی ہے۔ آئندہ العلم عند اللہ

<u>بالک ہٹ</u>: ۲ر جنوری ۱۸۹۹ء۔ جو حقیقت موضع نرائن پور دہولی میرے پاس رہن تھی اور میں نے اس کو برخوردار <u>مصطفےٰ علی</u> کو اس غرض سے دیدی تھی کہ اس کا زر رہن وصول کر کے قصد ولایت لندن کا کریں۔۔ منجملہ حقیت مرہونہ کے لالتا سنگھ زمیندار نرائن پور نے قریب پانچ سو روپیہ اپنا زر رہن دے کر اپنے حصہ ایک آنہ مرہونہ کو فک الرہن کر لیا تھا جس کا روپیہ موصوف کے پاس مجتمع ہے۔۔۔۔ اگرچہ یہ جائداد اس قابل نہ تھی کہ میں اس کو بخوشی جدا کرتا مگر بالک ہٹ سے مجبور ہو گیا اور بجز رنج وملال کے کوئی صورت مفر کی نہ دیکھی۔

<u>منشی فصاحت حسین</u>: ۱۲ر جنوری ۱۸۹۹ء۔ منشی سید فضل حسین دائمی مریض ہیں جس کی وجہ سے کہ شب و روز بیٹھے رہتے ہیں اور بالکل نقل و حرکت نہیں کرتے حتیٰ کہ پچاس قدم بھی ان کو چلنا مشکل معلوم ہوتا ہے اور کوئی دن ناغہ نہیں جاتا کہ دواؤں انگریزی و یونانی کا استعمال نہ کرتے ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تندرستی میں بہت بڑا فرق

آگیا اور شب و روز ۲۴ گھنٹوں میں ایک گھنٹہ بھی ان کی صحت کا نظر نہیں آتا اور مزاج میں ایسی کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ مثل اطفال خورد سال گھڑیوں میں طبیعت کا رنگ بدلتا رہتا ہے۔

داماد سعید الدین: ۲ فروری ۱۸۹۹ء۔ تحریر برخوردار سعید الدین مورخہ ۱۰ جنوری ۱۸۹۹ء سے مرسلہ لندن سے واضح ہوا کہ وہ امتحان بیرسٹری میں صرف دو چیزوں میں فیل ہو گئے جس کی نسبت ان کو پوری امید کامیابی کی تھی۔ اب مارچ آئندہ میں پھر امتحان دینے والے ہیں دیکھا چاہیے کہ ان کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ میرے نزدیک ان کو یہ ناکامی اس وجہ سے ہوئی کہ ان کو بڑا زعم اس آخری امتحان میں پاس ہونے کا تھا اور اپنی یاد پر کامل بھروسہ رکھتے تھے اور انھوں نے زور دے کر لکھا تھا کہ میں ضرور پاس ہوں گا۔ چونکہ خدا کلمۂ تکبر ناپسند کرتا ہے لہذا کوئی یاد ان کو کام نہ دے سکی اور وہ فیل ہو گئے۔

۲۵ فروری ۱۸۹۹ء۔ تحریر برخوردار سعید الدین موصولہ لندن سے واضح ہوا کہ محمد عربی خلف حامد حسن جو واسطے پاس کرنے بیرسٹری کے (سندیلہ سے) لندن گئے ہیں وہاں ایک انگریز کو پڑھاتے ہیں اور اس نے ان کو ڈیڑھ ہزار روپیہ واسطے شریک ہونے ٹرم بیرسٹری کے نومبر ۱۸۹۸ء میں قرض دیا تھا جس کا وعدہ ادائی آخر مارچ سن الیہ کا ہے۔ محمد عربی نے ایک مختار نامہ خاص بنام منشی قبول احمد (اشراف ٹولہ سندیلہ) بھیجا ہے کہ سات بسوہ موضع ململپور کو جو انکا مقبوضہ مملوکہ ہے رہن خواہ بیع کر کے واسطے ادائے زر قرضہ کے لندن بھیجیں۔

ہولی: ۲۸ مارچ ۱۸۹۹ء۔ کل اور آج اکثر از قوم ہنود علی الخصوص کنور نرندر بہادر صاحب مجھ سے ہولی ملنے آئے اور میں نے ان کی عطر و الائچی سے مدارات کی۔ میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر قوم سے بلا قید مذہب ملتا رہتا ہوں جس سے ہر شخص مجھ سے رضامند ہے۔

دو تار: ۲۴ جون ۱۸۹۹ء۔ آج دو تار مرسلہ برخوردار ممتاز علی خلف الصدق سید نذر علی مرحوم چھاونی مئو سے بنام میرے و منشی فضل حسین کے موصول ہوئے جس کا مضمون یہ ہے کہ کل ۹ بجے رات کو برخوردار محمد عزیز نے قضا کی۔ اس بات کے دریافت کرنے سے سخت رنج و ملال ہوا کہ ان کے گھر میں بجز ان کے کوئی از قسم ذکور نہیں ہے اور بہت بڑی امیدیں ان کی ذات سے متعلق تھیں۔ سال گزشتہ مہینہ مئی میں ان کی شادی عزیز از جان سید حافظ علی کی بیٹی مساۃ نظیرا سے ہوئی تھی۔ ابھی ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی افسوس ہے کہ انھوں نے بہت تھوڑی عمر میں دنیا کو خیرباد کہا اور تین بیواؤں کو اپنے رنج مفارقت دائمی میں تا حیات بحالت گریاں چھوڑا۔ مرحوم کے کوئی اولاد بھی اس وقت تک

نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ برخوردار موصوف حافظ منیرالدین بیرسٹرایٹ لا کے مکان پر مقیم تھے اس وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ انھوں نے کیوں نہیں تار دیا اور ممتاز علی نے کیوں دیا اور دو تار دینے کی کیا ضرورت تھی جب کہ ایک تار سے مطلب پورا حاصل ہو سکتا تھا کیونکہ میں اور منشی صاحب ایک ہی مقام پر رہتے ہیں۔ لہٰذا اس شک نے مجھے مجبور کیا کہ قبل مشتہر کرنے تار منجانب خود حافظ منیرالدین کو بھیجوں اور واقعی حال دریافت کروں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور اب تک خبر تار موصولہ کا ان کے گھر میں کوئی اعلان نہیں کیا۔ خدا کرے یہ خبر غلط ہو ورنہ یہ سخت سانحہ ہے۔ ان کے والد حافظ فیاض علی نے بھی تقریباً اسی عمر میں بمقام 'مئو' رحلت کی تھی اور دو یادگاریں اپنی چھوڑ گئے تھے ایک لڑکی اور ایک لڑکا۔ چنانچہ لڑکی نے سال گزشتہ میں انتقال کیا اور ایک خورد سال لڑکی چھوڑی اور یہ لاولد فوت ہوئے۔ ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد۔ اس مصرع کی اس مقام پر پوری تصدیق ہوتی ہے۔

۶ر جون ۱۸۹۹ء۔ آج آٹھ بجے رات کو خبر تار مرسلہ برخوردار سید حافظ علی 'اندور' سے واضح ہوا کہ ۵ر جون کو محمد عزیز بخیریت تمام بھوپال کو روانہ ہوئے جس سے نہایت خوشی ہوئی اور میرے خیالات کی تصدیق کہ جو دو تار ۴ر جون کو چھاؤنی 'مئو' سے آئے تھے وہ غلط ہیں .... مجھے یہ ظن غالب ہوتا ہے کہ خود محمد عزیز نے اپنے انتقال کے تار دیے تھے۔

۵ر جون ۱۸۹۹ء۔ آج خط محمد عزیز کا مورخہ ۶ر جون بھوپال سے صبح کی ڈاک میں موصول ہوا اور دس بجے دن کی ریل میں وہ خود وارد سندیلہ ہوئے آوازہ مبارک کی وسلامی کا گرم ہوا اور میری نسبت جن لوگوں کے خیالات ناقص تھے کہ میں نے خبر تار کو مخفی کیا اور متعلقین تار کو اطلاع نہیں دی وے لوگ اب اظہار مسرت کا کر رہے ہیں اور میری رائے کی نسبت خیالات نیک ظاہر کرتے ہیں۔

عرس وصی علی شاہ: ۱۲ر جون ۱۸۹۹ء۔ آج عرس وصی علی شاہ صاحب مرحوم میں شریک ہوا اور راجہ جنگ بہادر صاحب 'نانپارہ' سے مکان نو تعمیر منشی لطف حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر میں ملاقات کی۔ بوقت گیارہ بجے دن کے شمس الحق فرزند چہار سالہ نبی محمد یعنی نواسہ وصی علی شاہ صاحب مرحوم سجادہ نشین درگاہ مخدوم صاحب ہوا اور رات کو شاہ صاحب کا قل ہوا۔ راجہ صاحب موصوف الصدر نے مبلغ چالیس روپے کی شیرینی منجانب خود تقسیم کی اور ایک سو روپے واسطے صرفہ عرس کے نقد دیا۔ راجہ صاحب گانے بجانے کے شوقین اور خوش عقیدہ آدمی ہیں۔

سید حافظ علی: ۱۶ر جون ۱۸۹۹ء۔ آج برخوردار سید حافظ علی خسر محمد عزیز اندور سے وارد سندیلہ

ہوئے جہاں وہ مدرس فارسی ڈالی کالیج کے ہیں اور مبلغ ساٹھ روپے تنخواہ پاتے ہیں۔ ان سے دریافت ہوا کہ خود محمد عزیز نے دو تار اپنی وفات کے چھاونی مئو سے ۲۴ر جون کو بھیجے تھے جس کی تنقیح تار گھر میں جاکر خود حافظ علی حافظ شیر الدین نے کی۔ محمد عزیز نے ایسے فضول تار بھیجنے سے اپنے اعزا خاص کو بلاوجہ رنجور کیا اور دفور غم والم سے ان کی اہلیہ کے قلب کو ایسا سخت صدمہ پہنچا کہ وہ شب و روز میں ایک دو مرتبہ بے ہوش ہو جاتی ہیں اور حس و حرکت یک قلم موقوف ہو جاتی ہے۔ اور اپنے آنے کی خوشی میں پندرہ بیس روپے گانے بجانے کی تقریب میں صرف کر ڈالے۔ یہ فعل ان کا تمام تر ان کی حماقت پر دال ہے۔

<u>مصطفےٰ علی</u>: ۹ر ستمبر ۱۸۹۹ء۔ آج صبح کی ڈاک گاڑی میں برخوردار <u>مصطفےٰ علی</u> بغرض پاس کرنے امتحان بیرسٹری کے براہ کلکتہ روانہ لندن ہوئے۔ خدا کامیاب معاودت کرائے اور ان کے پیشہ میں برکت دیوے۔ آج کی تاریخ میں ان کی عمر ۲۵ سال ۸ مہینہ ۲۷ یوم کی ہے اور جو جہاز کلکتہ سے لندن کو جائے گا اس کا کرایہ ان کو تین سو چھہتر روپیہ دینا پڑا۔

۳۰ر اکتوبر ۱۸۹۹ء۔ آج خط برخوردار <u>مصطفےٰ علی</u> مورخہ ۱۳ر اکتوبر بمقام لندن سے موصول ہوا جہاں وہ ۱۰ر اکتوبر کو بوقت پانچ بجے شام کے براہ ریلوے فرانس پہنچے اور بموجب ان کے تار کے جو انھوں نے برخوردار سید الدین کو دیا تھا برخوردار موصوف اسٹیشن لندن پر آگئے تھے اور ان کے ہمراہ جاکر عزیز از جان محمد عربی کے مکان پر قیام کیا۔ جو دو کمرے محمد عربی کے پاس کرایہ پر ہیں معہ صرفہ خورد و نوش سولہ روپیہ فی ہفتہ دینا ہوتا ہے۔ اب برخوردار موصوف بھی انھیں کی قربت میں مکان لینے والے ہیں۔۔۔

<u>نجوم</u>: ۲۳ر نومبر ۱۸۹۹ء۔ ۱۲ر نومبر سے سات ستارے برج بر چھک میں فراہم ہو گئے ہیں جو ۲۵ر نومبر تک اسی برج میں رہیں گے دیکھا چاہیے کہ اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ نجومیوں کا مقولہ ہے کہ جب سابق میں اسی طور پر سات ستارے ایک برج میں جمع ہوئے تھے تو کورو کشیتر کے میدان میں کوروں پانڈوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی تھی جس میں لاکھوں آدمیوں کا قتل ہوا تھا۔ جو ستارے بالفعل برج عقرب میں موجود ہیں ان کے اسم درج ذیل ہیں: آفتاب، مشتری، زحل، مریخ، زہرہ، عطارد، راہ۔ منجملہ ان کے تین ستارے تحت الشعاع آفتاب میں غرق ہیں یعنی ان کی قوت بالکل زائل ہو گئی۔ وہ یہ ہیں: مشتری، مریخ، زحل۔

<u>لندن کا کیچڑ</u>: ۱۸ر فروری ۱۹۰۰ء۔ رجب علی بیگ سرورؔ نے فسانۂ عجائب میں کانپور کے کیچڑ کی بہت ہجو کی ہے اور سید اسمٰعیل حسین منیرؔ نے اپنی کلیات میں الہ آباد کے کیچڑ کی۔ میرے خیال میں لندن کا

کیچڑ بھی کچھ ان جگہوں سے کم نہیں ہے۔ یہاں سے ایک میل پر ایک مقام ہے جس کا نام ڈلچ ہے۔ پختہ سڑک کا نشان تک نہیں۔ تمام سڑکیں کچی ہیں۔ کیچڑ اس غضب کا ہوتا ہے کہ پھونک پھونک کر قدم رکھا جائے تب بھی ٹخنے دھنس جاتے ہیں۔ مگر ہندوستان میں کسی انگریز کے منہ سے اس کی برائی نہ سنیے گا۔ ساری برائیاں و خرابیاں گویا ہندوستان ہی میں ہیں۔" (از خط مصطفیٰ علی۔ لندن)

مرتضیٰ علی: ۲۴ فروری ۱۹۰۰ء۔ آج خط برخوردار مرتضیٰ علی مورخہ ۱۲ فروری بھوپال سے موصول ہوا۔ وہ ۲۰ فروری کو مع احمد کریم خسر پورہ خود شام کی ۴ بجے کی ریل میں للت پور سے روانہ ہو کر ۹ بجے رات کو بھوپال پہنچے اور ۲۱ فروری کو ۹ بجے رات کی ڈاک گاڑی میں بعزم ولایت روانہ بمبئی ہوں گے انھوں نے دن کو کھانا نور چشم اصغر علی کے یہاں کھایا اور رات کو برخوردار مجتبیٰ علی کے ساتھ (یہ دونوں آجکل بھوپال میں ہیں) خدا مع الخیر ان کو پہنچا دے اور بحصول کامیابی معاودت وطن کریں۔

انگریز قوم: ۱۹ مارچ ۱۹۰۰ء "جو میمیں بخدا ہمارے یہاں پیشاب کا برتن صاف کرتی ہیں وہی ہندوستان پہنچ کر ہم کو کتے سے بدتر سمجھنے لگتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ کیا انقلاب ہے۔ سوائے ہندوستانیوں کی خوبی قسمت کے اور کیا کہا جائے۔ ہندوستان آکر یہ برتاؤ کیوں کر برداشت ہوگا" از خط مصطفیٰ علی۔ لندن)

لندن کے موسم: ۲۶ مارچ ۱۹۰۰ء۔ یہاں سال میں صرف دو موسم ہوتے ہیں گرمی اور جاڑا۔ رہی برسات وہ جاڑے کے ساتھ ہے۔ پانی برسنے کی کوئی تعداد و شمار نہیں۔ دن کو دس مرتبہ برسا اور رات کو بیس مرتبہ۔ جنوبی سمندر سے بادل اٹھے برس پڑے۔ شمالی سمندر سے بخارات دو چار ہاتھ اونچے ہو کر پھٹ پڑے۔ مشرقی چینل نے کچھ کمک بھیج دی کبھی مغربی بحر ذخار نے بدلیوں کے مشکیزوں سے چھڑکاؤ کر دیا۔ رات دن یہی ہوا کرتا ہے (از خط مصطفیٰ علی۔ لندن مورخہ ۹ مارچ ۱۹۰۰ء)

لندن کی زندگی: ۳ اپریل ۱۹۰۰ء۔ دوشنبہ کو بوقت ۷ بجے صبح تاریخ ۱۲ مارچ کو مرتضیٰ علی معہ احمد کریم داخل لندن ہوئے۔ بفضلہ اب تک بخیریت ہیں۔ مرتضیٰ علی کا ارادہ ہے کہ لنکن ان میں داخل ہوں۔ مجھ کو ایک مکان 'برکسٹن' میں مل گیا۔ مرتضیٰ علی کے مکان سے اور 'ٹمپل' سے بھی قریب ہے۔ چنانچہ آج میں اٹھ بھی آیا۔

دو دن سے محلہ مذکور میں چارچر کا سوانگ بنتا ہے اور افریقہ کی لڑائی کا پورا نقشہ اتارا ہے۔ جو روپیہ اس مد سے وصول ہوگا وہ مقتولین و مجروحین افریقہ کی بیوہ یتیموں کو دیا جائے گا۔ خیال فرمائیے لوگ کس قدر قومی ہمدردی کرتے ہیں۔

لندن عجیب مقام ہے۔ یہاں بندر بندریا کا بھی ناچ ہوتا ہے۔ یہ بڑا نقص ہے کہ عورتیں مردوں سے

اسی بے تکلفی سے ملتی ہیں جیسی مرد مرد سے ۔ لڑکے اور لڑکیاں حد سے زیادہ آزاد ہیں۔ دن کو کوئی مرد گھر میں نہیں رہتا۔ چاہے کام کو جائے سیر و تماشے کو۔ (از خط مصطفےٰ علی لندن۔ مورخہ ۱۵ ر مارچ ۱۹۰۰ء)

لندن میں شطرنج: ۱۷ ر اپریل ۱۹۰۰ء ..... بہت سے انگریز جو 'مڈل ٹمپل' یا 'لنکن اِن' میں شریک ہیں ان کا فرض ہے کہ صبح سویرے 'ٹمپل' یا 'اِن' آکر شطرنج کھیلیں اور جب تک رات نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا پیچھا نہ چھوڑیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دنیا میں سوائے شطرنج کھیلنے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ یہاں عورتوں کے خیالات ویسے ہی ہیں جیسے ہندوستان کی عورتوں کے ہیں۔ دولت البتہ یہاں زیادہ ہے۔ (از خط مرتضیٰ علی۔ لندن)

ہندوستان کی ترقی: ۲۹ ر جون ۱۹۰۰ء ..... میرا خیال ہے کہ جب تک بقول پروفیسر ہکسلے نیچرل نالج کی ترقی نہ ہوگی ہندوستان کی ترقی نہ ہوگی۔ اس قول کی قوی دلیل چند یورپ کی سلطنتیں ہیں اور ایک ایشیا کی یعنی جاپان کی۔ اہل ہند جب تک سائنس کے ایک ایک مسئلہ کو سونے کی اینٹوں سے زیادہ گراں بہا تول اور مول میں نہ سمجھیں گے حالت نہ سنبھلے گی۔ (از خط مرتضیٰ علی۔ لندن)

نواب مرشد آباد: ۲۲ ر جولائی ۱۹۰۰ء۔ نواب مرشد آباد سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ جب وہ یہاں تشریف لائے تو ملکہ معظمہ سے ہاتھ ملایا اور فوراً جاکر ہاتھ دھو ڈالا جس سے ملکہ معظمہ کی توہین ہوئی۔ ان سے سبب اس کا پوچھا گیا تو کہا کہ ہمارے مذہب میں ہے کہ جب کسی دوسرے مذہب والے سے ہاتھ ملائے تو فوراً اسے دھو ڈالے۔ چنانچہ اس کی تفتیش کی گئی۔ عرب، ٹرکی، فارس وغیرہ کے مولویوں سے دریافت کیا گیا۔ خیر یہ بات تو رفع دفع ہو گئی۔ نواب صاحب ایک میم پر عاشق ہوئے جو ایک ہوٹل کی خادمہ تھی ..... میں متحیر ہوا کہ کہاں وہ نفرت اور ذلت کہ ملکہ معظمہ سے ہاتھ ملا کر دھو ڈالا اور کہاں یہ کہ خادمہ ہوٹل کے ساتھ شادی کر لی۔ (از خط مرتضیٰ علی۔ لندن)

پیرس کی نمائش: ۳۰ ر جولائی ۱۹۰۰ء ..... اسی طور سے پیرس کی نمائش گاہ میں ہزاروں کھیل تماشے اور تھیٹر وغیرہ آئے ہیں۔ نواب شیش محل لکھنؤ کے لڑکے گئے تھے ان سے معلوم ہوا کہ ہندوستانی بھائیوں نے بھی ایک تھیٹر وغیرہ قائم کیا اور اسے لائے ہیں جس میں دو تین طوائفیں لکھنؤ کی ہیں۔ ایک گھنٹہ ان کے ناچ کا مقرر ہے مگر ہمیشہ یہی ہوا کہ ان کے ساتھی ساز درست کیا کیے اور گھنٹہ ختم ہو گیا یا کبھی دو چار بول گانے پائیں۔ اگرچہ ان کے مالک لاکھ سر پٹکتے ہیں کہ تم لوگ اپنا پہلے سے ساز کیوں نہیں درست کر لیتے تو کہتے ہیں کہ صاحب شاہی سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ غرض کہ پیرس میں بھی ہندوستانی ذلیل ہو رہے ہیں۔ نواب صاحب کے لڑکے کہتے تھے کہ اور تماشا گاہوں میں جائیے تو تل رکھنے کو جگہ نہیں ملتی مگر یہاں دو چار لوگ کرسی پر بیٹھے

اور باقی تھوڑے کھڑے بے ہودہ گیاں دیکھ کر ہنستے رہتے ہیں۔ (از خط مرتضیٰ علی۔ لندن)

لندن میں دھوپ: ۱۷ ستمبر ۱۹۰۰ء۔۔۔۔آج بھی دن اچھا ہے۔ آفتاب کی کرنیں زمین میں لوٹ رہی ہیں جس سے ہم ہندوستانی بہت خوش ہیں اگرچہ بعض وقت پریشان کرنے والے ابر کے پہاڑ اپنے دامنوں میں کرنوں کو اٹھا لیتے ہیں اور ہم لوگ للچائی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں۔

یہاں بھینس اور بکری نہیں ہوتی۔ گائے اور بھیڑ بکثرت۔ گائے دودھ کے واسطے اور بیل دبچھڑے کھانے کے لیے کیونکہ بیل سے یہاں کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ گھوڑے سے سب کام لیتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام گدھے سے مثلاً گھاس کے کاٹنے کے آلہ میں گدھا جوت دیا یا چھوٹی سی گاڑی میں جوت دیا اور چیزیں بیچتے پھرتے ہیں اور اسی گاڑی پر خود بھی سوار ہیں۔ سمندر والے کنارے مقاموں پر گدھوں پر چار جامے کھینچے جاتے ہیں جس پر لوگ نہایت خوشی سے سوار ہوتے ہیں۔ ٹانگیں زمین میں لگی ہوئی اور بھاگتے چلے جاتے ہیں۔ (از خط مرتضیٰ علی۔ لندن)

ملکہ کا جنازہ: ۵ فروری ۱۹۰۱ء۔ جس دن ملکہ معظمہ کا جنازہ اٹھا ہر گرجا گھر میں دعائیں مانگی گئیں جن کا مقوم تھا:

اے مسافر تو ہم سے جدا ہو گیا اب ہماری آنکھیں تجھ کو کبھی نہ دیکھیں گی۔ راہ فنا دشوار ہے مگر تو نے خوب طے کر لی۔

ملک عدم میں نہ رنج ہے نہ غم۔ نہ بہتے ہوئے آنسو نہ روتی صورتیں۔

اب تجھ کو مردم آزار نہ پہنچائیں گے۔ دنیا بھر کے جھگڑوں سے تجھے نجات ہو گئی۔

گناہوں کے دھبے تیرے دامن پر نہ پڑیں گے نہ وہم و شک عقائد مذہبی میں رخنہ انداز ہوں گے۔

عذاب دوزخ تیری راحت میں مخل نہ ہو گا کیونکہ حضرت مسیح حافظ و ناصر ہیں۔

اے خدا تیری مقدس حفاظت میں تیرے سوتے ہوئے بندہ کو چھوڑتے ہیں۔

بے خبر سونے والا حشر تک یوں ہی سوتا رہے گا۔ بعدہٗ تیرے حکم سے جاگے گا اور اٹھے گا۔

افسوس تھوڑے عرصہ میں جسم زار کا پتہ بھی نہ لگے گا۔ مٹی میں مٹی اور خاک میں خاک مل جائے گی۔

(از خط مصطفےٰ علی۔ لندن)

ملکہ کی وفات: ۱۱ مارچ ۱۹۰۱ء۔ یہاں ملکہ معظمہ کی وفات پر اظہار غم یوں ہوا: "ملکہ معظمہ مر گئیں۔ غریب پرانی روح تھی" "بس ختم ہو گیا"۔ دکانیں صرف آدھے دن بند رہیں۔ (از خط مرتضیٰ علی۔ لندن)

اپریل فول: ۲۲ اپریل ۱۹۰۱ء۔۔۔۔ دو شنبہ گزشتہ کو دن بے وقوفی یعنی یکم اپریل تھی۔ ایک شخص نے ۲۵ وکیلوں کو بے وقوف بنایا۔ ہر ایک کو خط اس مضمون کا لکھا کہ مجھ پر ایک مقدمہ پڑ گیا ہے۔ آپ مہربانی کر کے

فلاں وقت کی گاڑی فلاں اسٹیشن پر لیجیے اور میرے ساتھ 'دلوا' چلیے۔ جو کچھ فیس آپ کی ہوگی آپ کو اسٹیشن پر دی جائے گی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر کل وکیل اسٹیشن پر موجود ہوئے۔ اتفاق سے ایک وکیل نے دوسرے وکیل سے پوچھا کہ آپ فلاں شخص ہیں جنھوں نے مجھے خط بھیجا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں خود ہی اس شخص کی تلاش میں ہوں۔ اسی طور پر کل وکیل ملے اور جو خط ہر ایک نے کھولا اور مضمون ملایا تو ایک تھا۔ دن کا جو خیال کیا تو وہ دن یکم اپریل تھا۔ سب شرمندہ ہوئے اور اپنے اپنے مکان پر واپس گئے۔ خط بھیجنے والے نے اپنا فرضی نام اور فرضی پتہ لکھ دیا تھا۔ (از خط مرتضیٰ علی۔ لندن)

مچھروں سے حفاظت: ۲ مئی ۱۹۰۱ء۔ تجربہ: ارنڈ کے پتے اگر اپنی نشست گاہ کے گرد و پیش رکھ لیے جاویں یا چارپائی پر سوتے وقت رکھے جاویں تو مچھروں سے حفاظت ہوتی ہے اور وہ مضرت نہیں پہنچاتے۔

وفات فضل حسین صاحب: ۲۸ اگست ۱۹۰۱ء۔ آج صبح سے طبیعت منشی فضل حسین صاحب بگڑنا شروع ہوئی اور ٹھیک ۸ بجے رات کو انتقال کیا اور ۳ بجے رات کو مقبرہ منشی فضل رسول مرحوم اپنے والد ماجد کے مدفون ہوئے عمر ۵۶ سال ایک ماہ ۲۵ یوم کی ہوئی۔ ۳۰ جولائی ۱۸۴۵ء یوم بدھ کو پیدا ہوئے تھے۔ آدمی نہایت نیک اور منکسر المزاج تھے اور ان کی وفات سے عموماً اہل قصبہ بہت متاسف ہوئے اور مجھے ان کی مفارقت دائمی کا سخت ملال ہوا۔ خدا غریق رحمت کرے۔ ان کی ذات سے بہت سے لوگوں کی پرورش ہوتی تھی۔ اگرچہ مزاج میں بعض وقت غصہ آجاتا تھا لیکن جب دو ایک روز کی حاضر باشی کی گئی اور عذرات پیش کیے گئے تو اس کا قصور معاف کر دیتے تھے اور یہ بات ان کے مزاج میں ضرور تھی کہ لوگوں کے کہنے سننے کا بہت اثر پڑتا تھا اور کچھ زیادہ عاقبت اندیشی مزاج میں نہ تھی مگر خوش قسمت ضرور تھے کہ انکے عہد میں بہت سی ریاست پیدا ہوئی۔

۲۹ اگست ۱۹۰۱ء۔ آج میں نے مجمع عام میں کہہ دیا کہ التفات رسول کا سچا بہی خواہ ہوں اور اپنے امکان میں کوئی دقیقہ ان کی بہی خواہی کا اٹھا نہ رکھوں گا لیکن تعلقہ جلال پور کا کام میں ہرگز نہیں کروں گا میری جگہ پر کوئی دوسرا شخص تجویز کیا جاوے۔ اس میرے کہنے پر راجہ درگا پرشاد اور ڈپٹی کرامت حسین صاحب اور محمد عرب نے بالاتفاق یہ کہا کہ بغیر آپ کی توجہ کے یہ کام ہرگز نہیں چل سکتا اور انتظام بالکل ابتر ہو جائے گا۔ اگرچہ التفات رسول نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا لیکن اور لوگوں کے ذریعہ سے مجھے کہلا بھیجا کہ میں خود مکان پر حاضر ہو کر عذر کروں گا اور جو باتیں وہ فرمائیں گے ان کی تعمیل مثل خوردوں کے کروں گا اور ہرگز اس سے سرتابی نہ ہوگی اور آپ کے سر بلا میں۔ بدون آپ کی امداد کے یہ دشوار گزار مرحلہ ہرگز طے نہیں ہو سکتا۔

عقد التفات رسول: ۷؍اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ آج نو بجے رات کو عقد برخوردار سید التفات رسول خلف دویم منشی سید فضل حسین صاحب مرحوم مسماۃ آمنہ دختر سید نبی احمد یعنی بھانجی محمد عربی سے بہ قرار داد مہر ۲۵ ہزار روپیہ کے ہوا۔ نکاح مولوی مقیم الدین صاحب عالم ساکن ڈیرہ اسمٰعیل خاں نے پڑھا۔ یہ عقد چھواروں اور شکر پر ہوا۔ منجانب دولھن ڈپٹی کرامت حسین وکیل اور سید نجم الدین و برخوردار سید ارتضیٰ علی گواہ تھے ـــ (رخصتی بعد میں ہوگی) اس عقد سے مسماۃ گُندن زوجہ ثانیہ منشی فضل حسین صاحب مرحوم کو سخت رنج و صدمہ ہوا جو اپنی خالہ زاد بہن دختر مولوی رفیع الدین سے کرنا چاہتی تھیں اور منشا یہ تھا کہ اگر بہن کے ساتھ جانشین علاقہ کا عقد ہو جائیگا تو میری حکومت اور رعب و ادب اسی حالت سے قائم رہے گا جیسا کہ گزشتہ میں تھا لیکن مشیت ایزدی خلاف اس کے تھی کہ دفعتاً منشی صاحب مرحوم کا انتقال ہو گیا۔

والدہ مصطفیٰ علی: ۱۶؍نومبر ۱۹۰۱ء والدہ برخوردار مصطفیٰ علی کو ابھی درد لاحقہ عرق النسا سے کامل افاقہ حاصل نہیں اور بائیں آنکھ میں ناخنہ کی شکایت پیدا ہو گئی۔ آنکھ ورم کیے ہوئے ہے جس سے تکلیف از حد ہے اور وہ گوشت جانب دیدۂ سیاہ بڑھتا جاتا ہے۔

۱۰؍دسمبر ۱۹۰۱ء۔ آج اہل خانہ مولوی علی احمد صاحب اشراف ٹولہ نے حسب تحریک میری بذریعہ منشی سید کرامت حسین کا کہلا بھیجا کہ وہ رخصتی اپنی پوتی دختر سید نبی احمد کی بعد ۱۲ ذی الحجہ کے قرار دیں گی جس کے واسطے جو تاریخ طے کی جاوے۔ یہ وہ لڑکی ہے جس کا عقد ۷؍اکتوبر کو ہو چکا ہے۔ فریقین اپنے اپنے یہاں سامان کر رہے ہیں۔

وفات چودھری محمد عظیم: ۲۴؍جنوری ۱۹۰۲ء۔ چودھری محمد عظیم صاحب تعلقہ دار ٹکرالی، رئیس اعظم سندیلہ نے دفعتاً بوقت ایک بجے رات گزشتہ اپنے مکان واقع قیصر باغ لکھنؤ میں قضا کی۔ مرحوم ٹھیک گیارہ بجے شب کو کھانا کھا کر سوئے تھے۔ ایک بجے کچھ شکایت درد قلب کی پیدا ہوئی اور معاً روح پرواز کر گئی۔ ۱۱ بجے دن کی اسپیشل ٹرین میں ان کی لاش لکھنؤ سے آئی اور ٹھیک چار بجے شام کو اپنے نبی باغ میں دفن ہوئے... مرحوم میرے ساتھ بوجوہ بہت اخلاق سے پیش آتے تھے۔ ان کی عمر ۵۲ سال تھی۔

شادی التفات رسول: ۱۵؍مارچ ۱۹۰۲ء۔ آج سے جلسہ شادی برخوردار سید التفات رسول شروع ہوا لیکن موصوف الیہ نے نہ تو مانجا پہنا اور نہ آتش بازی و آرائش کو جائز رکھا اور نہ کسی قسم کے باجن وغیرہ بجنے کی اجازت دی۔ صرف ناچ طوائفان سندیلہ و چار طائفہ زنانہ لکھنؤ اور ایک طائفہ کشمیری مسمی مورث حسین خلف کھلونہ لکھنؤ کا ہوا... کل طائفان لکھنؤ میں جدن طوائف لکھنؤ کا ناچ و گانا عموماً سبکو پسند ہوا۔

۱۸ مارچ ۱۹۰۲ء - بوقت ۳ بجے صبح کے بری اور ۶ بجے صبح بارات برخوردار سید النفات رسول بخانہ مولوی علی احمد صاحب گئی اور منشی عزیز الدین احمد صاحب کے مکان میں ٹھہری - نوشاہ تامدان پر سوار تھے اور کوئی آرائشی چیز ہمراہ نہ تھی۔ بلکہ سوائے نوکروں کے اہل برادری میں سے بھی کوئی ہمراہ بارات نہ تھا۔ صرف چند عزیز ضرور تھے۔ ۹½ بجے دن کو رخصتی ہوئی۔ ڈھائی سو روپے نوشاہ کو سلامی میں ملے اور ایک گھوڑا معہ زیور نقرئی۔ علاوہ اس کے جہیز میں چند ظروف نقرئی اور باقی مسی کے تھے جن کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی۔ محمد عربی بیرسٹر نے میز کرسی ظروف چینی مسہری الماری دیگچی۔ سنگ مرمر کی دی اور میں نے بھی چار جوڑے دو بجانب دولھا اور دو بجانب دولھن بھیجے۔ اور دونوں طرف کے مراسم نیوتہ وغیرہ ادا کرنے میں میرا مجموعی صرفہ ستر روپے ساڑھے تین آنہ ہوا۔ ایک پالکی بھی جہیز میں ملی اور یہاں ایک پلنگ و پیڑھی بھی نقرئی تھی۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ جہیز معمولی تھا۔

زندہ دل لوگ: ۱۴ اپریل ۱۹۰۲ء - رسن یہاں چلا ہے جو کچھ ہو دل ہمیشہ زندہ ہوتا ہے۔ کوئی کھیل کوئی دل بستگی کا سامان یہاں ایسا نہیں جس میں بچے بوڑھے سب شریک نہ ہوتے ہوں۔ اپنے کو یہاں کے لوگ ہمیشہ بچہ سمجھتے ہیں۔ عجب زندہ دل لوگ ہیں۔ ایک خاندان کو میں جانتا ہوں جن کے ۱۳ یا ۱۴ لڑکے ہیں۔ ایک روز لڑکوں کی ماں سے باتیں ہوئیں جن کا سن قریب پچاس برس کے ہے۔ کہا میں بوڑھی نہیں ہوں۔ میرے پاس سوائے اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ بے شک تم کہیں سے بوڑھی نہیں معلوم ہوتی ہو۔ اصل تو یہ ہے کہ تم اپنے لڑکوں کی ایک بہن معلوم ہوتی ہو۔ کہا تم سچ کہتے ہو اکثر دوستوں نے ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہے۔ بڑے لڑکے کا سن ۲۷ برس کا ہے۔ (از خط مرتضیٰ علی - لندن)

لندن میں تاج پوشی: ۱۳ مئی ۱۹۰۲ء - موسم اچھا ہے - تاج پوشی کا زمانہ قریب آگیا۔ مہمانوں کی آمد آمد ہو رہی ہے۔ ان کے ٹھہرنے کے لیے مکانات منتخب ہو چکے ہیں۔ یہ جلسہ قابل دید ہوگا۔ دیکھا چاہیے کہ دیکھنے میں آتا ہے یا نہیں۔ ایک شخص معمولی مقام سے اگر دیکھنا چاہے تو ایک گنی کم از کم پڑے۔ مجمع سے دیکھنا نہایت مشکل اور سخت مشکل سے خالی نہیں۔ علی الصباح اگر جائے اور دن بھر بھوکا پیاسا کھڑا رہے تو شاید دیکھنے کو مل سکے (از خط مصطفیٰ علی لندن)

بیرسٹر کی آمدنی: ۲۲ جون ۱۹۰۲ء - یہاں ایک بیرسٹر کی آمدنی فی گھنٹہ چھ سو روپے ہے۔ اس قدر روپیہ خدا جانے کس کس کے گھر میں رکھتے ہوں گے۔ چاروں طرف تخت نشینی کی دھوم دھام ہے لوگ سودائی ہو رہے ہیں۔ ایسے تماشائی شاید کہیں ہوں۔ (از خط مصطفیٰ علی - لندن)

علالت والدہ مصطفیٰ علی: ۲۸ جولائی ۱۹۰۲ء - آج بابو گنگا سہائے ڈاکٹر سندیلہ نے پانچویں مرتبہ والدہ مصطفیٰ علی کی رگ عرق النسا میں بذریعہ پچکاری دوا پہنچائی۔ میں نے ان کو چار روپے فیس کے دیے

ڈاکٹر صاحب اگرچہ توجہ سے علاج کر رہے ہیں لیکن ہنوز وہ بالکل دفع نہیں ہوا ہے۔ پچکاری دینے سے تین چار روز تک بہت تخفیف ہو جاتی ہے۔ بعدہٗ جھناہٹ ہو کر پھر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ بالکل دفع ہو جائے۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۰۲ء۔ ہنوز والدہ مصطفےٰ علی کو درد عرق النساء سے کامل آرام نہیں ہے اور حسب تجویز حکیم ظہور الحسن صاحب آج کل پھر ان کے مسہل ہو رہے ہیں۔ خدا شفائے کامل عطا فرمائے۔ ان کی بائیں آنکھیں کی بصارت بالکل جاتی رہی۔

دربار تاج پوشی ہردوئی: ۲ جنوری ۱۹۰۳ء۔ کل کے دربار جشن تاج پوشی ہردوئی میں میری کرسی صف اول میں تھی اور آنریری مجسٹریٹوں کے سلسلے میں پہلی تھی اور میری کرسی کے پیچھے وکلا و اہلکاروں وغیرہ کی کرسی تھی جس کا ہر آئینہ مجھے فخر ہے کہ ایسا اعزاز اپنے ہم رتبہ اور ہم چشموں میں مجھے حاصل ہوا۔

سید علی بلگرامی: ۱۹ جنوری ۱۹۰۳ء۔ سید علی بگرامی کو انڈیا آفس میں ایک جگہ مل گئی ہے۔ مترجم کا غذات عربی و فارسی ہیں اور تین سو پونڈ تنخواہ سالانہ ہے۔ (از خط مصطفےٰ علی۔ لندن)

تاریخ اعزاز: ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء۔ جو سند گورنمنٹ نے بجلدوے میری خدمات آنریری مجسٹریٹی و سکریٹری میونسپل سندیلہ کے عطا فرمائی ہے اس کی بابت ایک تاریخ مصنفہ منشی میکو لال صاحب عشرت و برہمی لکھنوی آج کے اودھ اخبار میں طبع ہوئی جو جہاں درج کی جاتی ہے: قطعہ تاریخ عطائے سند انتظام میونسپلٹی از جانب گورنمنٹ بجناب مولوی سید مظہر علی رئیس و آنریری مجسٹریٹ و سکریٹری میونسپل بورڈ سندیلہ ضلع ہردوئی۔

مظہر علی نامور و مولوی لقب — در نامیانِ قصبۂ سندیلہ نیک نام
میونسپل کمشنر و سکریٹری بورڈ — ہر دل عزیز و لائق و ممدوح خاص و عام
عمدہ رئیس و طرفہ امیر ہے شریف — جوئندۂ رفاہِ رعایائے مستہام
شد جشن تاج پوشی ایڈورڈ ہفتمی — ہر مستحق رسید بہ اعزاز و احترام
ایں ہم زوالیسرائے سند تازہ یافتند — گردید کار کردگی اعلان اہتمام
بسیار شاد گشت دل و جان دوستاں — در دلب است باد مبارک علی الدوام
عشرت نوشت مصرع سالش بہ تعجب — آمد چہ مستند سند حسن انتظام

لاثانی استانی: ۴ مارچ ۱۹۰۳ء۔ آج میں نے ایک کتاب "لاثانی استانی" علی گڑھ سے بقیمت ایک روپیہ علاوہ محصول وغیرہ ڈاک کے منگائی جو نہایت دلچسپ اور تعلیم نسواں کے لیے بہت مفید نظر آتی ہے۔ ہر قسم کے مضامین اس میں درج ہیں جس کی وجہ سے گھر میں بیٹھے ہوئے چار دن بر اعظم کے حالات بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں

مراجعت: ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء خطوط برخورداران مصطفیٰ علی و مرتضیٰ علی مورخہ ۶ مارچ ولایت لندن سے موصول ہوئے۔ مصطفیٰ علی نے لکھا کہ جہاز واسطے روانگی وطن کے ٹھیک ہوگیا۔ ۱۵ مارچ کو مارسیلز (فرانس) سے روانہ ہوں گا اور بشرط زندگی ۱۳ ماہ مذکور کو بمبئی داخل ہوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں — اب میرے نام کوئی نوازش نامہ بنا ارسال فرمادیں۔

مصارف بیرسٹری: ۲۸ مارچ ۱۹۰۳ء جس قدر روپیہ میں نے برخورداران مصطفیٰ علی و مرتضیٰ علی کو بغرض تعلیم بیرسٹری لندن کو بھیجا ہے اس کی تفصیل لغایت ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء درج روزنامچہ ہذا کردی ہے جس کی مقدار سات ہزار نو سو بیس (۷۹۲۰) روپیہ ہے اور تاریخ مذکورہ کے بعد جس قدر روپیہ میں نے برخوردار مصطفیٰ علی کو اور ۳ فروری ۱۹۰۳ء تک بھیجا ہے ... اس کی میزان ایک ہزار دو سو نوے روپے ہے۔ میزان کل لغایت ۳ فروری ۹۲۹۰ روپے۔

اگرچہ مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار برخوردار مرتضیٰ علی (اپنے داماد) کے صرف لندن کے کفیل ہیں لیکن مبلغ آٹھ سو بائیس روپے دو آنے میں نے بھی اپنی جیب خاص سے انھیں بھیجے ہیں۔ خدا سے دعا ہے ان کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو۔

واپسی مصطفیٰ علی: یکم اپریل ۱۹۰۳ء: آج تمام روز برخوردار مصطفیٰ علی کی آمد کا لندن سے انتظار رہا جو غالباً ۳۱ مارچ کو حسب تحریر خود بمبئی آگئے ہوں گے۔ اگر وہ کاش اپنے آنے کا اطلاعی تار بھیج دیتے تو ان کی پیشوائی عزت کے ساتھ کی جاتی۔

۲ اپریل ۱۹۰۳ء۔ آج ۱۱ بجے رات کی ریل میں برخوردار مصطفیٰ علی بلا اطلاع دہی ماقبل بعد امتحان بیرسٹری وارد سندیلہ ہوئے اور میں ان کے آنے پر جگایا گیا اور ان سے ملا اور بوجہ وفور مسرت مجھے دو تین گھنٹے تک نیند نہیں آئی۔ افسوس کہ انھوں نے اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی ورنہ اسٹیشن سندیلہ پر ان کی پیشوائی کا بہت بڑا مجمع ہوتا۔

۳ اپریل ۱۹۰۳ء آج میرے بہت سے اعزا و احباب برخوردار مصطفیٰ علی سے ملنے آئے اور ان کی خوش اخلاقی سے خوش ہوگئے اور راجہ درگا پرشاد میرے سچے حبیب نے ان کو طلائی گوٹے کا ہار پہنایا اور بہت نگاہ عزت سے دیکھا۔ خدا سے دعا ہے کہ ان کے کام میں برکت نصیب ہو۔

چہل قدمی: ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء میں اس مقام پر پھر حوالہ قلم کرتا ہوں کہ مشی واسطے قیام تندرستی کے نہایت عمدہ علاج ہے خصوصاً صبح و شام کی مشی نوجوانوں اور بڈھوں اور ہر عمر کے آدمیوں کو لازم ہے کہ اس کی مزاولت کریں اگر چاہتے ہیں کہ ان کی تندرستی قائم رہے۔ ہزاروں دواؤں سے یہ نسخہ عمدہ اور حکم اکسیر کا رکھتا ہے۔

مرتضیٰ علی وملازمت خود: ۲۹ اپریل ۱۹۰۴ء بجواب خط مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۳ء برخوردار مرتضیٰ علی کو یہ تحریر کیا کہ میں کوشش کروں گا کہ تمہارے واسطے ایک ہزار ایک سو روپیہ کا بندوبست کر کے لندن روانہ کروں تاکہ تم سند بیرسٹری حاصل کرو۔ میں نے ۲۸ اپریل سن الیہ سے بوجہ خلاف برتاؤ سید التفات رسول تعلقہ جلال پور کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کی لیکن اس کا کوئی اثر تم پر نہ پڑنا چاہیے حتی الامکان میں تمہارے واسطے مرقومہ مذکور الصدر کوشش کر کے ضرور روانہ کروں گا لیکن اب تم بعد پاس کرنے امتحان کے وطن چلے آؤ اور جو کچھ خامی قانون دانی میں تم کو ہو گی اس کا تکملہ یہاں ہو سکتا ہے۔

واپسی مرتضیٰ علی: ۹ نومبر ۱۹۰۴ء ...... میں ۳۰ اکتوبر کو یہاں سے جہاز پر سوار ہونے والا تھا لیکن اس پر جگہ نہیں ملی۔ اتفاق سے جہاز پر شیار جگہ ملی جو ۲ نومبر سن الیہ کو یہاں سے روانہ ہوگا اور میں ۱۲ نومبر کو مارسیلز سے اس پر روانہ ہوں گا اور ۲۸ نومبر کو بمبئی پہنچ جاؤں گا ..... اب آپ کوئی خط مجھے نہ بھیجیں۔ (خط مرتضیٰ علی۔ لندن)

دفع طاعون کے جھنڈے: ۲۸ نومبر ۱۹۰۳ء۔ آج کل ہمارے محلہ اشراف ٹولہ کے عزیزوں کے مکانات کی بالائی سقف پر جھنڈے نصب ہیں جس کے کپڑے پر آیات قرآنی واسطے دفعیہ بیماری طاعون کے مرقوم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا اثر چالیس گھروں تک پہنچتا ہے اور اس کے باشندے برکت دعا سے بیماری سے محفوظ رہتے ہیں۔ چونکہ میرے مکان کے قریب منشی مقبول احمد ولد منشی عزیز الدین صاحب مرحوم و سید التفات رسول تعلقہ دار نے ایک ایک جھنڈا نصب کیا ہے جس کا اثر میرے مکان تک بخوبی پہنچ سکتا ہے لہٰذا میں نے اپنے مکان میں اس کا قائم کرنا مناسب نہیں جانا۔

ورود مرتضیٰ علی: یکم دسمبر ۱۹۰۳ء۔ آج تار مرسلہ مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار کل پہاڑ سے معلوم ہوا کہ نور چشم مرتضیٰ علی ۳ نومبر ۱۹۰۳ء کو ولایت لندن سے مقام "کل پہاڑ" پہنچ گئے اور بخیر و عافیت ہیں۔

۱۳ دسمبر ۱۹۰۳ء۔ آج خط برخوردار مرتضیٰ علی مورخہ ۱۱ دسمبر تحصیل 'کل پہاڑ' سے آیا کہ اب اگر وبائی طاعون نے قصبہ کو چھوڑ دیا ہو تو میں قصد وطن کا کروں۔ میں نے لکھ دیا کہ ہنوز وبا دفع نہیں ہوئی۔ بالمرہ دو تین آدمی محلہ مہتوانہ و منڈی میں مبتلا ہو کر ضائع ہوتے ہیں۔

طاعون سے فرار: ۲۲ جنوری ۱۹۰۴ء۔ چونکہ بوجہ علالت طاعون مسماۃ پستی خادمہ گھر میں وحشت و پریشانی زائد پیدا ہو گئی اس لیے میں نے آج اہلیہ برخوردار مجتبیٰ علی و منجھلی و خورد لڑکیوں و نانی صاحبہ مصطفیٰ علی کو بہ سواری تین میانوں کے موضع 'گھوگیرہ' کو بھیج دیا اور برخوردار مجتبیٰ علی اور نور دیدہ منتظم حسین کو سواریوں کے ساتھ کر دیا۔

۲۵ جنوری ۱۹۰۴ء۔ آج کل میں 'گھوگیرہ' میں ہوں اور میرے ساتھ والدہ و نانی برخوردار مصطفیٰ علی

اور ان کی منجھلی و چھوٹی بہنیں و برخوردار مجتبیٰ علی معہ اہل خانہ خود معہ نور دیدگان مزمل حسین و توکل حسین ہمراہ ہیں اور شیخ سخاوت علی ضلع دار 'گھوگیرہ' و کمال پٹی کی خدمات اس وقت تک پسندیدہ ثابت ہو رہی ہیں اور کسی قسم کی ضروری اشیا بہم پہنچنے میں کوئی تکلیف نہیں۔ زمینداران و کاشتکاران 'گھوگیرہ' نذریں پیش کر رہے ہیں۔ پانی یہاں کا عموماً ہاضم و شیریں ہے خصوصاً اس کنویں کا جو میرے مکان سے متصل ہے۔

۱۳؍ فروری ۱۹۰۴ء۔ آج حکیم ظہور الحسن بعد وفات تمامی خاندان خود جو تین ہفتہ کے اندر بعارضہ طاعون ختم ہو گیا براہ 'بہندر کلاں' وارد 'گھوگیرہ' ہوئے اور والدہ برخوردار مصطفےٰ علی کے لیے دو نسخے واسطے دفیعہ درد عرق النسا کے لکھ دیے جو آج کل درد شدید میں مبتلا ہیں اور نقل و حرکت سے معذور۔

۱۷؍ فروری ۱۹۰۴ء۔ ۱۸؍ نومبر ۱۹۰۳ء کو سندیلہ میں طاعون نے خروج کیا تھا اور ابھی تک اس کا وہی حال ہے اگرچہ میں کل مزرعہ جات دیکھ چکا ہوں لیکن تاہم چار بجے شام کے بغرض تفریح نکلتا ہوں اور ہر ایک بار کی پیداوار کو دیکھتا ہوں اور کبھی کسی مزرعہ کو چلا جاتا ہوں۔ جو یہ مشی تین چار میل کی ہوتی ہے اس سے میری تندرستی کو نفع پہنچ رہا ہے۔ برخوردار مصطفےٰ علی اکثر میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ والدہ برخوردار مصطفےٰ علی کو درد عرق النسا سے از حد تکلیف ہے۔ حکیم ظہور الحسن کے روغن مجوزہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لہٰذا آج دوا ہومیوپیتھک معرفت نور دیدہ منظم حسین لکھنؤ سے منگائی ہے۔ شاید اس سے کوئی نفع ہو۔ چونکہ سندیلہ میں ہنوز سلسلہ بیماری طاعون کا جاری ہے اس وجہ سے میں ان کو وہاں بھی نہیں لے جا سکتا ورنہ شاید ڈاکٹری معالجہ سے نفع ہوتا۔ ان کو تین سال سے سخت تکلیف و پریشانی ہے۔ چند مہینہ کچھ آرام ہو گیا تھا۔ چلنے پھرنے لگی تھیں لیکن اب پھر اس کی شدت ہے۔ اللہ شفا دیوے۔

۶؍ مارچ ۱۹۰۴ء۔ آج نو بجے صبح کو راجہ درگاہ پرشاد صاحب تعلقدار تیسری مرتبہ میری ملاقات کو قریب کے موضع 'کھجونہ' سے جہاں وہ مقیم ہیں تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ کنور جنگ بہادر و لال بہادر اول و دوئم فرزندان بھی تھے اور ایک گھنٹہ کامل علم نجوم وغیرہ کے متعلق بات چیت کرتے رہے اور برہانہ و باغ انبہ قلمی و تخمی متصلہ مکان کو ملاحظہ کر کے بہت خوش ہوئے۔ زاں بعد 'بہندر کلاں' کو تشریف لے گئے۔ میرے لیے باعث کمال عزت کا ہے کہ ایسے معتقد شخص مجھے بنگاہ وقعت سے دیکھتے ہیں۔

۱۰؍ مارچ ۱۹۰۴ء۔ آج میں نے والدہ برخوردار مصطفےٰ کو بحالت مجبوری ان کے سخت اصرار پر 'گھوگیرہ' سے روانہ سندیلہ کیا۔ حالانکہ وہاں ہنوز سلسلہ بیماری طاعون کا قائم ہے۔ ۲۲؍ جنوری کو وہ گھوگیرہ آئی تھیں

اور ایک مہینہ ۱۰ یوم کے قیام کے بعد نوبت واپسی آئی۔ سچ یہ ہے کہ اس زمانہ قیام میں ان کو درد عرق النسا سے سخت تکلیف کا سامنا رہا اور کوئی دن چین نہیں ملا اور باوصف معالجہ ہومیو پیتھک و یونانی مرض کو ترقی ہوتی رہی اور بحالت مجبوری آج روانگی سندیلہ عمل میں آئی۔ راقم معہ منجھلی بہو و پسران و دختران و نواسے وغیرہ انشاءاللہ تعالیٰ کل روانہ سندیلہ ہوں گا۔ پروردگار عالم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

واپسی مرتضیٰ علی: ۷؍اپریل ۱۹۰۴ء۔ آج ۸ بجے ڈاک گاڑی میں برخوردار سید مرتضیٰ علی تحصیل دمیجا، ضلع الہ آباد سے وارد سندیلہ ہوئے۔ انھوں نے امتحان بیرسٹری ۱۰؍جون ۱۹۰۳ء کو بمقام لندن پاس کر لیا تھا اور ۲۰؍نومبر کو اپنے خسر کے وہاں تحصیل کل پھاڑ آ گئے تھے لیکن محض بیماری طاعون کی وجہ سے انھیں سندیلہ نہیں بلایا تھا۔ آج بعد چار سال ایک ماہ ۲۳ یوم کے ان کے دیدار نصیب ہوئے۔ خدا سے دعا ہے کہ ان کو اپنے کام بیرسٹری میں کامیابی حاصل ہو جن کی تعلیم میں ایک مقدار کثیر صرف ہوئی۔ اور ابھی صرف ہونے کو ہے کہ ہائی کورٹ سے پانچ سو روپیہ دے کر سند حاصل کریں گے و دیگر مصارف کتب وغیرہ مزید۔

سوانح عمری حصہ دوم: ۳۰؍مئی ۱۹۰۴ء۔ میں اپنی کتاب سوانح عمری (حصہ دوم) کے لکھنے میں برابر مصروف رہتا ہوں جو من ابتدائے جون ۱۸۹۴ء لغایۃ جون ۱۹۰۴ء قریب ختم ہے۔ خدا کرے یہ کتاب میری حیات میں طبع ہو جائے اور اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے کیوں کہ اس میں ہر ایک کے مذاق کے موافق تذکرہ لکھا گیا ہے۔ شاید میں اپنی یادگار قائم کر جاؤں۔

وفات اہلیہ: ۲۵؍جولائی ۱۹۰۴ء۔ افسوس صد افسوس کہ آج چار بجے صبح میری مونس غم گسار مسماۃ شمس النسا بنت شیخ کریم بخش امیٹھوی حرم خانہ راقم نے قضا کی اور مجھے مبتلائے رنج و الم دائمی کیا جو تاحیات فراموش نہیں ہو سکتا اور کبھی الیسا صدمہ مجھے پہنچا۔ مرحومہ ۳؍ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۲۳؍نومبر ۱۸۴۶ء روز دوشنبہ بوقت ۱۰ بج کے ۳۵ منٹ پر پیدا ہوئی تھیں ۔۔۔ مرحومہ سے میرا عقد ۱۷؍جنوری ۱۸۶۳ء بوقت ۷ بجے صبح یوم سنیچر کو ہوا تھا۔ بلحاظ سن عیسوی اکتالیس سال چھ مہینے ایک دن ہوئے۔ مرحومہ شکل و صورت میں حسین اور سلیقے میں نہایت خوش سلیقہ صاحب عصمت حلیم و فیاض ثابت ہوئیں اور بدرجہ غایت میری فرماں بردار تھیں۔ اہل برادری ان کے خلق و ملنساری سے رضامند و ثنا خواں تھے۔ وہ ہمیشہ کل تقریبات شادی و غمی برادری میں شریک ہوا کرتی تھیں اور بوجہ اپنی وجاہت ظاہری کل مستورات میں ممتاز نظر آتیں اور ان کی عمیم الاخلاقی سے کل عورتیں بہ نگاہ وقعت دیکھتیں اور ان کو رضامند رکھنے میں تمام تر

خاطرداری عمل میں لاتیں۔ مرحومہ کے پندرہ لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ منجملہ ان کے چار فرزند اور تین لڑکیاں وقت وفات حی القائم ہیں اور ان کے خدمت گزاری و تجہیز و تکفین سے افتخار کونین حاصل کیا۔ مرحومہ نے حسب ذیل اپنی اولاد چھوڑی: چار بیٹے، تین لڑکیاں، تین پوتے، دو پوتیاں، دو نواسے، دو نواسیاں۔ کل سولہ۔

. . . جون ۱۹۰۱ء سے درد عرق النسا و بائیں آنکھ کے گوشت بڑھنے میں مبتلا ہوگئیں جو شکایت تادم مرگ قائم رہی اور اخیر چھ مہینے زندگی کے بہت تکلیف و پریشانی سے گزرے کہ سیدھی یک لخت پڑی رہتی تھیں اور کسی جانب کو بوجہ تکلیف و شدت درد کے جنبش نہ تھی اور ہر وقت استدعا خودکشی کی رہتی کہ کوئی ایسی شے کھلادی جائے کہ جس سے روح فنا ہوکر تکلیف شدید سے نجات ملے۔ ہر چند یونانی ڈاکٹری ہومیوپیتھک کا علاج ہوا افسوس کہ کوئی فائدہ بخش نہ ثابت ہوا۔ بقولے کہ سے مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی . . . مجھے ان کی مفارقت دائمی سے سخت صدمہ پہنچا کہ انتظام خانہ داری بگڑ گیا اور میری آرام و آسائش مفقود ہوگئی اور بقیہ ایام زندگانی تلخ۔ خدا کسی دشمن کو بھی ایسا صدمہ نہ دیوے۔ واللہ مایشاء و یحکم ما یرید۔

۴ ستمبر ۱۹۰۴ء۔ جس تاریخ سے اہلیہ مرحومہ کا انتقال ہوا ہے میری طبیعت کچھ ایسی الجھی سی گئی ہے اور سخت پست ہوگئی ہے اور دل سے تقویت و اطمینان ایسا جاتا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کام میں جی نہیں لگتا اور نہ کہیں جانے کو جی چاہتا ہے اور نہ کسی کی ملاقات سے خوشی اور نہ کسی رشد و بہبود کی خواہش۔ جو کچھ ملا کھا لیا اور کپڑے خدمت گار نے نکال دیے پہن لیے۔ بالکل قلب ماہیت کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ بحالت وفور انتشار قصد ہوتا ہے کہ کہیں باہر جاکر سیاحی کروں اور اپنے دل کو بہلاؤں مگر جب مصائب سفر اور تکالیف غربت کا خیال کرتا ہوں تو اس کا متحمل ہونا غیر ممکن نظر آتا ہے اور ایسی حالت میں جس وقت اک خیال اہلیہ مرحومہ کا آجاتا ہے تو اس وقت نہایت ناقابل برداشت صدمہ ہوتا ہے جس کا اظہار نہیں ہوسکتا۔ سچ یہ ہے کہ زوجہ صاحب عصمت و فرماں بردار نہیں مل سکتی اور اس سے بڑھ کر شوہر کے لیے کوئی ہمدرد نہیں ہوسکتا۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۰۴ء۔ افسوس دنیا عجب ناپائیدار مقام ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک دن وہ تھا جب مرحومہ دوسرے کے عرفہ میں شرکت کو جایا کرتی تھیں اور آج وہ دن ہے کہ مستورات برادری مرحومہ کے فاتحہ عرفہ میں شریک ہو رہی ہیں۔ یہ کیسا عبرت انگیز منظر ہے۔

۲ دسمبر ۱۹۰۴ء۔ سچ یہ ہے کہ عورت نیک خصلت اور خوش اطوار سے بڑھ کر شوہر کے واسطے دنیا میں کوئی نعمت نہیں جو اپنی خاص ذات سے صحت و تندرستی اپنے شوہر کی خیرخواہ اور ہمدرد ہوتی ہے جس نعمت سے افسوس کہ میں محروم ہوگیا۔

۲۰ مارچ ۱۹۰۵ء ۲۰ ماہ جون ۱۹۰۴ء جب سے اہلیہ مرحومہ کی حالت غیر شروع ہوئی اور اس کے بعد ۲۵ جولائی ۱۹۰۴ء کو ان کا انتقال ہوگیا اسی روز سے میرا دلی صدمہ کسی وقت زائل نہیں ہوتا۔ چین وآرام بالکل جاتا رہا۔ اگرچہ بظاہر میں ذاتی صفاتی و سرکاری کاروبار انجام دیتا رہتا ہوں لیکن زبانی شگفتگی مفقود ہے۔

دوست کا مشورہ: ۱۱ جون ۱۹۰۵ء۔ آج میں واسطے ملاقات راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار کے گیا۔ جناب موصوف چونکہ میرے دلی خیر طلب ہیں مجھ سے فرمایا کہ آپ سے میں چند مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ آپ عقد ثانی کر لیویں لیکن آپ کچھ خیال نہیں کرتے ہیں یہ امر آپ کی صحت و تندرستی کے لیے سخت مضر ہے۔ بدون عورت کے انسان کی دلچسپی نہیں ہو سکتی انسان کو چاہے جیسا کوئی رنج و ملال و افکار دامن گیر ہوں لیکن جس وقت عورت سے سامنا و بات چیت ہوئی فوراً کل رنج و غم غلط ہو جاتا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ جب میری دوسری زوجہ نے انتقال کیا تو مجھے سخت پریشانی کا سامنا تھا اور میں اکثر اوقات وفور رنج و الم سے رویا کرتا تھا حتیٰ کہ خیال بیماری دق کا پیدا ہوگیا تھا لیکن جب میں نے تیسری شادی کر لی تو وہ کل شکایت و رنج دفع ہوگیا اور اب میں نہایت اچھی حالت میں زندگی بسر کر رہا ہوں اور اگر کسی تردد وغیرہ کے وقت گھر میں جاتا ہوں تو وہاں پہنچتے ہی سب فکریں جاتی رہتی ہیں اور ہمیشہ ان کی صحت و سلامتی کیلیے پاٹ کرایا کرتا ہوں جس کے واسطے ایک خاص پنڈت مقرر ہے۔ لہٰذا میں آپ کو براہ محبت و اتحاد کے مجبور کرتا ہوں کہ اگر آپ اپنی بقیہ حیات خوشی سے بسر لے جانا جائز رکھتے ہوں تو آپ جلد عقد ثانی کا کفو یا غیر کفو میں بندوبست کریں۔ اپنی راحت مقدم ہے۔ لڑکے لڑکیاں سب اپنے مطلب کے ہوتے ہیں۔ دنیا میں اگر کوئی دلی خیر خواہ ہے تو وہ صرف اپنی عورت ہی ہے۔ اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو چند روز میں آپ کی حالت رنج و غم میں بالکل تباہ و ابتر ہو جائے گی۔ اس میرے کہنے پر آپ ضرور عمل کریں۔ میں نے جواب میں کہا کہ اس بارے میں کسی روز آپ سے ملاقات کر کے عرض کردوں گا۔ فرمایا کہ میں خود کسی روز واسطے تصفیہ اس امر کے آپ کے مکان پر آؤں گا۔

جہاز کی متلی: ۲۱ جولائی ۱۹۰۵ء۔ جہاز کی سواری میں اکثر آدمیوں کو متلی ہوتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ ایک آنکھ پر پٹی باندھ لی جاوے تو جلد آرام ہو جاتا ہے (اودھ اخبار)

نیرنگئ زمانہ: ۱۷ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ زمانہ کی نیرنگیاں دیکھ رہا ہوں جو عجیب و غریب حالت سے چل رہا ہے۔ کبھی دوست بہ شکل دشمن نظر آتے ہیں اور کبھی دشمن دوستی کا اظہار کرتے ہیں۔ اعزا و

لڑکے بالوں کی نظریں کبھی موافق کبھی مخالف پڑتی ہیں۔ غرض دنیا کا عجیب رنگ ہے اور کوئی ذاتی خیر خواہ دکھلائی نہیں پڑتا۔ خوش نصیب وہی شخص ہے جو باعزت و آبرو اس دنیا کو خیر باد کہے۔ لہذا میری یہی دعا ہے کہ اس دنیا سے نکوئی کے ساتھ اٹھ جاؤں کہ اب کوئی حوصلہ باقی نہیں ہے۔

<u>شادی نور چشمی</u>: ۳۱ جنوری ۱۹۰۶ء۔ چونکہ تاریخ شادی نور چشمی مقیماً محمد ابراہیم خلف محمد صدیق خیر آبادی سے ۱۴ فروری ۱۹۰۶ء مطابق ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو قرار پائی ہے۔ لہذا آج میرے یہاں بعد مدت دراز کے ڈھول بجی ورنہ بوجہ صدمات چند در چند میرا گھر ماتم کدہ ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ تقریب بہ حسن و خوبی انجام کو پہنچاوے اور سب طرح سے مبارک ہو۔ چونکہ والدہ نور چشمی بقید حیات نہیں ہیں جس کا بہت افسوس ہے لیکن میں نے طے کر لیا ہے کہ یہ شادی بھی میں ویسی ہی کروں جیسی میں نے اور لڑکیوں کی ہے تاکہ اس کو کسی وقت یہ خیال پیدا نہ ہو کہ میری ماں کے نہ ہونے سے کمی کی گئی۔

۱۴ فروری ۱۹۰۶ء۔ آج شام کو مانجہ محمد ابراہیم ولد محمد صدیق خیر آبادی کا ہوا۔۔۔ وقت ۳ بجے صبح کو میرے یہاں بارات بھی آئی اور ۵ ½ بجے نور چشمی مقیماً کا عقد ابراہیم سے ہوا۔ مہر ۸۵ ہزار دینار سرخ قرار پایا۔۔ حالانکہ میں نے مولوی احمد رضا صاحب سے ۸۵ ہزار روپے کہے تھے لیکن عورتوں کے کہنے سننے سے میری لاعلمی میں اس قدر مہر تجویز ہو گیا (جو ۱۸ لاکھ ۷۰ ہزار روپے کے برابر ہے) جو میرے مزاج کے خلاف ہوا۔ مولوی احمد رضا مہتوانہ نے عقد پڑھا۔ آتش بازی اور آرائش ہمراہ بارات تھی۔ خدا تقریب کو مبارک کرے اور دونوں خوش حالی کے ساتھ بسر کریں۔۔۔ محمد ابراہیم انٹرنس پاس ہیں اور چالیس روپے ماہوار کے ریاست "دھار" میں ملازم ہیں۔ یہ ریاست چھاؤنی مئو سے ۱۸ کوس ہے۔

<u>بیرسٹران</u>: ۲۰ فروری ۱۹۰۶ء۔ برخورداران مصطفیٰ علی و مرتضیٰ علی کو حسب اصرار ان کے میں نے ولایت بھیجا اور جس طور سے ممکن ہوا ان کا کل خرچہ برداشت کیا۔ یہاں تک بیرسٹر ہو کر واپس آئے۔ خیال تھا کہ ان کی آمدنی میں ایسی برکت ہوگی کہ جو جائداد مرہونہ فک رہن ہو کر میرے قبضہ سے نکل گئی ہے اور اس کا زر رہن بنا بر خرچہ بیرسٹران ولایت بھیجا گیا ہے اس سے دوسری جائداد حاصل کی جاوے گی جس سے خانہ پری منافع کمی شدہ کی بخوبی ہو سکے گی اور مصارف خانہ داری میں بھی اس سے کافی امداد ملے گی اور میں اپنا اخیر زمانہ زندگی یاد الٰہی میں بہ اطمینان گزاروں گا مگر افسوس کہ یہ میرا خیال بالکل غلط نکلا کہ ان کو تین و دو سال کا زمانہ ہندوستان آئے ہو چکا ہے ہنوز مطلقاً آمدنی نہیں ہوئی بلکہ دونوں کے مصارف

بیرسٹری ماہوار میں برداشت کر رہا ہوں ۔۔۔ کل اسی تردد و پریشانی میں مبتلا رہا اور خدا سے دعا کرتا رہا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آج ۵ ½ بجے صبح کو خواب دیکھا کہ میں ایک بڑے ہال میں میز لگائے کرسی پر بیٹھا ہوں اور ایک معزز رئیس میری داہنی جانب بیٹھے ہیں اور جو میں نے اپنی رائے نسبت مقدمہ پیش شدہ کے قائم کی ہے اس سے ان کو بھی اتفاق ہے یہ خواب فی الجملہ تسکین دہ ضرور ہے دیکھنا چاہیے کہ اس کا کیا انجام ہوتا ہے انشاءاللہ و بحکم باری۔

<u>پیسہ اخبار</u>: ۱۷ اپریل ۱۹۰۶ء - آج کی تاریخ سے میں نے خریداری پیسہ اخبار ہفتہ وار لاہور کی شروع کی جس کی قیمت سالانہ ڈھائی روپیہ ہے اور آج پہلا پرچہ اخبار مذکور کا میرے نام لاہور سے آیا۔

<u>نیک عورت</u>: ۲۴ فروری ۱۹۰۶ء - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جس عورت میں چار خصلتیں ہوں اس سے شادی کرنا چاہیے۔ ایک تو اس کی دولت، دوسرے اس کی شرافت نسل، تیسری اس کا حسن، چوتھے اس کے اوصاف جمیلہ - دنیا اور اس کی تمام چیزیں قیمتی ہیں لیکن دنیا بھر میں سب سے زیادہ قیمتی شے نیک عورت ہے۔

<u>نصائح حضرت علی</u>: ۱۸ مئی ۱۹۰۶ء - نصائح حضرت امیر: ۱- جو شخص مسکینی کا برقع اوڑھے ہو اس کے عیوب نہیں کھلتے ۔ ۲- کسی کو دو چیزوں یعنی صحت اور دولت پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ صحیح تندرست شخص کی تندرستی دفعتاً جاتی رہتی ہے اور متمول کی دولت آناً فاناً مٹ جاتی ہے۔ ۳- جو شخص ذرا ذرا سی بات کا شاکی ہو گا اسے بہت بڑی مصیبت ہوگی۔ ۴- جو شخص کامیابی کے ساتھ اپنے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا وہ غیبت اختیار کرتا ہے۔ ۵- جو شخص کاہلی کا فرماں بردار ہے وہ کسی شے کا مستحق نہیں۔ ۶- جو شخص غمازوں کی سنتا ہے وہ اپنے عام دوستوں کو اپنے ہاتھ سے کھوتا ہے۔ ۷- خود بینی ترقی کی دشمن ہے۔

<u>اولاد کی خامیاں</u>: ۳۰ جولائی ۱۹۰۶ء - جہاں تک میں نے غور کیا تو مجھ میں اور میری اولاد میں یہ بہت بڑا فرق ہے کہ وہ ضروری کام کو بھی چنداں ضروری خیال نہیں کرتے اور میں ضروری اور غیر ضروری دونوں کو ضروری سمجھتا ہوں اور حتی الامکان اسے دوسرے وقت پر ملتوی کبھی نہیں کرتا اور اسی وقت کر ڈالنے سے اطمینان حاصل کرتا ہوں بجائے کہ وہ مجھے ہی کرنا پڑے۔

<u>نیا ہنر</u>: ۲۴ ستمبر ۱۹۰۶ء - اس زمانے کے نوجوان وعدہ خلافی اور دھوکہ دہی اور جھوٹ بولنے کو اپنا ہنر سمجھتے ہیں اور جو لوگ پرانی وضع کی پابندی کرتے ہیں ان کے نزدیک ان لوگوں کا شمار بے وقوفوں میں ہے۔ اس رنگ زمانہ کو میں دیکھ رہا ہوں اور بجائے خود ساکت و خاموش ہوں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے ایسے نوجوانوں کی صحبت سے میں حذر کرتا ہوں۔

خوابوں کی حقیقت: ۳۰ نومبر ۱۹۰۶ء۔ اگست ۱۹۰۳ء سے آج تک میں اپنے حصول مقاصد کے لیے درگاہ لم یزل میں نہایت عاجزی کے ساتھ دست بستہ دعا کرتا رہتا ہوں جن کی بشارتیں خواب میں ہمیشہ حسب دل خواہ ہوتی رہیں اور فالیں دیوان حافظ و سکندر نامہ میں مشاہدہ کیں۔ ان کے جوابات بھی اکثر موافق آئے لیکن مجھے کمال افسوس ہے کہ اس وقت تک ان کا کوئی ظہور نہیں۔ لہٰذا اب میں جہاں تک غور کرتا ہوں وہ خوابیں وغیرہ محض میرے دلاسا و طمانیت کے واسطے تھیں اور ہیں تاکہ میں منتشر ہو کر کوئی نالائق بات نہ کروں اور اب ناامیدی اس وجہ خاص سے ہے کہ جس قدر زمانہ گزرتا جاتا ہے اور میری قوت گھٹتی جاتی ہے اسی قدر خواہش دلی پر اوس پڑتا جاتا ہے اور حوصلہ پست ہوتا جاتا ہے اور ہنوز کسی قسم کے آثار میرے حصول تمنائے قلبی کے نظر نہیں آتے۔ لہٰذا مرتبہ یقین کا حاصل ہو گیا کہ وہ سب خوابیں اور فالیں محض میری طمانیت کے واسطے تھیں۔ اللہ یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید

عقد ثانی بیوہ: ۲۵ جنوری ۱۹۰۷ء۔۔۔ چونکہ یہ رسم (عقد ثانی نواسی خود مسماۃ انجمن) خلاف رواج مطابق سنت نبوی رسول پاک کے اختیار کی اس وجہ سے کل اکابر و ہمسر و نوجوانان قصبہ ہذا بہت خوش ہوئے اور میرے حق میں دعائے خیر کی کہ میں نے رسم قبیحہ کو دور کر کے سنت نبوی کو تازہ کیا اور اکثروں نے دعائے خیر کی کہ مجھے خدا ہر قسم کی برکت دے۔ چونکہ یہ کار نمایاں مجھ سے وقوع میں آیا جس کا رواج مطلقاً قصبہ ہذا میں نہیں لہٰذا مجھے امید ہے کہ اب اہل قصبہ میری تقلید کریں گے۔

نئی پود: ۹ فروری ۱۹۰۷ء۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے اس زمانے کے نوجوان لڑکے اپنی تیز مزاجی کی وجہ سے کہتے بہت کچھ ہیں لیکن کرتے کچھ بھی نہیں۔ دوسرے غیر مہذب ہیں کہ اپنے اکابر کو نگاہ حقارت سے دیکھتے ہیں اور ان کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خود کچھ کرنے کا ارادہ نہیں کرتے اور ان ہی کی جائداد پر چاہے وہ تھوڑی کیوں نہ ہو تکیہ کرنا پسند کرتے ہیں اور باتیں اس قسم کی کرتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر دوسرا عقل مند نہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں اپنی نوجوانی کے زمانہ میں اپنے بزرگوں کے علاوہ غیر اشخاص کو بھی جو مجھ سے سن میں بڑے ہوتے تھے سبقت سلام میں کیا کرتا تھا اور ان کو نگاہ بزرگی سے دیکھتا تھا اور اس وقت کے نوجوان عموماً دیرینہ لوگوں سے منتظر سلام رہتے ہیں۔ میرے خیال میں یہی ان کی علامت بدبختی کی ہے بقول شخصے کہ ع با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب!

شکایت ضیق النفس: ۱۱ مئی ۱۹۰۷ء۔ شب گزشتہ کو مجھے اپنی سے سخت تکلیف ہوئی کہ کسی کروٹ چین نہیں تھا اور چونکہ ابتدائے شب سے تکلیف شروع ہو گئی تھی لہٰذا گھنٹہ شماری میں تمام رات آخر ہوئی۔ رات کی

تکلیف خصوصاً جب کہ عالم تنہائی ہو نہایت مکلف ہے۔ مجھے بعض وقت سخت حسرت ہوتی ہے کہ رات کی ٹھنڈک میں تمام عالم سہانی نیند سو رہا ہے اور ایک میں ہوں کہ چارپائی پر بیٹھا یا لیٹا ہوا منہ کھولے سانس لے رہا ہوں۔ اے اللہ مجھے اس تکلیف سے جلد نجات دے!

ساون میں خاک اڑنا: ۴؍اگست ۱۹۰۷ء۔ یہ میں اکثر سنا کرتا تھا کہ ساون میں خاک اڑتی ہے وہ آج میں نے اپنی آنکھوں مشاہدہ کی کہ آج ۳ بجے دن کے ابر غلیظ محیط آسمان تھا اور دیر تک خوب گرجتا رہا۔ اس عرصہ میں ایسی ہوا تند چلی کہ ابر وغیرہ سب غائب ہوگیا اور دھول مثل جیٹھ بیساکھ کے اڑی اور ایسی بلند ہوئی کہ مکانوں کے اوپر سے گزر گئی اور خاک اڑتے ساون کی مثل صادق آئی۔

شب برات: ۵؍ستمبر ۱۹۰۷ء۔ عموماً اطفال اہل دول شب برات آنے کے ایک ہفتہ قبل اور متوسط درجے کے لڑکے شب برات کے دو تین روز پہلے سے آتش بازی چھوڑ کے اپنے دل بہلاتے ہیں لیکن ہمارے پڑوسی منشی قبول احمد کے یہاں رجب کے مہینہ سے آتش بازی چھوٹنا شروع ہوجاتی ہے اور مہینہ شوال تک اس کا سلسلہ برابر قائم رہتا ہے۔ واقعی لڑکوں کے لیے بہت دلار کی بات ہے لیکن ان کی ایسی عادت پڑ جانے سے وہ عادی اسراف کے ہوجاتے ہیں جو مشکل سے چھوٹتی ہے۔

شکایت ھیتی: ۶؍اکتوبر ۱۹۰۷ء۔ شب گزشتہ کو شدت کھانسی سے مجھے تمام رات نیند نہیں آئی اور بے چینی کے ساتھ گھنٹہ شماری میں رات آخر ہوئی۔ اگرچہ حکیم ظہور الحسن دوا میں رد و بدل کرتے رہتے ہیں لیکن ہنوز کوئی صورت نفع کی پیدا نہیں ہے اور نہ غذا بجز چند چمچ دلیا کے ہوتی ہے جس کا بخار مانع ہے۔ حکیم صاحب دونوں وقت مجھے دیکھنے کو آتے ہیں جس کا مشکور ہوں۔

بیوی کی یاد: یکم جنوری ۱۹۰۸ء۔ اگرچہ مسماۃ شمس النساء میری زوجہ کی وفات کو تین برس پانچ ماہ گزر چکے ہیں لیکن جب ان کے افعال و حرکات شائستہ یاد آتے ہیں تو طبیعت کو سخت ملال ہوتا ہے مگر مجبوری ہے کہ مشیت ایزدی میں کوئی دخل نہیں۔ جہاں ۴۲ سال عیش و عشرت میں گزرے وہاں اب پریشانی کا سامنا پیش آرہا ہے اور یہ رنج و غم تا حیات فراموش نہیں ہو سکتا۔

افسانۂ خواب: ۴؍فروری ۱۹۰۸ء۔ میں چند سال سے خواب ہائے خوش شمولہ بہبودی خود دیکھا کرتا ہوں جس کی تعداد آج تک ۷۹۶ ہے لیکن افسوس کہ اس وقت تک کسی ایک کا بھی ظہور نہیں ہوا ورنہ میرا خواب اکثر سچا ہوا کرتا تھا اس وجہ سے اس پر میرا اعتبار تھا اور میں اسے بعد بیداری اپنے روزنامچہ میں

قلم بند کر لیا کرتا تھا اور اب بجز اس کے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ جہاں میری عیش و آرام و زمانہ فلاحیت کا گزر گیا وہاں خواب بھی راستہ نہیں آتے اور رات دن مجھے پانچ منٹ کی بھی خوشی نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ میرے حال پر رحم کرے!

تعزیت کا طریقہ: ۲۱ر اگست ۱۹۰۸ء..... چونکہ عموماً رواج یہ ہے کہ جب کوئی شخص بہ رسم تعزیت کسی غم زدہ کے پاس جاتا ہے تو متوفی کے اوصاف حمیدہ ظاہر کر کے اس کے غم کو تازہ اور اس کے زخموں پر نمک چھڑکتا ہے جس سے وہ بہت متاثر ہو کر پریشان ہو جاتا ہے لیکن میں اس کے بالکل خلاف ہوں اور غم زدہ کو زیادہ ملول کرنا ہرگز پسند نہیں کرتا بلکہ اس کے پاس جا کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہتا ہوں تاکہ اس کے خیالات جو غم آلود ہیں وہ بالکل دفع ہو جائیں۔

استعفا: ۲۱ر ستمبر ۱۹۰۸ء۔ آج میں نے چارج آنریری سکریٹری میونسپل سندیلہ کا بابو ستیش چندر چٹرجی تنخواہ دار سکریٹری کو دیا۔ اب میں سرکاری ممبر کی حیثیت سے میونسپل کا کام انجام دوں گا.....
ان کی (چٹرجی صاحب کی) یہ کیفیت ہے کہ ہر کام میونسپل کا مجھ سے دریافت کر کے کرتے ہیں۔

انتظام خانہ داری: ۲۴ر ستمبر ۱۹۰۸ء۔ چونکہ میری چار بہوئیں منجملہ ان کے بڑی بہو اہل خانہ مصطفےٰ علی آج کل اپنے شوہر کے ساتھ 'سیونی چھپارہ' (اضلاع متوسط) میں ہیں باقی تین یہاں موجود ہیں لہٰذا میں نے بہ نظر مصلحت انتظام خانہ داری اس نہج پر تینوں کو تقسیم کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی کو کوئی محل شکایت کا نہ ہو اور حالت انتظام عمدہ طریقہ پر چلے جاوے۔

خدمات کا اعتراف: ۲۱ر اکتوبر ۱۹۰۸ء۔ آج کے اودھ اخبار میں ترجمہ چھٹی مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۰۸ء مسٹر ٹرنر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ہردوئی و چیرمین میونسپل بورڈ سندیلہ طبع ہوا جس میں میری خدمات آنریری سکریٹری میونسپل بورڈ کی نسبت اظہار خوشنودی مزاج کیا ہے۔ (ترجمہ چھٹی ٹرنر صاحب: چونکہ مولوی سید مظہر علی صاحب نے اپنے عہدہ آنریری سکریٹری سے بوجہ زیادتی کام کے استعفا دے دیا ہے اور بجائے ان کے تنخواہ دار سکریٹری کی تجویز ہوئی ہے لہٰذا میں اپنی رائے ان کی عمدہ خدمات کی نسبت جس میں کہ انھوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ صرف کیا ہے ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ قریب تیس سال کے وہ آپ لوگوں کے سکریٹری رہے اور اپنی اعلیٰ خدمات کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس طریقہ پر انھوں نے باشندگان قصبہ کو اپنا قیمتی وقت کا بہت بڑا حصہ صرف کر کے بہت خوش و رضامند رکھا۔ میں اس بات سے خوش ہوں گا کہ مولوی سید مظہر علی صاحب اپنے عہدہ سکریٹری سے سبکدوش ہونے پر میونسپل کے کاموں میں بہ حیثیت ایک ممبر کے اسی طور پر مدد دیتے رہیں گے

جیسا کہ وہ اپنے عہدہ سکریٹری کے زمانہ میں دیا کرتے تھے۔)

حقیقت نجوم: ۲۸ دسمبر ۱۹۰۸ء۔ اس مہینہ دسمبر میں اگرچہ میرے زائچہ میں سب ستارے عمدہ حالت و خوشی میں بیٹھے ہوئے ہیں اور چار خراب مقام پر بیٹھے ہیں اور زہرہ و مشتری کا اتصال ہے لیکن کوئی نفع میری ذات کو نہیں پہنچا بلکہ اکثر تردداتِ لاحق رہے۔ اس سے بخوبی ہویدا ہوتا ہے کہ جو مشیت ایزدی ہے وہی ہوتا ہے نشست ستاروں کی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اکثر تجربہ ہوا ہے کہ نشست ستاروں کی خراب ہے اور بہبودی حاصل ہوئی۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ انسان مشیت الٰہی پر بھروسا رکھے جو اس کا منشا ہے وہی ہوتا ہے۔ واللہ یفعل مایشاءُ۔ علم نجوم دل بہلانے کے واسطے اچھا ہے ورنہ ہیچ۔

انتظام خانہ داری: ۴ فروری ۱۹۰۹ء۔ اگرچہ میری چار بہوئیں ہیں لیکن ان میں کوئی ایسی خوش لیاقت نہیں کہ انتظام خانہ داری خوش اسلوبی سے انجام دے سکے اور اگر شاید ان میں سے کسی کو مادہ انتظامی ہو بھی لیکن بوجہ اختلاف رائے کوئی کچھ نہیں کرتا۔۔۔۔ بحالت حیات اہلیہ مرحومہ ہمیشہ سب انتظام خانہ داری ان کے متعلق رہتا تھا اور میں مہینہ انگریزی کی پہلی تاریخ کو تنخواہ بابر مصارف روزمرہ ان کے پاس بھیج دیا کرتا تھا اور وہ حسب رائے خود جزوی و کلی انتظام خانہ داری کرتی رہتی تھیں۔۔۔ اور مجھے کوئی تعلق اس سے نہیں رہتا تھا اب سے ادنیٰ بدنظمی یہ ہے کہ مجھے تو کھانا بارہ بجے دن تک مل جاتا ہے لیکن جو عورتیں اہل محلہ کبھی کسی ضرورت سے آجاتی ہیں تو دو بجے تک ان کو کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ میں نے یہ بھی چاہا تھا کہ ہر ایک بہو کے واسطے بقدر ان کی ضرورت کے تنخواہ مناسب مقرر کردوں جس سے وہ علیحدہ علیحدہ اپنے خورد و نوش کا انتظام کریں اور اپنے اپنے جداگانہ چولھے روشن کروا دیں لیکن یہ بھی اس وجہ سے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ میری موجودگی سندیلہ میں چار جدا جدا چولھے روشن ہوں جو باعث کمال بدنامی کا ہے۔

نمائش ہردوئی: ۲۰ فروری ۱۹۰۹ء۔ آج میں ۱۱ بجے دن کو دربار نمائش پھل پھول ہردوئی میں شریک ہوا۔ جناب راجہ درگا پرشاد نے بہت اچھا قصیدہ پڑھا اور بعض شاعروں نے بھی قصیدہ خوانی کی لیکن راجہ صاحب کا قصیدہ سب سے اوّل درجہ کا تھا۔ مجھے دربار میں مسٹر ٹرنر صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی نے بابت کام قحط سارٹیفکٹ عنایت کیا۔ بعد فراغت دربار تین بجے دن کی ریل میں واپس آیا۔ آمد و شد میں میرا اور راجہ صاحب اور چودھری محمد رؤف صاحب کا ریل میں ساتھ رہا۔ راستہ میں ہر قسم کی بات چیت ہوتی رہی اگرچہ سہ پہر کو نمائش اور شب کو روشنی و ناچ تھا لیکن میں نے اس میں شرکت نہیں کی۔

تجویزِ عقدِ ثانی: ۲۱ مئی ۱۹۰۹ء۔ چونکہ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار میرے سچے اور خیرخواہ دوست ہیں مجھ سے انھوں نے کئی مرتبہ فرمایا کہ تم عقدِ ثانی کرلو کیونکہ سوائے عورت کے دنیا میں اپنا کوئی خیرخواہ نہیں ہوتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں اور بہوئیں سب اپنے مطلب کے ہیں اور یہ چاہا کرتے ہیں کہ کسی نہج سے باپ نہ رہیں تو ان کی جائداد اپنے قبضہ و تصرف میں لا دیں۔ جس کے واسطے وہ ہر وقت دست بہ دعا رہتے ہیں لیکن اپنی عورت برخلاف اس کے اپنے شوہر کی بہی خواہ اور اس کی درازیٔ عمر کی دعا گو رہتی ہے۔۔۔ چنانچہ آج صبح کو راجہ درگاہ پرشاد صاحب نے مجھے ایک خط بھیجا کہ آج بوقت ۹ بجے صبح کے میں اور وہ ایک ساتھ چودھری محمد رؤف صاحب کے مکان پر جاکر باہم صلاح و مشورہ کریں تاکہ اس کے متعلق کوئی امر طے ہو۔ چنانچہ موصوف الیہ آج اپنی بگھی پر مجھے چودھری صاحب کے مکان پر لے گئے، جہاں وہ موصوف الیہ سے دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ چودھری صاحب لکھنؤ جاکر کوئی حسین عورت میرے واسطے تجویز کریں جو سیرت و صورت میں اچھی اور مطیع ہو۔ چنانچہ چودھری صاحب نے وعدہ کیا کہ میں ایک ہفتہ کے اندر جملہ امور کا تصفیہ کرلوں گا۔ لیکن مجھے ان دونوں صاحبوں کی رائے سے چنداں اتفاق نہیں ہے اور میں اس کو ہرگز پسند نہیں کرتا ہوں اور پروردگارِ عالم کے فضل و کرم پر صابر و شاکر ہوں۔ جو کچھ اس کی مشیت ہوگی اس کی پابندی کرنا پڑے گی۔ اور بدون مشاہدہ و واقف کاری بلا سمجھے بوجھے کوئی فعل کرنا انسانی مصلحت کے خلاف ہے۔

۲۵ مئی ۱۹۰۹ء۔۔۔۔ لیکن مجھے لکھنؤ کی عورت سے عقد ہرگز منظور نہیں مگر راجہ صاحب کے اصرار کی وجہ سے ہوں ہاں کردیا کرتا ہوں۔۔۔ لیکن آج کل اس کا تذکرہ اکثر رہتا ہے۔

امید و بیم: ۸ جولائی ۱۹۰۹ء۔ منجملہ اپنی تین خواہشوں کے (و) (ح) (ش)[1] کس خواہش میں میں کامیاب ہوں گا جس کا مشاہدہ مجھے خواب میں ہو۔ یہ خیال کرکے سویا۔ شب آخر کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں (و) کی قربت سے کامیاب ہو رہا ہوں جس کو میں نے بخوبی تمام مشاہدہ کیا خدا کرے یہ خواب راست آئے اور اس کا مشاہدہ بوجوہ احسن ہو آمین ثم آمین۔

۳ اگست ۱۹۰۹ء۔ باوجود پیہم ظہور ناامیدیوں کے میں اکثر اپنی خیالی امیدوں سے باز نہیں آتا اگرچہ بخوبی جانتا ہوں کہ اب میرا زمانہ خوشی و مسرت کا نہیں آسکتا۔ لیکن یہ میری محض نافہمی ہے جو موہوم باتوں میں مستغرق رہتا ہوں لہٰذا میں درگاہِ رب میں ملتجی ہوں کہ جو امر اس کی مشیت میں بحق مجھ گنہگار شدنی نہیں ہے

---

[1] ۱۹۰۹ء ہو مولوی صاحب کے خاندان میں کئی خوش سلیقہ اور معقول بیوائیں موجود تھیں۔ ان میں سے تین کے نام ان حروف سے شروع ہوتے تھے اور مولوی صاحب ان میں سے کسی ایک سے عقدِ ثانی کرنا چاہتے تھے لیکن اس قسم کی تحریک کوئی خود انھوں نے اپنی کا حکم ہے کہ اس قسم کی تحریک کا اشارہ پہلے دوسری جانب سے چاہتے ہوں۔ مگر دوسری شادی ان کی بہر حال نہیں ہوئی۔ ہاشمی

اس کے خیالات میرے دل پر حاوی ہونا باعث کمال رنج و ملال کا ہوتا ہے خدا ان کو میرے دل سے دفع فرمائے ورنہ امید پیہم کی حالت سخت پریشان کن ہے۔ اے خدا میرے حال پر رحم فرما اور خیالات فاسد دل خوش کن میرے دل سے دور کر جو غیر ممکن الوقوع ہوں۔

۱۰ اگست ۱۹۰۹ء۔ باوجودیکہ میں یہ بخوبی جانتا ہوں کہ بے اذن الٰہی ذرہ نہیں ہل سکتا اور قبل از وقت کوئی امر ظاہر نہیں ہو سکتا اور نہ مقدر سے کم و بیش ہو سکتا ہے جیسا کہ مسماۃ زیب النسا بنت شہنشاہ عالمگیر نے کہا ہے

قضا قضا نہ شود اے عزیز من ہرگز ۔ تو خواہ فال ببیں خواہ استخارہ کن

مگر اس پر ثابت قدمی خیلے دشوار ہے۔ اللہ ہی میری مدد کرے

۳۱ اگست ۱۹۰۹ء۔ میرا معاملہ متعلق ذات خاص کچھ ایسا دشوار ہے کہ اس کا انجام کچھ خوش نظر نہیں آتا اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی نہج سے طے نہ ہو سکے گا اور کیونکر ہو جب کہ اس کا کوئی سامان بظاہر نظر نہیں آتا۔ بعض وقت یہ شعر حافظ شیرازی کچھ تسکین دہ ضرور ہوتا ہے ؎

گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد ناپدید ۔ ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور

مگر دوسرے وقت اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور بہ لحاظ حالت موجودہ آثار توقع مطلقاً نسیاً منسیاً ہو جاتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ مثل میرے کوئی شخص توہمات غیر متوقع میں مبتلا ہو جس کا کوئی انجام ہی نہیں بجز اس کے یہ ہی ہے کہ میں انھیں خیالات میں مستغرق رہ کر ایک روز شاید اس دار ناپائیدار کو خیرباد کہوں۔

<u>بوکھ بھل</u>: ۱۲ ستمبر ۱۹۰۹ء۔ میرا برکھ بھل جو ۱۲ ستمبر ۱۹۰۸ء کو شروع ہوا تھا اس کے حالات مختصر حسب ذیل ہیں:
عہدہ سکریٹری میونسپل سے بوجہ کثرت کام استعفا دے دیا اور بعد دس مہینے کے برخوردار ارتضیٰ علی کو حسب سفارش مسٹر ووے صاحب ڈپٹی کمشنر ہردوئی نے بہ مشاہرہ پچپن روپے ماہوار ہیڈ سکریٹری میونسپل سندیلہ تقرر کر دیا۔ پشت دو کانات صدر میں نے رعایا آباد کی جس سے دو کانات خدشہ نقب زنی سے محفوظ ہو گئیں۔ میں اپنے مقاصد دلی میں کامیاب نہیں ہوا۔ نور دیدہ قریش دختر برخوردار مصطفیٰ علی کا انتقال ہو گیا جو باعث کمال ملال کا ہوا۔ ان اب یہی ایک اولاد رہ گئی تھی۔ بخانہ برخوردار مجتبیٰ علی و مرتضیٰ فرزندان نرینہ پیدا ہوئے۔ کوئی جائداد فک رہن نہیں ہوئی۔ مقدمات عدالتی میں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ ایک دو معاملے پیچیدہ بآسانی طے ہو گئے۔ حکام وقت رضامند و خوش رہے اور بنگاہ وقعت سے دیکھتے رہے۔ بھائی بندوں سے میل جول رہا۔ بمقابلہ آمدنی مصارف کثیر رہے۔ بعض احباب سے فائدہ رہا۔ ایک دو معاملے طے نہیں ہوئے۔ برخوردار مصطفیٰ علی اکثر علیل رہے۔ میری تندرستی اچھی رہی اور ارتضیٰ علی کی تقرری سے میری ناموری پوری

قصبہ ہٰذا میں نیز ہردوئی بھر میں ہوئی۔ برخوردار مرتضیٰ علی کی آمدنی بیرسٹری اچھی رہی۔

خواب خوش: ۲۶ نومبر ۱۹۰۹ء۔ شب گزشتہ کو سوتے وقت اولاً میں نے درگاہ یزدان پاک میں پھر جناب فضل میاں صاحب مرحوم کی جناب میں التجا کر کے سویا کہ میں ان کا پرپوتا ہوں اور آج کل متفکر رہتا ہوں میرے حق میں دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری پریشانی دور فرمائے اور مجھے راحت و چین دے اور جس صورت سے میرا تعلق ہو مجھے خواب میں مشاہدہ ہو جائے کہ (د) سے عقد ہو گا یا (ح) سے۔ شب آخر کو میں نے خواب دیکھا کہ ایک عورت ۴۰ سالہ جس کا قد و چہرہ لانبا ہے اور ناک میں نتھ نہیں پہنے ہے میرے سامنے کھڑی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے ملتجی ہے۔ اس عرصہ میں میری آنکھ کھل گئی۔

محاسبۂ سال: ۳۱ دسمبر ۱۹۰۹ء۔ ذاتی حالات راقم جو ۱۹۰۹ء میں گزرے: ترددات اکثر رہے جو بہ عنوان شائستہ دفع ہوئے۔ آرزوے دلی پوری نہیں ہوئی۔ ایک پوتی جوان و ایک پوتا و ایک نواسی و ایک پرنواسی نومولود ضائع ہو گئی۔ پشت دو دکانات پختہ کے رعایا آباد ہو گئی اس سے کرایہ ماہوار دوکانات میں اضافہ ہوا۔ مقدمات عدالتی میں عموماً کامیابی ہوئی اور اعداء زیر ہوئے۔ بخانہ مرتضیٰ علی فرزند نرینہ پیدا ہوا جس کا نام سلیمان حسین رکھا گیا۔ برخوردار مصطفےٰ علی چھ مہینہ تک سخت علیل رہے۔ مصارف زائد ہوئے لیکن آمدنی بھی بہ مقابلہ سال گزشتہ اچھی ہوئی۔ حکام وقت رضامند رہے۔ اکثر اشیا جدید خریدی گئیں۔ بھائی بندوں سے لطف رہا اور درگاہ قدر سے دیکھا گیا۔ سفر کم پیش آیا جو محدود لکھنؤ و ہردوئی رہا۔ سارٹیفکٹ خوشنودی رائے بابت کام خود عطا ہوا۔ خواب ہائے خوش اکثر مشاہدہ ہوئے لیکن کوئی خاص ظہور ان کا نہیں ہوا۔

الٰہ آباد یونیورسٹی: ۱۳ جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج میرے نام ایک کارڈ ... فیلو یونیورسٹی الٰہ آباد کا آیا کہ میں ۱۷ جنوری ۱۹۱۰ء کو قائم ہونے بنیاد یونیورسٹی میں بوقت ۲ بجے شرکت کروں لیکن اب میں سفر کرنا پسند نہیں کرتا ہوں۔

مرتضیٰ علی: ۲۵ مارچ ۱۹۱۰ء۔ برخوردار مرتضیٰ علی محنت ملازمت سکریٹری میونسپل شاہ لیے گھبرانا شروع ہو گئے ہیں اور اب ملازمت ترک کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کی سخت بدبختی ہے کہ وہ پچاس روپے ماہوار کی گھر کی نوکری جو مساوی ایک سو ماہوار کے ہے چھوڑنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو تنخواہ وہ پاتے ہیں وہ تمام اپنے صرف میں لاتے ہیں۔ یہ خورد و نوش ان کی اور ان کی اہلیہ کا میں کفیل ہوں۔ اپنے شہر کی حکومت کی نوکری چھوڑنا سخت نادانی ہے مگر مجبوری کہ کوئی علاج اس کا میرے پاس نہیں ہے اور نہ کوئی فہمائش ان کو کارگر ہوتی ہے۔

انتظام خانہ داری: ۸ جون ۱۹۱۰ء۔ آج واسطے انتظام خانگی خود نہایت پریشانی لاحق رہی اور

مجھے چند مرتبہ اہلیہ مرحومہ یاد آئیں کہ ان کے وقت میں کیسا عمدہ میرے گھر کا انتظام تھا۔ مجھے کسی امر میں مداخلت کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی اب آج کل حسب رائے برخوردار مصطفےٰ علی مسماۃ علیماؔ خالہ معشوق حسین (پڑوسی) منتظم ہیں جو ایمانداری سے کام نہیں کرتی ہیں اور مجھے پریشانیاں لاحق رہتی ہیں اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی کہ سوائے بڑی بہو کے اور کوئی بہو اس وقت گھر میں موجود نہیں اور ہر ایک اپنے میکہ میں ہے۔ خدا میرے حال پر رحم کرے اور میرے ترددات دور کرے۔

بڑی بہو: ۵ جولائی ۱۹۱۰ء۔ ہماری بڑی بہو مسماۃ نسیماؔ کی طبیعت میں کچھ اس قسم کا فسادی مادہ ہے کہ اپنے کو لبطور خود بہت سمجھ دار سمجھتی ہیں اور دوسروں کو ناقابل۔ بلکہ ہر ایک کو نہایت درجہ حقیر جانتی ہیں کہ میری عام حکومت گھر میں ہو اور سب مجھ سے زیر رہیں لیکن چونکہ ہر ایک کو درجہ مساوی حاصل ہے اس وجہ سے وہ ہرگز زیر نہیں ہوسکتیں اور انھوں نے برخوردار مصطفےٰ علی کو اس کے ولایت جانے سے قبل اس کی والدہ سے لڑوا دیا تھا اور خود نسیماؔ کی ذات سے ان کے بھائیوں بشیر الزماں و نعیم الزماں میں سخت الجھن و ملال پیدا ہوگیا اور مصطفےٰ علی کچھ ایسے ان کے قبضہ میں ہیں کہ جو کچھ وہ ان سے کہتی ہیں اس کے کرنے کو آمادہ ہوجاتے ہیں چاہے وہ فعل قابل نفرت کیوں نہ ہو۔

خواب خوش: ۷ اگست ۱۹۱۰ء۔ قبل اس کے جو خواب اچھا یا برا میں دیکھتا تھا اس کا ظہور جلد یا دیر سے ضرور ہوتا تھا جس کا میں پورے طور پر قائل تھا لیکن چند سال سے عجب کیفیت ہوگئی ہے کہ جو خواب برا دیکھتا ہوں اس کا ظہور کسی قدر ضرور ہوتا ہے۔ لیکن میں نے یکم اگست ۱۹۰۴ء سے ۵ اگست ۱۹۱۰ء تک ۱۰۱۶ خواہیں بہت عمدہ مشاہدہ کیں اور ان میں سے اکثر صبح صادق کے وقت دیکھی تھیں لیکن نہایت افسوس ہے کہ ان میں سے ایک کا بھی ظہور اس وقت نہیں ہوا۔ معلوم نہیں مجھ سے درگاہ ایزدی میں کیا قصور ہوا ہے کہ جس کا نتیجہ یہ مل رہا ہے کہ میرے خوابوں کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔

ملاقات احباب: ۱۵ اگست ۱۹۱۰ء۔ آج ۹ بجے صبح کو راجہ درگا پرشاد صاحب و چودھری محمد رؤف صاحب میری ملاقات کو تشریف لائے۔ اول الذکر آج کل تاریخ سندیلہ لکھ رہے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے میرے حالات بنا بر کارگزاری آنریری مجسٹریٹی و سکریٹری میونسپل سندیلہ کے لے گئے ہیں تاکہ تاریخ مذکورہ میں بطور میری یادگار کے درج کریں جو ہمیشہ میری یادگار رہے جس کا میں مشکور ہوا اور چودھری محمد رؤف نے مجھے ایک عینک قیمتی بائیس روپے دی جو میری آنکھ میں خوب لگتی ہے اور میں اس سے بخوبی لکھ پڑھ سکتا ہوں۔ میں نے ان کا

شکریہ ادا کیا۔ ۱۱ بجے تک یہ نشست رہی اور باہم بہت لطف آمیز باتیں ہوتی رہیں۔

خیالات خوش: ۲۲ اگست ۱۹۱۰ء۔ جب میں خیالات خوشی کے اپنے دل میں چند منٹ کے واسطے بھی جگہ دیتا ہوں تو مجھے معاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی پاداش میں کسی رنج و ملال کا مجرم نہ قرار پاؤں لہذا جس طرح ممکن ہوتا ہے میں ان خیالات خوش کُن اور فاسد کو اپنے دل سے دور کرتا ہوں۔ خدا نہ کرے کہ کسی رنج و ملال کا مجھے سامنا ہو اس وجہ سے کہ زمانہ آج کل میرے خلاف گردش کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے حال پر رحم فرمائے۔

بصارت خود: ۲۸ دسمبر ۱۹۱۰ء۔ اب میری آنکھوں کی بصارت ایسی گھٹ گئی ہے کہ نہ تو میں اخبار پڑھ سکتا ہوں اور نہ خط کسی کا پڑھا جاتا ہے بلکہ وہ اپنے عزیز صمصام علی سے پڑھوا لیتا ہوں اور وہی جوابات میرے بتلانے پر لکھتے ہیں۔ لہذا اب میں پریشان رہتا ہوں اور کل کام دستخط وغیرہ کا مجھے اٹکل سے کرنا ہوتا ہے اور قریب کا آدمی بھی نہیں پہچان سکتا ہوں۔ دیکھنا چاہیے کہ اب میری بصارت پھر عود کرتی ہے یا میں اپنا زمانہ زندگی اسی طور سے بسر کرتا جاؤں گا۔ اللہ مالک ہے۔

اوورکوٹ: ۵ جنوری ۱۹۱۱ء۔ آج جناب راجہ درگا پرشاد صاحب نے ایک قیمتی اوورکوٹ اپنے درزی سے تیار کرا کے بھیجا جو نہایت عمدہ جامہ وار ہے اور اس کا استر اور وہ بہمہ وجوہ مکمل ہے۔ جس کو میں نے پہنا وہ میرے بدن پر درست آیا ہے اور اس کے پیش کار دوست علی خیاط کو ایک روپیہ انعام دلوا دیا۔

شکایت کھانسی: ۱۳ جنوری ۱۹۱۱ء۔ چونکہ مجھے کھانسی و دمہ سے سخت تکلیف ہے لہذا آج میں نے اسسٹنٹ سرجن سندیلہ کو واسطے اپنے علاج کے طلب کیا اور پانچ روپیہ ان کی فیس ادا کی اور علاج ان کا شروع کیا۔

ماہ لقا: ۲۵ جنوری ۱۹۱۱ء۔ مسماۃ ماہ لقا ساکن رام پور جو ایک انجینیر ریاست کی بیٹی ہیں اور ان کے حسن و جمال کی بڑی تعریف ہے اور اکثر وہ شملہ کشمیر لکھنؤ وغیرہ میں آزادی کے ساتھ سیاحت کرتی رہتی ہیں اور اپنے گھر سے نہایت متمول لیڈی ہیں۔ جب وہ کسی مجلس اناث میں شریک ہوتی ہیں تو اس جلسہ کی عورتوں کو اپنے اخلاق سے گرویدہ کر لیتی ہیں۔ چنانچہ جو تقریب محمد یوسف ولد منشی یعقوب علی جگوری بھنڈی کو سندیلہ میں قرار پائی تھی اس میں حسب طلب شریک ہوئیں اور کل بوجہ اس کے کہ شیخ یوسف الزماں کی زوجہ ثانیہ سے قرابت قریب ہے میرے مکان پر تشریف لائیں۔ جیسا کہ خداوند کریم نے ان کو حسن و جمال عطا کیا ہے ویسے ہی وہ لائق بھی ہیں۔ عمر غالباً ۳۵ سال ہوگی۔ دو بیٹے ان کے جو شاید ہنوز خورد سالی میں علی گڑھ میں تعلیم پاتے ہیں اور لڑکی خورد سال جس کا نام ماہ پارہ ہے ان کے ہمراہ آئی تھی۔

شکایت تنفس: ۳۰ مارچ ۱۹۱۱ء۔ شب گزشتہ کو حسب تجویز بنگالی ڈاکٹر شفا خانہ میں نے عرق فلو سرخ کا بقدر نصف پیچہ جس میں نصف چھٹانک پانی بمقابل غذا کے استعمال کیا۔ چونکہ میرے تجربہ میں عرق مذکورہ فی الجملہ قابض ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حصہ رات مجھے کھانسی آتی اور اخراج کف نہیں ہوا اور جب میں صبح کو جاگا ہوں تو تنفس کی ترقی تھی کہ میں اچھے طور سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ غرض کسی نہ کسی طرح میں نے حقہ پی کر بلغم سینہ سے خارج کیا تب کسی قدر سکون ہوا۔ آج ڈاکٹر صاحب موصوف نے بعد معائنہ سینہ وغیرہ تجویز کیا کہ میں آج کوئی ایسی دوا بڑھاتا ہوں جو ہیچی کو مفید ثابت ہوگی۔

۱۷ مئی ۱۹۱۱ء۔ کل مجھے ڈاکٹر مکرجی اسسٹنٹ سرجن سندیلہ نے وہی دوا نوش کرائی جو میں نے پرسوں پی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام سے ہیچی کی ترقی ہوگئی۔۔۔ اور رات سخت بے چینی سے گزری۔ آخر شب جب اوّل اذان مسجد میں شروع ہوئی میں فوراً اٹھ بیٹھا۔ بعد وضو نماز صبح پڑھی۔۔۔ لہٰذا آج میں نے کوئی دوا انگریزی کا استعمال نہیں کیا اور قصد ہے کہ وقت خواب شب ایک تولہ حلوہ چھوٹے لال بازار منگل کا استعمال کر لوں اور غور کروں کہ اس سے کیا نفع یا نقصان پیدا ہوتا ہے کیونکہ تین سال کا زمانہ ہوا جب اس حلوے کے استعمال سے شکایت کھانسی وہیچی بالکل دفع ہوگئی تھی۔

مرمت کنواں: ۲۶ مئی ۱۹۱۱ء۔ جو رقم منشی عظیم الدین صاحب منصف ہمیر پور نے بابت مہر وغیرہ دختر برخوردار سعید الدین کو دی تھی اس سے ایک بہت اچھا کام رفاہ عام کا کھولا گیا ہے یعنی جو کنواں "کھجور والا" (قریب مکان راقم) ایک عرصہ دراز سے بوجہ گر جانے کے بند پڑا ہوا تھا جس سے تمام محلہ آبنوشی کرتا تھا اس کی صفائی کا کام آج بہ اہتمام شیخ علی رضا کیا گیا خدا کرے یہ کام بہ حسن پورا ہو اور اہل محلہ اس کے پانی سے سیرابی حاصل کریں۔

مرض تنفس: ۱۲ جون ۱۹۱۱ء۔ چونکہ میرے مرض کھانسی و ہیچی میں ہنوز کوئی تخفیف پیدا نہیں ہے لہٰذا بہ اتفاق رائے اپنے بیٹوں مصطفیٰ علی وغیرہ کے لکھنؤ جا کر عہدہ دار مشہور ڈاکٹر کا علاج کروں اور ایسا ارادہ بہت جلد کیا جائے گا۔

انبہ خوری: ۲۵ جون ۱۹۱۱ء۔ آج دوپہر کو برخورداران مصطفیٰ علی و مجتبیٰ علی و مرتضیٰ علی و مرتضیٰ علی و اصغر علی و نور دیدگان مزمل حسین و توکل حسین نے میری کوٹھی میں بیٹھ کر آم کھائے۔ یہ مجمع مجھ کو نہایت پسندیدہ نظر آیا۔

راجہ درگا پرشاد: ۲۷ جون ۱۹۱۱ء۔ آج گیارہ بجے راجہ درگا پرشاد صاحب میری عیادت کو تشریف لائے اور دیر تک مجھ سے ہمدردی کی باتیں کرتے رہے اور کہا کہ میں آپ کی صحت و سلامتی کی ہر وقت دعا مانگا کرتا ہوں اور اس وقت بھی میں دیوی جی (ایک مندر۔ ہاشمی) اور شاہ اندر آئن کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جاتا ہوں

اور دونوں مقاموں پر آپ کے واسطے دعائے خیر کروں گا کہ آپ کو جلد صحت کامل حاصل ہو۔

<u>شکایت تنفس</u>: ۲۸ جولائی ۱۹۱۱ء۔ آج مجھ کو تمام دن شکایت اپنی پیدا رہی اور رات تک اس کی ترقی ہوتی گئی اور کوئی دوا مجوزہ حکیم ظہور الحسن مفید ثابت نہیں ہوئی اور سخت پریشانی کا سامنا پیدا ہے کہ رات کس تکلیف و پریشانی سے آخر ہو گی۔

<u>ملازمت ارتضیٰ</u>: ۲ اگست ۱۹۱۱ء ۔۔۔۔ چنانچہ آج ۸ بجے صبح صدر چوکی میں بحاضری ممبران مفصلہ ذیل کمیٹی ہوئی۔ محمد عوض پنشنر تحصیلدار اور لچھمن پرشاد و لالتا پرشاد اور کواڑے بند کر کے کمیٹی ہوئی اور کاغذات ضروری پیش ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارتضیٰ علی عہدہ سکریٹری سے موقوف کیے گئے اور ان کو بہ اجرائے یادداشت حکم ہوا کہ آج ہی چارج اپنا کامتا پرشاد محرر پیشی راجہ صاحب کو دے دیں۔ چنانچہ انھوں نے چارج دے کر سبکدوشی حاصل کی۔ مجھے افسوس ہے کہ پچپن روپیہ ماہوار کی نوکری قصبہ ہذا کی مفت انھوں نے کھوئی جہاں علاوہ تنخواہ کے قصبہ ہذا پر رعب بھی تھا۔ چونکہ میری فہمائش کے مطابق ارتضیٰ علی نے راجہ صاحب سے برتاؤ نہیں کیا اور راجہ ان سے مخالفت پیدا کر لی اور اُس پارٹی میں شریک ہوئے۔ جو بہ لحاظ تعداد کمی ممبروں کے کمزور ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ان کی موقوفی عمل میں آئی اور کوئی میری فہمائش کارگر نہ ہوئی۔

<u>شکایت تنفس</u>: ۲۶ اگست ۱۹۱۱ء ۔۔۔۔ میرا دل و دماغ ایسا ضعیف ہو گیا ہے کہ اندک گرم و سرد ہوا کا فوراً احساس ہوتا ہے۔ مگر پھر میں کہنے سے باز نہیں رہوں گا کہ ہپنی کے واسطے سگرٹ (دمہ کے) کا استعمال بہت مفید ہے اور فوراً نفع معلوم ہوتا ہے۔

تجربہ سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ قبض باعث ترقی ہپنی کا ہوتا ہے۔۔۔۔ جس روز قبض ہوتا ہے تو دن بھی شکایت اس کی بڑھ جاتی ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ میں ایسی تدبیر کروں کہ قبض نہ ہونے پائے جو سخت ضرر رساں ہے۔

<u>نور الحسن</u>: ۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء۔ آج چھلہ کلاں اہلیہ برخوردار مجتبیٰ علی کا ہوا اور خدا کا شکر ہے کہ برخوردار نور الحسن خیریت سے ہے اور مبلغ (۰۰۰۰۰) روپے اس تقریب میں صرف ہوئے۔ آج صبح کو میں نے نور چشم نور الحسن ولد برخوردار مجتبیٰ علی کو دیکھا اس کی شکل و صورت مشابہ برخوردار توکل حسین ہے۔ آج کی تاریخ میں اس کی عمر ایک مہینہ کی ہوئی۔ ۲۱ اگست کو پیدا ہوا تھا۔ خدا اس کی عمر دراز کرے۔

<u>علالت خود</u>: ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۱ء۔ بوجہ شکایت ہپنی و کمزوری خود سات بجے شام سے ۹ بجے تک دو گھنٹے رات گزارنا نہایت دقت معلوم ہوتی تھی یا تو نیند اپنا غلبہ کرتی تھی یا خیالات پریشانی افزا حالی حاصل کیا کرتے تھے لہٰذا بہ نظر مناسب میں تین روز سے قصہ حاتم طائی ۷ بجے سے ۸½ بجے تک سنا کرتا ہوں

ہوجاں علی خدمت گار بڑھتا ہے جس سے طبیعت کو فی الجملہ دل بستگی ہے۔

عطیہ مناجات: یکم نومبر ۱۹۱۱ء آج راجہ درگا پرشاد صاحب نے ایک مناجات بہ حصول شفا تصنیف کر کے میرے پاس بھیجی تاکہ میں اس کو اپنے ورد میں رکھوں۔ خدا مجھ کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ وہ مناجات حسب ذیل ہے:

مناجات مصنفہ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سندیلہ

شافیِ مطلق شفایم دہ شفا — خلعتِ صحت ز شفقت کُن عطا
بندۂ ناچارم و ہم خستہ دل — در رحمت بروے من کُشا
سیلِ اندوہ والم از سر گذشت — کشتی ام را شو خدایا ناخُدا
مخزنِ عصیانم اے آمرزگار — عفو فرما ہر گناہ و ہر خطا
در خیال و یاد خود مدہوش کُن — تا نہ گردم ساعتے از تو جدا
بادشاہ دو جہاں لطفے کُن — گوش نہ بر التجائے ایں گدا
مظہر آشفتہ دل را شاد کُن — دامنش پُر کُن ز نقد مدعا

علالت: ۲۲ دسمبر ۱۹۱۱ء شب گزشتہ کو شاید ایک یا دو مرتبہ مجھے بدخوابی ہوئی ہوگی ورنہ میں قریباً ۷ گھنٹہ غریق خواب سویا۔ مگر یہ غریق خواب سلسلہ وار نہیں تھی بلکہ ایک یا دو گھنٹہ سو گیا اس کے بعد جگ پڑا۔

یہ رات چنداں مجھے تکلیف سے نہیں گزری۔ البتہ فی الجملہ کھانسی کی شکایت پیدا ہو گئی جو خشک قسم کی تھی۔ اخراج کف کا نہیں ہوتا تھا۔ میں چھ بجے صبح کو اٹھا ہوں تو طبیعت میری چاق تھی اور اجابت بھی کسی قدر ہوتی رہی۔ اخراج مواد کا بھی بلا تکلف ہوتا رہا لیکن اُس سے کم ہوا جو کل یا پرسوں ہوا تھا اور میرے داہنی جانب کا ورم اعضا تو کل ہی جاتا رہا اور بائیں جانب کا باقی تھا۔ بائیں جانب میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اب کچھ کچھ تحلیل ہو گیا ہے اور ہوتا جاتا ہے۔

۲۳ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ چونکہ راجہ درگا پرشاد صاحب مدرسہ انگریزی کا روپیہ کسی وجہ خاص سے اپنے اہتمام میں رکھنا چاہتے ہیں لہٰذا انھوں نے مجھے یہ تحریری اطلاع دی ہے کہ جس قدر مدرسہ انگریزی بابت چندہ کے واجب الوصول ہوا ور جس قدر روپیہ گرنٹ کے ذریعہ واجب الادا ہو وہ مجھے بھیج دیا جائے۔ چنانچہ آج اس کا حساب کیا گیا تو ایک ہزار ایک سو تین روپیہ تین آنہ ایک پائی کی تعداد نکلی وہ ذریعہ وزیر علی داروغہ ارسال کرتا ہوں کیونکہ رقم مذکورہ ہی میرے پاس موجود تھی۔ اسی وقت راجہ صاحب وجیر میں مدرسہ انگریزی کو بھیج دی اور باضابطہ رسید ان سے حاصل کر لی۔

۲۴؍ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ صبح۔ کل میری طبیعت خوش شام کو نہ تھی اور ہانپی کی شکایت زیادہ ہے اور رات کو تبخیر بھی کچھ تیزی کناں جس سے مجھے انواع و اقسام کا اندیشہ ہے کہ آج کی رات کو شب بیداری شروع ہوگی اور بیداری کچھ میری اولاد کے حق میں مفید نہیں ہے اور عجب نہیں کہ مشکلات درپیش آئیں چنانچہ یہی حالت رات کو رہی کہ مجھے بوجوہ نیند کم آئی اور شاید ۳ گھنٹے سے زیادہ نہ سو سکا ہوں گا۔ برخلاف اس کے کہ میں قبل اس کے کم سے کم سات گھنٹے سوتا تھا اور دن کو طبیعت بہت صاف ہوتی تھی۔ لہٰذا شب کو میرے چاروں لڑکے براہ ہمدردی میرے کمرہ شب باشی میں رہے اور مولوی خلیل الدین (بھانجہ) نے بھی اس میں قیام کیا یعنی بیٹھے رہے اور شیخ سخاوت علی میرے کارندہ بھی میرے مکان ہی میں رہے اور میری حالت موجودہ کو دیکھتے رہے۔ اگرچہ کچھ ایسا تغیر میری ذات کو پیش نہ آیا جس سے مجھے بہت پریشانی لاحق ہوتی لیکن یہ ضرر ہوا کہ نیند نہ آنے سے مجھے بہت پریشانی لاحق رہی اور تمام رات کھانسی بذریعہ ہچکی آتی رہی چند قسم کی ادویات یونانی استعمال ہوئیں جن سے شکایات لاحقہ دفع نہ ہوئی اور دو مرتبہ پانچ پانچ قطرے دوا ڈاکٹر برمن ساکن کلکتہ کی مجوزہ میں نے تھوڑے تھوڑے پانی میں پیے۔ اگرچہ وہ بیماری دمہ کے لیے بہت مفید ہے استعمال لایا مگر اس سے افاقہ دیر میں نظر آیا اور آج صبح کئی گھنٹے کی پریشانی برداشت کر کے میں اٹھا اور جب حکمائے یونانی حکیم ظہور الحسن و حکیم اخلاق حسین نے مجھے دیکھ لیا تب چاہا کہ سو رہوں لیکن افسوس کہ نیند نہ آسکی۔ اگرچہ اس رات کو میں اپنی دنیائے دوں کو نہ چھوڑ سکا تاہم یہ رات پریشانی سے گزری۔

وفات مولوی سید مظہر علی: ۲۴؍ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ آج سہ پہر کو بوقت ۳ بجے شام کے (مولوی سید مظہر علی صاحب ولد سید مظفر علی صاحب) راقم روزنامچہ ہٰذا نے بعارضہ ضیق النفس اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ اور بوقت شب ۸ بجے اپنی پھلواری میں حسب وصیت خود دفن ہوئے۔ اپنی قبر کے لیے پتھر عرصہ سے منگا کر رکھ لیا تھا۔ اسی کی قبر درست کرائی گئی اور اسی میں مدفون ہوئے۔ ہم لوگوں کو نہایت سخت صدمہ ہوا کہ ان کی ذات والاصفات سے ہر قسم کا اطمینان تھا۔ اپنی زندگی میں صاحب روح نے بڑی ترقی نمایاں کی۔ عزت و وقار کی افزونی رہی۔ جائداد کو ترقی دی۔ مکان قیام بہت وسیع تعمیر کرایا اور متعدد دکانات بنوائیں۔ مکانات رعایا بھی کئی موجود ہیں۔ کئی باغات اپنی ذات سے قصبہ ہٰذا میں اور نیز دیہات میں نصب فرمائے۔ غرض کہ تا بہ زیست اپنی خوش اقبالی سے بہت عروج کی حالت بسر کی جس کی کیفیت ان کے روزنامچہ سے ظاہر ہے۔ خدا غریق رحمت کرے۔ فقط

مرقومہ مجتبیٰ علی

تاریخ وفات مولوی مظہر علی مرحوم راجہ درگا پرشاد مہر سندیلوی

مولوی مظہر علی مہر سپہر مردمی — نیک طینت نیک طبع و نیک خو نیکو شعار
دومی ماہ محرم بود ایام عزا — کرد زیں دار فنا رحلت سوے دار القرار
گرد تابوتش ہجوم ابر کار نیک بود — شان رحمت در زمین جوش شفاعت در یسار
حسرتا دامن کشاں از صحبت یاراں گزشت — واد زلیخا کایں فراقِ دائمی کرد اختیار
مخزنِ اخلاق و خوبی بود ذات پاک او — بود در عقل و فراست انتخاب روزگار
حلم بود او را انیس و صبر بود او را ندیم — بود طبعش مستقل ہم بود عہدش استوار
صد چراغ دانش او افروخت در بزم خرد — کرد در چشم جہاں صد گونہ حاصل اعتبار
در زمانِ فکر ما را بود یارے دل نواز — در ہجوم انتشارم بود دائم غمگسار
بہر سال انتقالش مہر چوں بنمود غور — در زمانِ اضطراب و در اوانِ انتشار
از سر افسوس گفتم سید مظہر علی — سال ہجری گشت زیں الفاظ ہجرش آشکار
۱۳۳۰ھ
چوں سنِ عیسی بجست از طبع در طرز جلی — یک ہزار و نہ صد و دہ یک در آمد در شمار
۱۹۱۱ ۱۹۱۱ء

از سید قمر الدین قمر سندیلوی شاگرد حضرت امیر مینائی

دوسری ماہ محرم کی تھی آہ — سیزدہ صدی سنِ ہجری رواں
اور دسمبر کی بھی تھی جو بیسویں — روز یکشنبہ تھا جس میں ناگہاں
مولوی مظہر علیِ خوش صفات — دار فانی سے گئے سوئے جناں
تھی وصیت باغ میں مدفون ہوئے — ان کو حاصل ہے بہار جاوداں
آفتاب دانش و مہر عروج — ہو گیا زیر زمیں ہے ہے نہاں
سچ تو یہ ان کی روش ان کے اصول — قابل تقلید مہر دیگراں
تب کہیں ہوتا ہے پیدا ایسا شخص — جب بہت کھاتا ہے چکر آسماں
ہے یہ مصرع اے قمر لوح مزار — مولوی مظہر علی جنت مکاں
۱۹۱۱ء

جناب سید شہاب الدین دسنوی
تاج منزل، بی۔ این۔ بنرجی روڈ، پٹنہ

اسلام جیسا میں نے سمجھا

خدا بخش خطبات کے سلسلے میں تقریر کرنے کی دعوت ملی تو اس کے ساتھ عنوان بھی تجویز کر دیا گیا (Islam as I Understand it) میں نے دعوت قبول کر لی، پھر یکایک یاد آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور پہاڑوں کو بار امانت پیش کیا تو وہ سب کے سب کانپ اٹھے اور انکار کر دیا مگر روح آدم نے اسے اپنے سر اٹھا لیا کیونکہ انسان ظلوم و جہول تھا۔ یہ بات دھیان میں اس لئے آئی کہ ۱۹۲۵ء میں شاعر اسلام علامہ اقبال نے صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کو ایک خط میں لکھا تھا کہ وہ (اقبال) ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے جس کا عنوان ہوتا Islam as I Understand it لیکن یہ کام ان سے نہ ہو سکا۔ اب آپ فرمائیں کہ اسی عنوان پر میرا یہاں کچھ بیان کرنا گویا اپنے کو بھی ظلوم اور جہول کے زمرے میں لانا نہیں تو اور کیا ہے۔ ایک بات صاف کر دینا چاہتا ہوں، میں جو کچھ عرض کرنے والا ہوں وہ کوئی عالمانہ یا تحقیقی مقالہ نہیں ہوگا، میرا داخلی اور ذاتی بیان ہوگا، اسے نہ کوئی فتویٰ سمجھا جائے نہ تلقین۔

Islam as I Understand it کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اسلام کو میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں، اس طرح آپ شاید نہ کرتے ہوں، اور جس طرح آپ اسے سمجھتے ہیں شاید میں اس طرح نہ سمجھتا ہوں۔ اس بات پر مجھے ایک پیر صاحب کا قصہ یاد آ گیا۔ وہ کسی شہر میں تشریف لے گئے تو ان کا بڑا پرتپاک استقبال ہوا، بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ ان کے سلوک، علم و فضل سے استفادہ کرنے کی غرض سے رات کو ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں کافی تعداد میں لوگ جمع ہوئے۔ پیر صاحب نے اسٹیج پر پہنچ کر ایک نگاہ مجمع پر ڈالی، فرمایا "تم لوگ جانتے ہو میں کیا کہنے والا ہوں؟" سب لوگوں نے ایک آواز ہو کر جواب دیا "جی نہیں حضور" حضرت نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "جب تمہیں معلوم ہی نہیں کہ میں کیا کہنے والا ہوں تو پھر میرا کچھ کہنا بیکار ہے" اتنا کہا اور اسٹیج سے اتر آئے، لوگ منہ تاکتے رہ گئے۔ دوسرے دن لوگ پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنی غلطی کی معافی مانگی اور دوبارہ تقریر کی درخواست کی جو منظور ہوئی۔ اس رات بھی حضرت نے اسٹیج پر پہنچ کر وہی سوال دہرایا۔ پچھلے روز کے تجربے کی روشنی میں اس بار لوگوں نے کہا "جی ہاں حضور" وہ بزرگ یہ کہتے ہوئے نیچے اتر آئے کہ "جب تم جانتے ہی ہو تو پھر میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے" تیسرے دن پھر لوگوں کے اصرار پر جلسہ ہوا۔ حضرت نے اسٹیج پر پہنچ کر سوال دہرایا "تم جانتے ہو میں کیا کہنے والا ہوں؟" اب لوگ ہوشیار ہو چکے تھے، انہوں نے

فیصلہ کر لیا تھا کہ آدھے لوگ "ہاں" کہیں گے اور آدھے لوگ "نہیں" چنانچہ ایسا ہی ہوا تب پیر صاحب نے فرمایا یہ تو بہت اچھی بات ہے، تو پھر جو لوگ جانتے ہیں وہ نہیں جاننے والوں کو بتا دیں۔ حضرت کا بھرم رہ گیا اور لوگ لاجواب ہو گئے۔

حضرات! دنیا میں جتنے بھی مذاہب آئے ان کی تعلیمات کے دو حصے ہیں۔ ایک عقائد کا اور دوسرا عمل کا۔ اسلامی اصطلاح میں ہم اسے ایمان اور عمل صالح کہتے ہیں۔ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے بھیجے ہوئے انبیاء پر اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں پر، آخرت پر اور ملائکہ پر۔ ملائکہ ایسی غیر مادی اور غیر مرئی مخلوق ہیں جن کے بارے میں نہ ہم کچھ زیادہ جانتے ہیں اور جن کا نہ ہم سے بلاواسطہ یا بالواسطہ کوئی تعلق قائم ہے۔ وہ اپنے تفویض کئے ہوئے فرائض انجام دیتے ہیں جن میں ہم کوئی دخل نہیں دے سکتے ہیں اس لئے ہم پہلے تین کی بات کریں گے۔ ان میں اللہ پر ایمان لانا سب سے اہم اور مشکل مسئلہ ہے کیونکہ بقول اقبالؔ:

خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر　　　ماننا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر

مگر ایک طرح سے یہ مسئلہ آسان بھی ہے۔ ہم زبان سے اقرار کر لیں اور دل کو سمجھا لیں کہ اللہ ایک ہے، رب العالمین ہے۔ نماز میں اللہ اکبر کہہ کر اس کی کبریائی بیان کریں۔ لیکن کبریائی پر یقین کیسے آیا؟ ایک طویل عرصے تک میرے لئے یہ سب کچھ رسمی بات رہی۔ اللہ اکبر کے معنی سمجھ نہ پایا، پھر ایک وقت آیا جب قرآن مجید پڑھتے ہوئے اس پر غور کرنے کی عادت سی ہونے لگی۔ قرآن میں آسمان، زمین، چاند، ستاروں کا ذکر جا بجا آتا ہے۔ یہ چمکتے ہوئے اجرام فلکی ہم سے بہت دور واقع ہیں، اتنی دور کہ بقول قرآن ہماری نگاہ وہاں تک جاتی ہے تو تھک کر لوٹ آتی ہے۔ کتنا خوبصورت انداز بیان! آج دنیا کی بڑی بڑی دوربینوں اور فلکیات کے اصولوں کی مدد سے پتا چلتا ہے کہ ہم سے قریب ترین سیارہ ۹ کروڑ ۱۰ لاکھ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ستاروں میں سب سے نزدیک ستارے کی روشنی ہم تک پہنچنے میں ۴ء۲ سال لگتے ہیں۔ دور کے ستاروں سے جو روشنی ۵۰۰ ملین برس قبل چلی تھی وہ اب پہنچی ہے اور کچھ ستارے ایسے بھی ہیں جہاں چلی ہوئی روشنی اب تک زمین پر پہنچی ہی نہیں ہے۔ اب سموٰت کے فاصلے کا حساب کیا لگایا جا سکتا ہے صرف تصور ہی میں یہ دیکھئے کہ روشنی کی رفتار تین لاکھ کیلومیٹر فی سکنڈ ہے تو سیارے سے نکلی ہوئی روشنی ۳۰۰،۰۰۰ × ۶۰ × ۶۰ × ۲۴ کیلومیٹر ایک دن میں اور اس کا ۱۵ گنا فاصلہ ۴ء۲ سال میں طے کر کے زمین میں پہنچتی ہے۔ اب ایک ایسے کہکشاں کا تصور کیجئے جس میں کروڑوں کی تعداد میں ستارے تیر رہے ہیں اور ایسے کتنے ہی کہکشاں اور بھی ہیں۔ مشاہدات اور تجربوں سے جب یہ علم حاصل ہوتا ہے تب البتہ دل سے "اللہ اکبر" کا اقرار ہوتا ہے اور یہ ایمان محکم ہوتا ہے۔ امریکن خلاباز James Irvin آخری انسان تھا جس نے چاند پر قدم رکھے۔ اس نے اپنے خلائی سفر پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ اپنی زندگی میں وہ صرف ایک بار گرجا گیا تھا اور وہ اس کی شادی کا موقع تھا، دوسرے الفاظ میں وہ خدا کے وجود کا قائل نہ تھا لیکن خلائی سفر کے دوران میں وہ ان گنت اجرام سماوی سے ہو کر گزرا تو جس صفائی اور نفاست سے انہیں خوش خرام اور ایک دوسرے سے بچ کر نکلتے ہوئے دیکھا تو اسے یقین آگیا کہ ایک ایسی قادر المطلق ہستی کے سوا جو ہمارے ادراک و فہم سے

بالاتر ہے اور کوئی دوسری طاقت نہیں ہو سکتی تھی جو ایسا اکمل نظام قائم کر سکتی ہو۔ چنانچہ اب وہ دنیا کا سفر اسی مشن کو لے کر رہا ہے کہ لوگوں کو خدا کے وجود کا یقین دلائے۔ ..... کے اس بیان سے میری سمجھ میں آیا کہ ہم سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ نماز میں کیوں پڑھتے ہیں۔ زبان سے اور دل سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑائی اور پاکی کا اقرار کیوں کرتے ہیں

میں یہاں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مسائل میں الجھنا نہیں چاہتا لیکن مجھے اس بات کا یقین ہوگیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ اس کی ذات کو اس کی قدرت کے ذریعے پہچانا جائے۔ اس جستجو اور تلاش میں ہم حق سے قریب اور توہماتی شرک سے دور ہو سکیں گے۔

سورہ یونس میں ارشاد ربانی ہے: قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ کہدو کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اس پر نظر ڈالو۔

سورہ الجاثیہ میں ارشاد ہے اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بے شک آسمان اور زمین میں مومنوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد باری ہے: الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ ان عقلمند لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت پر غور کرتے

اور جب ہم ان واضح ہدایات کے باوجود آسمانوں اور زمین پر اللہ کی قدرت اور حکمت کی نشانیوں پر غور کئے بغیر گزر جاتے ہیں (وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (یوسف ۱۰۵) اور دیکھو آسمانوں اور زمین میں کتنی نشانیاں ہیں جن پر سے لوگ منہ موڑ کر گزر جاتے ہیں) تو پھر ہم کو یہ بھی جتا دیا جاتا ہے وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۔ اندھا اور دیکھنے والے برابر نہیں ہوتے ہیں۔

اس بدیہی حقیقت کے باوجود دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آیت اللہ (اللہ کی نشانیوں) کا انکار کرتے ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ ان کا تعلق ایسی ذات سے انھیں نظر نہیں آتا ہے جو قادر مطلق ہے، جو خالق کل ہے تو ان کے بارے میں بھی اللہ کا حکم سن لیجئے

سورہ انعام میں فرمان الٰہی ہے: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۔ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا (انعام)

آیت کے معنی ہیں نشانی۔ مجھے یاد آتا ہے کہ اس کے معنی چھپی ہوئی نشانی بھی میں نے دیکھا ہے جو زیادہ موزوں ہے۔ اللہ کی طرف سے ہم کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ اس کی چھپی ہوئی نشانیوں کو معلوم کرو۔ یہ نشانیاں کہاں چھپی ہوئی ہیں اور کیسی ہیں؟ ان سوالوں کے جواب قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر میں آپ کے سامنے سورہ روم کی چند آیتیں تلاوت کروں گا، آپ ان پر غور فرمائیں: (ترجمہ مولانا مودودی کا ہے)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر یکایک تم بشر ہو کر (زمین میں) پھیلتے چلے جا رہے ہو۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لئے ۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۔ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات کو سونا اور دن کو تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (غور سے) سنتے ہیں) ۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ہ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے خوف کے ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی ، اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں ۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ہ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں ۔ (ص ۱)

انسان کی تخلیق، روئے زمین پر مختلف خطوں میں اس کا پھیل جانا اس طرح کہ موسمی اور جغرافیائی حالات سے اس کی حیات کی مطابقت بھی ہو۔ قطب شمالی کے اسکیمو اور افریقہ کے خط استوا پر زندگی گزارنے والے حبشی، دونوں انسان ہیں لیکن ان کی طبعی تخلیق کی بنیاد پر ان کے منتشر ہو جانے کا بھی التزام غور طلب ہے جس سے اللہ کی نشانی کا پتا ملتا ہے۔ زوجین کا ایک دوسرے کے لئے باعث سکون و رحمت ہونا، تنازع للبقا میں ایک دوسرے کا ممد ہونا، نفسیات کے اس پہلو میں قدرت الٰہی کی کارفرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ارض و سموات کی تخلیق، دنیا میں بسنے والوں کی زبانوں، ان کی نسل و رنگت، سیاہ، سفید، زرد اور گندمی، اونچی ناک، چپٹی ناک، چھوٹا قد، اونچی قامت، ان سب میں سمجھنے والوں کے لئے نشانیاں چھپی ہیں۔ کلام پاک میں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ جہاں جہاں قدرت الٰہی کے مظاہر کا ذکر آتا ہے وہاں آیت کے خاتمے پر عموماً لاٰیٰتٍ لقوم یتفکرون، لاٰیٰت لقوم یعقلون یا لاٰیٰت اولی الالباب (سمجھ رکھنے والوں کے لئے نشانی) جیسے الفاظ آئے ہیں، گویا قاری کو دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ وہ ان آیات میں اللہ کی نشانیوں کو تلاش کرے جو اس کی مظہر قدرت ہیں۔ یہاں میں صرف دو آیتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں گا (ترجمہ مولانا مودودی):

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ہ ترجمہ: (حقیقت کو پہچاننے کے لئے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار ہے تو) جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد میں آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے،

پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں۔"

یہاں ذکر ہے زمین، آسمان کی تخلیق کا، دن اور رات کا، ہواؤں کے رخ کا، بارش، نباتات اور حیوانات کا اور انسان کا ان سب سے مستفید ہونے کا۔ مزید تفصیل سورہ النحل کی آیت ١٠ سے ١٨ میں ملاحظ کیجئے جن میں اسی مضمون کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

جن نشانیوں پر قرآن متوجہ کرتا ہے ان کے اسباب و علل پر غور کیا جانا مقصود ہے۔ ایک ان پڑھ آدمی بھی اتنا جانتا ہے کہ دل کا دھڑکنا زندگی کی علامت ہے، دل کی حرکت بند ہو جانے سے موت واقع ہوتی ہے، یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے مگر اسی نشانی کو طبی تحقیق کی بدولت اور غور و فکر کے بعد اس طرح سمجھا گیا کہ دل کی حرکت فی منٹ ٧٠ بار ہوتی ہے، گویا ایک دن میں ایک لاکھ بار جس کی وجہ سے ٨ ہزار سے ٩ ہزار کلوگرام خون شریانوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ کسی شخص کی عمر ٧٠ سال ہو تو اس کا دل ٢٥٠ کروڑ بار دھڑک چکا ہوگا اور تماشا یہ کہ اس کو اس بات کا مطلق احساس نہیں کہ ایسی کوئی بات اس کے جسم کے اندر ہو رہی ہے۔ تتلی کے پروں کی رنگینی سب کو بھاتی ہے لیکن اللہ کی نشانی دیکھنا چاہو تو اس کے پر سے پن کے سرے کے برابر سفوف لے کر اسے خوردبین سے دیکھو تو حیرت ہو جائے گی کہ اس ننھے سے ذرے میں نظمِ ماہی کی طرح تہہ بہ تہہ رنگوں کے چھلکے جمے ہوئے ہیں۔ ایک حقیر شے مکھی کے سر پر دو آنکھوں کے بجائے آنکھوں کے مجموعے ہوتے ہیں۔ دمشق یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد اعجاز المقیقت نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں وضع قانون سے متعلق صرف ١٥٠ آیتیں ہیں لیکن ٧٥٠ آیتیں ایسی ہیں جن میں مومن کو قدرت کے کارخانے پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے، عقل سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے اور سائنسی فکر کو زندگی کا جز بنانے کی طرف صاف صاف اور واضح اشارات دیئے گئے ہیں۔ یہ ٧٥٠ آیتیں گویا پورے کلام پاک کا آٹھواں حصہ ہے۔ شاید مذاہب عالم میں کوئی ایسی کتاب نہیں پائی جاتی ہے جس میں اس درجہ قدرتِ الٰہی پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہو۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا جس میں حکم دیا گیا ہو۔

میں نے اب تک جو کچھ عرض کیا ہے اس سے آپ کو یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہوگی کہ میں قرآن مجید میں موجودہ سائنس کی تاویلات ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان رکھتا ہوں اس لئے مجھے اس پر بھی یقین ہے اس میں جو کچھ درج ہے وہ سب باتیں حق ہیں۔ میرا اصلی مقصد یہ بتانا ہے کہ توہمات اور شرک کے شائبے سے نکل کر توحید کی بنیادی تعلیم تک پہنچنے کے لئے میں نے قرآن مجید کی دعوت فکر کو کس طرح سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ سورج ہو یا چاند، ہمالیہ پہاڑ ہو یا گنگا، حیوانات ہوں یا نباتات ان کے وجود میں ان کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہوتی اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک منظم قانون ان میں کارفرما نہ ہوتا اور جو ایسا قانون بنا سکتا ہے وہی قادرِ مطلق بھی ہوتا ہے۔ ملائکہ کے بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی ایک خاص قسم کی مخلوق ہے جو تفویض کئے ہوئے فرائض یا یوں کہیئے کہ اس کے بتائے ہوئے اصول کے تحت بلا کم و کاست انجام دے رہے ہیں۔ ہم ان کے بارے میں اس کے

سوا اور کچھ نہیں جانتے، کلام پاک میں یہ بات بھی صاف کر دی گئی ہے کہ قدرت میں جو کچھ نظر آتا ہے، بارش کا ہونا، ہواؤں کا چلنا، بجلی کا چمکنا، نباتات کا اگنا، چاند ستاروں کی گردش ان میں سے کوئی کام کوئی فرشتہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر رہا ہے۔ ہر جگہ ارشاد یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو پانی برساتا ہے، وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو حکم دیتا ہے وغیرہ۔ یہ اسی لئے ضروری ہے کہ اللہ کے تصور میں کہیں فرشتے کی شرکت بھی شامل نہ ہو جائے۔

توحید کے تصور کو خالص اور مستحکم کرنے کے لئے قرآن میں باری تعالیٰ نے مختلف موقعوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے پہلو کو بھی صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ اے نبی! ان سے کہہ دو میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا، مجھے وحی کے ذریعہ بتایا جاتا ہے کہ تمہارا خدا تو بس ایک اللہ ہے۔" بالکل یہی الفاظ سورہ حٰم السجدہ میں دہرائے گئے ہیں۔

مالک رام لکھتے ہیں کہ بعض غیر مسلموں (غالباً آریہ سماجی) نے اعتراض کیا کہ اسلام تو شرک کا مخالف ہے پھر کلمۂ شہادت میں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کیسے شریک ہو گیا! مالک رام کا کہنا ہے کہ محمدؐ کے ساتھ رسول اللہؐ جوڑ کر تاکید کی جا رہی ہے کہ جب مومن دل سے اور زبان سے لا الٰہ اللہ کہے تو اس کے ساتھ اس کا بھی اعلان کرتا جائے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، نعوذ باللہ اللہ نہیں ہیں۔ یہ تو عین توحید کا اظہار ہوا۔

ایمان کے اجزا میں یہ بھی ہے کہ تمام انبیاء کرام، نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، صحائف آسمانی اور آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لایا جائے۔ ۲۳ سال کی مدت میں جستہ جستہ قرآن مجید کی آیتیں کس طرح نازل ہوتی رہیں، پھر حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ان سب کو مصحف کی شکل کیسے دی گئی یہ سب جانتے ہیں، اس وقت سے لے کر اب تک کلام پاک کا مطالعہ دنیا کے گوشے گوشے میں دن رات جتنے لوگوں نے کیا اور کر رہے ہیں ان کی تعداد کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ ان سب کے پڑھنے اور سمجھنے کے طریقے بھی جدا جدا ہیں۔ عالموں کا عرفان اور ہوگا اور ہم جیسے کم علموں کا کچھ اور۔ سمندر میں غوطہ زن جتنی گہرائی میں جاتے ہیں اتنے ہی زیادہ آبدار موتی نکالتے ہیں۔ کلام ربانی کی حکمت، اعجاز بیان اور پیام کے مطالب ہر زمانے میں لکھے گئے اور آئندہ بھی لکھے جاتے رہیں گے۔ یہ سلسلہ علم کے اضافے کے ساتھ جاری رہے گا۔ جیسے جیسے حقائق بے نقاب ہوتے جائیں گے، قرآن کے مطالب بھی زیادہ واضح ہوتے جائیں گے۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید کا پیغام ابدی پیغام ہے اس میں بنیادی حقیقتیں ہیں جن کو سمجھانے کی خاطر ہر زمانے میں

تشریحات اور تفسیریں لکھی جاتی رہی گیں۔ انس بن مالک، ابن عباس، سعید بن جبیر، عکرمہ سے لے کر زمخشری اور ہمارے ملک میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مودودی، مولانا عبدالماجد دریابادی، ان سب نے قرآن سمجھنے میں ہمیں روشنی عطا کی ہے جس کی بدولت جو مسائل پہلے ہماری فہم سے باہر تھے ان میں سے بہت سی باتیں اب صاف ہو چکی ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ سب سے پہلی سورہ علق کی پانچ آیتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نازل ہوئیں وہ تھیں: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ٥ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥

آیئے ہم اس پیغام پر کچھ دیر کے لئے غور کر کے دیکھیں کہ اولین پیغام کی حیثیت سے اس کی اہمیت کیا ہے؟ یہ آیتیں ایک طرح سے Preamble ہے جو آگے کہا جانے والا ہے اور ایک طرح سے حکم ہے۔ پہلا لفظ "اقراء" پڑھ ہے۔ پھر پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھ۔ یہ حکم اللہ کے رسول کے ذریعے انسانوں کے ایسے گروہ کے سامنے پیش کیا جانے والا تھا جو بدترین قسم کے شرک اور توہمات میں ڈوبے ہوئے تھے، جن کے نزدیک "رب" کا تصور "لات و عزیٰ" کی صورت میں تھا جو ہبل اور منات میں شان الوہیت دیکھتے تھے۔ ان کے اس غلط اور باطل تصور کو درست کرنے کے لئے ضروری تھا کہ انھیں بتلایا جائے کہ "اس رب کے نام کے ساتھ پڑھ جس نے جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی"۔ اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اس عالم کون و مکان میں مثلاً آفتاب پرنور ماہتاب، عریض ترین سمندر، بلند قامت کوہ، درخشندہ ستارے، چیونٹی جیسی حقیر شے سے وھیل جیسی عظیم الجثہ جاندار کی موجودگی میں انسان کی آفرینش کا ذکر اولین پیغام الٰہی میں کیوں ہوا؟ یوں تو پورے عالم کی ہر ذی روح کی تخلیق کا عمل بالخصوص رحم مادر میں گزرنے والے مراحل، خداوند قدوس کی صناعی اور قدرت کا مظاہر ہوتا ہے لیکن انسانی تخلیق کا عمل سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ یہاں نہ صرف جسمانی ساخت کی تدریجی منزلیں قابل توجہ ہوتی ہیں، پیدا ہونے والے بچہ میں جین (gene) کی اہمیت جس سے آگے چل کر عقل، تمیز اور شعور آتا ہے جس کی بدولت اس کی صلاحیتیں اور نفسیات تشکیل پاتی ہیں، قدرت کا عجیب ترین کرشمہ ہے جس کی مثال پورے نظام فطرت میں اور کوئی نہیں ملتی ہے۔ خود اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے، لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ "ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا"۔

غور کرنے کی بات ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہی "بہترین ساخت" کا انسان اپنی بداعمالیوں اور صلاحیتوں کے غلط استعمال سے ارذل بن جاتا ہے۔ یہی فرق انسان کو دوسرے جانداروں سے ممیز کرتا ہے۔ قرآن کا پہلا پیغام انسان کو اسی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کی توجہ "قلم" کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے جو نہ صرف علم کے لئے آلۂ کار بنتا ہے بلکہ حصول علم کی علامت بن جاتا ہے اسی کی بدولت انسان نے وہ سب کچھ جانا جو وہ نہیں جانتا تھا جس علم پر اسے ناز ہے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فیضان رحمت ہے۔ خلا کا سفر ہو یا کمپیوٹر کے حیرالعقل کرشمے، ایٹمی طاقت کی دریافت ہو یا سمندر کی عمیق گہرائیوں کی تحقیق۔

یہ سب اسی ذات باری کی بدولت ہے۔

میری ان معروضات کو سننے کے بعد ممکن ہے آپ کے دل میں خیال پیدا ہو کہ میرا نقطہ نظر دنیاوی ہے اور میں توحید کی تاویلات مادّی پہلو سے کر رہا ہوں، روحانی طریقوں کو نظر انداز کر کے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حق شناسی اور راہ سلوک کی منزلیں دوسرے طریقوں سے بھی کامیابی کے ساتھ طے پا سکتی ہیں لیکن جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ ان سے بہت علاحدہ بھی نہیں ہے۔ مشہور صوفی بزرگ اور عالم اولیں زمانہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا آج سے ایک سو برس پہلے کا واقعہ سناتا ہوں۔ ایک روز ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ توحید دریافت کیا۔ اس نے اپنے مرض کو ظاہر کیا کہ دل جمتا نہیں کہ خدا ہے۔ حضرت نے بڑے زور سے چیخ ماری کہ گو میں ان کو نہیں دیکھتا ہوں مگر ان کی قدرت کو ضرور دیکھتا ہوں۔

ایمان کا ایک جز انبیاء کرام اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا ہے۔ لیکن جب کہ نبی آخرالزماں تشریف لے آئے اور آپ پر نازل کی ہوئی کتاب قرآن کریم بھی ہمارے درمیان موجود ہے تو پھر آپ سے قبل کے انبیاء اور ان کے صحیفوں پر ایمان لانے کی ضرورت کیا ہے؟ اور وہ بھی ایسی صورت میں جب کہ قرآن مجید کے سوا باقی کتابوں میں اتنی تحریف ہو چکی ہو کہ موجودہ شکل میں ان کو اللہ کی کتاب کہنا ہی درست نہ ہوگا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح کسی کتاب کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہوں تو آخری ایڈیشن معتبر مانا جاتا ہے۔ اسی طرح جب ہمارے سامنے قرآن پاک آسمانی صحیفوں میں سب سے معتبر ایڈیشن موجود ہے تو اس سے پہلے ایڈیشنوں کی طرف توجہ کیوں کی جائے؟ پھر اللہ کا حکم یہ بھی ہے کہ انبیاء کرام کے مابین امتیاز نہ برتا جائے۔ ہمارے رسول کریمؐ ایک بار صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ بات حضرت موسیٰؑ کی ہو رہی تھی۔ آپؐ نے ایک تنکا اٹھا کر فرمایا: قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھ میں اور موسیٰ میں اس تنکے کے برابر بھی فرق نہیں ہے۔

ان باتوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بھی عقیدۂ توحید مضمر ہے۔ رسول اللہ سے پہلے کے نبیوں کی بات نہ ہوتی اور صرف محمد بن عبداللہ کو واحد رسول ماننے کے لئے کہا جاتا تو اس کا پورا امکان تھا کہ انسانی فطرت کے تقاضے کے تحت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان رسول کے بجائے الوہیت کے مقام پر پہنچا دیتے اور توحید کا تصور زائل ہو جاتا۔ لوگ اسلام کو ایک بالکل نیا دین سمجھنے لگتے اور زمان و مکان کے لحاظ سے احکام الٰہی کی جو ندریجی صورت انبیاء کرام کے سلسلے سے پیدا ہوئی وہ نہ ہوتی۔ آج ہم قرآن کی مختلف سورتوں میں انبیاء کرام کا ذکر اور ان کی بنیادی تعلیم کا ذکر پڑھتے ہیں۔ حضرت نوحؑ کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (اعراف ۵۹) "ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا: اے برادران قوم، اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔" اللہ کا یہی حکم حضرت نوحؑ

کے بارے میں سورہ المومنون کی آیت ۳۲ میں، حضرت ھودؑ کے بارے میں سورہ الاعراف کی آیت ۶۵ میں، حضرت صالحؑ کے بارے میں سورہ الاعراف کی آیت ۷۳ میں، حضرت شعیبؑ کے بارے میں اسی سورہ کی آیت ۸۵ میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سورہ الانبیاء کی آیت ۱۰۸ اور سورہ النحل کی آیت ۳۶ میں پھر جملہ انبیاء کرام کے بارے میں سورۃ الانبیاء کی ۲۵ آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے : وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۔ ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔ ان سب آیتوں میں یہ بھی خیال رکھئے کہ گو آیتیں مختلف مقام پر اور مختلف سورتوں میں آئی ہیں لیکن وحدانیت کے حکم کے الفاظ مشترکہ طور پر یکساں ہیں۔ یہ محض اتفاقی امر نہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ظہور کے سلسلے میں ایک پرانی بحث یہ رہی ہے کہ ہندوستان میں نبی مبعوث ہوئے یا نہیں؟ یہ بات عقل کو نہیں لگتی ہے کہ ہندوستان جیسی وسیع و عریض اور قدیم سرزمین جو علم و فن کا گہوارہ رہا ہو جس پر زمانے کے لحاظ سے آج بھی اعلیٰ طرز کی تہذیب کے آثار نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم رہی ہوگی، خصوصاً جب کہ سورہ النحل کی آیت ۳۶ میں ہم پڑھتے ہیں وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۔ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔ پھر سورہ ابراہیم کی آیت ۴ میں بھی صاف کر دیا گیا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۔ ہم نے اپنا پیغام دینے کے لئے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے، اس نے اپنی قوم کی زبان میں پیغام دیا ہے تاکہ وہ انہیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے۔

ان آیات کی روشنی میں یہ مان لینے میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہئے تھی کہ اس ملک میں بھی نبی آئے ہوں گے مگر اسے تسلیم کر لینے میں ہماری الجھن دو باتوں کی وجہ سے بڑھتی ہے، اوّلاً تو یہ کہ کسی ہندوستانی نبی کا نام قرآن مجید میں نہیں آیا ہے، دوسرے یہ کہ یہاں اتنی شدت کے ساتھ بت پرستی کی رسم و رواج پا گئی ہے کہ دل قبول نہیں کرتا کہ یہاں وحدانیت کی تعلیم آئی ہوگی، مگر تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ اسلام کے ظہور سے پہلے حضرت ابراہیم جیسے موحد کی بنائی ہوئی عبادت گاہ میں کیسے کیسے ۳۶۰ بت براجمان ہو گئے تھے۔ رہا ناموں کا قرآن میں نہ آنا تو اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قرآن کے اوّلین مخاطب عرب تھے جو ہندوستان اور یہاں کی راہ و رسم سے لاعلم تھے، اس لئے وہ کوئی ایسا نام کیوں کر قبول کرنے پر آمادہ ہوتے جس سے وہ واقف نہیں تھے۔ وہ طرح طرح کے سوالات کرتے جن کا اس وقت جواب دیا جانا آسان نہ ہوتا۔ رہی بات بت پرستی کے رواج پانے کی تو عوام الناس کی جہالت اور ناواقفیت، برہمنیت کے تسلط اور توہمات پر عقیدے کی بنیاد کا لازمی طور پر نتیجہ یہی ہونا تھا

ہندوستان میں ماضی بعید میں نبیوں کی آمد کی بات آج کی جائے تو اسے لازمی طور پر سیاسی رنگ دے دیا جائے گا اور سمجھا جائے گا کہ ایسا خیال ظاہر کرنا گو یا نیشنل انٹیگریشن یا جذباتی ہم آہنگی کی تبلیغی کوشش ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ ہمارے بعض مسلمان بزرگوں نے یہاں کے حالات کا مطالعہ کر کے اور روحانی تصرف سے کام لیتے ہوئے اس خیال کی تائید کی ہے کہ ہندوستان میں نبی گزرے ہیں۔ تقریباً سو برس پہلے حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی گزرے ہیں جو مشہور و مقبول عالم اور صوفی تھے جن کے ایک خلیفہ مونگیر کے حضرت مولانا محمد علیؒ تھے، شاہ صاحبؒ کے سوانح و ملفوظات "کمالات روحانی" کا ایک اقتباس سنئے:

"مولانا مولوی مفتی عبداللطیف صاحب نے فرمایا کہ حضرت (شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی) نے ہم سے سوال کیا تم کو یہ معلوم ہے کہ میں مرادآباد میں کیوں بیٹھا ہوں؟ ہم چپ رہے۔ پھر خود ہی فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ آفاق رحمۃ نے مجھے یہاں بیٹھنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ یہاں ایک نبی کی قبر ہے۔ اس تقریر پر مولانا محمد علی مونگیری نے تصدیق کی کہ مجھ سے بھی فرمایا ہے بلکہ وہ جگہ بھی بتادی کہ وہ ٹیلے پر مزار ہے و نیز راقم الحروف سے بھی ایک مجمع عام علما میں فرمایا کہ ہندوستان میں بہت مزاریں نبیوں کی ہیں بلکہ اس مرادآباد میں بھی ایک مزار ہے۔"

صوفی باعمل حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ علم ظاہر و باطن میں یگانۂ روزگار تھے، ان کا انتقال ۱۱۹۵ھ میں ہوا۔ ان کے پیر و مرشد شاہ سید محمد بدایونیؒ کی مجلس میں ایک شخص نے اپنا خواب بیان کیا کہ اس نے کرشن کنہیا کو آگ کے شعلوں میں جلتے دیکھا اور رام چندر کو دریا کے کنارے کھڑا دیکھا۔ شاہ صاحب نے خواب کی تعبیر پوچھی تو حضرت مرزا مظہر جانجاناں نے فرمایا کرشن میں جذب تھا اس لئے وہ آتش عشق میں تھا اور رام چندر میں سلوک تھا اس لئے وہ آگ سے دور دریا کے کنارے پر کھڑا تھا۔ مرزا صاحب اپنے فارسی کے مکتوب چہارو ہم میں فرماتے ہیں: "در ممالک ہند نیز بعثت انبیا ہو رسول واقع شدہ است" یہ پورا خط کمالات رحمانی میں صفحات ۱۰۲ تا ۱۰۷ پر منقول ہے۔

زمانہ حال میں مولانا حسرت موہانی جیسا صوفی منش مسلمان جو تیرہ بار حج کر چکا ہو جس پابندی سے اجمیر کے عرس میں شرکت کرتا تھا اتنی ہی پابندی سے گوکل اشٹمی کے دنوں میں متھرا کی یاترا کیا کرتا تھا۔ دلی کے صوفی حضرت خواجہ حسن نظامی بھی کرشن جی سے عقیدت رکھتے تھے۔ ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس کا قائل رہا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے محروم نہیں رہی اور یہاں ایسی ہستیاں گزری ہیں جن کے نبی ہونے کا پورا امکان موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے علمائے کرام اور محققین نے اس مسئلے پر جتنی توجہ دی جانی چاہیے تھی اتنی نہیں دی اس لئے صحیح صورت حال سے اب تک ہم پوری طرح واقف نہیں ہو سکے ہیں یہ کوئی سیاسی مصلحت کوشی نہیں ہوگی بلکہ حقیقت کی تلاش ہوگی، جو ہمارا فرض ہے۔

۲

یہ مسئلہ ماضی میں کافی بحث کا موضوع بنا رہا کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے یا نہیں، اشاعرہ اس کے قائل تھے اور معتزلہ کو اس سے انکار تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی ؒ نے سیرۃ النبی کی جلد سوم میں بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں: "سب سے زیادہ سیر کن بحث ابن رشد ؒ کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا کیوں کہ منطقیانہ حیثیت سے دعوا اور دلیل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی ہے۔" میں اس خیال سے اتفاق کرتا ہوں۔ مجھے معجزہ کی حقیقت تسلیم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ اپنے بنائے ہوئے قانونِ فطرت کو جب چاہے جس طرح چاہے بدل دے، لیکن اسے میں ایمان لانے کا وسیلہ نہیں سمجھتا۔ فرعون کے دربار میں جو جادوگر اکٹھے ہوئے تھے وہ حضرت موسیٰ کے عصا کو خوفناک اژدہے کی صورت میں بدلتے ہوئے دیکھ کر متاثر ضرور ہوئے اور ان پر ایمان لے آئے لیکن آج کے زمانے میں وہ معجزہ ہمارے لئے Relevance نہیں رکھتا ہے کیونکہ کوئی شخص محض اس واقعہ کو سن کر یا اسے پڑھ کر حضرت موسیٰ پر ایمان لانے کے لئے نہیں تیار ہوگا۔ حضرت ابراہیم پر آگ سرد ہوگئی۔ آج ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے تو یہ نہیں ہوتے دیکھا اور اگر یہی ایمان لانے کا ثبوت ہو سکتا ہے تو پھر اس طرح کے جتنے خوارق اور مذہبوں کی کتابوں میں ملتے ہیں ان سب کو تسلیم کیوں نہ کر لیا جائے۔ پیغمبر اسلام سے کفار قریش نے طرح طرح کے معجزے طلب کئے، سورہ بنی اسرائیل میں اس طرح ان کا ذکر آیا ہے:

"اور کافروں نے کہا ہم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ نہ بہادو، یا تمہارے قبضہ میں کھجور اور انگور کا ایک باغ نہ ہو اور پھر تم اس کے بیچ میں نہریں نہ بہا دو یا جیسا کہا کرتے ہو، آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرادو، خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر نہ لے آؤ یا تمہارے لئے ایک سونے کا گھر نہ ہو جائے، یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور ہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا یقین اس وقت تک ہم کو نہ ہوگا جب تک وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں" (آیت ۹۰۔۹۳)۔ اس مطالبے کے جواب میں رسول اللہ کے لئے ارشاد ربانی ہے: "اے پیغمبر ان لوگوں سے کہدو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف الہام کیا جاتا ہے۔" (سورہ انعام ۔۵۰) درحقیقت رسول اللہ کو بارگاہ الٰہی سے جو سب سے بڑا معجزہ عطا ہوا وہ قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے (کفار کے مطالبۂ معجزہ پر) "کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے

اس پر کتاب اتاری ہو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے" (عنکبوت ۵) ۔ اس کی تشریح خود رسول اللہ نے فرمائی: "پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر معجزات عطا فرمائے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے ۔ لیکن مجھے جو معجزہ مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے جس کو اللہ نے مجھ پر اتارا" (سیرۃ النبی جلد ۳ ص ۵۱۷) ۔ قرآن مجید نازل ہونے کے زمانے میں بھی معجزہ تھا، آج بھی معجزہ ہے اور قیامت تک رہے گا ۔ دوسرے معجزات جو خاص حالات اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوئے ، دنیا کے دوسرے حوادث کی طرح فنا ہو گئے ۔

اعجاز قرآن کے کئی پہلو ہم کو اس وقت بھی نظر آتے ہیں اور جیسے جیسے زمانے کے ساتھ علم اور تحقیق کے مزید دروازے کھلتے جائیں گے اور پہلو بھی واضح ہوتے جائیں گے ۔ آج کی مجلس میں جی چاہتا ہے کہ اپنے ان خیالات میں آپ کو بھی شریک کروں جو معجزہ قرآن کے سلسلے میں میرے ذہن میں آئے ہیں ۔

قرآن مجید کو مسلمانوں کے سوا اور لوگ اللہ کا کلام تسلیم کریں یا نہ کریں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جو کتاب اللہ ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کا ایک ایک لفظ وہی ہے جو پیغمبر آخر الزماں پر ۲۳ سال کے عرصے میں نازل ہوا ۔ مشہور ماہر اسلامیات ڈاکٹر حمید اللہ نے ایک خطبے میں فرمایا کہ ۔ ۔ ۔ ۴۲ قرآنی نسخوں کے فوٹو لئے جا چکے ہیں ۔ سہو کاتب کے سوا کہیں اختلاف روایت نہیں ان نسخوں میں مطبوعہ نسخے بھی تھے اور قلمی بھی جو دنیا کے گوشے گوشے سے جمع کئے گئے تھے ۔ فرق صرف آیتوں کے نمبر لگانے میں مختلف مطبوعہ نسخوں میں ملتا ہے ۔ بعض میں ان کی تعداد ۶ ہزار کسی میں ۶۶ ،۶ کسی میں ۶۲۳۶ یا ۶۲۲۶ ہو جاتی ہے لیکن عبارت میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا ہے ۔ اب غور کیجئے کہ قرآن کی آیتیں ایک امی پیغمبر پر نازل ہوتی ہیں اس وقت جبکہ نہ کاغذ تھا نہ طباعت کا کوئی ذریعہ ۔ پھر یہ بھی نہیں کہ یہ سب مسلسل ہوتا رہا ۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں ، وحی کا نزول ۲۳ سال کی مدت میں وقتاً فوقتاً ہوا ، اور اب ساڑھے تیرہ سو سال کے گزر جانے پر بھی اس کتاب کی صحت برقرار ہے ۔ یہ اس لئے ممکن ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی حفاظت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ۔ اسی نے ساری دنیا میں لاکھوں انسانوں کو یہ صلاحیت اور توفیق بخشی کہ وہ اسے شروع سے آخر تک اپنے سینوں میں محفوظ کر لیں ۔ دلچسپ بات یہ کہ ان حفاظ کرام میں سے ایک بھاری تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کے لئے قرآن کی زبان بالکل اجنبی ہے ، ایک بڑی تعداد ان کی ہے جو نابینا ہیں ۔ دنیا کی کوئی اتنی ضخیم مقدس کتاب ایسی دیکھنے میں نہیں آئی جس کے حافظ قرآن کے حفاظ کی طرح ہوں ۔ یہ قرآن مجید کا بڑا معجزہ ہے جو ہمارے سامنے اور بعد کے زمانے میں بھی ہمیشہ ظاہر ہوتا رہے گا ۔

یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ کوئی مصنف کتاب تصنیف کرتا ہے تو اسے شائع کرنے یا لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے خوب احتیاط برتتا ہے کہ کہیں متضاد باتیں تو نہیں آ گئی ہیں ۔ لیکن قرآن مختلف وقتوں میں نازل ہوتا رہا اور ان ٹکڑوں کی تدوین بعد میں ہوئی پھر بھی جیسا سورہ النساء کی آیت ۸۲ میں ارشاد ہوتا ہے : "کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے ، اگر

یہ کسی غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو انھیں بہت سے اختلافات نظر آتے ہیں۔

قرآن پاک کی زبان بھی ایک معجزہ ہے اور یاد رہے، آیتیں ایک اُمّی نبی کی زبان مبارک سے نکل رہی ہیں جس کا بچپن اور لڑکپن کسی مدرسہ میں یا کسی استاد کے سامنے بیٹھنے کے بجائے بکریاں چرانے میں گزرا ہو۔ جہاں تک زبان کے فصیح و بلیغ ہونے کا تعلق ہے، جو چیلنج قرآن نے فصحائے عرب کو اس وقت دیا تھا فاتوا بسورۃ من مثلہ وہ چیلنج آج کے بڑے سے بڑے ادیب اور اسکالروں کے لئے بھی قائم ہے۔ کیا آپ اسے معجزہ نہیں مانیں گے۔

مجھے مرتے دم تک اس بات کا افسوس رہے گا کہ عربی زبان سے جیسی واقفیت قرآن مجید کی باریکیوں کو سمجھنے کے لئے درکار ہے، وہ میں حاصل نہ کر سکا، اس وجہ سے قرآن کی فصاحت و بلاغت پر، جو خود معجزہ ہے، کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ لیکن اپنی کم علمی کے باوجود جو چند باتیں قرآن کے مطالعے کے دوران سامنے آئیں وہ آپ کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں

قرآن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی زبان نہ تو نثر ہے نہ نظم، اسے Rhythmic Prose کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اکثر و بیشتر آیتیں مقفّیٰ ہیں جن کی وجہ سے خاص انداز کا آہنگ پیدا ہوتا ہے۔ ایک آہنگ وہ ہے جو Long Vowels سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کی یہی چند آیتیں لے لیجئے، یہ جن لفظوں پر ختم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں: مُتَّقِیْن، یُنْفِقُوْن، یُوْقِنُوْن، المُفْلِحُوْن، یؤمنون، مؤمنین، یشعرون، یکذبون، مصلحون، یعلمون، یعمہون، مہتدین، یبصرون، یرجعون وغیرہ یا پھر سورہ الرحمن کی آیتیں ہیں۔ آہنگ کی دوسری قسم وہ ہے جو Short Vowels سے پیدا ہوتا ہے، آواز میں جھٹکے پڑتے ہیں، دل لرزنے لگتا ہے بمعنی نہ بھی سمجھ میں آئے، آواز کا زیر و بم اپنا اثر کرتا ہے۔ یہ آہنگ ان سورتوں میں پایا جاتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے جلال کا ذکر آتا ہے یا قیامت کا منظر بیان ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ تکویر کی آیتوں پر غور کیجئے، اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ ہر آیت Short Vowels کے لفظوں پر ختم ہوتی ہے۔ اسی طرح سورہ انفطار، سورہ البروج کی آیتوں پر غور فرمائیے یا پھر سورہ المرسلٰت کی ابتدائی آیتیں پڑھیے۔ المرسلٰت کی آیتیں ہیں :- وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝ یہ قرآن کی معجز بیانی ہے۔ اسی آہنگ کی وجہ سے جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خواہ اس کے معنی سمجھ میں نہ بھی آئیں دل پر خاص قسم کا اثر ہوتا ہے، صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ جو مسلمان نہیں ہیں ان کے دلوں پر بھی بالخصوص جبکہ آیت کی تلاوت تجوید کے اصولوں سے کی جاتی ہو۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا جو اب پیرس میں مقیم ہیں، ریڈینس میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں وہ ایک پیشہ ور موسیقار

Gills bilbert کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے کہیں ایک قاری کو کلام پاک کی کچھ آیتیں پڑھتے ہوئے سنا تو بےحد متاثر ہوا۔ قرأت میں اسے نغمگی دکھائی دی، اتنی زبردست کہ اس نے پورا قرآن اسی طرح قرأت کے ساتھ سننے کی خواہش کی۔ شاعری کسی زبان کی ہو اس کی تقطیع کرکے بحر میں ناپا جا سکتا ہے لیکن جب اسے بتایا گیا کہ قرآن نظم میں نہیں بلکہ نثر میں ہے تو اور زیادہ حیرت ہوئی۔ اس نے عربی سیکھ کر خود ہی قرآن پڑھنا شروع کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ بیس سال ہوئے کہ ان سے گلبرٹ کی ملاقات استنبول میں ہوئی تو اس نے حیرت کا اظہار کیا کہ جبکہ کسی زبان کے اشعار ہوں انھیں تقطیع کرکے ٹھیک ٹھیک ناپا جا سکتا ہے لیکن سوائے عربی اور عربی میں صرف قرآن ایسا کلام ہے جس کی نثر اسی صحت کے ساتھ ناپی جا سکتی تھی اس لئے یہ کلام الٰہی ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کی آیت کا ایک حرف بھی چھوٹ جائے تو اس کا پتا فوراً چل جاتا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب گلبرٹ، ڈاکٹر حمید اللہ سے پیرس یونیورسٹی میں ملنے گیا تو گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے اپنی پریشانی کا سبب بتایا کہ سورہ نصر میں یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا آیا ہے جو موسیقی کی measure کے اعتبار سے نہیں بیٹھتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کہا کہ اَفْوَاجًا کی تنوین کو اگلے لفظ "فَسَبِّحْ" میں مدغم کرکے پڑھئے اور وقف نبی صلعم، وقف دوسرے لفظ پر ہونا چاہیئے نہ کہ افواجاً پر۔ یہ سنتے ہی اس نے اطمینان کی سانس لی اور کہنے لگا "الحمد للہ میرا ایمان سلامت رہا، اب میری دقت دور ہو گئی"۔ میں اس معاملے پر کوئی رائے نہیں دے سکتا ہوں لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ نہایت ثقہ راوی ہیں اور وہ اپنا تجربہ بیان کر رہے ہیں اس لئے میں اسے بھی قرآن کا معجزہ ہی تسلیم کروں گا۔

قرآن پاک کی زبان کلاسیکی عربی ہے، اس لئے جیسا کہ قاعدہ ہے یہاں ایک لفظ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں جو سیاق و سباق سے تعلق رکھتے ہیں مثال کے طور پر الحمد للہ رب العالمین میں لفظ "عالمین" لے لیجئے جس کے معنی عام طور سے دنیا کی جمع "دنیاؤں" لئے جاتے ہیں لیکن یہی لفظ بنی اسرائیل کے بارے میں جب استعمال ہوتا ہے وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ تو یہاں "قوم" کی جمع "قوموں" کے معنی میں آتا ہے۔ اس لئے قرآن کا ہر لفظ کمال احتیاط کے ساتھ منتخب ہوا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ کسی شخص نے ایک بدو عرب کے سامنے وہ آیت پڑھی جس میں چور کے ہاتھ کاٹے جانے کا حکم آتا ہے۔ اس کے آخر میں واللہ عزیز حکیم کی جگہ وہ غفور الرحیم پڑھ گیا۔ بدو چونکا اور بولا "یہ آیت پھر پڑھو۔ دوسری بار اس شخص نے صحیح الفاظ عزیز حکیم پڑھے۔ بدو نے کہا: میں سمجھ گیا تھا کہ تم نے پہلے اسے غلط پڑھا تھا۔ اس شخص نے پوچھا "تمہیں کیا یہ آیت یاد تھی؟" بدو نے کہا "نہیں۔ لیکن ہاتھ کاٹے جانے کا سیاق عبارت بتا رہا تھا کہ یہاں لفظ "غفور الرحیم" نہیں آ سکتا"۔ یاد رکھیے کہ یہ وہ قرآن ہے جو ایک اُمّی رسول کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جیسے جیسے علم و تحقیق کا میدان وسیع تر ہوتا جائے گا قرآن کے الفاظ کی اہمیت اور معانی سے دنیا زیادہ سے زیادہ واقف ہوتی جائے گی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آج ۱۹۸۶ء میں ہم ان

تمام باتوں تک پہنچ جائیں جہاں قیامت کے قریب **محققین** کرام پہنچنے والے ہوں گے۔

آپ میں سے جن لوگوں نے اصول قانون کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ قانون کی ایک خاص زبان ہوتی ہے جو ادبی زبان سے ذرا الگ ہوتی ہے۔ نہ تو کوئی لفظ فالتو ہوتا ہے نہ کم۔ دوسرے اس کا پورا خیال رکھا جاتا ہے کہ ایک طرح کی باتیں ہوں تو ایک طرح کے الفاظ اور ایک ہی طرح کی ترتیب بھی ہو۔ آپ اگر کسی قانون داں کے سامنے ایک ادارے کا دستور لے کر جائیں جس میں درج ہو کہ:

دفعہ ۲۹: ایک تعلیمی کمیٹی ایسی مقرر کی جائے گی جس میں چھ ارکان ہوں گے اور جس میں نائب صدر کا ہونا ضروری ہوگا۔

دفعہ ۳۰: چھ ارکان پر مشتمل ایک مالیاتی کمیٹی ہوگی جس کے نائب صدر بھی ایک رکن ہوں گے۔

دونوں دفعات کے مطالب یکساں ہیں اور معنی صاف ہیں لیکن ماہر قانون اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھائے گا اور دفعہ ۳۰ کو بدل کر اس طرح لکھ دے گا، دفعہ ۳۰: ایک مالیاتی کمیٹی ایسی مقرر کی جائے گی جس میں چھ ارکان ہوں گے اور جس میں نائب صدر کا ہونا ضروری ہوگا۔ قرآن بھی یہی طریقہ اختیار کرتا ہے، ایک ہی طرح کی بات جہاں بھی آئی یکساں الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر دنیا میں جو انبیاء کرام مبعوث ہوئے انھوں نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے جو بنیادی تعلیم دی وہ بس اتنی تھی: "یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ"۔

اب دیکھئے یہی الفاظ حضرت نوحؑ کے ہیں (سورہ المومنون ۲۳)، حضرت ہودؑ نے استعمال کئے (الانبیاء ۶۵) حضرت صالحؑ نے استعمال کئے (الانبیاء ۷۳ اور سبحٰن الذی ۳۰)، حضرت شعیبؑ نے استعمال کئے (سبحٰن الذی ۸۵ اور الانبیاء ۹۰) اور جملہ انبیاء کرام کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا اَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ اِلَّا نُوحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ"۔ "ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے بس تم لوگ میری بندگی کرو" اور نبی آخر الزماں کے لئے ارشاد ہوتا ہے: "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" (اے محمد) کہدو میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔"

قانون کے دفعات میں Proviso (استثناکی شق) نہ رکھی جائے تو بسا اوقات اس کا اطلاق غلط طریقے سے بھی ہو سکتا ہے، گو ایک عام آدمی اس پہلو کی اہمیت نہیں سمجھتا ہے۔ ہندوستان کے دستور میں کئی بنیادی حقوق بشر کو دیے گئے ہیں جنھیں Fundamen 1 Rights کہتے ہیں، لیکن یہ حقوق مطلق نہیں ہیں بلکہ مشروط ہیں، انتظامیہ صحت عامہ اور اخلاق عامہ سے۔ یہ شرطیں نہ ہوں تو باغیانہ صورت حال پیدا ہو جائے۔ ایسے ہی مشروط حکم کی مثال کلام پاک میں دیکھئے، سورۃ المائدہ کی ۳۲ ویں آیت میں ہے: "جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ

سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

اب اگر اس میں پہلی دو شرطیں یعنی کسی کے خون کے بدلے اور زمین میں فساد پھیلانے کے بدلے کا سوالیہ نہ ہوتا اور صرف اس کے بعد کی عبارت ہوتی تو اس حکم کے مطابق کسی قاتل یا کسی فسادی کو بھی موت کی سزا دینا ممکن نہ ہوتا۔ ایسی کئی مثالیں قرآن میں ملتی ہیں جس کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن تیرہ سو برس پہلے نہیں بلکہ زمانہ حال میں نازل ہوا ہے۔ اس کی عبارت میں غیر معمولی تازگی محسوس ہوتی ہے۔ قرآن کے مطالعے کے دوران میں ایک بات میں نے یہ بھی دیکھی کہ بعض الفاظ ایک خاص ترتیب ہی سے آتے ہیں مثال کے طور پر آپ پڑھتے ہیں: السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، الَّیْلِ وَالنَّھَارِ، موت والحیاۃ والشمس والقمر، الرحمٰن الرحیم، ظلمٰتِ والنُّور، وغیرہ۔ قرآن مجید میں ۱۹۰ بار السمٰوٰت والارض کی ترکیب آئی ہے لیکن کہیں الارض والسمٰوٰت نہیں آیا ہے۔ الیل والنھار ۷۳ بار ایک ساتھ آیا ہے، کہیں النھار پہلے نہیں آیا۔ ظلمات والنور ۹ بار آیا لیکن نور پہلے اور ظلمت بعد کو نہیں آیا ہے۔ یہ ترکیبیں ایک سورہ میں نہیں بلکہ مختلف مقامات پر آتی ہیں۔ پہلے خیال ہوا کہ شاید یہ ترتیب عربی زبان کے محاورے کے مطابق رکھی گئی ہو لیکن میرے استفسار پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس خیال کی تائید کی کہ یہ یکسانیت قرآن کا اعجاز ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہمارے علماء کرام اور اسلامیات کے محققین ان ترکیبوں میں لفظوں کی ترتیب پر غور فرما کر اس کا راز معلوم کرتے۔

کچھ عرصہ ہوا کہ ایک مصری سائنسداں ڈاکٹر رشید خلیفہ اور ان کی امریکن انجینئر بیوی نے قرآن میں ۱۹ کے عدد کی اہمیت سے علمی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ۱۹ حروف ہیں۔ یہ عدد بہت پُراسرار اور معنی خیز ہے۔ انھوں نے قرآن مجید میں اس عدد کی اہمیت بتا کر ان نتیجوں کو جو انھوں نے حاصل کئے، قرآن کا معجزہ قرار دیا۔ ان کی تحقیق بہت دلچسپ ہے۔ مثالیں بھی انھوں نے کمپیوٹر کی مدد سے بہت سی اکٹھی کی ہیں۔ اس بات کا ساری دنیا میں بڑا چرچا ہوا، مضامین اور رسالے شائع ہوئے۔ لیکن اس تحقیق سے مقصد کیا حاصل ہوا؟ زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ پہلے ہم بسم اللہ کے لئے جُمل کے طریقے پر ۷۸۶ لکھا کرتے تھے اور اب ۱۹ لکھ سکتے ہیں۔

مطالعہ قرآن میں آپ نے غور کیا ہو گا کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو کسی صحابی کے یا ازواج مطہرات کے سلسلے میں کسی بات یا واقعہ پر نازل ہوئیں۔ مفسرین نے ان آیتوں کے شان نزول کی تفصیل بھی بتائی ہے۔ اس کے باوجود یہ سوچنے کی بات ہے کہ سوائے ابولہب اور زید بن حارثؓ کے قرآن مجید میں کسی معاصر کا نام نہیں آیا ہے۔ یہاں تک حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ جیسی عظیم المرتبت ہستیوں کے بھی نام نہیں آتے ہیں۔ سورہ برأت تو خاص طور سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں نازل ہوئی مگر ان کا نام نہیں آیا۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو ایک ایسا اصول بتانا مقصود تھا جو ہمیشہ

نہ ہو بلکہ اس کا اطلاق ہر زمانے پر ہوتا رہے، ممکن ہے اس کے اسباب اور بھی رہے ہوں لیکن میرے نزدیک یہ ایک ایسی اہم بات ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اللہ ہی کے کلام میں ہو سکتی تھی۔

کچھ لوگوں کے بارے میں سننے میں آتا ہے کہ ان کے خیال میں دنیا کے سارے علوم قرآن مجید میں موجود ہیں، گویا قرآن ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے، البتہ مجھے یہ تسلیم ہے کہ قرآن ہدایت کی کتاب ہونے کی وجہ سے مختلف علوم کے حصول کیلئے کبھی صاف صاف اور کبھی اشاروں میں کچھ گہری حقیقتوں کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ مثلاً سورہ ۱۳ کی آیت ۸: "وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ" یا سورہ الطلاق کی آیت ۳: "قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا" "اللہ نے ہر شے، ایک مقررہ مقدار یا ناپ میں بنائی" اب اس میں لفظ "قدر" پر جتنا بھی غور کیا جائے گا نئے نئے انکشافات ہوتے جائیں گے۔ قرآن حکیم میں بار بار ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ روئے زمین کی سیر کرو اور دیکھو تم سے پہلے کی قوموں کا کیا حال ہوا۔ سورہ فاطر کی آیت ۴۴ میں آیا ہے: "اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً" "کیا یہ لوگ زمین میں کبھی چلے پھرے نہیں ہیں کہ انھیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان سے بہت زیادہ طاقت ور تھے؟" کیا ٹیکسلا، ہڑپا کے آثار، مصر کے اہرام، پومپائی کے کھنڈر، ایتھنس کا ایکروپولس کے مطالعہ کی طرف یہ آیت اشارہ نہیں کر رہی ہے؟ گبن نے "عروج و زوال روما" کی ضخیم جلدوں میں جو بات کہی وہ اس مختصر قرآنی آیت کی ایک طرح سے تشریح ہی تو ہے۔

حضرات! اب میں ایک ایسے موضوع پر آنا چاہتا ہوں جو حال ہی میں ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بڑے خلجان کا سبب بن گیا تھا۔ وہ ہے شریعت اسلامی کا مسئلہ، بالخصوص مسلم پرسنل لا کی حد تک۔ پہلے ہم یہ سمجھ لیں کہ اسلامی قانون دو طرح کے ہیں، شریعت کے قوانین اور فقہ کے اصول سے مرتب کئے ہوئے قوانین۔ شریعت کے احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن میں متعین کئے ہوئے ہیں۔ ان میں عائلی قانون نکاح، وراثت اور طلاق کے بارے میں ہیں، تعزیراتی قوانین چوری، زنا وغیرہ سے متعلق ہیں، دیوانی قوانین شہادت، وصیت وغیرہ، کھانے پینے کے لئے حرام و حلال کے قاعدے ہیں، فرائض کی ادائگی نماز، روزہ، زکات، حج کے احکامات ہیں۔

رسول اللہ کی مکی زندگی کے زمانے میں زیادہ تر توحید اور رسالت کی تلقین اور تبلیغ سے سروکار رہا، ہجرت کے بعد مدنی دور کا آغاز ہوا تو ریاستی کاروبار اور شخصی زندگی کے نظم و نسق کے لئے موثر اور باضابطہ قوانین کی ضرورت پیش آئی جسے قرآنی احکامات سے پورا کیا گیا، اس کے علاوہ نبی کریم کی زندگی کے نمونے سے سنت کی تشکیل ہوتی رہی۔ ان دونوں یعنی قرآنی احکامات اور سنت رسول سے شریعت کی تدوین ہوئی۔ رسول اللہ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے

میں ایسے معاملات اور حالات پیش آئے جن کے لئے قرآن اور سنت میں واضح ہدایت نہ مل سکی تو اس وقت حضرت معاذؓ کے سلسلے حدیث نبوی سے ہدایت حاصل کی گئی۔ رسول اللہ نے حضرت معاذؓ کو ایک صوبے کا گورنر اور قاضی مقرر کیا۔ ان کے روانہ ہونے سے پہلے آپ نے حضرت معاذؓ کی Briefing اس طرح فرمائی:

"رسول اللہ نے دریافت فرمایا: تم مقدموں کے فیصلے کس طرح کروگے؟ حضرت معاذ: احکام الہٰی کے مطابق یا رسول اللہ ۔ رسول اللہ: اگر ان میں تمھیں رہنمائی نہ ملے؟ حضرت معاذ: تو پھر سنت نبوی کے مطابق ۔ رسول اللہ: اور جو اُن میں بھی تمھیں رہنمائی نہ ملے؟ حضرت معاذ: تو پھر میں اپنی عقل کے مطابق فیصلے کروں گا۔"

یہ سن کر رسول اللہ نے فرمایا "حمد وثنا ہو اس اللہ کی جس نے اپنے نبی کے پیام رساں کو اس نعمت سے نوازا جو اس کے نبی کو پسند ہے۔" گویا اس طرح شریعت کے قانون میں عقلی استدلال کی گنجائش پیدا ہوگئی۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ گنجائش زماں ومکاں سے پیدا ہونے والے حالات کے لئے نکالنے کی اجازت تھی۔ بعض علماء کرام اس گنجائش کو جسے اجتہاد کہا گیا تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں اور خطیبانہ انداز میں فرماتے ہیں "اگر کوئی دائمی، ابدی، مثالی ومعیاری، حقیقی وفطری، تمام زمان ومکان کے لئے ہمہ گیر اور قابل عمل قانون ہوسکتا ہے تو وہ اسلام کا ربّانی، و آسمانی قانون اور شریعت اسلامیہ ہے۔" اس بیان کے بعد اس پر غور فرمائیے کہ سورہ المائدہ میں چوری کرنے والے مرد یا عورت کا ہاتھ کاٹ دیئے جانے کا حکم آتا ہے۔ حکم بالکل صاف ہے۔ اس کے باوجود ایک سال عرب میں قحط پڑا تو خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ نے اس حد کی تنسیخ کردی۔ یہ عقلی استدلال سے قرآنی حکم میں عارضی طور پر لچک پیدا کئے جانے کی ایک مثال تھی۔ مشہور مترجم قرآن اور اسلامی اسکالر محمد اسد لیوپولڈ نے اس آیت پر ایک نوٹ لکھا ہے جس میں ان کا کہنا ہے کہ فرائض اور حقوق لازم وملزوم ہوتے ہیں۔ کسی حکومت کو چوری کے لئے حد نافذ کرنے کا حق اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جبکہ وہ اپنے ہر شہری کے لئے ریاست کے وسائل کے لحاظ سے اس کے کھانے، کپڑا اور مکان کی سہولت پہنچالے۔

دور نبوی کے بعد ۴۰ ہجری تک خلفائے راشدین کا زمانہ رہا۔ ان کے سامنے جو معاملات آئے ان کا فیصلہ انھوں نے قرآن اور سنت کی روشنی میں کیا یا پھر حضرت معاذؓ کی طرح عقلی استدلال سے کام لیا لیکن اکثر وبیشتر انھوں نے صحابہ کرام سے بھی اجتماعی مشورے کرکے فیصلے صادر کئے۔ خلافت کے بعد ملوکیت کا دور آیا۔ اُموی حکومت دوسری صدی ہجری تک برسر اقتدار رہی۔ اس کے بعد چوتھی صدی ہجری تک کے زمانے میں کئی بڑے بڑے ائمہ کا ذکر آتا ہے جنھوں نے حدیث و فقہ کی تدوین میں قیاس کو اصل بنانے میں بہت کچھ کام کیا۔ اسی دور میں کوفہ میں امام ابوحنیفہ (۸۰ سے ۱۵۰ھ)، امام مالک ابن انس (۹۰ - ۱۷۹ھ) مدینہ میں، امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ) مکہ میں، اور امام احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ) بغداد میں فقہ کی تدوین

میں مشغول رہے۔ ان سبھوں نے پہلے قرآن پھر سنت نبوی کو اصل ماخذ قرار دیا۔ پھر خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی اولیتوں کو سامنے رکھا۔ اس کے بعد ضرورت کے مطابق اجتہاد سے کام لیا۔ ان کے بعد ان ائمہ اربعہ کے بہت سے شاگردوں نے بھی اپنے طور پر اجتہاد کیا جس میں کئی مقامات اور مسائل میں انھوں نے اپنے امام سے اختلاف بھی کیا۔ ان سب کارروائیوں کے بعد جو مسلک یا مذہب تیار ہوا، عام طور سے آج بھی ان ہی کی تقلید کی جا رہی ہے۔ گویا مزید اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس مختصر تاریخ سے یہ ظاہر ہو چکا ہوگا کہ فقہ اسلامی کے چار ماخذ تھے، قرآن، سنت، قیاس اور اجماع۔ یہاں یہ بات ذہن میں واضح طور پر رہے کہ قرآن اور سنت کے احکامات سے قطع نظر قیاس اور اجماع سے جو قانون بنا وہ آسمانی اور ربانی نہیں بلکہ انسانی ذہن و فکر کا نتیجہ ہے جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک خاص وقت یا خاص سماج کے لیے صحیح رہا ہو مگر آج یا ہر جگہ کے لئے نہیں ہے۔ علامہ اقبالؔ کے الفاظ میں: "یہی قیاس جو شروع شروع میں مجتہدوں کی ذاتی رائے کا ایک دوسرا نام تھا، آخر کار شریعت اسلامیہ کے لیے حرکت و زندگی کا سرچشمہ بن گیا۔"

خود ائمہ اربعہ نے بھی اس کا دعوا نہیں کیا کہ جو فقہ انھوں نے تدوین کی وہ حرف آخر تھی اور اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں تھی۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول تھا: "یہ میری رائے ہے تمھیں اس سے بہتر رائے حاصل ہو تو بلا حجت اسے قبول کر لو۔" امام مالکؒ فرماتے تھے: "میں بھی ایک بشر ہوں میری رائے صحیح ہو سکتی ہے یا غلط، اس لئے میری رائے کو کتاب اللہ اور سنت کی کسوٹی پر جانچو۔" امام شافعیؒ نے فرمایا: "جب تمھیں کوئی صحیح حدیث میری رائے کے برخلاف مل جائے تو میری رائے کو دیوار پر دے مارو۔" امام حنبلؒ اپنے پیرؤں کو کہا کرتے تھے: "میری تقلید کرو نہ مالک کی اور نہ شافعی کی۔ تم بھی اسی طرح غور و فکر سے کام لیا کرو جیسا کہ میں نے کیا ہے۔"

امام ابن تیمیہ (۸ ویں صدی ہجری) حنبلی مسلک کے تھے لیکن کئی مسئلوں میں امام حنبل کی فقہ سے مختلف رائے رکھتے تھے۔ طلاق کے معاملے میں تو وہ سنی فقہ کے بجائے شیعی فقہ کو ترجیح دیتے تھے یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو وہ ایک طلاق تسلیم کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ استنباط مسائل میں فقہا میں اختلاف تھا۔ حنفیہ کو بہت شدت سے غلو تھا، حنابلہ اور مالکیہ اس سے بہت کم کام لیتے تھے۔ شافعیہ ان دونوں فریق کے بین بین تھے۔ بعض اہل حدیث اور شیعہ اس سے الگ تھلگ تھے۔

ان ہی حالات کے پیش نظر ہندوستان میں بھی وقتاً فوقتاً فقہ اسلامی پر نظر ثانی کی آواز اٹھتی رہی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام مولانا شبلی نعمانی نے ایک مکتوب میں لکھا کہ نکاح، وراثت، تعزیرات، تعدد ازدواج پر تحقیقی مضامین لکھنے کی ضرورت ہے لیکن اس مسئلے کی اہمیت پر سب سے زیادہ علامہ اقبال نے زور دیا۔ فرماتے ہیں: "میں نے زندگی کا زائد حصہ اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست، تہذیب و تمدن اور ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا ہے۔" "میں اس قدر کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ حالات زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب آجانے کی وجہ سے بعض ایسی تمدنی ضروریات پیدا ہو گئی ہیں کہ فقہا کے استدلالات جن کو

عام طور پر شریعت اسلامی کہا جاتا ہے، ایک نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ . . " قرآن شریف اور احادیث کے وسیع اصولوں کی بنا پر جو استدلال فقہا نے وقتاً فوقتاً کئے ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جو خاص خاص زمانوں کے لئے واقعی مناسب اور قابل عمل تھے مگر حال کی ضروریات پر کافی طور پر حاوی نہیں رہیں۔

ہر مسلک کے خواہ وہ سنی کے ہوں یا شیعہ کے، دو حصے ہیں: ایک کا تعلق عبادات کے طریقوں سے ہے مثلاً یہ کہ نماز میں ہاتھ ناف سے نیچے باندھے جائیں یا سینے پر یا بالکل نہ باندھے جائیں، رکوع اور قیام میں رفع یدین کیا جائے یا نہیں امام کے پیچھے مقتدی بھی سورہ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ وتر کی نماز ایک رکعت ہو یا تین، دعائے قنوت بیٹھ کر پڑھی جائے یا کھڑے ہو کر، عیدین کی نماز میں کتنی زائد تکبیریں ہوں، افطار غروب آفتاب سے کتنی دیر بعد کیا جائے وغیرہ۔ ان اختلافات کا معاشرے پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ اس لئے اگر لوگ چاہیں تو یہ بدستور قائم بھی رہ سکتے ہیں۔ اگر ایک گھر میں باپ حنفی اور بیٹا حنبلی مسلک کے مطابق عبادت کرتا ہے تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ لیکن جب ہم ان مسائل پر نظر ڈالتے ہیں جن کا تعلق عائلی قوانین (پرسنل لا) یا تعزیراتی قوانین یا دیوانی مسئلوں سے ہوتا ہے تو معاملہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ طلاق کا مسئلہ لیجئے۔ حنفی مسلک کے مطابق اگر کوئی شخص کسی جبر کے تحت یا نشے کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاق ایک ساتھ دیتا ہے تو طلاق ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر وہ شخص اس عورت سے رجوع کرتا ہے تو یہ حرام کاری ہوگی جس کی سخت سزا مقرر ہے اور اگر اس کے بعد کوئی اولاد ہوتی ہے تو شریعت اسے ناجائز قرار دے گی لہٰذا وہ اولاد وراثت کی حقدار نہ ہوگی۔ فقہ حنفی کا یہ قاعدہ شریعت اسلامی کا ایک جز ہوگا۔ اس کا تعلق ایک مرد کی اپنی ذات سے بڑھ کر، ایک عورت اور اس کے ان تمام بچوں پر پڑے گا جو اس طلاق کے واجب ہونے کے بعد پیدا ہوں گے۔ اب فرض کر لیجئے کہ وہ شخص کہتا ہے کہ وہ شافعی مسلک رکھتا ہے تو اس صورت میں اس کی تین طلاقیں صرف ایک مانی جائیں گی، لہٰذا وہ اپنی بیوی سے رجوع بھی کر سکتا ہے اور اس کے بعد کی اولاد بھی جائز ہوگی اور وراثت کی حقدار۔ یہ بھی شریعت اسلامیہ ہوئی۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ مسلم پرسنل لا کسے کہیں گے؟ شافعی مسلک کے قانون کو یا حنفی مسلک کے قانون کو؟ میرے علم میں ایک واقعہ ہے کہ ایک صاحب کے ساتھ بالکل وہی صورت حال پیش آئی جو میں نے ابھی بیان کیا۔ نشے کی حالت میں انھوں نے بیوی کو طلاق دیدی۔ جب نشہ ہرن ہوا تو لوگوں نے انھیں بتایا کہ ان کی بیس سال کی بیاہتا بیوی ان پر حرام ہو چکی ہے۔ بہت سٹ پٹائے، جدھر گئے فتویٰ وہی ملا۔ اتفاق سے شہر میں ایک شافعی مصلیٰ کی مسجد تھی، اس کے امام کے پاس پہنچے، انھوں نے شافعی مسلک بتایا جس کی رو سے ایک طلاق مانی جاتی۔ پس ان حضرت نے فوراً اعلان کر دیا کہ اب وہ شافعی مسلک کے ہو گئے ہیں۔ آپ چاہیں تو اسے نامناسب طریقہ کہیں لیکن اس کے جائز ہونے میں کوئی کیسے معترض ہو سکتا تھا:

ایک اور مثال سنئے راوی مولانا غلام احمد اکراچی ہیں۔ ایک انگریز میاں بیوی مسلمان ہوئے۔ چند ہی دنوں آپس کی ناچاقی میں شوہر نے بیوی سے ایسے کلمات کہہ ڈالے کہ مذہب حنفی کی رو سے طلاق مغلظہ ہو گئی۔ یہ ماجرا ایک مسلمان دوست نے سنا تو انھوں نے شوہر سے کہا کہ تمہارا تو نکاح ہی فسخ ہو گیا۔ اب نومسلم میاں بیوی بہت پریشان ہوئے ...... بعض معتبر نقیبوں سے رجوع کیا گیا مگر ہر جگہ سے طلاق قطعی کا فیصلہ ملا۔ پھر وہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے یہاں پہنچے۔ انھوں نے پوچھا کہ مفتی محمد شفیع سے پوچھے، انھوں نے بتایا کہ وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے پوچھا "آپ کا کیا جی چاہتا ہے کہ جواب برعکس ہے؟" اس پر وہ چپ ہو رہے۔ دوسرے دن مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مفتی محمد شفیع ایک جلسے کے بعد چائے پی رہے تھے تو علامہ نے وہ مسئلہ چھیڑ دیا۔ سبھوں نے بالاتفاق رائے جواب دیا کہ طلاق واقع ہو گئی۔ پھر سید صاحب نے اپنے قلم سے فتویٰ لکھ دیا کہ اہل سنت والجماعت میں مسلک اہل حدیث کی رو سے طلاق واقع نہیں ہوئی، رجوع کرا دیا جائے۔ پھر ان علماء سے فرمایا "وہ نومسلم بیچارے تو ابھی نہ حنفی ہیں اور نہ شافعی۔ لہٰذا قانون میں کوئی گنجائش بھی نکلتی ہو تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ پھر مفتی اعظم پاکستان نے بھی اس کی تائید کی۔"

اس طرح کے اور بھی بہت سے اختلافی مسئلے ان چار سنی اور شیعہ اماموں کے مسلک میں پائے جاتے ہیں جن سے معاشرہ متاثر ہو سکتا ہے۔ ہم ان اختلافات کے بارے میں اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ان ائمہ نے جو اجتہاد کیا وہ ان کے زمانے اور ماحول کے پیش نظر نیک نیتی سے کیا گیا، وہ اپنے علم و فضل اور تقویٰ کے لحاظ سے اجتہاد کا حق بھی رکھتے تھے لیکن ان کے اجتہادی فیصلوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ترمیم و تنسیخ کی اسی تجویز کے بغیر ان ائمہ کبار کے مقررہ مسلک پر غور کیا جائے خصوصاً ان مسائل پر جن سے معاشرہ متاثر ہو رہا ہے۔ علماء کرام اور مسلمان ماہرین قانون ان سب مسلکوں پر ایک ایسا مشترکہ کوڈ مسلمانوں کے لئے تیار کریں جو قرآن اور سنت کے دائرے میں اور ائمہ کے قیاس و اجماع پر مبنی ہو، جو ترقی پسند ہو، جو وقت کے تقاضوں اور حالات سے پیدا ہونے والے مسائل سے زیادہ سے زیادہ مطابقت رکھتا ہو۔ یہ کام مشکل ضرور ہے لیکن آج نہیں تو کل اسے کرنا ناگزیر ہوگا۔ کیونکہ یہی ہمارے مسائل کا حل بھی ہے۔

شریعت اسلامیہ کے ذکر میں ایک اہم مسئلہ بینک کے سود کا ہے۔ یہ بڑا المیہ ہے کہ سود کی مخالفت شرعی بنیاد پر بہت سے لوگ کرتے ہیں لیکن اس سے مستفید سب ہی ہوتے ہیں۔ جو لوگ یا ادارے بینک کا سود لینا حرام سمجھتے ہیں وہ خود بھی تو اپنی رقمیں بینک میں رکھتے اور بینک ان کی رقم سے وہی سودی کاروبار کرتا ہے جس کے وہ مخالف ہیں۔ جب یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کا رواج شروع ہوا تو علماء نے اس کے جواز میں رائے دی۔ کیونکہ ٹرسٹ والے لوگوں کے سرمائے سے مختلف صنعتی کمپنیوں کے حصص خرید کر کے حاصل شدہ منافع یونٹ کے خریداروں میں تقسیم کرتا ہے اور منافع کی رقم بھی ہر سال مقررہ نہیں ہوتی ہے۔ اس

لحاظ سے یہ سرمایہ اندازی جائز قرار پائی۔ لیکن جب یہ پتا چلا کہ یونٹ ٹرسٹ اپنے جمع شدہ سرمائے سے بعض کمپنیوں کو کاروبار میں مدد پہنچانے کے لیے سودی قرض بھی دیتا ہے تو علمار نے اپنا فتوی بدل کر پورے یونٹ ٹرسٹ کو ناجائز قرار دے دیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ ناجائز ہے تو حکومت وقت کے کسی کاروبار میں حصہ لینا یہاں تک کہ ملازمت کی تنخواہ لینا بھی ناجائز ہونا چاہیے کیونکہ حکومت خواہ مرکزی ہو یا ریاستی وقتاً فوقتاً تمسکات کا اجرا کر کے مقررہ شرح سے سود دیتی ہے اس لیے وہ بھی سودی کاروبار میں ملوث ہوئی۔

بینک کے سود کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کا خیال عام علمار سے مختلف تھا، وہ اسے حرام نہیں بلکہ صرف ناپسندیدہ سمجھتے تھے۔ مولانا شبلی نعمانی اپنے ایک مکتوب میں مولانا سید ابوظفر ندوی کو لکھتے ہیں: "بینک کا سود میرے نزدیک جائز ہے، شاہ عبدالعزیز کا فتوی اس کے متعلق چھپ گیا ہے۔"

میں بینک کے سود کے جائز یا ناجائز ہونے پر اپنی کوئی رائے نہیں دے رہا ہوں، یہ ایک الگ بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں۔ مجھے افسوس اس کا ہے کہ اب تک ایک متفقہ فیصلہ نہ ہونے یا متبادل صورت کی غیرموجودگی سے ہم سب ایک شدید احساس جرم میں مبتلا ہیں۔ ہم اپنے آپ کو بینکنگ سے قطعی طور پر بے تعلق بھی نہیں کر سکتے ہیں، گھر میں رقمیں رکھنا بھی خطرے سے خالی نہیں تو آخر کیا کیا جائے؟ شاید اسی نوعیت کی الجھن میں علامہ اقبال نے اپنے کو پایا تھا جس کی وجہ سے انھوں نے یہ تجویز پیش کی:

"ایک جمعیتہ علمار قائم کی جائے جس میں وہ مسلمان قانون داں لازماً شامل ہوں جنھوں نے جدید قانونی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ شرع اسلام کی حفاظت کی جائے، اس کو وسعت دی جائے اور اگر ضروری ہو تو معاملات جدیدہ کی روشنی میں نئے سرے سے اس کی تعبیر و تاویل کی جائے جس سے اس کے اصول اساسی کی اسپرٹ کی خلاف ورزی ہرگز نہ ہونے پائے۔"

اگر ہم اقبال کو صرف شاعر نہیں بلکہ مفکر اسلام بھی مانتے ہیں تو اب وقت آگیا ہے کہ ان کی فکر کو عملی جامہ بھی پہنایا جائے۔

●●

جناب ارشد القادری
ادارۂ شرعیہ بہار
سلطان گنج پٹنہ ۶

مراسلات

کیا مولانا کا لفظ صرف خدا کیلیے مخصوص ہے

غیر اللہ پر لفظ مولینا کے اطلاق کے سلسلے میں کل جو آپ نے فرمایا تھا کہ قرآن کریم میں چونکہ یہ لفظ اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے اس لیے اب کسی اور پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نتیجہ اخذ کرنے میں آپ سے سہو ہو گیا ہے —— اگر ضابطۂ کلیہ کے طور پر آپ کی بات تسلیم کر لی جائے تو وکیل، حکیم، قوی، کریم، اول، آخر اور نافع جیسے الفاظ کا اطلاق بھی غیر اللہ پر ممنوع قرار پا جائے گا کیوں کہ قرآن کریم میں یہ الفاظ بھی اللہ کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ ان الفاظ کا اطلاق غیر اللہ پر عرف عام کے علاوہ اصطلاح شرع میں بھی شائع و ذائع ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ترکیب نحوی کے اعتبار سے لفظ مولینا کی تشریح یہ ہے کہ لفظ مولیٰ کی اضافت "نا" کی طرف ہے جس کے معنی ہیں ہمارا مددگار جبکہ اسی قرآن میں ایک جگہ لفظ مولیٰ کی اضافت نہایت صراحت کے ساتھ غیر اللہ کی طرف بھی کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو ۲۸ ویں پارے کی سورۂ تحریم کے پہلے رکوع کی یہ آیت۔

فَاِنَّ اللّٰہ ھو مولاہ و جبریل و صالح المومنین (التحریم ۶۶/۴)

اس آیت میں لفظ مولیٰ کی اضافت اللہ کی طرف بھی ہے، جبریل کی طرف بھی ہے اور مومنین صالحین کی طرف بھی ہے۔ اتنی صراحت کے بعد اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ لفظ مولیٰ کی اضافت اگر غیر اللہ کی طرف ممنوع ہوتی تو قرآن میں غیر اللہ کی طرف اس لفظ کی اضافت کیوں ہوتی۔

پھر یہ بات بھی محسوس کرنے کے قابل تھی کہ اگر لفظ مولینا کا اطلاق غیر اللہ پر ناجائز ہوتا تو بلا تخصیص فرقہ و جماعت سارے علما اس لفظ کا اطلاق غیر اللہ پر کیوں کرتے۔ رائے کی اتنی انفرادیت جو سب کی رائے سے ٹکرا جائے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

جناب عطاء اللہ پالوی
علی نگر پالی، ڈسٹرکٹ جہان آباد

مولانا خدا نے صرف اپنے لیے استعمال کیا ہے

محترم ہیدار صاحب! سلام و نیاز

حضرت العلام جناب ارشد القادری صاحب کا گرامی نامہ نظر نواز ہوا۔ میں حضرت موصوف کے لیے ان کی ایک عمدہ تالیف کی وجہ سے اپنے دل میں جذبۂ عزت و احترام رکھتا ہوں۔ اور ان کی شائستگی کی بنا پر ان کی قدر کرتا ہوں۔

بات 'مولیٰ' کی نہیں بلکہ 'مولینا' کی ہے جو قرآن حکیم میں دو جگہ صرف ذات باری کے لیے استعمال ہوا ہے اس لیے میں اسے غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا درست نہیں سمجھتا "علام الغیوب"، قرآن حکیم میں چار مقامات پر ذات الٰہی کے لیے وارد ہوا ہے۔ میں کسی کو بھی "علام الغیوب" نہیں کہتا۔ مگر ان حضرات کے لیے جن کی عزت میرے دل میں ہے "علامہ" یا حضرت العلام"، برابر استعمال کرتا ہوں۔

یہ موضوع بحث و تکرار کا نہیں، اس کا تعلق ذاتی ایمان و عقیدہ سے ہے۔ حضرات اہل تشیع، حضرت علی کا نام نہیں لیتے بلکہ انہیں "مولیٰ" کے لفظ سے یاد کرتے ہیں، یہ ان کے ایمان و عقیدہ کی بات ہے۔ ہند و حضرات ہر مسلمان کو، چاہے وہ عالم ہو یا جاہل "مولینا" کے خطاب سے مخاطب کرتے ہیں، یہ ان کے ایمان و عقیدہ کی بات ہے۔ اسی طرح میں، لفظ "مولینا" کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا صحیح نہیں مانتا اور ایسا کرنے کو اس جذبۂ احترام کے منافی سمجھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں رکھتا ہوں۔ یہ میرے ایمان و عقیدہ کی بات ہے جس میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔

●●

ڈاکٹر مغنی تبسم
حیدرآباد

تلگو یونیورسٹی کے بارے میں

آپ نے تلگو یونیورسٹی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس یونیورسٹی کا ذریعۂ تعلیم تلگو ہے۔ تمام سماجی علوم کی تعلیم تلگو میں ہوتی ہے۔ اردو کا شعبہ بھی قائم کیا جا رہا ہے۔ اردو کی نصابی کمیٹی کا میں بھی رکن ہوں۔ اردو ایم۔ اے۔ کے ہر پرچے میں تین چوتھائی نصاب اردو کا رکھا گیا ہے، اور ایک چوتھائی میں تلگو اور اردو ادب کا تقابلی مطالعہ شامل کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر جدید نظم کا پرچا ہے جس میں حالی سے حال تک منتخب نظم نگاروں کی تخلیقات نصاب میں رکھی گئی ہیں اب تلگو اردو کے تقابلی مطالعے کے لیے تلگو کے چند جدید نظم نگاروں کو لیا گیا ہے، جن کا تقابل حالی، جوش وغیرہ سے کیا جا سکتا ہے۔ تلگو یونیورسٹی کے وائس چانسلر سی نارائن ریڈی نے عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو ذریعۂ تعلیم سے گریجویشن کیا تھا۔ وہ تلگو کے اچھے شاعر ہیں۔ میرے دوست ہیں۔ یونیورسٹی کا پتا یہ ہے:

TELGU UNIVERSITY, KALA BHAVAN, SAIFABAD, HYDERABAD-500004.

میرے علم میں اور زبانوں کی ایسی یونیورسٹیاں نہیں ہیں البتہ جنوبی ہند کی ہر ریاست میں ایسے کالج ہیں جن میں مقامی زبانوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کا ذریعۂ تعلیم اگرچہ انگریزی ہے لیکن طالب علموں کو اجازت ہے کہ وہ کسی بھی زبان میں امتحانی پرچے لکھ سکتے ہیں۔ سوالات کے پرچے بھی انگریزی کے علاوہ اردو اور تلگو میں چھاپے جاتے ہیں۔

••

خدابخش لائبریری کی چند اہم مطبوعات

قیمت

- ہندوستانی مسلمان عصری دستاویزات کے آئینہ میں (علی گڑھ تحریک ۸۵-۱۹۸۰ء) — ۷۵/روپے
- ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل — جناب سید حامد — ۳۰/روپے
- مغربی تعلیم کا تصور اور اس کا نفاذ علی گڑھ میں — پروفیسر رشید احمد صدیقی، مرتبہ مہر الہیٰ — ۲۰/روپے
- رقعاتِ رشید صدیقی — ” ” مرتبہ پروفیسر مسعود حسین خاں — ۳۰/روپے
- کانٹے (کشمیری انشائیے) — ڈاکٹر محمد زماں آزردہ — ۱۵/روپے
- اورنگ زیب (ایک نیا زاویۂ نظر) — ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد — ۱۵/روپے
- قومی یکجہتی کی روایت — مسٹر بی۔ این۔ پانڈے — ۱۵/روپے
- مقدمۂ طلسم ہوشربا — ۲۰/روپے
- طلسم ہوشربا (نو جلدیں) — ۴۰۰/روپے
- نوبت رائے نظر کے ماہنامہ "ادیب" الٰہ آباد (۱۳-۱۹۱۰) کے مضامین کا انتخاب، اشاریہ کے ساتھ — ۵۰/روپے
- پیارے لال شاکر کے ماہنامہ "العصر" لکھنؤ (۱۷-۱۹۱۳ء) کے مضامین کا انتخاب، اشاریہ کے ساتھ — ۴۵/روپے
- برج نرائن چکبست کے ماہنامہ "صبح امید" لکھنؤ (۲۱-۱۹۱۸ء) کے مضامین کا انتخاب — ۵۰/روپے
- قاضی عبدالودود کے ماہنامہ "معیار" کی مکمل ری پرنٹ، اشاریہ کے ساتھ۔ — ۵۰/روپے
- مولانا ابوالکلام آزاد کے ہفت روزہ "پیغام" کی مکمل ری پرنٹ اشاریہ کے ساتھ۔ — ۷۵/روپے
- خوشتر منگروی کے ماہنامہ "زبان" (۲۹-۱۹۲۸ء) کی مکمل ری پرنٹ، اشاریہ کے ساتھ — ۵۰/روپے
- تجدید غزل گو نیاز فتحپوری کے ۱۹۴۰ء کے انگار کا ری پرنٹ، آٹوگراف اور تصاویر کے اضافہ کے ساتھ۔ — ۳۵/روپے
- داستانِ تاریخ (سوانح اور اہم معاصرین کا تذکرہ) — ڈاکٹر اقبال حسین — ۲۰/روپے
- تذکرۂ کاملانِ رامپور — مولفہ حافظ احمد علی خاں شوقؔ، تصحیح و اضافہ شمائل اللہ خاں و حکیم محمد حسین خاں شفاؔ۔ — ۵۰/روپے

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

مکتوبات

بنام

قاضی عبدالودود

- سجاد ظہیر
- عندلیب شادانی
- قاضی عبدالغفار
- مسعود حسن رضوی ادیب
- نورالدین احمد
- امتیاز علی عرشی

S. Sajjad Zaheer

Y-24 HAUZ KHAS,
NEW DELHI-16.
Tele.: 77245

۱۳ر [illegible] ۱۹۶۹ء

مکرم و محترم و معظم مولانا قاضی صاحب

آداب۔ میں کئی دن سے آپ سے ٹیلیفون پر بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن
ابھی تک کامیاب نہیں ہوئی۔
مجھے یہ کہنا ہے کہ میں مرزا غالب کے سلسلے میں منعقد ہونے والے سیمینار میں
شرکت کرنا چاہتا ہوں، لیکن ابھی تک مجھے اس کا دعوت نامہ نہیں ملا ہے۔
اس سلسلے میں میں نے [illegible] صاحب، [illegible] صاحب، ڈاکٹر [illegible] صاحب
اور محمد صباح الدین صاحب سے کہا ہے کہ سیمینار کے انتظامات سے الگ
کچھ الفاظ میں نے چاہا کہ آپ سے رجوع کروں۔
میں نے غالب پر ایک مختصر سا مقالہ بھی لکھا ہے۔
وہ اردو میں ہے اور [illegible] انگریزی میں ہے۔
واقعہ یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو سیمینار میں یہ مقالہ پڑھنے اور
پیش کرنے کی مجھے اجازت دی جائے۔ یہ مقالہ تیار ہے اور اس کی نقل
اگر آپ فرمائیں تو آپ کے یہاں بھیجوں یا کسی کو بھی؟ آپ فرمائیں جب بھیج
سکتا ہوں۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

خادم
سجاد ظہیر

میرا ٹیلیفون نمبر اور پتہ اوپر لکھا ہے [illegible]
کر دیا ہے
س ظ

ماہنامہ خاور

مدیر - عندلیب شادانی

۳۱ - لیک ایسٹ روڈ
رمنا - ڈھاکہ

۲۸ ستمبر ۱۹۵۲ء

مخدومی! تسلیم۔ اس وقت شام کے ۵ بجے ہیں۔ آپ کا ۲۵ ستمبر کا پوسٹ کارڈ ابھی ابھی ملا۔ حالانکہ ڈاک اسباب کل ہی جائے گی مگر میں فوراً جواب لکھ رہا ہوں۔ آپ کا رجسٹرڈ پیکٹ اور خط دونوں چیزیں وصول ہوئیں۔ جہاں تک ہمایوں کی رسید کا تعلق ہے میں نے نذیر صاحب سے کہا تھا کہ وہ رسید بھیج دیں اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے رسید بھیج بھی دی۔ آپ کا خط جو ان کے نام تھا میں نے ان سے لے لیا تاکہ اس کا جواب میں لکھوں۔ مگر ادھر چند روز سے میری طبیعت بہت خراب ہے۔ بظاہر بیماری تو کوئی ایسی قابلِ تشویش نہیں۔ وہی دیرینہ نزلہ اور زکام۔ مگر تکلیف بے حد ہے۔ دوا کا بھی استعمال کر رہا ہوں مگر تکلیف میں کمی نہیں۔ سخت پریشان ہوں۔ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ غنیمت ہے کہ چھٹیاں ہیں ورنہ رخصت لینی پڑتی۔ میں بالقصد کبھی آپ کے خط کے جواب میں دیر نہیں کرتا مگر کبھی کبھی دیر ہو جاتی ہے۔ آپ نے لکھا ہے "اب اس کے سوا کہ آئندہ میں بھی آپ کی روش پر چلوں، کوئی صورت نظر نہیں آتی" جلد بتائیے کہ میری جو روش آپ کو پسند نہیں اور خود مجھے بھی پسند نہیں آپ کیوں اس پر چلیں۔ قاضی صاحب آج پہلی بار میں آپ کو وہ بات لکھ رہا ہوں جو آج سے پہلے کبھی نہیں لکھی اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ مگر آج ضرورت محسوس ہوئی۔ قاضی صاحب آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ آپ کی خاطر مجھے کتنی عزیز ہے۔ اگر میری طرف سے کبھی کسی قسم کی کوتاہی سرزد ہو تو آپ اسے میری کسی مجبوری پر محمول کر کے مجھے معاف کر دیں۔ یقین کیجئے آپ کے لئے میرے دل میں خلوص و ارادت کی کمی نہیں۔

(۱) فغاں کے دیوانِ اول میں (جو میرے پاس ہے) یہ غزل "صبا برسے بعد، حباب بعد" موجود نہیں۔ ممکن ہے کہ دیوانِ دوم میں جس کا ایک قلمی نسخہ [illegible] پور میں ہے یہ غزل موجود ہو۔ ضرورت ہو تو دریافت کروں۔

(۲) اسی عبارت اس طرح ہے — علی الصباح وقتِ جنبان گفت کہ کاتب جوان و دانا باشد"

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ بیگم صاحبہ کی مزاج پرسی۔ والسلام۔ عندلیب شادانی

Telegram "ANJUMAN" Telephone 29

انجمن ترقیِ اُردو {ہند}

Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (Hind)
Aligarh

علی گڈھ ....

۲۳ اکتوبر ۴۵ء

مکرمی — تسلیم

معاف فرمائیے میں آپ کے عنایت نامے کا جواب جلد نہ بھیج سکا تاخیر کا سبب یہ ہوا کہ میں ایک مہینہ سے سخت بیمار ہوں اور کسی کام کے قابل نہیں تھا۔ میں نے مکتبہ جامعہ کو لکھ کر دریافت کیا تھا کہ جن صفحوں میں کیا ترمیم و تبدل کیا ہے؟ اُن کا جو جواب آیا ہے وہ اصل خط میں بھیجتا ہوں۔ اور آپ کی مزید ہدایات کا منتظر ہوں۔ اگر آخری صفحات میں مزید ترمیم و تبدل ضروری ہو تو اُن صفحات کو ازسرِ نو چھپوانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

احقر

محمد عبدالغفار

جنرل سکریٹری

SYED MASUD HASAN RIZAVI, M. A.,
Head of the Department of Persian & Urdu,
LUCKNOW UNIVERSITY,
LUCKNOW.

سید مسعود حسن رضوی ادیب ایم۔ اے
صدر شعبۂ فارسی و اردو۔ لکھنؤ یونیورسٹی
ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

Dated مورخہ ۱۰ مئی سنہ ۶۵ء

محبی۔ تسلیم

عنایت نامہ مورخہ ۲۰ اپریل ۶۵ء کو وصول ہو گیا تھا۔ ارادہ تھا کہ آپ کی فرمائش کی تعمیل میں معاصر کے لیے کوئی چیز بھیجوں۔ مگر اس زمانہ میں اپنی یونیورسٹی کے امتحانوں میں نگران کا کام، متعدد کمیٹیوں کی میٹنگوں میں شرکت، دوسری یونیورسٹیوں کے امتحانوں میں ممتحن کے فرائض۔ ان سب چیزوں کا اتنا ہجوم ہو گیا کہ کسی اور کام کی فرصت نہ ملی۔ اور اگر کچھ فرصت ملی بھی تو میری دماغی تکلیف نے زیادہ کام کرنے کی اجازت نہ دی۔ ہندستانی اکیڈمی کی اردو ادبی کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کے لیے دو دن الٰہ آباد میں صرف ہوئے۔ وہاں سے واپسی کے بعد طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ اب کچھ افاقہ ہے۔ ان حالات میں کیا پڑھوں کیا لکھوں۔ ضرورت تو کامل دماغی سکون کی ہے۔ مگر جیتے جی کامل سکون میسر کہاں۔

معاصر تو اب نکل چکا ہوگا۔ اس کے اگلے پرچے کے لیے کوئی چیز ضرور بھیجوں گا۔ آپ کیفی کے حالات زندگی لکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے خطوط کیفی کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ میں شاید اس سال پٹنہ یونیورسٹی کی کسی کمیٹی کا ممبر نہیں رہا۔ اگر میرا پٹنہ جانا ہوتا تو میں خطوط کا نسخہ ساتھ لیتا جاتا۔ کتاب ایسی کمیاب اور میرے نزدیک اتنی قابل قدر ہے کہ اس کو اپنے سے الگ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور یہ بھی جی نہیں چاہتا کہ آپ کا مضمون نامکمل صورت میں شائع ہو۔ کتاب کی نقل کروا لی جائے تو وقت بھی بہت صرف ہوگا اور روپیہ بھی۔ بہرحال غور کیا جائے گا۔

دیوان فائز کی ترتیب آپ کو پسند آئی۔ میری جان فشانی کا صلہ مل گیا۔ ادبی تحقیق کرنے والوں کو جو جانکاہ محنت کرنی پڑتی ہے اس کا اعتراف کرنے والے بہت کم ہیں، قدر دانی کا کیا ذکر۔ آپ اس پر تبصرہ لکھنا چاہتے ہیں۔ ضرور لکھیے۔ اس میں جو غلطیاں یا کمیاں رہ گئی ہیں وہ اگر مجھے معلوم ہو جائیں تو میں آئندہ ایڈیشن میں ان کی اصلاح اور تلافی کی کوشش کروں گا۔ یقین فرمایئے کہ اس کتاب کی ترتیب میں میں نے وقت، روپیہ، محنت کسی چیز سے دریغ نہیں کیا۔ مگر میری عرق ریزیوں کا کوئی معاوضہ کسی مادی منفعت کی صورت میں نہ سہی محنت کے اعتراف کی صورت میں بھی نہ ملا۔ لیکن اس کی کوئی شکایت نہیں۔ کام کرنے والوں

کی تحریف کا نام انجام پاجانا خود ہی تمام۔ بالفعل اتنا ہی کا مطلب ہے۔ میرے پاس دیوانِ ناسخ کا صرف وہ
پروف ہے جو شریک مضامین وغیرہ نہ ہونے کے ذریعے مجھے بھیجا گیا تھا۔ اب ایک مدت کے بعد وہ بازار میں
آگیا ہے۔ ایک نسخہ میں نے بھی خرید لیا تھا۔ میں نے تین نمبر شیٹیں ناسخ بھیجی تھیں، ایک ماخذوں کی، ایک
مضمونوں کی اور ایک طباعت کی غلطیوں کی۔ ان میں سے پہلی دو نمبر شیٹیں چھپ گئی تھیں اور انجمنِ
ترقی اردو کے دفتر میں ان کے کچھ نسخے موجود ہیں جن میں سے چار پانچ میں لیتا آیا تھا۔ ان کا ایک نسخہ
اسی خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ آپ اپنے دیوانِ ناسخ والے نسخے میں اسے لگا لیجیے۔ غلط نامہ
معلوم نہیں کہ چھپا بھی تھا یا نہیں۔ بہرحال کتاب میں طباعت کی بہت سی غلطیاں موجود ہیں۔
اب اس وقت اس سے زیادہ لکھنا ممکن نہیں۔ مجبوراً خط کو ختم کرتا ہوں۔

اخلاص آگین

مسعود حسن رضوی



۱۰ [illegible] روڈ دہلی
۹ نومبر ۱۹۵۲

پیارے [illegible] — تمہارا خط ملا — اچھی بات ہے کہ [illegible] آرام سے ہو — ۱۲ نومبر کو الہ آباد [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] انتظام ہو سکتا ہے —

[illegible]

[illegible]

۱۰ نومبر [illegible]

[illegible]

[illegible]

۲۱ [illegible] (Compensation) [illegible]

[illegible] ہو سکتا —

ڈاکٹر [illegible]

واپس [illegible]

[illegible]

[illegible] — [illegible] خیرطلب

[illegible]

مکتوب مولانا امتیاز علی عرشی

THE STATE LIBRARY,
RAMPUR STATE U.P
(INDIA)

Khuda Bakhsh Library
Acc. No. 66061

[illegible] ۲۴ فروری ۱۹۶۲ء

مکرمی،
نسخۂ شعر آج بذریعہ ڈاک ارسال کر رہا ہوں۔
اس عنایت کا شکریہ قبول فرمائیے۔
پنج آہنگ کے مطبوعہ اشتہار کی نقل بھی مل گئی۔
اس کا بھی شکریہ۔ مجھے پنج آہنگ کا پہلا ایڈیشن
نہیں مل سکا ہے۔ ورنہ ۱۸۵۳ء کا بھی
میں نے دیکھا ہے اور بعد ازاں کلیات نثر مطبوعہ نولکشور
ملے ہیں۔ کیا آپ کے پاس یہ ایڈیشن ہے اور اگر ہے تو کیا
آپ مستعار ارسال فرما سکیں گے۔ اگر کسی دوست کے
پاس ہو، تو انھیں مستعار دینے پر آمادہ کیجیے۔

[illegible]

KHUDA BAKHSH LIBRARY JOURNAL

56

[K]huda Bakhsh Oriental Public Library

PATNA